صباح الدین عبدالرحمٰن

بزمِ صوفیاء

برِ صغیرِ پاک و ہند میں اِسلام کی تبلیغ کرنے والے مشاہیرِ صوفیاء کرام کا مستند اور قابلِ اعتماد تذکرہ ، اُن کے حالاتِ زندگی ، اُن کی پاکیزہ سیرتیں ، اُن کے کارہائے نمایاں اور تبلیغی خدمات ، ان کے رُوحانی مقامات اور باطنی کمالات ۔

مؤلف

صباح الدّین عبدُالرحمٰن

زاویہ

زیر اہتمام

محمد رضاء الدین صدیقی

زاویہ

8-c دربار مارکیٹ لاہور

(042)7113553-(0303)6410692

نوٹ:- اس کتاب کے جملہ محاصل زاویہ فاؤنڈیشن (رجسٹرڈ) کے علمی و تحقیقی مصارف کیلئے وقف ہیں۔

سال اشاعت	تعداد	ھدیہ
۲۰۰۳ء	۵۰۰	۱۵۰

مرکز ترسیل

مکتبہ زاویہ

(۱) 10 مرکز الاویس (سستا ہوٹل) دربار مارکیٹ لاہور۔فون 042-7117152

(۲) خالد ایجوکیشنل سنٹر ۴۰ اردو بازار لاہور۔فون 042-7244157

فہرست مضامین

دیباچہ طبع ثالث

بزم صوفیہ کا یہ تیسرا اڈیشن ناظرین کے سامنے ہے، الحمد للہ کہ اس کی مانگ برابر جاری ہے، عاجز راقم کو خوشی ہے کہ اس کے ذریعہ سے ہمارے بزرگان دین کی تعلیمات کی ترویج ہو رہی ہے، حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اور ان کے سلسلہ کے بزرگوں میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کیؒ اور حضرت فرید الدین گنج شکرؒ کے حالات اور تعلیمات زیادتر ان کے ملفوظات کے حوالے سے پیش کی گئی ہیں، جن کو موجودہ دور کے کچھ لوگ اصل کے بجائے جعلی اس لئے سمجھتے ہیں کہ ان کا ذکر قدیم کتابوں میں نہیں ملتا ہے مگر یہ ان کی کوتاہی نظر ہے، سیر اولیاء کے مصنف اپنے کو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کا مرید کہتے ہیں، اس میں جا بجا یہ بیانات ہیں۔

درملفوظات شیخ الاسلام شیخ معین سجزی بخشتہ دیدہ ام (ص ۴۶۶)

کاتب حروف درملفوظات شیخ الاسلام معین الدین سجزی قدس اللہ سراہ العزیز بخشتہ دیدہ است۔ (ص ۴۹۱)

دربیان بعضے ملفوظات شیخ شیوخ العالم فرید الحق قدس اللہ سرہ العزیز سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز بخط مبارک خود درقلم آوردہ (ص ۷۴)

بزرگے از ملفوظات شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز پانصد کلمہ جمع کردہ است، ازان جملہ کلمہ آوردہ شد۔ (ص ۷۶)

ان بیانات سے تو ظاہر ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اور حضرت فرید الدین گنج شکرؒ کے ملفوظات مرتب ہوئے، ان میں مجموعوں کے نام تو نہیں دیئے گئے ہیں، لیکن شمائل الاتقیاء حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی وفات کے چودہ سال کے بعد ان کے

خلیفہ حضرت برہان الدین "غریب کے حکم سے لکھی گئی اس کے لکھنے میں اس کے مرتب نے جن کتابوں سے استفادہ کیا ہے ان میں انیس الارواح ملفوظ شیخ عثمان ہارونیؒ، دلیل العارفین ملفوظ شیخ معین الدین سجزی فوائد السالکین ملفوظ شیخ قطب الدین بختیار اوشی راحت القلوب واسرار المنجزین ملفوظ شیخ فرید الحق والدین اجودہنی کا بھی ذکر ہے (ص ۶ مطبوعہ اشرف پریس حیدر آباد دکن) اس سے ظاہر ہے کہ یہ ملفوظات اس زمانہ میں زیر مطالعہ رہے اگر یہ مختلف نسخوں کو سامنے رکھ کر ایڈٹ کر کے شایع کئے جائیں تو جو لوگ محض اپنے قیاسات سے ان کو جعلی قرار دیتے ہیں، وہ ان کو اصلی سمجھنے میں تامل نہ کریں گے۔

اس نئے اڈیشن میں ''ہندوستان میں مسئلہ وحدت الوجود پر ایک نظر'' کے عنوان سے ایک باب کا اضافہ کر دیا گیا ہے، امید ہے کہ اس کے مطالعہ کے بعد وحدت الوجود کے متعلق بہت سی غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی، وحدت الوجود کی دو قسمیں ہیں، اسلامی اور غیر اسلامی، اسلامی وحدت الوجود اگر کسی منزل پر اسلامی شریعت سے عاری یا دور ہو جاتی ہے تو یہ ایک تخیل، یا ایک فلسفہ یا ایک خاص مسلک ہے، اسلامی وحدت الوجود نہیں ہے، اسلامی وحدت الوجود میں ایمان و کفر، ہدایت و ضلالت، نیکی و بدی، اور ثواب و عذاب کی تفریق ہر حال میں لازمی ہے، کسی حال میں کتاب و سنت کی خلاف ورزی اسلامی وحدت الوجود میں جائز نہیں۔

سید صباح الدین عبدالرحمٰن (انڈیا)

۲۰ جون ۱۹۷۹ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت شیخ ابوالحسن علی ہجویریؒ

نام ونسب ابوالحسن کنیت اور علی نام ہے، ہجویری اور جلاب غزنین کے دو گاؤں ہیں، شروع میں ان کا قیام یہیں رہا۔ اس لئے ہجویری اور جلابی کہلائے، آخر زندگی میں لاہور آ کر رہے، اس لئے لاہوری بھی مشہور ہوئے، سال ولادت ۴۰۰ھ بتایا جاتا ہے۔ پورا سلسلہء نسب یہ ہے، علی بن سید عثمان بن سید علی بن سید عبدالرحمٰن بن شاہ شجاع بن ابوالحسن علی بن حسن اصغر ابن سید زید شہید بن امام حسنؓ بن علی مرتضیٰؓ۔

تعلیم تحصیل علم کی تفصیل کچھ زیادہ معلوم نہیں، کشف المحجوب میں اپنے اساتذہ میں حضرت ابوالعباس بن محمد الاشقانی کا نام لیا ہے، جن کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

"اپنے عہد کے امام یکتا اور اپنے طریق میں یگانہ تھے، علم اصول وفروع میں امام اور معانی میں بلند تھے، بہت سے مشائخ کو دیکھا تھا، اور اکابر واجلہء اہلِ تصوف میں تھے، اپنی راہ کو فنا سے تعبیر کرتے تھے، مغلق عبارت ان کے ساتھ مخصوص تھی، جاہلوں کے گروہ نے ان کی عبارت کی تقلید کی، لیکن تقلید میں جو عبارتیں لکھی گئیں، وہ پراگندہ ہوتی تھیں، مجھ کو ان سے بڑا انس تھا، اور وہ میرے ساتھ سچی محبت کرتے تھے، بعض علوم میں وہ میرے استاد تھے، جب تک میں ان کے پاس رہا، کسی کو ان سے زیادہ شریعت کا احترام کرتے نہ دیکھا، تمام موجودات سے وہ کنارہ کش ہو گئے تھے، امام محقق کے سوا ان کو کسی سے فائدہ نہ پہنچتا تھا، علم اصول میں ان کی عبارت بہت دقیق ہوتی تھی، ان کی طبیعت ہمیشہ دنیا وعقبیٰ سے متنفر رہتی تھی، اور برابر شور کرتے کہ اَشْتَھِیْ عَدَمًا لَا وُجُوْدَلَہٗ یعنی میں اُس عدم کو چاہتا ہوں جس کا وجود نہیں۔" اور فارسی میں کہتے، ہر آدمی را بایست محال باشد ومرا نیز بایستنی محال است کہ بہ یقین دانم کہ آں بنا شد۔ اور وہ یہ ہے، کہ خداوند تعالیٰ مجھ کو اس عدم کی طرف لے جائے کہ جہاں عدم کا وجود نہ ہو، مقامات اور کرامات محض حجاب وبلا ہیں، آدمی اپنے حجاب کا عاشق ہو دیدار کی آرزو کی نیستی حجابات کے آرام سے بہتر ہے، صرف حق جلالہٗ کی ہستی ہے کہ اس کیلئے عدم نہیں ہے، اسکے ملک کا کیا نقصان اگر

میں نیست ہو جاؤں، اور اس نیست کی کوئی ہستی نہ ہو، اور یہی صحت فنا کا اصلی قوا ہے، وَاللہُ اعلم بالصواب[1]"

حضرت شیخ ابوالعباس اشقانی کا ذکر ایک اور جگہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں، کہ ایک روز شیخ کے پاس آیا تو دیکھا کہ یہ کہتے ہیں، ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلاً عَبْدًا مَمْلُوْکًا لا یَقْدِرُ عَلٰی شَیْئٍ، یعنی اللہ نے مملوک غلام کی مثال دی جو کسی چیز پر قدرت نہ رکھتا ہو، اور روتے ہیں، اور پھر نعرہ لگاتے ہیں، پوچھا کہ اے شیخ یہ کیا حال ہے، تو فرمایا، کہ گیارہ سال سے اس مقام پر ہوں، لیکن آگے نہیں بڑھتا ہوں[2]،

اپنے ایک اور استاد شیخ ابوجعفر محمد بن المصباح الصید لانی کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:۔

"وہ رؤسائے متصوف میں تھے، تحقیق میں ان کی زبان اچھی تھی، حسین بن منصور سے بہت محبت کرتے تھے، میں نے ان کی بعض تصانیف ان ہی سے پڑھیں[3]"

نفحات الانس میں ہے کہ شیخ ابوجعفر محمد بغداد کے رہنے والے تھے، حضرت جنید ابوالعباس کے ہمعصر تھے، مکہ میں مجاوری کرتے، مصر میں وفات پائی، ان کی قبر زقاق مصری کے پہلو میں ہے،

شیخ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری سے بھی استفادہ کیا، اور گو ان کے نام کے ساتھ "استاذ" برابر لکھتے ہیں، لیکن واضح طور پر کہیں یہ ظاہر نہیں کیا ہے کہ ان سے شاگردی کا بھی رشتہ تھا، مگر ان کے علم اور ان کی تصانیف کی تعریف کی ہے، اور ان کے ایسے اقوال بھی نقل کیے ہیں جو ان کی زبان سے خود سنے۔

شیخ ابوالقاسم بن علی بن عبداللہ الگرگانی کو بھی اپنا معلم تسلیم کیا ہے، ان کو اپنے زمانہ کا قطب اور علم و فن میں بے نظیر اور بے عدیل بتایا ہے، لکھتے ہیں، کہ تمام لوگوں کے دلوں کا منہ ان کی درگاہ کی طرف تھا، طلبہ ان پر پورا اعتقاد رکھتے، مریدین کے واقعات کے کشف میں وہ ایک آیت کی حیثیت سے تھے، اور اپنا ذاتی واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں، کہ میں ایک روز اپنی باطنی کیفیت ان سے بیان کر رہا تھا، تو وہ بڑی عاجزی سے اس کو سن رہے تھے، میں اپنی نوجوانی کے نخوت و غرور میں سوچنے لگا کہ یہ بزرگ ابھی کوچہ معرفت سے نہیں گذرے ہیں، اسی لئے عاجزی دکھا رہے ہیں، انھوں نے میرے دل کی بات معلوم کر لی، اور فرمایا میرے باپ کے دوست! میری یہ عاجزی تیرے لئے ہے، تیرے مال کے لئے نہیں ہے، حال کا بدلنے والا محال کے محل پر آتا ہے، میں یہ سُن کر بے تاب ہوگیا، آخر میں رقمطراز ہیں کہ اس کے بعد انھوں نے مجھ کو بہت سے اسرار بتائے، اگر ان کے ظاہر کرنے میں مشغول ہوں، تو اصلی

---

[1] کشف المحجوب باب دوازدہم قلمی نسخہ دار المصنفین، [2] ایضاً نیز دیکھو نفحات الانس قلمی نسخہ دار المصنفین [3] کشف المحجوب

مقصد سے باز رہوں،

ائمہء متاخرین میں ابوالعباس احمد بن محمد القصاب سے بھی متاثر تھے، ان کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ ماوراء النہر میں اپنے علوے حال، صدقت فراست، کثرتِ برہان و کرامت علم تصوف و اصول اور نیک سیرت کے لئے مشہور تھے، وہ اُمّی تھے، لیکن اصول دین اور دقائق توحید کو لوگ ان ہی سے معلوم کرتے، ان کی ایک کرامت کا ذکر کر کے ان کے کچھ اقوال بھی نقل کئے ہیں،

انھوں نے ابوعبداللہ محمد بن علی المعروف بالداستانی، ابوسعید فضل اللہ بن محمد اور ابواحمد بن احمد بن حمد کا ذکر خاص طور سے لطف ولذت کے ساتھ کیا ہے، ان کی تصانیف وتعلیمات سے مستفید ہوئے ہیں، خواجہ ابواحمد المظفر کی تعلیمات فنا و بقا اور مجاہدہ و مشاہدہ سے متاثر تھے، اور ان کی صحبت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایک روز ان کے پاس سخت گرمی کے موسم میں الجھے ہوئے بالوں کے ساتھ پہنچا، انھوں نے یہ دیکھ کر پوچھا کیا چاہتے ہو، عرض کیا، سماع، انھوں نے فوراً قوال کو بلایا، اور جب مجلسِ سماع شروع ہوئی تو مجھ پر بڑی بیقراری طاری رہی، اور جب میرا جوش وخروش ختم ہوا تو پوچھا کہ سماع کا مزہ کیسا رہا، عرض کیا اے شیخ میرے لئے تو بہت اچھا تھا، فرمایا ایک وقت ایسا آئے گا کہ یہ سماع اور کوے کی آواز تمھارے لئے یکساں ہو جائے گی، سماع میں قوت اُس وقت تک ہے، جب تک مشاہدہ نہیں ہوتا، اور جب مشاہدہ ہو جائے گا، شوقِ سماع جاتا رہے گا، لیکن خیال رکھو کہ یہ عادت جز وطبیعت نہ بن جائے[1]،

تعلیم طریقت

باطنی وروحانی تعلیم ابوالفضل محمد بن الحسن ختلی سے پائی جو جنیدیہ سلسلہ میں منسلک تھے، ان کے حال میں لکھتے ہیں:۔

"اوتاد کی زینت اور عابدوں کے شیخ تھے، میری اقتدائے طریقت ان ہی سے ہوئی، علم تفسیر وروایات کے عالم تھے اور تصوف میں مذہب جنید کے پابند اور حصری کے مرید تھے، سیروانی کے دوست اور ابوعمر قزوینی اور ابوالحسن بن سالبہ کے معاصر تھے، ساٹھ سال تک گمنامی کی حالت میں گوشہ نشیں ہو کر لوگوں سے دور رہے، قیام زیادہ تر کوہ لگام میں رہتا تھا، اچھی عمر پائی، ان کی ولایت کی بہت سی دلیلیں تھیں، لباس اور آثار ظاہری متصوفین کے نہ تھے، ظاہری رسم کی پابندی کرنے والوں کی مخالفت شدت سے کرتے تھے، ان سے زیادہ کسی کو پُر رعب نہیں دیکھا۔"

وہ حضرت شیخ ابوالحسن علی حضرمی کے مرید تھے۔ جن کو حضرت شیخ ابوبکر شبلیؒ سے ارادت تھی، اور شیخ ابوبکر شبلیؒ کو حضرت جنید بغدادیؒ سے بیعت تھی، اس طرح شیخ ابوالحسن ہجویریؒ جنیدیہ سلسلہ کے بزرگ ہیں، اپنے مرشد کے اوصاف کے سلسلہ میں کہتے ہیں کہ ایک روز میں ان کا ہاتھ دھلا رہا تھا، تو میرے

---

[1] کشف المحجوب قلمی نسخہ دار المصنفین ذکر ائمہ متاخرین

دل میں یہ خیال آیا کہ جب تمام کام تقدیر کے مطابق انجام پاتے ہیں، تو پھر ایک آزاد آدمی اپنے کو کرامت کی امید پر کیوں کسی پیر کا غلام بنائے، مرشد کو میرے دل کی یہ بات معلوم ہوگئی، اور انھوں نے فرمایا اے میرے بیٹے جو تم سوچ رہے ہو، وہ مجھ کو معلوم ہوگیا، مان لو کہ اللہ تعالیٰ کا ہر حکم ایک سبب سے ہوتا ہے، جب وہ چاہتا ہے کہ سپاہی بچہ کو بادشاہت دے تو اس کو توبہ کی توفیق دیتا، اور کسی دوست کی خدمت میں مشغول کرتا ہے، اور وہ خدمت اس کی کرامت کا سبب بن جاتی ہے، اسی طرح کی اور باتیں روز ظاہر ہوتی رہیں۔

مرشد کا وصال مرید کے زانو ہی پر ہوا، تحریر فرماتے ہیں،

> ''جس روز آپ کی وفات ہوئی، آپ بیت الجن میں تھے، یہ گاؤں ایک گھاٹی پر دمشق اور ماینازر (؟) کے درمیان ہے، اس وقت آپ کا سر میری گود میں تھا میرے دل کو بڑی تکلیف ہورہی تھی، میں نے اس کا اظہار ایک دوست سے کیا، جیسا کہ عام لوگوں کی عادت ہوتی ہے، آپ نے مجھ سے کہا اے بیٹے! اعتقاد کا مسئلہ تم کو بتاتا ہوں، اگر تم اپنے کو اس کے مطابق درست کر لو تو تمام تکلیفوں سے تم کو رہائی ہو جائے، تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ خدا ہر جگہ اور ہر وقت اچھوں اور بُروں کو پیدا کرتا ہے، مگر اس کے فعل سے دشمنی کرنا نہیں چاہئے، اور نہ دل میں کسی تکلیف کو جگہ دینا چاہئے، سوائے اس کے وصیت کا سلسلہ دراز نہیں کیا، اور جان بحق ہوئے[1]''

سیاحت روحانی کسب وکمال کیلئے تمام اسلامی ممالک شام، عراق بغداد، پارس، آستا، آذربائیجان، طبرستان، خوزستان، کرمان، خراسان، ماوراءالنہر، اور ترکستان وغیرہ کا سفر کیا، اور وہاں کے اولیائے عظام اور صوفیائے کرام کی روح پرور صحبتوں سے مستفیض ہوئے، خراسان میں وہ تین سو مشائخ سے ملے، جن میں شیخ محمد زکی بن العلاء، شیخ القاسم سدی، شیخ الشیوخ ابوالحسن ابن سالبہ، شیخ ابواسحٰق بن شہریار، شیخ ابوالحسن علی بن بکران، شیخ ابوعبداللہ جنیدی، شیخ ابوطاہر مکشوف، شیخ احمد ابن شیخ خرقانی، خواجہ علی بن الحسین السیر کانی، شیخ مجتہد ابوالعباس دامغانی، خواجہ ابوجعفر محمد بن علی الجودینی، خواجہ رشید مظفر ابن شیخ ابوسعید، خواجہ شیخ احمد جمادی سرخسی اور شیخ احمد نجار سمرقندی سے خاص طور پر متاثر ہوئے،

منازل سلوک کے طے کرنے میں جو مجاہدے کئے اُن میں ایک عجیب وغریب واقعہ خود ہی یہ بیان کیا ہے، کہ میں ایک مرتبہ شیخ ابویزیدؒ کے مزار پر تین مہینے تک حاضر رہا، ہر روز غسل اور وضو کر کے بیٹھتا تھا، مگر وہ کشف حاصل نہ ہوا جو ایک بار وہیں حاصل ہو چکا تھا، آخر میں وہاں سے اُٹھ کر خراسان کی طرف چلا گیا، ایک گاؤں میں پہنچا تو ایک خانقاہ میں متصوفین کی ایک جماعت نظر آئی، میں اس جماعت

---

[1] کشف المحجوب ذکر ائمہ متاخرین

کی نظر میں بہت ہی حقیر معلوم ہوا، ان میں سے کچھ لوگ کہنے لگے کہ یہ ہم میں سے نہیں ہے، اور واقعی میں ان میں سے نہ تھا، انھوں نے مجھ کو ٹھہرنے کے لئے ایک کوٹھا دیا، اور وہ خود او نچے کوٹھے پر ٹھہرے، کھانے کے وقت مجھ کو تو سوکھی روٹی دی اور خود اچھا کھانا کھایا، کھانے کے بعد تمسخر سے خربزہ کے چھلکے میرے سر پر پھینکتے تھے، اور طنز کی باتیں کرتے تھے، مگر وہ جتنا زیادہ طنز کرتے تھے، اتنا ہی میرا دل ان سے خوش ہوتا تھا، یہاں تک کہ ذلت اٹھاتے اٹھاتے وہ کشف حاصل ہو گیا، جو اس سے پہلے نہ ہوا تھا، اس وقت مجھ کو معلوم ہوا کہ مشائخ جاہلوں کو اپنے یہاں کیوں جگہ دیتے ہیں[1]۔

ایک اور موقع پر تحریر فرماتے ہیں، کہ ایک مرتبہ شام میں حضرت بلالؓ موذن کے روضہ کے سرہانے سو رہا تھا، کہ خواب دیکھا کہ مکہ معظمہ میں ہوں اور پیغمبر علیہ السلام باب بنی شیبہ سے اندر داخل ہو رہے ہیں، اور ایک بوڑھے آدمی کو گود میں لئے ہوئے ہیں، جیسے کوئی کسی بچہ کو لئے ہوئے ہو، میں نے آگے بڑھ کر قدم چومے، اور حیران تھا کہ گود میں یہ بوڑھا شخص کون ہے، آپ کو میرے دل کا حال معلوم ہو گیا، اور فرمایا کہ یہ تیرا اور تیرے دیار والوں کا امام ہے، یعنی ابو حنیفہ، اس خواب سے مجھ پر یہ ظاہر ہوا کہ امام ابو حنیفہ گو جسمانی طور پر فانی ہو چکے ہیں، مگر احکام شرعی کے لئے باقی اور قائم ہیں اور ان کے حامل پیغمبر علیہ السلام ہیں[2]،

عراق میں تھے تو خود ان کا قول ہے کہ دنیا حاصل کر کے لٹا رہے تھے، جس کسی کو کوئی ضرورت ہوتی، ان کی طرف رجوع کرتا، ایسے لوگوں کی خواہش پوری کرنے میں مقروض ہو گئے، ایک شیخ نے ان کو لکھ بھیجا کہ اے فرزند! کہیں اس قسم کی مشغولیت میں خدا کی مشغولیت سے دور نہ ہو جاؤ، اور یہ مشغولیت ہوائے نفس ہے، اگر کوئی ایسا شخص ہو، جس کا دل تم سے بہتر ہو، تو ایسے دل کی تم خاطر کر سکتے ہو، تمام لوگوں کے لئے دل پریشان نہ رکھو، کیونکہ اللہ خود ہی اپنے بندوں کے لئے کافی ہے، اس پند و موعظت سے ان کو قلبی سکون حاصل ہوا، اور خود اپنی کتاب کشف المحجوب میں بھی اس کی تعلیم دی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ مخلوق سے قطع تعلق کرنا گویا بلا سے چھوٹ جانا ہے، ایک انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی کی طرف نہ دیکھے، تا کہ اس کی طرف بھی کوئی نہ دیکھے[3]،

مخلوق سے انقطاع تعلق کے باوجود ان کا بیان ہے کہ وہ چالیس سال تک مسلسل سفر میں رہے، لیکن کبھی جماعت کی نماز ناغہ نہیں کی اور ہر جمعہ کو نماز کے لئے کسی قصبہ میں قیام فرمایا[4]،

اپنے مرشد ہی کی طرح صوفیوں کے ظاہری رسوم سے نفرت کرتے تھے، ان ظاہری رسوم کو

---

[1] کشف المحجوب باب ششم ذکر ملامت، [2] کشف المحجوب، ذکر امام اعظم ابو حنیفہؒ، [3] ایضاً فصل تیسری،

[4] کشف المحجوب میں ذکر صلوٰۃ کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:۔

"وعبادت آنجا کہ می خواہی می کن و مشائخ رحمہم اللہ حق آداب آں نگاہداشتہ اند مریداں وا بداں فرمودہ اند لکے میگوید از ایشاں کہ چہل سال سفر کردم ہیچ نمازم از جماعت خالی نبود و ہر آدینہ بقصبہ بودم۔"

خاکسار مؤلف کا خیال ہے کہ حضرت ہجویری نے ان سطور میں خود اپنی طرف اشارہ کیا ہے۔

معصیت وریا کہتے تھے اوران کی صحبت کو تہمت کا مقام قرار دیتے تھے، چنانچہ اس حدیث (مَنْ کَانَ منکم یومن باللّٰہ والیوم الآخر فلا یقفن مواقف التھم) کو لکھ کر خداوند تعالیٰ سے اپنے لئے اسی کی توفیق عطا کرنے کی دعاء کی ہے، یعنی جب کوئی اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو تو اس کو مقام تہمت میں کھڑا نہ ہونا چاہیے[1]،

ازدواجی زندگی تعلقات زناشوئی سے پاک رہے، کشف المحجوب میں لکھتے ہیں کہ ایک سال تک کسی سے غائبانہ عشق رہا، مگر جب اس میں غلو پیدا ہونے لگا، اور قریب تھا کہ ان کا دین تباہ ہو جائے، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال لطف سے اس عشق مجازی کے فتنہ سے ان کو بچالیا[2]،

درود لاہور فوائد الفواد (ص ۳۵) میں حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں:۔

شیخ حسین زنجانی اور شیخ علی ہجویری دونوں ایک ہی پیر کے مرید تھے اوران کے پیر اپنے عہد کے قطب تھے، حسین زنجانی عرصہ سے لہاور (لاہور) میں سکونت پذیر تھے، کچھ دنوں کے بعد ان کے پیر نے خواجہ علی ہجویری سے کہا کہ لہاور میں جا کر قیام کرو، شیخ علی ہجویری نے عرض کیا کہ وہاں شیخ زنجانی موجود ہیں، لیکن پھر فرمایا کہ تم جاؤ جب علی ہجویری حکم کی تعمیل میں لہاور آئے تو رات تھی، صبح کو شیخ حسین کا جنازہ باہر لایا گیا۔"

معلوم ہوتا ہے کہ لاہور آ کر پھر اپنے مرشد کے پاس واپس آ گئے، کیونکہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ وہ مرشد کے وصال کے وقت ان کے پاس موجود تھے، ممکن ہے کہ وفات کے بعد پھر لاہور آئے ہوں، لیکن بہر حال لاہور کے قیام سے خوش نہیں تھے ایک جگہ رقمطراز ہیں،

"کتب من بہ حضرت غزنیں ماندہ، من اندر دیار ہند در بلدۂ لاہور کہ از مضافات ملتان است درمیان ناجنساں گرفتار شدہ بودم۔"

ہندوستان کے سفر میں جا بجا علمی مذاکرہ بھی کیا فرماتے ہیں:۔

"ہندوستان کے سفر میں ایک شخص کو دیکھا جو علم تفسیر و تذکیر کا دعی تھا، مقام فنا اور بقا میں اس نے مجھ سے مباحثہ کیا، اس کی تقریر سے مجھ کو فوراً معلوم ہو گیا کہ وہ فنا اور بقا سے بالکل ناآشنا ہے، بلکہ اس کو حادث اور قدیم کا بھی فرق نہیں معلوم تھا۔"

(ذکر بقا و فنا)

---

[1] ذکر الفرق بین المقام والحال، [2] کشف المحجوب کی اصل عبارت بھی ملاحظہ ہو

"من کہ علی بن عثمان الجلابی ام پس آنکہ مرا حق تعالیٰ یازدہ سال از آفت تزویج نگاہ داشتہ بود، ہم تقدیر کرد، تا بفتنہ اندر افتادم، ظاہر و باطنم اسیر صفتے باشد کہ با من کردند بے آنکہ رویت بودہ بود ایک سال مستغرق آں بودم، چنانچہ نزدیک بود کہ دین بر من تباہ شود تا حق تعالیٰ بہ کمال لطف و تمام فضل خود عصمت را بہ استقبال دل بیچارہ من فرستادند بہ رحمت خلاصی ارزانی داشت،

آخر زندگی تک لاہور ہی میں قیام پذیر ہو کر رشد و ہدایت، اور تبلیغ میں مشغول رہے، اور یہیں

وفات ابدی نیند سو رہے ہیں، سالِ وفات ۴۶۵ھ ہے[1]، انتقال کے بعد مزار زیارت گاہ خلائق بن گیا، حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے اُن کی قبر پر چلہ کیا، اور جب مدت ختم کر کے رخصت ہونے لگے تو یہ شعر پڑھا،

گنج بخشِ ہر دو عالم مظہرِ نورِ خدا
کاملاں را پیر کامل ناقصاں را رہنما

تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ گنج بخش کے نام سے شہرت کا سبب یہی ہے، عوام داتا بخش کہتے ہیں، لیکن گنج بخش سے شرک کی بو آتی ہے، اس لئے خیال ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے یہ شعر نہ کہا ہو، کسی اور نے کہہ دیا ہو، حضرت فرید الدین گنج شکرؒ نے بھی ان کے مزار پر چلہ کشی کی تھی، جو ان کے اعلیٰ روحانی کمال کی دلیل ہے، ان کا مزارِ پُر انوار ہر زمانہ میں مرجع خلائق رہا ہے،

دارا شکوہ اپنے زمانہ کا حال لکھتا ہے،

"خلقی انبوہ بر شب جمعہ بزیارت آں روضۂ منورہ مشرف می گردند و مشہور است کہ ہر کہ چہل شب جمعہ یا چہل روز پیہم طواف روضۂ شریفہ ایشان بکند، ہر حاجتے کہ داشتہ باشد حصول می انجامد، فقیر نیز بزیارتِ روضۂ منورۂ ایشاں دو الدین و خال ایشاں مشرف گشتہ[2]"

ڈاکٹر اقبال نے ان کے متعلق کہا ہے:

سیّد ہجویر مخدومِ امم ۔۔۔ مرقد او پیر سنجر را حرم
بند ہائے کوہسار آساں گسیخت ۔۔۔ در زمینِ ہند تخمِ سجدہ ریخت
عہدِ فاروق از جمالش تازہ شد ۔۔۔ حق ز حرفِ او بلند آوازہ شد
پاسبانِ عزتِ ام الکتاب ۔۔۔ از نگاہش خانۂ باطل خراب
خاک پنجاب از دم او زندہ گشت ۔۔۔ صبح ما از مہر او تابندہ گشت
عاشق وہم قاصد تیار عشق ۔۔۔ جبینش آشکار اسرار عشق

ان کے مزار کو سلطان مسعود غزنوی کے جانشین سلطان ابراہیم غزنوی نے تعمیر کرایا،

تصانیف کشف المحجوب کے علاوہ اُن کی تصنیفات میں حسب ذیل کتابوں کے نام ملتے ہیں:۔

(۱) منہاج الدین، اس میں اہلِ صفہ کے مناقب لکھے تھے، بقیہ اور کتابوں کے مضامین ان کے

---

[1] عام طور سے تاریخ وفات ۴۶۵ھ ہی بتائی جاتی ہے، لیکن لاہور کے بعض اہل قلم کی تحقیق ہے کہ ان کا وصال ۵۰۰ھ کے آغاز میں ہوا، (رسالہ داتا گنج بخش از پروفیسر علم الدین سالک)، [2] سفینۃ الاولیاء ص ۲۸۳،

نام سے ظاہر ہیں (۲) کتاب الفناوالبقا (۳) اسرار الخرق والمؤنات (۴) کتاب البیان لاہل العیان (۵) بحر القلوب، (۶) الرعایۃ لحقوق اللہ،

شعروشاعری سے بھی ذوق رکھتے تھے، کشف المحجوب میں اپنے ایک دیوان کا بھی ذکر کیا ہے، ان کی تحریر سے ان کی دواور کتابوں کا بھی پتہ چلتا ہے:۔

''پیش ازیں اندر شرح کلام وے (منصور حلاج) کتابے ساختہ ام''

''من اندر بیان ایں (ایمان) کتابے کردہ جداگانہ۔''

لیکن ان کتابوں میں سے اب کسی کا بھی پتہ نہیں ہے، ہم تک ان کی صرف کشف المحجوب پہنچی ہے، جو ہر زمانہ میں اپنی نوعیت کے لحاظ سے بے مثل سمجھی گئی ہے، فارسی زبان میں تصوف کی یہ پہلی کتاب ہے حضرت نظام الدین اولیاءؒ کا ارشاد ہے کہ جس کا کوئی مرشد نہ ہو اس کو کشف المحجوب کے مطالعہ کی برکت سے مل جائیگا[1]

حضرت شرف الدین یحییٰ منیری اپنے مکتوبات میں جابجا اس کتاب کا ذکر فرماتے ہیں، حضرت جہانگیر اشرف سمنانی کے ملفوظات لطائف اشرفی میں اس کا حوالہ بکثرت موجود ہے، ملا جامی رقمطراز ہیں:

''کشف المحجوب از کتب معتبرہ مشہور دریں فن است و لطائف وحقائق دراں کتاب جمع کردہ است[2]''

داراشکوہ لکھتا ہے:۔

''حضرت علی ہجویریؒ را تصنیف بسیار است، کشف المحجوب مشہور ومعروف است و ہیچ کس را بر آں سخن نیست، ومرشدی است کامل، در کتب تصوف بخوبی آں درزباں فارسی کتابے تصنیف نہ شدہ[3]''

کشف المحجوب کی تصنیف کا سبب ابوسعید ہجویری کا ایک استفسار ہے، جو تصوف کے رموز و اشارات کو حضرت شیخ ہجویریؒ سے سمجھنا چاہتے ہیں، اسی کے جواب میں شیخ نے تصوف کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے، جس سے کشف المحجوب تصوف کی قابلِ قدر کتاب بن گئی ہے، اس کے ذریعہ گویا پہلی مرتبہ اسلامی تصوف کو ہندوستان میں پیش کیا گیا ہے اس لئے اس کے مباحث ناظرین کے سامنے زیادہ تفصیل سے پیش کئے جاتے ہیں،

---

[1] وردنظامی مرتبہ شیخ علی محمود جاندار نسخہ قلمی مملوکہ سید علیم الدین خادم نظام المشائخ دہلی) میں نے اس کو مخدومی المحترم جناب عبدالماجد صاحب دریابادی کی کتاب تصوف اسلام سے لیا ہے۔ جنھوں نے کشف المحجوب اور اس کے مصنف پر ایک سیر حاصل مقالہ لکھا ہے۔ [2] نفحات الانس قلمی نسخہ دارالمصنفین، [3] سفینۃ الاولیاء ص ۱۸۲،

علم کتاب کا پہلا باب علم کی بحث سے شروع ہوتا ہے، اس باب میں پانچ فصلیں ہیں شروع میں کلام مجید اور احادیث نبوی ﷺ کی روشنی میں علم کی اہمیت دکھا کر یہ بتایا ہے، کہ علم ہی کے ذریعہ ایک سالک مراتب اور درجات کے حصول کے قابل ہوتا ہے، اور یہ اسی وقت ممکن ہے، جب وہ اپنے علم پر بھی عمل کرتا ہو، پھر علم کی دو قسمیں بتائی ہیں، (۱) علم خداوند تعالیٰ (۲) علم خلق، اور ان کی تصریح اس طرح کی ہے، کہ اللہ تعالیٰ کے علم کے نزدیک اس کے بندوں کا علم ایسا ہونا چاہئے، کہ ظاہر و باطن میں نفع بخش ہو، اس کی دو قسمیں ہیں، (۱) ایک اصولی یعنی ظاہر میں کلمہ شہادت پڑھنا، اور باطن میں معرفت کی تحقیق کرنا، (۲) فروعی یعنی ظاہر میں معاملہ کرنا اور باطن میں اس کے لئے صحیح نیت رکھنا،

حضرت شیخ ہجویریؒ کے نزدیک ظاہر بغیر باطن کے منافقت ہے، اور باطن بغیر ظاہر کے زندقہ، علم باطن حقیقت اور علم ظاہر شریعت ہے، علم حقیقت کے تین ارکان ہیں، (۱) خداوند تعالیٰ کی ذات کا علم یعنی وہ ہمیشہ سے ہے، اور ہمیشہ رہے گا، وہ نہ کسی مکان میں ہے نہ جہت میں، اس کا کوئی مثل نہیں، (۲) خداوند تعالیٰ کے صفات کا علم، یعنی وہ عالم ہے، اور ہر چیز کو جانتا ہے، دیکھتا ہے اور سنتا ہے، (۳) خداوند تعالیٰ کے افعال کا علم، وہ تمام خلائق کا پیدا کرنے والا ہے،

علم شریعت کے بھی تین ارکان ہیں، (۱) کتاب (۲) سنت (۳) اجماع امت،

پہلا علم گویا خدا کا علم ہے، اور دوسرا خدا کی طرف سے بندہ کو عطا کیا ہوا علم، حضرت شیخ ہجویریؒ نے صوفیائے کرام کے اقوال اور اپنے دلائل سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، کہ جس شخص کو خدا کا علم یعنی علم حقیقت نہیں، اس کا دل جہالت کے سبب سے مردہ ہے، اور جس شخص کو اس کا عنایت کیا ہوا یعنی علم شریعت نہیں، اس کا دل نادانی کے مرض میں گرفتار ہے، شیخ نے دونوں علموں کو لازم و ملزوم قرار دیا ہے اور حضرت ابوبکر وراق ترمذی کے اس قول کی تائید کی ہے کہ جس شخص نے صرف علم توحید پر اکتفا کی وہ زندیق ہے،

فقر دوسرا باب فقر سے شروع ہوتا ہے، اس میں تین فصلیں ہیں،

پہلی فصل میں کلام مجید اور احادیث کی روشنی میں دکھایا ہے، کہ فقر کا مرتبہ خدا کے نزدیک بہت بڑا اور افضل ہے، اور فقیر کی تعریف یہ ہے کہ اس کے پاس کچھ نہ ہو، اور اس کی کسی چیز میں خلل نہ آئے، نہ دنیاوی ساز و سامان ہونے سے مال دار ہو جائے اور نہ اس کے نہ ہونے سے محتاج ہو جائے، یعنی اس کا ہونا اور نہ ہونا اس کے نزدیک برابر ہو، بلکہ نہ ہونے سے اور بھی زیادہ خوش ہو، کیونکہ فقیر جتنا تنگ دست ہوگا، اسی قدر اس پر حال زیادہ کشادہ ہوگا، اور اسرار منکشف ہوں گے، وہ جس قدر دنیا کے مال و متاع کے بے نیاز ہوتا جاتا ہے، اتنا ہی اس کی زندگی الطاف خفی اور اسرار روشن سے وابستہ ہوتی جاتی ہے، اور

رضائے الٰہی کی خاطر وہ دنیا کی تمام چیزوں کو نظر انداز کر دیتا ہے، ایک فقیر کا کمالِ فقر یہ ہے کہ اگر دونوں جہان اس کے فقر کے ترازو کے پلڑے میں رکھے جائیں تو وہ ایک مچھر کے پر کے برابر بھی نہ ہوں اور اس کی ایک سانس دونوں عالم میں نہ سمائے،

دوسری فصل میں صوفیانہ نقطۂ نظر سے فقر و غنا پر بحث کی ہے، بعض صوفیائے کرام کا خیال ہے کہ غنا فقر سے افضل ہے، ان کی دلیل خود غنا خداوند تعالیٰ کی صفت ہے، فقر کی نسبت اس کی جانب جائز نہیں، اور دوستی میں ایسی صفت جو خدا اور بندہ کے درمیان مشترک ہو، ضرور پائی جائیگی، اور یہ اس صفت یعنی فقر سے بہتر ہے، جس کو خداوند تعالیٰ کی جانب منسوب کرنا روا نہیں،

حضرت شیخ ہجویریؒ نے اس منطقیانہ دلیل کو منطقیانہ دلائل ہی سے رد کیا ہے، مثلاً خدا کی صفات میں مماثلت کی کوشش آپس میں برابر ہونے کی دلیل ہے، مگر خدا تعالیٰ کی صفت قدیم ہے، اور خلق کی صفت حادث ہے، اس لئے دونوں میں مماثلت ممکن نہیں، غنی خدا کے منجملہ ناموں کے ایک نام ہے، یہ اسی کے لئے زیبا ہے، بندہ اس نام کا مستحق نہیں ہو سکتا بندہ کے غنا کا کوئی سبب ہوتا ہے، مگر خدا کا غنا سبب سے بے نیاز ہے، خلق کے غنا میں حدوث و تغیرت ہوتے ہیں، خالق کا غنا اس سے ماوراء ہے، اس کی قدرت کا کوئی مانع نہیں، وجود بشری کو حاجت لازمی ہے، کیونکہ حدوث کی علامت احتیاج ہے، اور جب احتیاج پیدا ہوتی ہے تو پھر غنا کیونکر باقی رہ سکتا ہے؟ اس تشریح و تفصیل کے بعد حضرت شیخ ہجویریؒ نے غناء کو اللہ تبارک و تعالیٰ کی صفت قرار دیا ہے، جو ایک بندہ کے لئے کسی طرح سزاوار نہیں،

مگر حضرت شیخ ہجویریؒ کے نزدیک بندہ کا غنی ہونا محال بھی نہیں، الغنی من اغناہ اللہ یعنی غنی وہ ہے جس کو خدا غنی کر دے، اس لئے غنی باللہ فاعل ہے اور ''من اغناہ اللہ مفعول ہے۔ فاعل بذات خود قائم ہے، اور مفعول فاعل کی وجہ سے قائم ہوتا ہے، اگر بندہ غنا سے سرفراز کیا جاتا ہے، تو یہ اس کے لئے نعمت ضرور ہے، مگر اس نعمت میں 'غفلت اسی طرح آفت ہے، جس طرح فقر میں حرص، اس لئے بندہ اگر غنی ہے تو اس کو غافل نہ ہونا چاہئے، اور اگر فقر رکھتا ہو تو اس کو حریص نہ ہونا چاہئے حضرت ہجویریؒ کے نزدیک غنا میں دل کے غیر سے مشغول رہنے کا احتمال باقی رہتا ہے، اور فقر میں دل اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے جدا رہتا ہے، اس لئے فقر غنا سے بہتر ہے، اور جب ایک طالب خدا کے سوا دنیا کی تمام چیزوں سے مستغنی ہو جاتا ہے، تو فقر و غنا کے دونوں نام اس کے لئے بے معنی ہو جاتے ہیں،

تیسری فصل میں فقر اور فقیر سے متعلق مشائخ عظام کے جو اقوال ہیں اُن کی تشریح اور تفصیل کی ہے، مثلاً حضرت رویم بن محمد فرماتے ہیں کہ فقیر کی تعریف یہ ہے کہ اپنے بھیدوں کو محفوظ رکھے، اور اس کا نفس آفت سے مصئون ہو، اور وہ فرائض کا پابند ہو، شیخ ہجویریؒ نے اس کی تشریح یہ کی ہے کہ جو کچھ فقیر کے دل پر گذرے اس کو ظاہر نہ کرے، اور جس کا ظہور ہو جائے اس کو چھپائے نہیں، اور نہ اسرار کے

غالب ہونے سے ایسا مغلوب ہوجائے کہ شریعت کے احکام ادا نہ کرسکے، یا مثلاً حضرت ابوالحسن نوریؒ فرماتے ہیں کہ فقیر کی صفت یہ ہے کہ نہ ہونے کی صورت میں سکوت کرے اور ہونے کے وقت خرچ کرے، اور خرچ کے لئے بے چین ہو، حضرت شیخ ہجویریؒ نے دوطرح سے اس کی تفسیر کی ہے، ایک یہ کہ نہ ہونے کی وقت سکوت گویا خداوندتعالیٰ کی رضا کی دلیل ہے، اور اگر اس کے پاس کچھ ہوگیا تو گویا اس کو خداوندتعالیٰ کی جانب سے خلعت عطا ہوا مگر خلعت فرقت کی نشانی ہے کیونکہ محب خلعت قبول نہیں کرتا، اس لئے جو کچھ فقیر کو ملتا ہے، اس کو وہ دوسروں کو دیکر جلد اپنے سے جدا کردیتا ہے، دوسری تفسیر یہ کی ہے کہ فقیر کو سکون اُسی وقت حاصل ہوتا ہے کہ جب وہ کسی چیز کا منتظر نہیں رہتا، اور جب کوئی چیز حاصل ہو جاتی ہے تو وہ اس کو اپنے سے غیر پاتا ہے، اور غیر کے ساتھ اس کو آرام نہیں ملتا، اس لئے اس کو ترک کر دیتا ہے،

صوفی کی اصلیت

تیسرے باب میں صوفی کی اصلیت سے محققانہ بحث کی ہے، اس میں بھی تین فصلیں ہیں۔

لفظ صوفی کی اصلیت ہمیشہ سے مختلف فیہ رہی ہے، ایک گروہ کہتا ہے کہ صوفی صوف کا کپڑا پہنتا ہے، اس لئے اس نام سے منسوب ہوا، دوسرا گروہ کہتا ہے کہ وہ صف اوّل میں رہتا ہے، اس لئے اس نام سے پکارا جاتا ہے، تیسرے کا خیال ہے کہ صوفی اس وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ اصحابِ صفہ کے ساتھ دوستی رکھتا ہے، اور چوتھے کی رائے یہ ہے، کہ یہ اسم صفا سے مشتق ہے، اسی طرح اور توجیہات ہیں مگر حضرت شیخ ہجویریؒ نے ان میں سے ہر ایک کو غلط قرار دیا ہے، فرماتے ہیں کہ صوفی کو صوفی اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اپنے اخلاق و معاملات کو مہذب کرلیتا ہے، اور طبیعت کی آفتوں سے پاک وصاف ہوجاتا ہے، اور حقیقت میں صوفی وہ ہے جس کا دل کدورت سے پاک وصاف ہو، کیونکہ تصوف باب تفعل سے ہے، جس کا خاصہ تکلف ہے، یعنی صوفی اپنے نفس پر تکلیف اٹھاتا ہے، اور یہی تصوف کے اصلی معنی ہیں،

اہل تصوف کی تین قسمیں ہیں،

(۱) صوفی جو اپنی ذات کو فنا کرکے خدا کی ذات میں بقا حاصل کرتا ہے، اور اپنی طبیعت سے آزاد ہوکر حقیقت کی طرف متوجہ ہوتا ہے، (۲) متصوف جو صوفی کے درجہ کو مجاہدہ سے تلاش کرتا ہے، اور اس تلاش میں اپنی ذات کی اصلاح کرتا ہے (۳) مستصوف: جو محض مال و منال اور جاہ وحشمت کے لئے اپنے کو مثل صوفی کے بنالیتا ہے،

پس صوفی صاحب وصول (یعنی وصل حاصل کرنے والا) اور تصوف صاحب وصول (یعنی صوفی کے اصول پر چلنے والا) اور متصوف صاحب فضول ہوتا ہے،

دوسری فصل میں حضرت شیخ ہجویریؒ نے مشائخ کبار کے اقوال نقل کئے ہیں، جن سے ان کے

مذکورۂ بالا خیالات کی تائید ہوتی ہے، مثلاً حضرت حسن نوریؒ فرماتے ہیں، کہ تصوف تمام حظوظ نفسانی کے ترک کرنے کا نام ہے، اور صوفی وہ لوگ ہیں جن کا دل بشریت کی کدورت سے آزاد ہو گیا ہو، اور نفسانی آفتوں سے صاف ہو کر اخلاص سے مل گیا ہو، یہاں تک کہ غیر خدا سے بری ہو کر وہ صفِ اوّل اور درجہء اولیٰ میں پہنچ جاتے ہیں،

حضرت حصریؒ کا قول ہے کہ تصوف دل اور بھید کی صفائی اور کدورت کی مخالفت کا نام ہے، حضرت شیخ ہجویریؒ نے اس کی تصریح یہ کی ہے، کہ فقیر اپنے دل کو خدا کی مخالفت کے میل سے پاک رکھتا ہے، کیونکہ دوستی میں صرف موافقت ہوتی ہے، اور موافقت مخالفت کی ضد ہے، اور جب مراد ایک ہوتی ہے، تو مخالفت نہیں ہوتی ہے،' اس لئے دوست کو دوست کے حکم کی تعمیل کے سوا اور کچھ نہیں چاہئے،

حضرت شبلیؒ کا قول ہے کہ صوفی وہ ہے کہ دونوں جہان میں خدائے عزوجل کے یہاں کوئی چیز نہ دیکھے، حضرت شیخ ہجویریؒ نے اس کی تشریح کر کے بتایا ہے کہ بندہ جب غیر کو نہ دیکھے گا تو اپنی ذات کو نہ دیکھے گا، اسی طرح اپنی ذات کی نفی اور اثبات سے فارغ ہو جائے گا،

تصوف اس بحث میں حضرت شیخ ہجویریؒ نے حضرت جنیدؒ کے اس قول کی تائید کی ہے کہ تصوف کی بنیاد آٹھ خصلتوں پر ہے، جن سے آٹھ پیغمبروں کی پیروی ہوتی ہے، یعنی تصوف میں سخاوت حضرت ابراہیمؑ کی ہو، رضا حضرت اسمٰعیلؑ کی ہو، صبر حضرت ایوبؑ کا ہو، اشارات حضرت زکریاؑ کے ہوں، غربت حضرت یحییٰؑ کی ہو، سیاحت حضرت عیسیٰؑ کی ہو، لباس حضرت موسیٰؑ کا ہو، اور فقر حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کا ہو۔

تیسری فصل میں حضرت ہجویریؒ کے مباحث کا خلاصہ یہ ہے کہ تصوف محض علوم و رسوم کا نام نہیں، بلکہ یہ ایک اخلاص و اخلاق کا نام ہے، علوم ہوتا تو تعلیم سے حاصل ہوتا، رسوم ہوتا تو مجاہدہ سے حاصل ہوتا، مگر یہ نہ تعلیم سے حاصل ہوتا ہے، اور نہ صرف مجاہدہ سے، اس اخلاق کی تین قسمیں ہیں،

(۱) خدا کے احکام کو ریا سے پاک ہو کر پورا کرنا (۲) بڑوں کی عزت کرنا اور چھوٹوں کے ساتھ عزت سے پیش آنا، اور کسی سے انصاف اور عوض نہ چاہنا (۳) نفسانی خواہشوں کا اتباع نہ کرنا۔

صوفی کا لباس چوتھے باب میں صوفیوں کے لباس پر تین فصلوں میں بحث کی ہے، صوفی سنتِ رسول کی پیروی میں کمبل یا گدڑی لباس کے طور پر استعمال کرتا ہے، جو اس کے فقر و ریاضت کی دلیل ہے، مگر گدڑی پہننے کے لئے شیخ ہجویریؒ نے بہت سی شرطیں مقرر کی ہیں، گدڑی پہننے والوں کو تارک الدنیا یا اللہ کا عاشق ہونا چاہئے، اس کے باوجود وہ خود گدڑی اسی وقت پہن سکتا ہے، جب اس کو مشائخ پہنائیں، اس کیلئے ضروری ہے، کہ مؤخر الذکر اوّل الذکر سے ایک سال خلق کی خدمت اور ایک سال خدا کی خدمت لیں، اور ایک سال اس کے دل کی رعایت حاصل کریں، خلق کی خدمت یہ

ہے، کہ وہ سب کو بلاتمیز اپنے سے بہتر جانتا ہو، اور اس کی خدمت اپنے لئے واجب سمجھتا ہو، مگر اپنی خدمت کی فضیلت کا گمان مطلق نہ کرتا ہو، خدا کی خدمت یہ ہے کہ دنیا اور عقبٰی کے مزے ترک کر دیتا ہو، اور جو کام کرتا ہو صرف خدا کی خاطر کرتا ہو، دل کی رعایت یہ ہے کہ اس میں ہمت ہو، اس سے تمام غم دور ہوں، اور وہ صرف اللہ کی طرف متوجہ ہو، جب یہ تینوں شرطیں پوری ہو جائیں، تو شیخ اپنے مرید کو گدڑی پہنا سکتا ہے، گدڑی پہننا گویا کفن کا پہننا ہے، جس کے بعد زندگی کی تمام لذتوں اور آسائشوں سے کنارہ کش ہو کر صرف خدا کا ہو کر رہنا پڑتا ہے۔

ملامت چھٹا باب ملامت پر ہے، حضرت شیخ ہجویریؒ نے خلق کی ملامت کو خدا کے دوستوں کی غذا کہا ہے، اور اس کی تین قسمیں بتائی ہیں:۔

(۱) ایک یہ کہ ایک شخص اپنے معاملات وعبادات میں درست ہو، پھر بھی خلق اس کو ملامت کرتی ہو، لیکن وہ اس کی مطلق پروانہ کرتا ہو، مثلاً ابو طاہر حرمی ایک بار بازار میں جا رہے تھے، ایک شخص نے ان سے کہا "اے پیر زندیق، کہاں جاتا ہے، ان کے ایک مرید نے اس سے جھگڑا کرنا چاہا، مگر انھوں نے روک دیا، اور جب گھر آئے، تو مرید کو بہت سے خطوط دکھائے، جن میں ان کو کسی میں شیخ ذکی، کسی میں شیخ زاہد، کسی میں شیخ الاسلام اور کسی میں شیخ الحرمین کہہ کر مخاطف کیا گیا تھا، اور فرمایا کہ ہر شخص اپنے اعتقاد کے مطابق جو چاہتا ہے مجھ کو کہتا ہے، مگر یہ سب اسم نہیں ہیں، القاب ہیں، کوئی مجھ کو زندیق کہے تو اس کیلئے جھگڑا کیوں کیا جائے،

(۲) دوسری یہ کہ وہ دنیا کی جاہ وحشمت سے منہ موڑ کر خدا کی جانب مشغول ہو، اور خلق کی ملامت کو روا رکھتا ہو کہ دنیا کی طرف مائل نہ ہونے پائے، مثلاً ابو یزید رمضان کے مہینے میں سفر حجاز سے اپنے شہر میں واپس آئے، تو لوگوں نے بہت اعزاز واکرام سے ان کا استقبال کیا، اس خیر مقدم میں وہ خدا کی یاد سے غافل ہو گئے، انھوں نے اسی وقت اپنی آستین سے ٹکیہ نکال کر کھانا شروع کر دیا لوگوں نے ان کو ٹکیہ کھاتے دیکھا تو ان کو ملامت کرنے لگے، اور ان سے برگشتہ ہو گئے، ابو یزیدؒ نے قصداً ایسا کیا تا کہ وہ دنیا اور دنیا والوں کی طرف متوجہ نہ ہونے پائیں۔

(۳) تیسری یہ کہ وہ ضلالت اور گمراہی میں مبتلا ہو، اور اس سے خلق کی ملامت کے ڈر سے باز آنا محض نفاق اور ریاکاری سمجھتا ہو، یہاں تک کہ شریعت کو بھی ترک کر دیتا ہو، جو شیخ ہجویریؒ کے نزدیک صحیح نہیں۔

حضرت شیخ ہجویریؒ نے اس قول کی تائید کی ہے کہ ملامت عاشقوں کیلئے ایک تروتازہ باغ، دوستوں کیلئے مایۂ تفریح، مشتاقوں کیلئے راحت اور مریدوں کیلئے سرور ہے، حضرت ابراہیم ادھمؒ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ آپ کبھی اپنی مراد کو بھی پہنچے، تو انھوں نے کہا کہ ہاں

دوبار، ایک مرتبہ میں کشتی میں بیٹھا ہوا تھا، مجھ کو کسی نے نہیں پہچانا، اس وقت میں پرانے اور پھٹے کپڑے پہنے ہوئے تھا، سر کے بال بڑھے ہوئے تھے، میری حالت دیکھ کر کشتی والے مجھ پر ہنستے تھے، جو شخص آتا میرے سر کے بال پکڑ کر کھینچتا، اور تمسخر کرتا، اس وقت میری مراد حاصل ہو رہی تھی، اور میں اس لباس میں خوش ہو رہا تھا، مگر ایک روز یہ خوشی ختم ہو گئی، کیونکہ اس روز ایک مسخرہ اٹھا، اور اس نے میرے اوپر پیشاب کر دیا، اور مجھ کو وہ لباس اتارنا پڑا، دوسری بار میری مراد اس طرح پوری ہوئی، کہ ایک روز سخت بارش ہو رہی تھی، جاڑے کا زمانہ تھا، ایک گاؤں میں پہنچا، میرا جبہ بھیگ گیا تھا، ایک مسجد میں گیا، وہاں کسی نے مجھ کو ٹھہرنے نہیں دیا، سردی سے پریشان ہو کر میں ایک حمام کی بھٹی میں گھس گیا، اور دامن سمیٹ کر آگ کی طرف بیٹھ گیا، اس کے دھوئیں سے میرے کپڑے اور میرا منہ کالا ہو گیا، اُس وقت میں اپنی مراد کو پہنچا،

آگے سات بابوں میں صوفیانہ نقطہء نظر سے صحابہء عظام، اہل بیت، اہل الصفہ، تبع تابعین ائمہ اور صوفیائے متاخرین کا ذکر ہے،

چودھواں باب نہایت اہم ہے، اس میں صوفیوں کے مختلف فرقوں کے عقائد پر ناقدانہ اور محققانہ مباحث ہیں، تفصیل غالباً نامناسب نہ ہوگی۔

رضا پہلا فرقہ محاسبیہ ہے، جو عبداللہ بن حارث بن اسد المحاسبی کی جانب منسوب ہے، حارث محاسبی کا عقیدہ تھا کہ رضا مقامات میں سے نہیں، بلکہ احوال میں سے ہے حضرت ہجویریؒ نے رضا اور مقامات کی تشریح کر کے حارث کی مدافعت کی ہے اور رضا کی دو قسمیں بتائی ہیں، (۱) خداوند تعالیٰ کی رضا بندہ سے، (۲) بندہ کی رضا خداوند تعالیٰ سے۔

بندہ سے خداوند تعالیٰ کی رضا یہ ہے کہ وہ ان کو ثواب، نعمت اور بزرگی عطا کرتا ہے، اور خداوند تعالیٰ سے بندوں کی رضا یہ ہے کہ وہ اس کے احکام کی تعمیل کریں، خداوند تعالیٰ اپنے احکام میں یا تو کسی چیز سے منع کرتا ہے، یا عطا کرنے کا وعدہ کرتا ہے، مگر اس کے احکام کے ماننے والے اس کے خوف وہیبت میں ایسی ہی لذت محسوس کرتے ہیں، جیسی اس کے لطف وکرم سے حظ اٹھاتے ہیں، اس کا جلال اور جمال ان کی نظروں میں یکساں ہے، اور وہ محض اس لئے کہ وہ اپنے اختیارات کو سلب کر لیتے ہیں، جس کے بعد ان کا دل غیر کے اندیشہ سے نجات پا کر تمام غم والم سے آزاد ہو جاتا ہے۔

اصحابِ رضا چار قسم کے ہوتے ہیں، ایک خداوند تعالیٰ کی عطا (خواہ وہ کیسی ہی ہو) پر راضی رہتے ہیں، یہ معرفت ہے، دوسرے اس کی نعمتوں (دنیاوی) پر راضی ہوتے ہیں، وہ دنیا والے ہیں، تیسرے مصیبت پر راضی رہتے ہیں، یہ رنج ہے، چوتھے احوال ومقامات کی قید سے نکل کر صرف خداوند تعالیٰ کی خوشی پر رہتے ہیں، یہ محبت ہے۔

دوسرا گروہ قصاریہ کا ہے، اس کے پیشوا ابو صالح بن حمدون بن احمد بن عمارۃ القصار ہیں، جو خلق کی ملامت کو تزکیہ نفس کیلئے ضروری سمجھتے ہیں، ملامت پر بحث پچھلے باب میں گذر چکی ہے، اس لئے حضرت ہجویریؒ نے اس موقع پر اس مسلک پر تفصیل کے ساتھ روشنی نہیں ڈالی ہے۔

سکر و صحو

اس کے بعد گروہ طیفوریہ اور گروہ جنیدیہ کا ذکر ہے، اوّل الذکر کے پیشوا ابو یزید طیفور بن سروشان البسطامی اور موخر الذکر کے امام ابوالقاسم الجنید بن محمد ہیں، پہلے گروہ کا عقیدہ سکر اور دوسرے کا صحو پر مبنی ہے، اس سلسلہ میں حضرت شیخ ہجویریؒ نے بتایا ہے کہ سکر اور صحو کیا ہیں، سکر حق تعالیٰ کی محبت کا غلبہ ہے، ایک سالک جب محبوب کے جمال کو دیکھتا ہے، تو اس کی عقل عشق سے مغلوب ہو جاتی ہے، اور غایت بے خودی میں اس کا ادراک اور ہوش باقی نہیں رہتا، اس پر محویت اور فنا کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، صحو محویت کے بعد حصول مراد کا نام ہے، جس میں جمال محبوب کے مشاہدہ سے حیرت اور وحشت باقی نہیں رہتی، صحو میں غفلت سے حجاب پیدا ہوتا ہے، لیکن جب یہی غفلت محبت بن جاتی ہے، تو وہ کشف ہے، صحو غفلت کے قریب ہو تو سکر ہے، اور سکر محبت کے قریب ہو تو صحو ہے، جب دونوں کی اصل صحیح ہو تو سکر صحو اور صحو سکر ہے، اس جزوی اختلاف کے باوجود دونوں ایک دوسرے کی علت و معلول ہیں، لیکن جب دونوں کی اصل صحیح نہ ہو، تو دونوں بے فائدہ ہیں، حضرت شیخ ہجویریؒ خود جنیدی مسلک کے پابند تھے، اور صحو کو سکر پر فوقیت دیتے تھے، لکھتے ہیں کہ مقام صحو مردوں کی جائے فنا ہے۔

عزلت نشینی

پانچواں گروہ نوریہ کا ہے، جس کے پیشوا ابن الحسن بن نوریؒ ہیں، وہ درویشوں کی عزت گزینی کو ایک نامحمود فعل سمجھتے ہیں، اور صحبت کو ضروری قرار دیتے ہیں، اور اصحاب صحبت کیلئے ایثار و کلفت برداشت کرنے کو بھی ضروری سمجھتے ہیں، ورنہ اس کے بغیر صحبت حرام ہے، اور اگر صحبت کے رسمی ایثار رنج و کلفت کے ساتھ محبت بھی شامل ہو، تو یہ اور زیادہ اولیٰ ہے، حضرت ہجویریؒ نے فرقہ نوریہ کے اس مسلک کو پسندیدہ کہا ہے۔

مجاہدہ و ریاضت

(۶) سہلیہ:۔ اس کے امام حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ ہیں، ان کی تعلیم اجتہاد (جدوجہد، مشقت) مجاہدۂ نفس اور ریاضت ہے، اجتہاد، مجاہدہ اور ریاضت کی غرض نفس کی مخالفت ہے، اس لئے حضرت ہجویریؒ نے نفس کی تشریح واضح طور سے کی ہے۔

فرماتے ہیں کہ نفس کی مخالفت تمام عبادتوں کا سرچشمہ ہے، نفس کو نہ پہچاننا اپنے کو نہ پہچاننا ہے، جو شخص اپنے کو نہیں پہچانتا، وہ خدا کو نہیں پہچان سکتا، نفس کا فنا ہو جانا حق کے بقا کی علامت ہے، اور نفس کی پیروی حق عزوجل کی مخالفت ہے، نفس پر ہیز کرنا یعنی نفسانی خواہشوں کو روکنا جہاد اکبر ہے، حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ نے اس میں بڑا غلو فرمایا ہے، وہ نفس کے مجاہدہ کو مشاہدہ کی علت قرار دیتے ہیں، سہل تستریؒ کے اس مسلک سے بعض گروہوں کو اختلاف ہے، انکا خیال ہے کہ مشاہدہ محض عنایت ایزدی پر

منحصر ہے، مجاہدہ وصلِ حق کی علت نہیں ہو سکتا، ممکن ہے ایک شخص حجرہ کے اندر عبادت میں مشغول ہو، پھر بھی حق سے دور ہو اور ایک شخص خرابات میں رہتا ہو، گنہگار ہو، اور اسے قرب خداوندی حاصل ہو، حضرت شیخ ہجویریؒ نے اس اختلاف کو محض الفاظ اور تعبیر کا اختلاف قرار دیا ہے، کہ ایک شخص مجاہدہ کرتا ہے، تو اس کو مشاہدہ حاصل ہوتا ہے، دوسرا مشاہدہ کرتا ہے، کہ مجاہدہ حاصل ہو، مشاہدہ کے بغیر مجاہدہ نہیں اور مجاہدہ کے بغیر مشاہدہ نہیں، اس رائے کے باوجود حضرت شیخ ہجویریؒ مجاہدہ کو مشاہدہ کی علت قرار نہیں دیتے، بلکہ اس کو وصلِ حق کا طریقہ اور ذریعہ سمجھتے ہیں۔

نفس کے بعد ہوا یعنی نفس کی خواہشوں کا ذکر ہے، اس میں بتایا گیا ہے کہ بندہ دو چیزوں کا تابع رہتا ہے، ایک عقل کا، دوسرے نفس کی خواہشوں کا، جو عقل کا متبع ہوتا ہے، وہ ایمان کی طرف جاتا ہے، اور جو ہوا کی پیروی کرتا ہے، وہ کفر، گمراہی اور ضلالت کی طرف مائل ہے، حضرت جنیدؒ سے پوچھا گیا کہ وصل حق کیا چیز ہے، فرمایا "ہوا کا ترک کرنا" حضرت ہجویریؒ نے بھی اس کی تائید کی ہے، اور کہا ہے کہ سب سے بڑی عبادت ہوا کا ترک کرنا ہے، گو اس کا ترک کرنا ناخن سے پہاڑ کھودنے سے بھی زیادہ مشکل ہے۔

حضرت ہجویریؒ نے ہوا کہ دو قسمیں بتائی ہیں (۱) لذت اور شہوت (۲) جاہ طلبی، اول الذکر کے فتنہ سے خلق محفوظ رہتی ہے، لیکن مؤخر الذکر سے خلق کے درمیان فتنہ پیدا ہوتا ہے، خصوصاً جب یہ جاہ طلبی خانقاہوں میں ہو۔

ولایت وکرامت

(۷) فرقہ حکیمیہ:۔ یہ گروہ حضرت ابوعبداللہ بن علی الحکیم الترمذی کی جانب منسوب ہے، اس فرقہ کا مسلک ہے، کہ ولی اللہ خدا کا برگزیدہ بندہ ہوتا ہے، جو نفس کی حرص و آز سے پاک ہو کر اسرار الٰہی سے واقف ہوتا ہے، اور اس سے کرامت ظاہر ہو سکتی ہے، اس سلسلہ میں حضرت ہجویریؒ نے ولی کی ولایت اور کرامت پر مفصل بحث کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کچھ بندوں کو اپنا دوست بناتا ہے، ان کی صفات یہ ہیں، کہ دنیاوی مال و دولت سے بے نیاز ہو کر وہ صرف ذات خداوندی سے محبت کرتے ہیں، جب دوسرے لوگ ڈرتے ہیں تو وہ نہیں ڈرتے اور جب دوسرے غمزدہ ہوتے ہیں، تو وہ نہیں ہوتے، اور جب ایسے لوگ دنیا میں باقی نہ رہیں گے تو قیامت آجائیگی، معتزلہ کا اعتراض ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام بندے اس کے دوست ہیں، کوئی بندہ خاص اور برگزیدہ نہیں ہوتا، اللہ کا خاص بندہ صرف نبی ہوتا ہے، حضرت شیخ ہجویریؒ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر زمانہ میں اپنے بندوں میں سے کسی ایک کو خاص بناتا ہے، تاکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے رسول کی رسالت کی دلیل روشن اور واضح ہوتی رہے، فرقہ حشوی خاص بندوں کا ہونا جائز سمجھتا ہے، مگر اس کا خیال ہے کہ ایسے بندے تھے ضرور مگر اب نہیں ہیں، لیکن حضرت شیخ ہجویریؒ کہتے

ہیں کہ ایسے بندے ہر زمانہ میں ہوتے ہیں، اور ان کی قسمیں بتائی ہیں، (۱) اخیار (۲) ابدال (۳) ابرار (۴) اوتاد (۵) نقباء (۶) قطب یا غوث۔

ایک گروہ کا اعتراض ہے کہ ولی اپنی ولایت کے باعث عاقبت سے بے خوف اور دنیا پر مغرور ہو سکتا ہے، لیکن حضرت شیخ ہجویریؒ نے بہت سے اقوال سے ثابت کیا ہے کہ ولی وہ ہے جو اپنے حال میں فانی اور مشاہدۂ حق میں باقی ہو، اسے اپنے وجود کی خبر نہ ہو، اور نہ اس کو اللہ کے سوا غیر کے ساتھ قرار ہو، وہ مشہور ہوتا ہے، لیکن شہرت سے پرہیز کرتا ہے، کیونکہ شہرت باعثِ فساد و رعونت ہے۔

جب ولی اپنی ولایت میں صادق ہوتا ہے تو اس سے کرامت ظاہر ہوتی ہے، کرامت ولی کا خاصہ ہے، کرامت نہ عقل کی نزدیک محال ہے، نہ اصولِ شریعت کے خلاف ہے، کہ امت محض ''مقدر خداوندی'' ہے، یعنی اس کا ظہور کسب سے نہیں بلکہ خدا کی بخششوں سے ہوتا ہے۔

اس کے بعد یہ بحث ہے کہ کرامت کا ظہور کب ہوتا ہے، ابو یزیدؒ، ذوالنون مصریؒ اور محمد بن خفیفؒ وغیرہ کا خیال ہے کہ اس کا ظہور سکر کے حال میں ہوتا ہے، اور جو صحو کے حال میں ہو، وہ نبی کا معجزہ ہے ولی جب تک بشریت کے حال میں رہتا ہے، وہ محجوب رہتا ہے، اور جب خدا کے الطاف و اکرام کی حقیقت میں مدہوش ہو جاتا ہے، تو اس حال میں (جو سکر ہے،) کرامت ظاہر ہوتی ہے، اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب ولی کے نزدیک پتھر اور سونا دونوں برابر ہو جاتے ہیں۔

حضرت جنیدؒ اور ابو العباسؒ سیاری وغیرہ کا مسلک ہے کہ کرامت سکر میں نہیں بلکہ صحو اور تمکین میں ظاہر ہوتی ہے، ولی خدا کے ملک کا مدبر، واقف کار اور والی ہوتا ہے اور اس سے ملک کی گتھیاں سلجھتی ہیں، اسی لئے اس کی رائے سب سے زیادہ صائب اور اس کا دل سب سے زیادہ شفیق ہوتا ہے، مگر یہ مرتبہ تلوین اور سکر میں حاصل نہیں ہوتا، کیونکہ تلوین اور سکر ابتدائی مدارج ہیں، اور جب یہ آخری منازل تمکین اور صحو میں منتقل ہو جاتے ہیں، تو ولی برحق ہوتا ہے، اور اس کی کرامت صحیح ہوتی ہے۔

اس بحث کے بعد اولیاء اللہ کی کرامتوں کا بیان ہے، پھر دو فصلوں میں بتایا گیا ہے، کہ انبیاء اولیاء سے افضل تر ہیں، اولیاء فرشتوں پر فضیلت رکھتے ہیں۔

(۸) فرقہ خرازی:۔ یہ فرقہ حضرت ابو سعید خرازؒ کی جانب منسوب ہے، جنھوں نے سب سے

فنا و بقا پہلے مقام فنا اور بقا سے بحث کی ہے، اس لئے اس فصل میں حضرت شیخ ہجویریؒ نے صرف فنا اور بقا پر روشنی ڈالی ہے۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ فنا سے مراد اپنی ذات اور وجود کا مٹا دینا، اور بقا سے مراد خدا سے متحد ہو کر اس میں حلول کر جانا ہے، لیکن حضرت شیخ ہجویریؒ نے ان دونوں کی تردید کی ہے، ان کے نزدیک ذات اور وجود کا نیست ہو کر خدا میں حلول کرنا محال ہے، کیونکہ حادث قدیم سے، مصنوع صانع سے،

مخلوق خالق سے متحد اور ممتزج نہیں ہوسکتا، حضرت شیخ ہجویریؒ کے نزدیک فنا سے مراد شہوات ولذات کو ترک کر کے خصائص بشریت سے اس طرح علیحدہ ہو جانا ہے کہ پھر محبت وعداوت، قرب وبعد، وصل و فراق، اور صحو وسکر میں کوئی تمیز باقی نہ رہے، اور جب یہ مقصود حاصل ہو جائے تو یہی بقا ہے، اس کو مختصر الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ انسانیت کے تعلقات سے کنارہ کش ہونے کا نام فنا ہے، اور اخلاص و عبودیت کا نام بقا ہے، یا علائق دنیوی سے علیحدہ ہونا فنا ہے، اور خدا کا جلال دیکھنا بقا ہے، اس غلبہ حال سے یہ کیفیت ہوتی ہے کہ سالک دین ودنیا کو فراموش کر دیتا ہے، حال ومقام سے بے نیاز ہو جاتا ہے، اور اس کی زبان حق تعالیٰ سے ناطق ہو جاتی ہے۔

غیبت وحضور

(۹) فرقہ خفیفی:۔ یہ فرقہ حضرت ابوعبداللہ بن خفیفؒ کی جانب منسوب ہے، اس کا مذہب تصوف ''غیبت وحضور'' ہے۔

غیبت سے مراد دل کا اپنے وجود سے غائب رہنا، اور حضور سے مراد اس کا خدا کے ساتھ رہنا ہے، اپنے سے غیبت حق سے حضور ہے، یعنی جو شخص اپنے سے غائب ہے، وہ خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہے، ایک سالک کے اپنے سے غائب ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنی ہستی کے وجود کی آفتوں سے دور ہو، اس کی صفات بشری ختم ہوگئی ہوں، اور اس کے تمام ارادے پاک ہوں۔

اس سلسلہ میں صوفیہ کرام نے یہ بحث کی ہے، کہ غیبت حضور پر مقدم ہے، یا حضور غیبت پر ایک گروہ کہتا ہے غیبت سے حضوری حاصل ہوتی ہے، دوسرا کہتا ہے کہ حضوری سے غیبت حاصل ہوتی ہے، حضرت شیخ ہجویریؒ کا خیال ہے کہ دونوں برابر ہیں، کیونکہ غیبت سے مراد حضور ہے، جو اپنے سے غائب نہیں ہے، وہ حق سے حاضر نہیں ہے، اور جو حاضر ہے، وہ غائب ہے، یہ نکتہ حضرت جنیدؒ کے حال سے واضح ہو جاتا ہے، انھوں نے فرمایا کہ مجھ پر کچھ زمانہ ایسا گذرا ہے کہ آسمان اور زمین میرے حال پر روتے تھے، پھر خدا نے ایسا کر دیا کہ میں ان کی غیبت پر روتا تھا، اور اب یہ زمانہ ہے کہ مجھ کو نہ آسمان کی خبر ہے، نہ زمین کی اور نہ خود اپنی۔

جمع وتفرقہ

(۱۰) فرقہ سیاریہ:۔ یہ فرقہ ابوعباس سیاریؒ کی جانب منسوب ہے، جو مرو کے امام تھے، ان کی بحث جمع وتفرقہ پر ہے، حضرت ہجویریؒ نے اس پر یہ روشنی ڈالی ہے، کہ ارباب علم کے نزدیک جمع توحید کا علم اور تفرقہ احکام کا علم ہے، مگر اصحاب تصوف کے نزدیک تفرقہ سے مکاسب اور جمع سے مواہب مراد ہیں، جب سالک خدا کے راستہ میں مجاہدہ کرتا ہے تو وہ تفرقہ میں ہے، اور جب خدا کی عنایت اور مہربانی سے سرفراز ہوتا ہے، تو یہ جمع ہے، جمع میں بندہ کچھ سنتا ہے، تو خدا سے، کچھ دیکھتا ہے تو خدا کو، کچھ لیتا ہے تو خدا سے اور کچھ کہتا ہے تو خدا سے، پس بندہ کی عزت اس میں ہے کہ وہ اپنے فعل کے وجود اور مجاہدہ کو خدا کی نوازشوں میں مستغرق پائے اور مجاہدہ کو ہدایت کے پہلو میں منفی کر دے، کیونکہ

جب ہدایت غالب ہوتی ہے، تو کسب اور مجاہدہ بے کار ہیں، چنانچہ فرقہ سیاریہ کا مسلک ہے کہ تفرقہ اور جمعِ اجتماع ضدین ہین، جمع کا اظہار تفرقہ کی نفی پر ہے لیکن حضرت شیخ ہجویریؒ نے اس کی تردید کی ہے، اور دلیل یہ پیش کی ہے، کہ جس طرح آفتاب سے نور، جوہر سے عرض اور موصوف سے صفت جدا نہیں ہوسکتی ہے، اسی طرح شریعت حقیقت سے اور مجاہدہ ہدایت سے علیحدہ نہیں ہوسکتا، ممکن ہے کہ مجاہدہ کبھی مقدم ہو، اور کبھی موخر، مقدم کی حالت میں مشقت زیادہ ہوتی ہے، اس وجہ سے کہ وہ غیبت کی حالت میں ہوتا ہے، اور جب مجاہدہ موخر ہوتا ہے تو رنج وکلفت نہیں ہوتی، کیونکہ یہ حالتِ حضوری میں ہوتا ہے، حضرت شیخ ہجویریؒ نے دونوں کو لازم ملزوم اس لئے قرار دیا ہے کہ ان کا خیال ہے کہ خدا کا قرب ہدایت سے حاصل ہوتا ہے نہ کہ کوشش سے۔

اس کے بعد حضرت شیخ ہجویریؒ نے جمع کی دو قسمیں بتائی ہیں، (۱) جمع سلامت و (۲) جمع تکسیر، جمع سلامت میں بندہ مغلوب الحال رہتا ہے، لیکن خداوند تعالیٰ اس کا محافظ ہوتا ہے، اور اپنے حکم کی تعمیل کرانے میں نگاہ رکھتا ہے، مثلاً حضرت ابو یزید بسطامیؒ، ابو بکر شبلیؒ اور ابو الحسن حضریؒ ہمیشہ مغلوب الحال رہتے تھے، لیکن نماز کے وقت اپنے حال میں لوٹ جاتے تھے، اور جب نماز پڑھ چکتے تھے، تو پھر مغلوب الحال ہو جاتے تھے۔

جمع تکسیر میں بندہ خداوند تعالیٰ کے حکم سے بیہوش ہو جاتا ہے، اور اس کی حالت مجنوں کی سی ہوتی ہے، اسی لئے یہ معذور اور اوّل الذکر مشکور کہلاتے ہیں، حضرت شیخ ہجویریؒ نے مشکور بندوں کو زیادہ فوقیت دی ہے۔

حلول روح

(۱۱) گیارہواں فرقہ حلولیہ ہے، جو ابو حلمان دمشقی کی طرف منسوب ہے، بارہویں فرقہ کا نام نہیں لیا ہے، مگر اس سلسلہ کے بانی کا نام فارس (یعنی فارس بن عیسیٰ بغدادی) بتایا ہے۔

حضرت شیخ ہجویریؒ نے فرقہ حلولیہ کو زندیق اور کافر کہا ہے، خدائے تعالیٰ میں بندہ کی روح کا حلول کرنا محال ہے، کیونکہ روح حادث ہے، قدیم نہیں، اس کو خدا کی صفت بھی کہہ سکتے ہیں، خالق اور مخلوق کی صفت یکساں نہیں ہوسکتی، پھر قدیم و حادث اور خالق و مخلوق کی صفت کیونکر ایک دوسرے میں حلول کرسکتی ہے، روح محض ایک جسم لطیف ہے، جو خدا کے حکم سے قائم ہے، اور اسی کے حکم سے آتی جاتی ہے، اس لئے حلولیہ کا مسلک توحید اور دین کے خلاف ہے، جو کسی طرح تصوف نہیں کہا جاسکتا ہے۔

گذشتہ صفحات میں حضرت شیخ ہجویریؒ نے تصوف پر نظری اور تاریخی حیثیت سے بحث کی ہے، جس سے اس کی اصل تاریخ اور اس کے مختلف فرقوں اور گروہوں کے عقائد کا اندازہ ہوتا ہے، لیکن آئندہ ابواب میں تصوف کے عملی مسائل پر مباحث ہیں، اور راہ سلوک میں بارہ حجاب یعنی پردے بتائے ہیں،

ان میں سے ہر ایک کی علیحدہ علیحدہ تشریح اور توضیح ہے، معرفت پہلا پردہ خدا کی معرفت کا ہے، معتزلہ کہتے ہیں کہ معرفت علم اور عقل سے ہوتی ہے، مگر حضرت شیخ ہجویری نے اس کی تردید کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ اگر معرفت علم اور عقل سے ہوتی ہے تو ہر عالم اور عاقل عارف ہوتا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، حضرت ہجویریؒ کا خیال ہے کہ معرفت اسی بندہ کو حاصل ہوتی ہے، جس پر خداوند تعالیٰ کی عنایت ہو، وہی دل کو کھولتا ہے، اور بند کرتا ہے، کشادہ کرتا ہے، اور مہر لگاتا ہے، عقل اور دلیل معرفت کا ذریعہ ہوسکتی ہے، مگر علت نہیں، علت صرف اس کی عنایت ہے، چنانچہ حضرت علیؓ نے فرمایا ہے کہ خدا کو میں نے خدا ہی سے پہچانا، اور خدا کے سوا کو اس کے نور سے پہچانا۔

معرفت کیا ہے؟ اس پر حضرت شیخ ہجویریؒ نے صوفیہء کرام کے اقوال کی روشنی میں بحث کی ہے، حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ معرفت یہ ہے کہ کسی چیز پر تعجب نہ ہو، کیونکہ تعجب اس فعل سے ہوتا ہے، جو مقدور سے زیادہ ہو، لیکن خدائے تعالیٰ ہر کمال پر قادر ہے، پھر عارف کو اس کے افعال پر تعجب کیوں ہو، حضرت ذوالنون مصریؒ کا قول ہے کہ معرفت کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ پیہم لطائف کے انوار سے بندہ کو اپنے اسرار سے آگاہ یعنی اس کے دل کو روشن اور آنکھ کو بینا کرکے اس کو تمام آفتوں سے محفوظ رکھے، اس کے دل میں خدا کے سوا موجودات اور مثبات کا ذرہ برابر وزن قائم ہونے نہ دے، جس کے بعد بندہ ظاہری و باطنی اسرار کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے، شیخ شبلی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں کہ معرفت حیرت دوام کا نام ہے، حیرت دو طرح پر ہوتی ہے، ایک ہستی میں، دوسرے چگونگی میں ہستی میں حیرت کا ہونا شرک اور کفر ہے، اور چگونگی میں معرفت، کیونکہ خدا کی ہستی میں شک نہیں کیا جاسکتا، مگر اس کی ہستی کی چگونگی سے یقین کامل پیدا ہوتا ہے، اور پھر حیرت، حضرت بایزید بسطامیؒ کا قول ہے کہ معرفت یہ ہے کہ بندہ کو یہ معلوم ہوجائے کہ مخلوق کی تمام حرکات وسکنات خدا کی طرف سے ہیں، کسی کو خدا کے اذن کے بغیر اس کے ملک میں تصرف نہیں ہے، اور ہر چیز کی ذات اس کی ذات سے ہے، ہر چیز کا اثر اس کے اثر سے ہے، ہر شے کی صفت اس کی صفت سے ہے، متحرک اس سے متحرک ہے، اور ساکن اس سے ساکن ہے، بندہ کا فعل محض مجازاً ہے، ورنہ درحقیقت وہ فعل خداوند عالم کا ہے۔

توحید دوسرا پردہ توحید کا ہے، توحید تین طرح پر ہوتی ہے یعنی (۱) خداوند تعالیٰ کو خود بھی اپنی وحدانیت کا علم ہے، (۲) خداوند تعالیٰ بندوں کو اپنی وحدانیت تسلیم کرنے کا حکم دیتا ہے، (۳) بندوں کو خداوند تعالیٰ کی وحدانیت کا علم ہوتا ہے، اور جب سالک کو یہ علم بدرجہء اتم حاصل ہوجاتا ہے، تو وہ محسوس کرتا ہے کہ خداوند تعالیٰ ایک ہے، جو فصل ووصل کو قبول نہیں کرتا، وہ قدیم ہے، اس لئے حادث نہیں، وہ محدود نہیں جس کیلئے طرفین ہوں، وہ مکین نہیں، جس کیلئے مکان ہو، وہ عرض نہیں جس کیلئے جوہر ہو، وہ کوئی طبع نہیں کہ جس میں حرکت وسکون ہو، وہ کوئی روح نہیں کہ جو اس کیلئے بدن ہو، وہ کوئی جسم نہیں کہ اس

کیلئے اجزا ہوں، وہ قوت اور حال نہیں کہ اور چیزوں کی جنس ہو، وہ کسی چیز سے نہیں کہ کوئی چیز اس کا جزو ہو، اس کی ذات وصفات میں کوئی تغیر نہیں، وہ زندہ رہنے والا ہے، وہ جاننے والا ہے، سننے والا ہے، دیکھنے والا ہے، کلام کرنے والا ہے، اور باقی رہنے والا ہے، وہ جو کچھ چاہتا ہے وہی کرتا ہے، اور وہی چاہتا ہے، جو جانتا ہے اس کا حکم اس کی مشیت سے ہے، اور بندوں کو اس کے بجالانے کے سوا کوئی چارہ نہیں، وہی نفع اور نقصان کا باعث ہے، وہی نیکی اور بدی کا اندازہ کرنے والا ہے۔

ایمان

تیسرا پردہ ایمان کا ہے، اس میں یہ بحث ہے کہ ایمان کی علت کیا ہے، معرفت یا طاعت، ایک گروہ کا خیال ہے کہ ایمان کی علت معرفت ہے، اگر معرفت ہو اور طاعت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ بندہ سے مواخذہ نہ کرے گا، لیکن طاعت ہو اور معرفت نہ ہو تو بندہ نجات نہیں پائے گا، حضرت شیخ ہجویریؒ کے نزدیک وہ معرفت پسندیدہ نہیں ہے، جس میں طاعت نہ ہو، ان کے نزدیک معرفت شوق اور محبت کا نام ہے، اور شوق اور محبت کی علامت طاعت ہے، شوق اور محبت جس قدر زیادہ ہوتی جائے گی، اسی قدر فرمان الٰہی کی تعظم بڑھتی جائے گی، یہ کہنا غلط ہے کہ طاعت کی ضرورت اُسی وقت تک ہے جب تک خداوند تعالیٰ کی معرفت حاصل نہ ہو، اور حصولِ معرفت کے بعد دل شوق کا محل بن گیا اور جسمانی طاعت کی تکلیف اُٹھ گئی، بلکہ صحیح یہ ہے کہ جب قلب خدا کی دوستی کا محل، آنکھیں اس کے دیدار کا محل، جان عبرت کا محل اور دل مشاہدہ کا مقام ہو گیا تو پھر تن کو اس کی طاعت ترک نہ کرنی چاہئے۔

طہارت

چوتھا پردہ طہارت کا ہے، حضرت ہجویریؒ کے نزدیک ایمان کے بعد طہارت فرض ہے، اس کی دو قسمیں ہیں، (۱) طہارت ظاہر (۲) طہاعت باطن، طہارتِ ظاہر سے مراد بدن کا پاک ہونا ہے، جس کے بغیر نماز درست نہیں، اور طہارتِ باطن سے مراد دل کا پاک ہونا ہے، جس کے بغیر معرفت حاصل نہیں ہو سکتی، باطن کی طہارت خدا کی بارگاہ میں توبہ سے ہوتی ہے، جو سالک کا پہلا مقام ہے، توبہ کی معنی ہیں خداوند تعالیٰ کے خوف سے اس کے نواہی سے باز رہنا، توبہ کیلئے تین شرطیں ہیں، (۱) خدا کے حکم کی مخالفت پر تاسف ہو (۲) یہ مخالفت فوراً ترک کر دی گئی ہو (۳) اس کی طرف لوٹنے کا خیال نہ ہو، یہ شرطیں اسی وقت ممکن ہیں، جب ندامت ہو، اس ندامت کیلئے بھی تین شرطیں ہیں، (۱) عقوبت کا خوف ہو، (۲) یہ خیال ہو کہ بُرے کاموں کا حاصل کچھ بھی نہیں، (۳) نافرمانیوں سے پشیمانی ہو کہ خدا سب کچھ دیکھتا ہے۔

ندامت سے توبہ کرنے والوں کی بھی تین قسمیں ہیں۔

(۱) عذاب کے ڈر سے، اس توبہ کو کہتے ہیں، جو عام بندے کیا کرتے ہیں۔

(۲) ثواب کی خواہش سے، یہ انابت ہے، جو اولیاء اللہ کیلئے مخصوص ہے۔

(۳) حصولِ عرفان کیلئے یہ اذابت ہے، جو انبیاء مرسلین کیلئے ہے۔

آ گے چل کر توبہ کی بھی تین قسمیں بتائی گئی ہیں۔

(۱) خطاب سے ثواب کی جانب ہو، یعنی گناہ کرنے والا بخشش کا خواستگار ہو یہ توبہ عام ہے۔

(۲) صواب سے صواب کی طرف ہو، یہ اہلِ ہمت اور خاص لوگوں کی توبہ ہے۔

(۳) خودی سے حق تعالیٰ کی طرف ہو، یہ محبت کی دلیل ہے۔

نماز پانچواں حجاب نماز کا ہے، اس میں حضرت شیخ ہجویریؒ نے صوفیانہ رنگ میں بتانے کی کوشش کی ہے، کہ نماز بندوں کو حذا کے راستہ پر پہنچاتی ہے، اوران پر اس راہ کے تمام مقامات کھل جاتے ہیں، وضو یعنی جسم کی طہارت توبہ (یعنی باطن کی طہارت) ہے، قبلہ رو ہونا، مرشد سے تعلق پیدا کرنا ہے، قیام نفس کا مجاہدہ ہے، قرأت ذکر ہے، رکوع تواضع ہے، سجدہ نفس کی معرفت ہے، تشہد انس یعنی محبت کا مقام ہے، اور سلام دنیا سے تنہا ہوکر مقامات سے باہر آتا ہے۔

نماز کے سلسلہ میں بہت سی بحثیں ہیں، مثلاً صوفیہ کا ایک گروہ نماز کو حضور کا ذریعہ (آلہ) اور دوسرا غیبت کا محل سمجھتا ہے، لیکن حضرت شیخ ہجویریؒ نے دونوں کی تردید کی ہے، ان کے دلائل یہ ہین کہ اگر نماز حضور کی علت ہوتی تو نماز کے سوا حضور نہ ہوتی، اور اگر غیبت کی علت ہوتی تو غائب نماز کو ترک کرنے سے حاضر ہوتا، چنانچہ حضرت شیخ ہجویریؒ کے نزدیک نماز محض اپنی ذات کا ایک غلبہ ہے، جس کا تعلق غیبت اور حضور سے نہیں۔

ایک بحث یہ بھی ہے کہ نماز سے تفرقہ ہوتا ہے، یا جمع، جن کو نماز میں تفرقہ ہوتا ہے، وہ فرض اور سنت کے سوا نمازیں بہت کم پڑھتے ہیں، اور جن کو جمع کی کیفیت حاصل ہوتی ہے، وہ رات دن نمازیں پڑھا کرتے ہیں، شیخ ہجویریؒ کے نزدیک نماز پڑھنے والوں کیلئے نفس کا فنا کرنا ضروری ہے، مگر اس کیلئے ہمت کو جمع کرنے کی ضرورت ہے، اور جب ہمت جمع ہو جاتی ہے، تو نفس کا غلبہ ختم ہو جاتا ہے، کیونکہ نفس کی حکومت تفرقہ سے قائم رہتی ہے، تفرقہ عبادت کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا۔

حضرت شیخ ہجویریؒ کی رائے میں اصلی نماز یہ ہے کہ جسم عالم ناسوت میں ہو، اور روح عالمِ ملکوت میں، صوفیائے کرام نے ایسی نمازیں پڑھی ہیں، حضرت حاتم اصمؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب میں نماز پڑھتا ہوں تو بہشت کو اپنی سیدھی جانب اور دوزخ کو پشت کی جانب دیکھتا ہوں، حضرت ابوالخیر اقطعؒ کے پاؤں میں آکلہ ہو گیا تھا، اطباء نے پاؤں کاٹنا چاہا، مگر وہ راضی نہ ہوئے، ایک روز نماز سے فارغ ہوئے تو پاؤں کو کٹا ہوا پایا، ایک بی بی کو نماز میں بچھو نے چالیس بار ڈنک مارا، مگر ان کی حالت میں کسی قسم کا تغیر نہ ہوا، وہ نماز سے فارغ ہوئیں تو ان سے پوچھا گیا کہ بچھو کو کیوں نہیں اپنے سے دور کیا، بولیں، خدا کے کام کے درمیان اپنا کام کیسے کرتی، مردوں کیلئے نماز باجماعت کی تاکید ہر حال میں کی ہے، چنانچہ انھوں نے خود چالیس برس کی مسلسل سیاحت میں ہر وقت کی نماز جماعت سے ادا کی، اور جمعہ کی نماز کسی قصبہ

میں پڑھی، جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا۔

زکوٰۃ چھٹا حجاب زکوٰۃ ہے، جو ایمان کا جز ہے، اس سے روگردانی جائز نہیں، سالک کو زکوٰۃ میں نہ صرف سخی، بلکہ جواد ہونا چاہئے، سخی سخاوت کے وقت اچھے اور برے مال میں اور اس کی زیادتی اور کمی میں تمیز کرتا ہے، مگر جواد کے ہاں اس قسم کا فرق و امتیاز نہیں ہوتا۔

اس موقع پر ایک سوال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ صوفی کے فقر میں زکوٰۃ کی گنجائش کہاں؟ مگر حضرت شیخ ہجویریؒ کے نزدیک زکوٰۃ صرف مال ہی کی نہیں، ہر شے کی ہوتی ہے، زکوٰۃ کی حقیقت نعمت کی شکر گذاری ہے، تندرستی ایک نعمت ہے، جس کیلئے زکوٰۃ لازم ہے، اس کی زکوٰۃ سب اعضا کو عبادت میں مشغول رکھنا ہے، باطن بھی ایک نعمت ہے، اس کی زکوٰۃ عرفان حاصل کرنا ہے۔

روزہ ساتواں حجاب روزہ ہے حضرت شیخ ہجویریؒ کے نزدیک روزہ سے مراد حواس خمسہ کو اس طرح مقید کرنا ہے کہ نفس و ہوا کا گذر نہ ہو، بھوک سے بحث کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اس سے نفس میں فتادگی، اور دل میں عاجزی پیدا ہوتی ہے، اگرچہ بھوک سے جسم بلا میں مبتلا ہوتا ہے، لیکن دل کو روشنی، جان کو صفائی اور سر کو بقا حاصل ہوتی ہے، حضرت ابو العباس قصابؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب میں کھاتا ہوں تو اپنے میں گناہوں کا مادہ پاتا ہوں، اور جب کھانے سے ہاتھ اٹھا لیتا ہوں تو سب طاعتوں کی اصل پاتا ہوں، حضرت عبداللہ تستریؒ پندرہ روز میں ایک دفعہ کھانا کھاتے تھے، اور جب ماہ رمضان المبارک شروع ہوتا تھا، تو معمولی افطار کے سوا عید تک وہ کچھ نہیں تناول فرماتے تھے، حضرت ابراہیم ادہمؒ بھی رمضان المبارک میں کوئی چیز نہیں کھاتے تھے، حالانکہ سخت گرمی کا موسم ہوتا تھا، روزانہ گیہوں کاٹنے کے کام پر جایا کرتے تھے، اور جو کچھ مزدوری ملتی تھی، اس کو فقراء و مساکین کو دیدیا کرتے تھے۔

حج آٹھواں حجاب حج کا ہے، حضرت شیخ ہجویریؒ کے نزدیک حج کیلئے ایک صوفی کا نکلنا، گناہوں سے توبہ کرنا ہے، کپڑے اتار کر احرام باندھنا انسانی عادتوں سے علیحدہ ہونا ہے، عرفات میں قیام کرنا، مشاہدہ کا کشف حاصل کرنا، مزدلفہ جانا نفسانی مرادوں کو ترک کرنا ہے، خانہ کعبہ کا طواف کرنا خدائے تعالیٰ کے جمالِ باکمال کو دیکھنا ہے، صفا اور مروہ میں دوڑنا دل کی صفائی اور اس میں مروت حاصل کرنا ہے، منیٰ میں آنا آرزوؤں کو ساقط کرنا ہے، قربانی کرنا گویا نفسانی خواہشوں کا ذبح کرنا ہے، اور کنکریاں پھینکنا بُرے ساتھیوں کو دور کرنا ہے، جس صوفی کو حج میں یہ کیفیات حاصل نہیں ہوئیں، اس نے گویا حج نہیں کیا۔

مشاہدہ حضرت شیخ ہجویریؒ نے حج کو مقامِ مشاہدہ قرار دیا ہے، اس لئے اس باب میں مشاہدہ پر بحث کی ہے، حضرت ابو العباسؒ نے فرمایا کہ مشاہدہ یقین کی صحت اور محبت کا غلبہ ہے، یعنی جب خداوند تعالیٰ کی محبت کا غلبہ اس درجہ پر ہو کہ اس کی کلیت اس کی حدیث ہو جائے، تو پھر اللہ کے سوا کوئی

اور چیز دکھائی نہیں دیتی، حضرت شیخ شبلیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے جس چیز کی طرف دیکھا، خداوند عالم کیلئے دیکھا، یعنی اس کی محبت کا غلبہ اور اس کی قدرت کا مشاہدہ کیا، ان دونوں اقوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ مشاہدہ میں ایک گروہ فاعل کو دوسرا فاعل کے فعل کو دیکھتا ہے، حضرت شیخ ہجویریؒ کے نزدیک مشاہدہ دل کا دیدار ہے، دل پر تو انوار الٰہی ہے اس لئے ظاہر اور باطن میں حق تعالیٰ کا دیدار کرتا ہے، اور یہ دیدار کیفیت ہے، جو ذکر و فکر میں حاصل ہوتی ہے۔

آداب سالک اس کے بعد مختلف ابواب میں حضرت شیخ ہجویری نے سالک کے طریق و آداب پر بحث کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ (۱) سالک ہر حال میں حق کے احکام کا اتباع کرتا ہو، (۲) بندوں کا حق بھی ادا کرتا ہو، (۳) اس کیلئے کسی شیخ کی صحبت ضروری ہے، کیونکہ تنہائی اس کیلئے آفت ہے، (۴) جب کوئی درویش اس کے پاس آئے تو عزت کے ساتھ استقبال کرے، (۵) سفر کرے تو خدا کے واسطے کرے، یعنی اس کا سفر حج یا غزوہ یا علم یا کسی شیخ کی تربت کی زیارت کیلئے ہو، (۶) اس کا کھانا اور پینا بیماروں کے کھانے اور پینے کے مانند ہو، اور حلال ہو، وہ دنیا دار کی دعوت قبول نہ کرے، (۷) چلے تو خاکساری اور تواضع سے چلے، رعونت اور تکبر اختیار نہ کرے، (۸) اسی وقت سوئے جب نیند کا غلبہ ہو، (۹) خاموش رہے، کیونکہ خاموشی گفتار سے بہتر ہے، لیکن گفتار کے ساتھ حق ہو تو وہ خاموشی سے بہتر ہے، (۱۰) کسی چیز کی طلب کرے تو خدا سے کرے، (۱۱) تجرد کی زندگی سنت کے خلاف ہے، اس کے علاوہ تجرد میں نفسانی خواہشات کا غلبہ رہتا ہے، لیکن اگر سالک خلق سے دور رہنا چاہتا ہو تو مجرد رہنا اس کیلئے زینت ہے۔

سماع آخر میں سماع پر بحث ہے، حضرت شیخ ہجویریؒ کے نزدیک سماع مباح ہے مگر اس کے لئے حسب ذیل شرطیں ہیں، سالک سماع بلا ضرورت نہ سنے اور طویل وقفہ کے بعد سے، تا کہ اس کی تعظیم دل میں قائم رہے، محفل سماع میں مرشد موجود ہو، عوام شریک نہ ہوں، قوال فاسق نہ ہوں، سماع کے وقت دل دنیاوی علائق سے خالی ہو، طبیعت لہو و لعب کی طرف مائل نہ ہو، اگر وجد کی کیفیت طاری ہو جائے تو اس کو تکلف کے ساتھ نہ روکے، اور یہ کیفیت جاری رہے تو تکلف کے ساتھ اس کو جذب کرنے کی کوشش نہ کرے، وجد کے وقت کسی سے مساعدت کی امید نہ رکھے، اور کوئی مساعدت کرے تو اس کو نہ روکے، قوال کے گانے کی اچھائی اور برائی کا اظہار نہ کرے، محفل سماع میں لڑکے نہ ہوں، حضرت شیخ ہجویریؒ نے سماع کے وقت رقص کو کسی حال میں بھی پسند نہیں کیا ہے، بلکہ اس کو حرام اور ناجائز قرار دیا ہے[1]۔

---

[1] کہا جاتا ہے کہ کشف المحجوب کے ضمیمہ کے طور پر حضرت علی ہجویریؒ نے ایک رسالہ کشف الاسرار کے نام سے بھی لکھا تھا۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ

نام ونسب تذکرہ نگار حضرت خواجہ کا پورا اسمِ مبارک معین الدین حسن سنجری چشتی لکھتے ہیں، اصلی نام معین الدین تھا، ان کے والد بزرگوار سید غیاث الدین کے نام کے ساتھ حسن[1] بھی جزو تھا، اس لئے ان کے نام کا بھی یہ جزو ہو گیا۔

مختلف تذکروں میں ان کا مختلف پدری شجرہ درج ہے، مثلاً جواہر فریدی میں یہ نسب نامہ ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین بن غیاث الدین حسن سنجری بن سید حسن احمد بن سید طاہر بن سید عبدالعزیز ابن سید ابراہیم بن امام محمد مہدی بن امام حسن عسکری بن امام نقی بن امام تقی ابن امام علی موسیٰ رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن حضرت امیر المومنین امام حسین شہید دشتِ کربلا رضی اللہ عنہ، ابن حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ

خزینۃ الاصفیاء میں ہے،

حضرت خواجہ معین الحق والدین بن غیاث الدین بن سید کمال الدین بن سید احمد حسین بن سید طاہر بن سید عبدالعزیز بن سید ابراہیم......

تذکرہ السادات میں ہے،

''خواجہ معین الدین بن سید غیاث الدین بن سید سراج الدین بن سید عبداللہ بن سید عبدالکریم بن سید عبدالرحمٰن بن سید علی اکبر بن سید ابراہیم۔

مولد سیر العارفین ص ۵ میں ہے،

''تولد او بجستان است ونشو نما در دیار خراسان،

اکبر نامہ میں ہے،

''خواجہ از سیستان است و او را سنجری می تولیند کہ معرب سگی است (ج ۲ ص ۱۵۴[2])

The Khwaja cam from Sistan and thez write him Sifgi which is the Arabic for Sigzi ...... wrongly printed in the Textao Singri the mistake is covected inlrrate.

---

[1] سیر الاولیاء ص ۴۸۔۴۴، آئین اکبری جلد سوم ص ۶۸، جواہر فریدی قلمی نسخہ وسفینۃ الاولیاء ص ۱۵۸، گلزار ابرار عکسی نسخہ۔

[2] اکبر نامہ کے انگریزی مترجم کا ترجمہ (ص ۲۳۸) میں یہ ہے،

آئین اکبری میں ہے،

''درقصبہ سنجراز دار سجستان بزاد (جلد سوم ص ۱۶۸)

گلزار ابرار میں ہے:۔

''بقصبہ سنجراز دار سجستان علمی صورت اور اعضری خلعت پوشایند......لیکن پرورش درصوبہ خراسان یافت۔''

تزک جہانگیری میں اکبر نامہ ہی کی روایت ہے،

تاریخ فرشتہ کی روایت ہے،

''تولداو در بلدۂ سجستان بود۔'' (جلد دوم ص ۳۷۵)

سیر الاقطاب میں درج ہے،

''آنحضرت اصل از سادات سنجرستان است......مولد شریف، آں حضرت در صفاہان است ونشوونما در خراسان یافت (ص ۱۰۱)

جواہر فریدی میں ہے،

''تولداو در سجستان است ونشوونما در دیار خراسان۔''

مرأۃ الاسرار کے مولف لکھتے ہے،

''ولادت دی بقصبہ سنجر در دیار سجستان است وآں راسیستان نیز گویند......و در خراسان نشوونمایافت۔''

مطلوب الطالبین میں ہے،

''ولادت دے بقصبہ سنجر کہ در دیار سجستان کہ ایں راسیستان نیز گویند واقع شد در ملک خراسان نشوونمایافت۔''

روضۃ الاقطاب میں مرقوم ہے،

''ولادت دے بقصبہ سنجر کہ در دیار سجستان است وآں راسیستان نیز گویند واقع شد در ملک خراسان نشوونمایافت (ص ۳۰)

خزینۃ الاصفیاء میں ہے،

''مولد شریف دے بلدۂ اصفہان است ونشوونما در خراسان یافت۔'' (جلد اوّل ص ۲۵۷)

اوپر کے تزکروں میں صرف سیر الاقطاب اور خزینۃ الاصفیاء میں ہے، کہ حضرت خواجہ اصفہان میں پیدا ہوئے، جو ظاہر ہے کہ غلط ہے، کیونکہ اور تمام تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ ان کا مولد سجستان یا

سیستان تھا، اور بعض تذکروں میں تصریح ہے کہ سجستان یا سیستان کے قصبہ سنجر میں ولادت ہوئی، اسی لئے سیر الاولیاء اور اخبار الاخیار جیسے مستند مطبوعہ نسخوں میں اُن کے نام کے ساتھ سنجری لکھا ہے، لیکن راقم الحروف کے خیال میں سنجری کتابت کی غلطی ہے، جو عوام و خواص میں پھیل گئی ہے، دراصل صحیح لفظ سجزی ہے، عرب جغرافیہ نویس سیستان یا سجستان کو سجز بھی کہتے ہیں، جس کی نسبت سجزی ہے، اس لئے میری رائے میں خواجہ معین الدین سنجری کے بجائے سجزی صحیح ہے۔

سنہ پیدائش خواجگانِ چشت کے ملفوظات یا تصانیف میں جو اُن کی طرف منسوب ہے، کہیں حضرت خواجہ کی ولادت باسعادت کے سنہ کا ذکر نہیں، سیر الاولیاء خواجگان، چشت پر قدیم ترین تذکرہ سمجھا جاتا ہے، لیکن اس میں بھی حضرت خواجہ کے حالاتِ زندگی کے سلسلہ میں کسی سنہ کا ذکر نہیں، بعد کے تذکروں میں سیر العارفین میں صرف اتنا ذکر ہے کہ حضرت خواجہ نے اس عالم فانی سے عالمِ بقا کو رحلت فرمائی تو اس وقت ان کی عمر ۹۷ سال کی تھی، آئین اکبری (جلد سوم ص ۱۶۸) میں ہے، کہ وہ ۵۳۷ ہجری میں سنجر کے قصبہ میں پیدا ہوئے، ان کی عمر پندرہ سال کی ہوئی تو ان کے والد بزرگوار کی وفات ہوگئی، آخر میں ہے کہ روز شنبہ ۶ رجب ۶۳۳ھ کو عالمِ بقا کر رحلت فرمائی، تاریخ فرشتہ (جلد دوم ص ۳۷۷) میں سنہ پیدائش تو درج نہیں، لیکن سنہ وفات ۶ رجب ۶۳۳ھ لکھا ہے، اور رحلت کے وقت عمر ۹۷ برس بتائی گئی ہے، اس طرح سنہ پیدائش ۵۳۶ھ تعین کیا جا سکتا ہے۔

گلزار ابرار میں سنہ پیدائش ۵۳۷ھ اور سنہ وفات ۵۳۳ھ مرقوم ہے (اخبار الاخیار ص ۲۲) میں بھی پیدائش کا سنہ نہیں، لیکن اس میں وفات کی تاریخ ۶ رجب ۶۳۳ھ لکھی ہوئی ہے، سیر الاقطاب میں پیدائش اور وفات دونوں کے سنہ مذکور نہیں، سفینۃ الاولیاء میں ہے کہ حضرت خواجہ کی ولادت ۵۳۷ھ اور وفات ۶ رجب ۶۳۳ھ میں ہوئی، لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی اس میں مرقوم ہے کہ حضرت خواجہ کی عمر شریف ایک سو چار برس کی تھی، لیکن جو سنہ ولادت و وفات لکھے گئے ہیں ان سے ۱۰۴ کے بجائے ۹۶ سال کی عمر ہوتی ہے، (ص ۱۵۹) مرأۃ الاسرار میں ہے کہ

> وفاتش روز شنبہ ششم ماہ رجب در سنہ اثنی و ثلثین وستمایہ (۶۳۲) چنانکہ از آفتاب ملک ہند تاریخ پیدا می شود، اما قول اوّل اصح ازانکہ سلطان المشائخ و دیگر بزرگانِ ایں خاندان تصحیح نمودہ اند کہ خواجہ قطب الاسلام در ماہ ربیع الاول سنہ ثلث و ثلثین وستمایہ (۶۳۳ھ) وفات فرمود، واز عبارت دلیل العارفین بلفظ خواجہ ء بزرگ کو خواجہ ء قطب الاسلام نقل کردہ است چنانکہ نوشتہ شد، پس ازیں جا اختلاف برطرف گشت، واز کتاب کلمات الصادقین بہ تحقیق پیوست کہ نقل خواجہ بزرگ در ششم ماہ رجب مدینہ سبع وعشرین و ستمایہ (۶۲۷ھ) در زمان سلطنت شمس الدین التمش انار اللہ برہانہ واقع شد و عمر شریفش

قریب نود وہفت سال رسیدہ بود، از آنجملہ مدت چہل و چند سال در اجمیر سکونت داشت۔"
جواہر فریدی میں پیدائش کی تاریخ نہیں دی گئی ہے، وفات کے سلسلہ میں صرف اتنا ہے کہ
"رحلۃ ایشان در ششم ماہ رجب المرجب روز دوشنبہ است۔"
مطلوب الطالبین میں بھی پیدائش کی تاریخ نہیں ہے، لیکن وفات کی تاریخ ہے
"حضرت خواجہ معین الدین پیش از خواجہ قطب الدین وفات یافتہ نہ بعد از وے وفاتش شب یکشنبہ ماہ رجب المرجب سنہ اثنی و ثلثین وستمایہ، یعنی در سال شش صد سی ودو واقعہ شد، وفات حضرت خواجہ پس از چند ماہ بتاریخ چہاردہم ماہ ربیع الاول سنہ ثلث وثلثین و ستمایہ یعنی در سال صد وسی وسہ بود۔"
یہی تاریخ روضۃ الاقطاب میں ہے، خزینۃ الاصفیاء میں ہے،
"ولادت با سعادت آنجناب باتفاق اہل تواریخ در سال پانصدوسی وہفت (۵۳۷ھ) ووفات آں جامع الکمالات روز دوشنبہ ششم ماہ رجب المرجب سال شش صدوسی وسہ (۶۳۳ھ) درعہد سلطنت شمس الدین التمش بوقوع آمد۔"

(جلد اول ص ۲۶۵)

اردو کے سوانح نگاروں میں مولانا عبدالحلیم شرر حضرت خواجہ کا سنہ وفات ۶ رجب ۶۳۳ھ لکھا ہے، آثار اجمیر مولفہ مولانا معین الدین اجمیری میں سنہ وفات ۶ رجب ۶۳۳ھ مرقوم ہے، لیکن معین الارواح میں نواب خادم حسن زبیری نے سنہ وفات ۶ رجب ۶۲۷ لکھا ہے۔
اوپر کی تفصیلات سے ظاہر ہوگا کہ زیادہ تر تذکرہ نویس اور مورخین وفات کی تاریخ ۶ رجب ۶۳۳ھ لکھتے ہیں، اس طرح پیدائش کی تاریخ ۵۳۷ھ ہوتی ہے، لیکن اس کو تسلیم کرنے میں اس لئے تامل ہے کہ تذکرہ نگاروں اور مورخوں کا اتفاق ہے کہ حضرت خواجہ کی رحلت سلطان شمس الدین التمش کے عہد سلطنت میں ہوئی، طبقات ناصری سلطان التمش کے عہد کی معاصر تاریخ ہے، اس میں سلطان کی وفات کی تاریخ ۲۰ شعبان ۶۳۳ھ لکھی ہوئی ہے، اور اس کو موجودہ دور کے تمام مورخوں نے صحیح تسلیم کیا ہے، اور پھر یہ بھی روایت ہے کہ سلطان نے حضرت خواجہ بختیار کاکی کے جنازہ کی نماز پڑھائی، اور اگر اس کو تسلیم کرنے میں کسی کو عذر ہو تو اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا ہے، کہ حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کی وفات حضرت خواجہ معین الدینؒ کی رحلت کے بعد سلطان التمش کی زندگی میں ہوئی، اور ان کی وفات کا مہینہ ربیع الاوّل تو یقینی ہے، سیر الاولیاء کی روایت ہے کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی وفات ۱۴ ربیع الاوّل ۶۳۳ کو ہوئی، یہ سنہ تسلیم کرنے میں عذر نہیں، کیونکہ اس وقت سلطان التمش زندہ تھا، اس طرح اگر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی رحلت ۱۴ ربیع الاوّل کو ہوئی تو

سلطان التمش نے اسی سال ۲۰؍شعبان کو وفات پائی، اس کو ماننے کے بعد حضرت خواجہ معین الدینؒ کے وصال کی تاریخ ۶؍رجب ۶۳۳ھ نہیں ہو سکتی، کیونکہ ان کی رحلت حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی زندگی ہی میں ہوئی، اب دو تاریخیں ۶؍رجب ۶۳۲ھ اور ۶؍رجب ۶۲۷ھ رہ جاتی ہے، اگر ۶؍رجب ۶۳۲ھ تسلیم کرلی جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے، کہ حضرت بختیار کاکیؒ اپنے مرشد کی رحلت کے آٹھ مہینے کے بعد ہی وفات پاگئے، اگر ایسا ہوتا تو ایک سال کے اندر ہندوستان میں علم و معرفت کے مہر و ماہ کے غروب ہو جانے پر بڑا ماتم ہوتا، پھر تمام تذکرہ نگار لکھتے ہیں کہ حضرت خواجہ کو ان کے مرشد نے خرقۂ خلافت ۵۲ برس کی عمر میں عطا کیا، تو اگر ان کی وفات کی تاریخ ۶۳۲ھ مان لی جائے تو ۹۷ سال کی عمر کے لحاظ سے ان کی تاریخ پیدائش ۵۳۵ھ ہوتی ہے، اس طرح ان کو خرقۂ خلافت ۵۸۷ھ میں ملا جو حضرت خواجہ کے ہندوستان آنے کی تاریخ ہے، اور خرقۂ خلافت پانے کے بعد انھوں نے ہندوستان آنے سے پہلے مختلف ملکوں کی سیاحت کی، اور اگر ۶۲۷ھ کے لحاظ سے ان کی تاریخ پیدائش ۵۳۰ھ تسلیم کرلی جاتی ہے تو خرقۂ خلافت ملنے کی تاریخ ۵۸۲ھ ہوتی ہے، جس کے بعد ان کو ہندوستان آنے سے پہلے پانچ سال کی کافی مدت سیاحت کیلئے مل جاتی ہے۔

حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کے حالاتِ زندگی کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے مرشد کی رحلت کے کچھ عرصہ بعد تک زندہ رہ کر ان کی تعلیمات کی تبلیغ و ترویج فرماتے رہے، اس لئے ۶۲۷ھ کی تاریخ وفات زیادہ قرین قیاس ہے، اگر ۶؍رجب ۶۳۲ھ تاریخ وفات تسلیم کی جاتی ہے، تو حضرت خواجہ کی ۹۷ سال کی عمر کے لحاظ سے ان کی تاریخ ولادت ۵۳۵ھ ہوئی اور اگر تاریخ وفات ۶۲۷ھ مان لی جائے تو سنہ پیدائش ۵۳۰ہجری قرار پاتا ہے۔

ابتدائی تعلیم

اوپر ذکر آیا ہے کہ حضرت خواجہ کی نشو و نما خراسان میں ہوئی، پندرہ سال کی عمر میں والد بزرگوار کا سایہ سر سے اُٹھ گیا[1]، ترکہ میں ایک باغ ملا، اس کی نگہبانی کرتے تھے، ایک روز ابراہیم قندوری نامی ایک مجذوب باغ میں آئے، تو حضرت خواجہ نے ان کی خدمت میں انگور کے خوشے پیش کئے، لیکن انھوں نے انگور نہیں کھایا، اور کھلی کے ایک ٹکڑے کو دانتوں سے چبا کر خواجہ صاحب کے منہ میں دیا، کھلی کا کھانا تھا کہ حضرت کا دل انوار الٰہی سے روشن ہو گیا[2]، علائق دنیا کو چھوڑ کر طلب خدا میں اٹھ کھڑے ہوئے، بخارا اور سمرقند پہنچے، جہاں کلام مجید حفظ کیا، اور علوم ظاہری کی تعلیم میں مشغول رہے[3]۔

---

[1] جواہر فریدی قلمی نسخہ، مونس الارواح قلمی نسخہ سیر الاقطاب ص ۱۰۱، مطلوب الطالبین قلمی نسخہ، روضۃ الاقطاب ص ۳۰۔

[2] سیر العارفین (مطبع رضوی دہلی ص ۵) مونس الارواح خزینۃ الاصفیاء ص ۲۵۔

[3] سیر العارفین و جواہر فریدی اور روضۃ الاقطاب ص ۳۔

بیعت سمرقند سے نکل کر عراق کی طرف روانہ ہوئے، قصبہ ہارون[1] میں حضرت شیخ عثمان ہارونی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور ان سے شرف بیعت حاصل کیا، بیعت کے وقت مرشد نے مرید سے وضو کرایا، دو رکعت نماز پڑھوائی، پھر قبلہ رخ ہو کر سورہ بقرہ پڑھنے کو کہا، اس کے بعد اکیس بار درود شریف پڑھوایا، اور ساٹھ بار سبحان اللہ، آسمان کی طرف اپنا چہرہ مبارک اٹھایا، اور مرید کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا۔

''ترا بخدا رسانیدم و مقبول حضرت او گردانیدم۔''

پھر مرید کے سر کے بال قینچی سے تراشے اور کلاہ چہار ترکی اور گلیم خاص مرحمت کیا، کلاہ چہار ترکی کی تصریح خزینۃ الاصفیاء کی حسب ذیل عبارت سے ہوتی ہے۔

''مراد از کلاہ چار ترکی چار ترک است، اوّل ترک دنیا، دوم ترک عقبی وسوائے ذات حق مقصود دیگر نداری، سوم ترک خور و خواب، مگر قدرے برائے سد رمق کہ از ضروریات است، چہارم ترک خواہش یعنی ہر چہ کہ بگوید خلاف آں کنی، دہر کہ ایں چہار چیز ترک کند پوشیدن کلاہ ترکی بوئے سزاوار است۔'' (خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل ص ۲۵)

مرشد کی کچھ اور ہدایتوں پر خواجہ صاحب نے شبانہ روز عمل کیا، تو چند دنوں میں انوار الٰہی سے اپنے قلب کو منور پایا[2]۔

شجرۂ طریقت حضرت خواجہ کا شجرۂ طریقت یہ ہے:۔

(۱) خواجہ عثمان ہارونی، (۲) خواجہ حاجی شریف زندانی (۳) خواجہ محمد مودود چشتی (۴) خواجہ ابو یوسف چشتی (۵) خواجہ ابو محمد چشتی (۶) خواجہ ابو احمد چشتی (۷) خواجہ ابو اسحٰق شامی حسنی سالار چشتیاں (۸) خواجہ ممشاد علی دینوری (۹) خواجہ امین الدین ابی ہبیرہ بصری (۱۰) خواجہ سدید الدین حذیفہ مرعشی (۱۱) خواجہ ابراہیم ادھم (۱۲) خواجہ ابو الفیض فضیل (۱۳) خواجہ ابو الفضل (۱۴) خواجہ حسن بصری (۱۵) حضرت امیر المومنین علیؓ بن ابی طالب۔

حضرت خواجہ ابو اسحٰق شامی قصبہ چشت کے رہنے والے تھے، اسی لئے چشتی کہلائے اور ان کا سلسلہ بھی چشتی سے موسوم ہوا، چشت خراسان میں ہرات کے قریب واقع ہے۔

---

[1] یہ قصبہ نیشاپور کے صوبہ میں واقع ہے۔

خیر المجالس میں ہے:۔

''خواجہ فرمود کہ ہارونی نیست، ہرونی است، ہرون دیہی است، خواجہ دراں دہ بود''

لیکن تمام تذکرہ نویسوں نے ہرونی کے بجائے ہارونی ہی لکھا ہے، صحیح تو ہرونی ہے، لیکن ہارونی ہی زبان وقلم پر چڑھا ہوا ہے۔

[2] انیس الارواح ص ۳ و جواہر فریدی، وسیر الاقطاب ص ۱۰۲۔

خدمت مرشد انیس الارواح (ص۴۔۳) میں ہے کہ مرشد کی صحبت میں بیس سال گذارے، دلیل العارفین (ص۳) میں ہے کہ حضرت خواجہ اپنے مرشد کے ساتھ آٹھ سال رہے، سیر العارفین، گلزار ابرار اور جواہر فریدی کے مولفوں کا بیان ہے کہ انھوں نے اپنے مرشد کی خدمت میں ڈھائی سال رہ کر ریاضت ومجاہدہ میں زندگی بسر کی، سیر الاولیاء، سیر الاقطاب، روضۃ الاقطاب، مطلوب الطالبین، اخبار الاخیار، مونس الاروح اور سفینۃ الاولیاء، میں ہے کہ بیس سال تک اپنے پیر کی خدمت میں رہے، اور غلاموں کی طرح خدمت کی، سفر میں مرشد کا بستر اور دوسری ضروری چیزیں اپنے سر پر رکھ کر چلتے۔

مرشد کے ساتھ سیاحت مرشد کے ساتھ وہ سیوستان، دمشق، اوش، بدخشاں، بغداد، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ بھی گئے، اور ان کے ساتھ بزرگوں سے روحانی فیوض بھی حاصل کیے، جس کی مثالیں ذیل میں درج ہیں:۔

مرشد کی معیت میں سیوستان پہونچے تو وہاں شیخ صدرالدین محمد سیوستانی سے ملنے ان کے صومعہ میں گیے، جہاں کئی روز رہے، یادحق میں ان بزرگ کا استغراق حد سے زیادہ تھا، جو کوئی ان کے پاس آتا محروم نہ جاتا، اس کو کوئی چیز لاکر ضرور دیتے، اور فرماتے کہ میرے حق میں دعائے خیر کرو کہ اپنا ایمان قبر تک سلامت لیجاؤں، جب وہ قبر اور موت کے شدائد کا حال سنتے تو بید کی طرح کانپتے اور روتے روتے ان کی آنکھوں سے خون بہنے لگتا، جیسے کسی چشمے سے پانی رواں ہو، یہ گریہ سات سات دن تک بند نہ ہوتا، آسمان کو دیکھ کر روتے، اور ان کے رونے سے دیکھنے والوں کو رونا آتا تھا، ایک موقع پر حضرت خواجہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا، ''اے عزیز! جس کو موت آنے والی ہو، اور اس کا حریف ملک الموت ہو، اس کو سونے ہنسنے اور خوش رہنے سے کیا کام، اس کے بعد فرمایا، اے عزیز! اگر تمھیں ان لوگوں کا ذرا بھی حال معلوم ہو جو زیر خاک ایسی کوٹھڑی میں سوتے ہیں، جس میں سانپ بچھو بھرے ہوئے ہیں، تو اس کو معلوم کرتے ہی تم اس طرح پگھل جاؤ جیسے پانی میں نمک پگھل جاتا ہے، اس کے بعد فرمایا ایک وقت میں ایک بزرگ کامل کے ساتھ بصرہ کے ایک قبرستان میں بیٹھا ہوا تھا، پاس ہی قبر میں ایک مردہ پر عذاب ہو رہا تھا، ان بزرگ نے جب یہ حال معلوم کیا تو زور سے نعرہ مار کر زمین پر گر پڑے میں نے ان کو اٹھانا چاہا تو ان کی روح قلب سے پرواز کر گئی، اور تھوڑی دیر میں ان کا جسم پانی ہو کر بہ گیا، اس دن سے مجھ پر بھی قبر کی بڑی ہیبت طاری ہے، اس لئے اے عزیز! دنیا میں مشغول نہ ہونا کہ حق سے غافل ہو جاؤ۔ (دلیل العارفین ص۱۶)

بدخشاں پہنچے تو وہاں ایک خانقاہ میں ایک بزرگ کو دیکھا، جن کا ایک پاؤں کٹا ہوا تھا، ان سے باتیں ہوئیں تو انھوں نے فرمایا کہ اس خانقاہ میں عبادت کرتا تھا کہ ایک روز نفسانی خواہش میں مبتلا ہو کر

باہر نکلنا چاہا اور جیسے ہی ایک پاؤں باہر نکالا تھا کہ ندا آئی ،

اے مدعی عہد ایں بود کہ فراموش کردی

یہ سُن کر اس پاؤں کو چھری سے کاٹ کر باہر پھینک دیا، اور چالیس سال سے عالم تحیر میں ہوں کہ معلوم نہیں قیامت کے روز درویشوں کے ساتھ خدا کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ (انیس الارواح ص ۳)

مرشد کے ساتھ حضرت خواجہ نے حضرت خواجہ بہاء الدین اوشی سے شرف ملاقات حاصل کیا، اور انھوں نے حضرت خواجہ کو نصیحت فرمائی کہ تمہیں روپیہ پیسہ جو کچھ بھی ملے اپنے پاس نہ رکھنا، خدا کی راہ میں لٹا دینا، تا کہ اللہ کے دوستوں میں تمہارا نام ہو۔ (فوائد السالکین مجلس سوم)

مرشد ہی کے ساتھ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی بھی زیارت کی، اور پیر و مرشد نے ان کے حق میں خدا اور اس کے رسول کی بارگاہ میں دعائیں کیں، اور مرشد نے گوشِ شنوا سے سنا۔

"معین الدین دوست است اور قبول کردم و برگزیدم۔"

مدینہ منورہ ہی میں بارگاہ رسالت سے حضرت خواجہ کو ہندوستان جانے کی بشارت ملی[1]

حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ کو خواجہ صاحب سے بڑی شیفتگی اور محبت تھی فرمایا کرتے،

"معین الدین محبوب خدا است و مرا فخر است بر مریدی او[2]۔"

اور جب انھوں نے ان کو خرقہ عطا کیا تو ان کے سر پر چارتر کی بھی رکھی،

انیس الارواح میں ہے کہ خرقہ کے ساتھ عصا، نعلین چوبی اور مصلیٰ بھی دیا، اور فرمایا کہ ان تبرکات کو اسی طرح اپنے پاس رکھنا جس طرح ہم نے رکھا ہے، اور اسی کو یہ یادگار دینا، جس کو تم مرد پاؤ، اور جو کچھ ہم نے تم کو بتایا اس پر عمل کرنا، تا کہ قیامت کے دن شرمندگی نہ ہو۔ (انیس الارواح ص ۳۴)

تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ حضرت خواجہ نے اپنے مرشد سے ۵۲ سال کی عمر میں خرقہ خلافت پایا، اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ وہ اپنے مرشد کے ساتھ بیس سال رہے، تو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ۳۲ سال کی عمر میں مرید ہوئے، اس سے پہلے کا زمانہ ظاہری اور باطنی علوم کی تحصیل میں گذرا۔

سیاحت

مرشد سے علیحدگی کے بعد حضرت خواجہؒ نے مختلف مقامات کی سیاحت کی جس کو ترتیب زمانی کے ساتھ لکھنا مشکل ہے، کیونکہ مختلف تذکرہ نگاروں کی مختلف روایتیں ہیں، سیر العارفین میں اس سیاحت کی تفصیل اور تذکروں کے مقابلہ میں زیادہ ہے، اس کے مصنف کی روایت ہے کہ حضرت خواجہؒ مرشد سے علیحدہ ہونے کی بعد پہلے سنجان آئے، پھر جبل پہونچے جہاں سے بغداد شریف وارد ہوئے، وہاں سے چل کر ہمدان تشریف لائے، پھر تبریز ہوتے ہوئے مہنہ آئے، پھر خرقان، استر آباد، ہری سبزدار، حصار اور بلخ ہوتے ہوئے غزنین پہنچے، جہاں سے ہندوستان کی طرف رُخ کیا، دلیل

---

[1] سیر الاقطاب ص ۱۰۳ و مونس الارواح [2] سیر العارفین ص ۷، سفینۃ الاولیاء ص ۱۵۸، سیر الاقطاب ص ۱۰۳، مونس الارواح۔

العارفین اور دوسرے تذکروں سے معلوم ہوتا ہے، کہ انھوں نے اصفہان، کرمان اور بخارا کی بھی سیاحت کی، اور اگر یہ روایت تسلیم کرلی جائے کہ مدینہ منورہ میں ان کے ہندوستان جانے کی بشارت ملی، تو پھر خیال ہوتا ہے، کہ اس زمانہ میں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی بھی زیارت فرماتے رہے۔

حضرت خواجہؒ کی یہ سیاحت راہ سلوک کی کٹھن منزلیں طے کرنے کی خاطر ہوئی، اسی لئے وہ وہیں پہنچے جہاں بحر معرفت کے غواص اور شناور موجود تھے، ان کی صحبت میں رہ کر فیوض و برکات حاصل فرماتے رہے، مثلاً سنجان پہنچے تو شیخ نجم الدین کبری (المتوفی ۶۱۸ھ) کی خدمت ڈھائی برس تک قیام پذیر ہوئے[1]، جیل آئے تو حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ (المتوفی ۵۶۱ھ) کے یہاں ستاون روز رہ کر ہر قسم کے فیوض حاصل کئے[2]، بغداد آئے تو حضرت شہاب الدینؒ سہروردی (المتوفی ۶۳۲ھ) کے پیر شیخ ضیاء الدین کی صحبت سے مشرف ہوئے[3]، بغداد کے قیام کے زمانہ میں وہ دجلہ کے کنارے ایک خانقاہ میں گئے، جہاں ایک بزرگ مقیم تھے، حضرت خواجہ نے ان کو سلام کیا تو انھوں نے اشارہ سے جواب دیا، اور بیٹھ جانے کو کہا، جب وہ بیٹھ گئے تو ان بزرگ نے مخاطب ہو کر فرمایا مجھے پچاس سال ہوئے کہ خلق اللہ سے علیحدہ ہو کر یہاں بیٹھا ہوں، جیسے تم سفر کرتے پھرتے ہو اسی طرح میں بھی سفر کرتا تھا اثنائے سفر میں میرا گذر ایک شہر میں ہوا، تو ایک مالدار شخص کو دیکھا کہ بازار میں کھڑا ہوا لوگوں سے بھاؤ تاؤ کرتا ہے، اور نہایت سختی سے پیش آتا ہے، اور اپنے گاہکوں کو بہت تکلیف دیتا ہے، میں خاموشی سے ادھر سے گذر گیا، اور اس مالدار شخص کو کچھ نہ کہا، میرے کان میں آواز آئی کہ اگر تو خدا کیلئے اس شخص کو مردار دنیا سے باز رکھتا اور جھڑک دیتا کہ ایسا کام نہ کرو تو شاید وہ تیرا کہا مان جاتا، اور ظلم سے باز آتا، جس روز سے میں نے یہ آواز سنی ہے، بہت شرمندہ ہوں، اور اس خانقاہ میں مقیم ہوں، کبھی اس سے باہر قدم نہیں نکالا، مجھ کو اس بات کا بڑا خوف ہے کہ قیامت کے روز جب اس معاملہ کے متعلق پوچھا جائے گا، تو کیا جواب دوں گا، میں نے اس تاریخ سے قسم کھائی ہے کہ کہیں نہ جاؤں گا تا کہ میری نظر کسی چیز پر نہ پڑے، اور میں شہوت میں پکڑا نہ جاؤں[4]۔

کرمان پہنچے تو ایک ایسے بزرگ سے ملے، جو بڑے صاحب نعمت و ریاضت تھے، یاد حق میں مشغولیت کی وجہ سے ان کے بدن میں صرف روح ہی باقی تھی گوشت و پوست بالکل نہ تھا، وہ باتیں بہت کم کرتے تھے، حضرت خواجہ نے ارادہ کیا کہ ان سے پوچھیں کہ آپ کا حال ایسا کیوں ہے، تو انھوں نے اپنی روشن ضمیری سے ان کے ارادے کو معلوم کرلیا، اور ان کے سوال کرنے سے پہلے اپنا حال بیان کرنا شروع کیا کہ اے درویش! ایک روز میں اپنے دوست کے ساتھ قبرستان گیا، اور ایک قبر کے پاس ہم دونوں ٹھہرے، اتفاقاً اس دوست سے لہو ولعب کی کوئی بات سرزد ہوگئی، جس پر مجھے ہنسی آگئی، ہنسنے پر

---

[1] سیر العارفین ص ۵، [2] سیر العارفین میں ہے کہ پانچ مہینے رہے۔ [3] سیر العارفین، ص ۶ [4] دلیل العارفین مجلس چہارم۔

میرے کان میں یہ آواز آئی کہ جس کا حریف ملک الموت ہو، اور زیر خاک سانپ اور بچھو کے درمیان اس کا گھر ہو اس کو ہنسی سے کیا سروکار، ؟ جب میں نے یہ بات سنی، آہستہ سے اٹھا اور اپنے دوست کو رخصت کیا، وہ اپنے گھر گیا، اور میں اس غار میں آیا، اور یہاں سکونت اختیار کرلی، اور اس دن سے مجھ پر بڑی ہیبت طاری ہے، اور خوف سے میری جان روز بروز گھلتی جاتی ہے، آج چالیس سال ہوئے کہ نہ میں ہنسا ہوں اور نہ میں نے شرمندگی سے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا ہے، کہ کل قیامت کے دن وہاں کیا منہ دکھاؤں گا[1]۔

استراباد پہنچے تو شیخ ناصر الدین استرابادی کی زیارت کی[2]، بخارا کی سیاحت میں ایک مردِ حق سے ملے جو نابینا تھے، لیکن یاد الٰہی میں مشغول رہتے تھے، حضرت خواجہؒ نے ان سے پوچھا کہ کب سے نابینا ہوئے، تو کہنے لگے، جب میں حد کمال کو پہنچا تو ایک دن میری نگاہ غیر پر پڑ گئی، غیب سے آواز آئی، اے مدعی! تو ہماری محبت کا دعویٰ کرتا ہے، لیکن غیر کی طرف دیکھتا ہے، اس کو سنتے ہی میں اتنا شرمندہ ہوا کہ میں نے دعا کی کہ الٰہی! جو آنکھ دوست کے سوا غیر کو دیکھے، وہ اندھی ہو جائے، ابھی یہ بات کہنے بھی نہ پایا تھا کہ دونوں آنکھیں اندھی ہو گئیں[3]۔

تبریز میں حضرت شیخ ابو سعید تبریزی سے ملاقات کی[4]، اصفہان میں شیخ محمود اصفہانی سے کسب فیوض کیا[5]، بلخ میں شیخ احمد خضرویہ کی خانقاہ میں مقیم رہے[6]، غزنین میں شیخ نظام الدین ابو المؤید کے پیر شیخ عبد الواحد غزنوی کی زیارت کی۔

اور پھر اس سیاحت میں بزرگانِ دین کے مزارات پر چلہ کر کے فیوض باطنی بھی حاصل فرماتے رہے، مثلاً ہمدان تشریف لائے تو حضرت ابو یوسف ہمدانی (المتوفی ۵۳۵ھ) کے مزار کی زیارت کی[7]، خرقان میں شیخ ابو الحسن خرقانی (المتوفی ۴۲۵ھ) کے مزار اقدس پر حاضری دی، ہرات میں شیخ عبد اللہ انصاری (المتوفی ۴۸۱ھ) کے مزار پر مراقبہ کیا، اور جب یہاں شب بیداری کرتے تو فجر کی نماز عشاء کے وضو سے پڑھتے تھے[8]۔

تکمیل ولایت

راہ سلوک کے تب و تاب برداشت کرنے کے بعد حضرت خواجہ میں اولیاء اللہ کی تمام باتیں پیدا ہو گئیں، جن کے مظاہرے اس سیاحت کے دوران میں بھی ہوتے رہے، مثلاً جب وہ سبزوار تشریف لائے، تو وہاں ایک باغ میں ایک حوض کے پاس فروکش ہوئے، وہاں کا حاکم یادگار محمد باغ میں سیر کیلئے پہنچا تو ایک اجنبی کو دیکھ کر چیں بجبیں ہوا، لیکن حضرت خواجہ نے اس کی طرف

---

[1] فوائد السالکین مجلس سوم۔ [2] سیر العارفین ص۹، [3] دلیل العارفین مجلس دہم۔ [4] سیر العارفین ص۶، شیخ ابو سعید تبریزی کے متعلق دیکھو خیر المجالس ص۱۵۱۔ [5] سیر العارفین ص۷۔ [6] ایضاً ص۱۶۔ [7] سیر العارفین میں ہے کہ حضرت خواجہ صاحب نے شیخ ہمدانی سے ملاقات کی، لیکن ان کا جو سنہ وفات ہے اس لحاظ سے خیال ہوتا ہے کہ ملاقات کے بجائے مزار کی زیارت کی ہوگی۔ [8] سیر العارفین ص۹۔

نظر اٹھا کر دیکھا تو وہ مغلوب الحال ہو گیا، اور اس پر بیہوشی کی کیفیت طاری ہو گئی، خواجہ صاحب نے حوض کا پانی لے کر اس کے منہ پر چند چھینٹے دیئے، اس کو ہوش آیا تو حضرت خواجہ کا گرویدہ ہو گیا، مذہباً شیعہ تھا، لیکن اپنے اعیان وارکان کے ساتھ ان کا مرید ہو گیا، اور اپنی ساری دولت ان کی خدمت میں پیش کر دی، مگر انھوں نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور فرمایا کہ جو مال ظلم وتعدی سے وصول کیا گیا ہے، وہ اس کے اصل مالکوں کے حوالہ کر دیا جائے، یادگار محمد نے ایسا ہی کیا، غلاموں اور لونڈیوں کو آزاد کر دیا، اور جب ظاہری وباطنی تعلیم کی تکمیل کر لی، تو حضرت خواجہ نے اس کو اپنا خرقہ خلافت بھی عطا کیا[1]۔

بلخ کے قیام میں اسی طرح کا ایک واقعہ پیش آیا، وہاں حکیم ضیاء الدین درویشوں کے منکر تھے، لیکن ایک روز حضرت خواجہؒ جنگل میں ایک کلنگ کا شکار کر کے اس کا کباب بنا رہے تھے کہ حکیم ضیاء الدین بھی اتفاق سے وہاں پہنچ گئے، حضرت خواجہ نے ان کو کباب کا ایک ٹکڑا کھانے کو دیا، جس کے بعد ان پر ایک غیر معمولی کیفیت طاری ہو گئی، اور حضرت خواجہ کے مرید ہو گئے، گھر آئے تو طب کی تمام کتابوں کو دریا میں ڈال کر راہ طریقت پر گامزن ہو گئے[2]۔

ورود ہند حضرت خواجہ کے ورود ہند سے متعلق بھی تذکرہ نگاروں کے بیانات میں بڑی ژولیدگی ہے، جس سے اردو کے بعد تذکرہ نگاروں کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ حضرت ہندوستان کئی بار آئے اور گئے، دلیل العارفین کی مجلس دہم میں صرف اتنا سا مختصر ذکر ہے کہ حضرت خواجہؒ عارف کی صفات بیان فرما رہے تھے کہ یکایک اشکبار ہو کر فرمایا کہ میں اس مقام کا سفر کرتا ہوں جو میرا مدفن ہے، یعنی اجمیر، پھر ہر شخص کو رخصت کیا، لیکن حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کو ساتھ چلنے کا حکم دیا اس کے بعد اجمیر پہنچے، تو اس کثرت سے لوگ مسلمان ہوئے جس کی حد نہ تھی۔ (ص ۵۴-۵۵)

لیکن آئین اکبری میں حضرت خواجہ کے ذکر میں ہے:۔

''درسالے کہ معزالدین سام دہلی برگرفت بدانجا رسید (ص ۱۶۸)''

ملا عبدالقادر بدایونی کی منتخب التواریخ جلد اوّل (ص ۵۰) میں شہاب الدین غوری کے ہندوستان پر دوسرے حملہ کے ذکر میں ہے۔

''از جاہائے دیگر چناں مفہوم می شود کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس اللہ سرہ العزیز کہ سرچشمہ اولیائے کبار ومشائخ نظام دیار ہند است ومزار متبرک او در اجمیر واقع دریں نوبت با سلطان ہمراہ بود۔''

اس سے مراد یہ تو نہیں ہے کہ حضرت خواجہ سلطان کے لشکر کے جلو میں آئے، البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ سلطان کی فوج ہندوستان آئی تو حضرت خواجہ اس کے ساتھ ہو گئے۔

---

[1] ایضاً ص ۱۰۔ [2] سیر العارفین ص ۱۱، ۱۲۔

سیر العارفین (ص ۱۲۔۱۳) میں ہے کہ خواجہؒ غزنین سے لاہور، وہاں سے دہلی اور دہلی سے اجمیر آئے، لیکن اس میں یہ بھی ہے کہ جب وہ اجمیر تشریف لائے تو اس وقت قطب الدین ایبک (۶۰۲ھ۔ ۶۰۷ھ) کی طرف سے سید حسین مشہدی اجمیر کے داروغہ تھے، لیکن اس میں کہیں یہ ذکر نہیں کہ حضرت خواجہ شہاب الدین غوری کے ہندوستان پر دوسرے حملہ (۵۸۸ھ) کے وقت اجمیر ہی میں تشریف رکھتے تھے، جیسا کہ اور دوسرے شواہد سے اندازہ ہوگا، فرشتہ کی روایت بھی یہی ہے، کہ حضرت خواجہ غزنین سے لاہور اور دہلی ہوتے ہوئے اس وقت اجمیر آئے، جب کہ سید حسین مشہدی المشہور بہ خنگ سوار اجمیر کے درواغہ تھے، اور تاریخ ۱۰ محرم ۵۶۱ھ بتائی ہے، جو یقیناً کتابت کی غلطی ہے (جلد دوم ص ۳۷۷) سیر العارفین اور تاریخ فرشتہ دونوں کی یہ روایت صحیح نہیں ہے کہ حضرت خواجہ قطب الدین ایبک کے زمانہ میں اجمیر تشریف لائے۔

اکبر نامہ جلد دوم میں ہے کہ غزنین سے ہندوستان میں سلطان معز الدین سام کے آنے سے پہلے حضرت خواجہؒ اپنے پیر کی اجازت سے ہندوستان آئے، اور اجمیر میں جہاں کہ ہندوستان کا فرماں روا رائے پتھورا تھا، رہنے کی جگہ پائی، (ص ۱۵۴) سیر الاقطاب کی روایت اور بھی گنجلک ہے، اس کے مولف نے لکھا ہے، کہ خواجہ مدینہ منورہ میں روضہء پاک کے پاس مقیم تھے کہ ان کو بشارت ملی کہ وہ ہندوستان جا کر اجمیر میں قیام کریں، جہاں سید حسین (؟) جہاد میں شہید ہو گئے ہیں، اور اسی وقت وہ چالیس آدمیوں کے ساتھ ہندوستان روانہ ہو گئے (ص ۱۲۴) اس روایت کے مطابق حضرت خواجہ سید حسین یعنی قطب الدین ایبک کی وفات کے بعد اجمیر پہنچے، جو صحیح نہیں، اخبار الاخیار میں ہے کہ:۔

"درزمان پتھورا رائے ہندوستان با جمیر آمد وبہ عبادت مولیٰ مشغول شد (ص ۲۲)"

مرأۃ الاسرار میں ہے کہ حضرت خواجہؒ غزنین سے لاہور اور لاہور سے دہلی آئے، جو اس وقت رائے پتھورا چوہان کا دار السلطنت تھا، اور دہلی سے اجمیر تشریف لائے، خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ حضرت خواجہ غزنین سے لاہور اور دہلی ہوتے ہوئے ۱۰ محرم ۵۶۱ھ کو اجمیر آئے، تو میر حسن خنگ سوار نے ان کے حلقہء ارادت میں آ کر اعلیٰ مراتب حاصل کئے، (جلد اوّل ص ۲۵۹) یہ روایت سیر العارفین اور تاریخ فرشتہ کی محض آواز بازگشت ہے، ان گنجلک روایتوں میں ہم سیر الاولیاء ہی کی روایت کو تسیم کرتے ہیں کہ حضرت خواجہؒ رائے پتھورا کے زمانہ میں اجمیر میں آ کر سکوت پذیر ہو گئے تھے۔

طبقات ناصری (ص ۱۱۹) میں ایک گنجلک سی عبارت ہے، جو شہاب الدین غوری اور رائے پتھورا کی دوسری جنگ کے سلسلہ میں ہے۔

"سلطان غازی دیگر سال لشکر اسلام جمع کرد، وبہ انتقام سال گذشتہ روئے بہ ہندوستان نہاد، ایں داعی از ثقہ شنید کہ از معارفِ جبال بلاد تولک بود لقب او معین الدین

اومی گفت کہ من درآں لشکر باسلطان غازی بودم۔“

اگر معین الدین سے خواجہ معین الدینؒ مراد ہیں، تو پھر اس سے سیر الاولیاء کی روایت کی تصدیق ہو جاتی ہے۔

قیام لاہور

ان بیانات سے یہ بھی ظاہر ہے کہ اجمیر آنے سے پہلے حضرت خواجہ لاہور آئے، سیر العارفین کے مولف کی روایت ہے، کہ یہاں شیخ سعد الدین حمویہ کی پیر شیخ حسین زنجانی سے بے حد دوستی اور محبت ہوگئی، آئین اکبری (جلد سوم ص ۱۶۸) میں ہے کہ ”خواجہ معین الدین درلاہور صحبت اورسید۔“ لیکن یہ بیانات صحیح نہیں، کیونکہ فوائد الفواد (ص ۳۵) میں ہے کہ شیخ حسین زنجانی شیخ علی ہجویریؒ کے پیر بھائی تھے جو شیخ علی ہجویریؒ کے لاہور آنے سے پہلے وفات پا گئے تھے۔

سیر العارفین میں ہے، کہ جس سال حضرت خواجہ معین الدینؒ لاہور پہنچے، اسی سال حضرت شیخ المشائخ حضرت علی ہجویریؒ کا انتقال ہوا تھا۔

از آنجا بخطہ لاہور رسید، حضرت شیخ المشائخ شیخ پیر علی ہجویریؒ قدس سرہٗ العزیز، کہ الفقیر عندی من لا قلب له ولا ادب له قول اوست، همدراں سال از دار فنا رحلت نموده بود۔“ (ص ۱۲)

یہ روایت صحیح نہیں، کیونکہ ہم گذشتہ باب میں لکھ چکے ہیں کہ حضرت شیخ علی ہجویریؒ قدس سرہٗ العزیز کی وفات کا سنہ ۴۶۵ھ سے ۵۰۰ھ کے آغاز تک بتایا جاتا ہے۔ جس سے یہ ظاہر ہے کہ حضرت خواجہ کی پیدائش سے بہت پہلے شیخ علی ہجویریؒ کا وصال ہو چکا تھا۔

ملتان میں آمد

دلیل العارفین میں حضرت خواجہ کے ملتان آنے کا بھی ذکر ہے اس میں ہے کہ جب حضرت خواجہ ملتان میں تھے، تو ایک بزرگ نے ان سے فرمایا کہ اہلِ محبت کی توبہ تین قسم کی ہے، ایک توبہ جو ندامت سے ہو، دوسرے وہ جو معصیت ترک کرنے کے خیال سے ہو، تیسرے وہ جو خصومت اور ظلم سے پاک رہنے کے لئے ہو۔ (ص ۵۴)

دہلی کی تشریف آوری

حضرت خواجہؒ دہلی بھی تشریف لائے، اور سیر العارفین کے مولف کا بیان ہے کہ حضرت خواجہ نے یہاں شیخ رشید مکی کی قبر کے پاس قیام کیا جہاں پر ایک مسجد بھی تھی۔ (ص ۱۲)

اجمیر

سیر العارفین ہی کے مولف کا بیان ہے، کہ حضرت خواجہ دہلی میں لوگوں کے ہجوم سے گھبرا گئے، تو اجمیر تشریف لائے، پہلے ذکر آیا ہے کہ اس زمانے میں اجمیر اور دہلی کا حکمراں چوہان خاندان کا مشہور راجہ رائے پتھورا تھا، اس کے مقربین نے خواجہ صاحب کے قیام میں بڑی مزاحمت کی، اور جب انھوں نے حضرت خواجہؒ کے عظمت وکرامت کے مقابلہ میں اپنے کو بے بس اور لاچار

پایا[1]، تو ہندو جوگیوں کو خواجہ کو مغلوب کرنے کے لئے مامور کیا، ان میں تذکرہ نگار نمایاں طور پر جوگی جے پال کا ذکر کرتے ہیں، جس سے حضرت خواجہ کے بڑے بڑے معرکے ہوئے ہیں، لیکن حضرت خواجہ اپنی روحانی قوت سے اس پر غالب رہے، اور اس نے متاثر ہو کر حضرت خواجہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا، جنھوں نے اسلام کا اسلامی نام عبداللہ رکھا، اور خلافت بھی مرحمت فرمائی[2]۔

حضرت خواجہ کے رشد و ہدایت کا سلسلہ برابر جاری رہا، سیر الاولیاء میں ہے،

''مسلمانے از پیوستگان شیخ معین الدین قدس اللہ سرہ العزیز بر پتھورا می بود، آں مسلمان را بسے مضرت رسانیدن گرفت آں مسلمان التجا بخدمت شیخ معین الدین کرد۔'' (ص۴۶)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پتھورا کے ملازمین بھی مشرف بہ اسلام ہونے لگے تھے، حضرت خواجہ کے اثرات بڑھے تو راجہ کی طرف سے ان کو اجمیر سے نکال دینے کی دھمکی ملی، لیکن حضرت خواجہ نے اس دھمکی پر صرف یہ ارشاد فرمایا:

''پتھورا را زندہ مسلماناں دادیم[3]۔''

چنانچہ یہ پیشن گوئی صحیح ثابت ہوئی شہاب الدین غوری نے پتھورا کے خلاف ۵۸۸ھ میں جنگ کی تو پتھورا گرفتار ہو کر مارا گیا، تذکرہ نگار لکھتے ہیں کہ شہاب الدین غوری خراسان میں تھا کہ اس نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ حضرت خواجہ کھڑے ہیں، اور فرما رہے ہیں کہ خدائے تعالیٰ تم کو ہندوستان کی بادشاہت عنایت کرنے والا ہے، تم اس ملک کی طرف توجہ کرو، خواب کے بعد اس نے ہندوستان کی طرف فوج کشی کی، ملا عبدالقادر بدایونی منتخب التواریخ جلد اوّل (ص۵۰) میں شہاب الدین غوری کے دوسرے حملہ (۵۸۸ھ) کے ذکر میں ہے:۔

''وایں فتح بموجب راندن نفس مبارک رحمانی آں قطب ربانی نمود۔''

شہاب الدین غوری کی فتح کے بعد مسلمانوں کے سیاسی اقتدار اور حضرت خواجہ کے فیوض و برکات سے ہندوستان اسلام کے نور سے منور ہو گیا، اسی لئے حضرت کا لقب وارث النبی فی الہند ہے۔

سیر الاولیاء میں ہے:۔

''بوصول قدم مبارک آں آفتاب اہل یقین کہ بہ حقیقت معین الدین بود ظلمت ایں دیار بنور اسلام روشن و منور گشت (ص۴۷)

---

[1] سیر الاولیاء ص۴۶، [2] روضۃ الاقطاب ص۳۲ مطلوب الطالبین و خزینۃ الاصفیاء ج ا ص۲۹۵۔ [3] فوائد السالکین ص۱۵، سیر الاولیاء ص۴۷ مطلوب الطالبین روضۃ الاقطاب اخبار الاخیار ص۲۲، بعض تذکروں میں یہ الفاظ کچھ بدلے ہوئے ہیں مثلاً سیر الاولیاء میں ہے ''پتھورا زندہ گرفتیم و دادیم بہ لشکر اسلام۔'' اخبار الاخیار میں ہے، ''پتھورا زندہ گرفتیم و دادیم''

آئین اکبری جلد سوم (ص ۱۶۸) میں ہے:۔

''عزلت گزینی با جمیر شد، وفراداں چراغ برافروخت واز دم گیرائے اوگروہا گروہ بہرہ برگرفتند۔''

حضرت خواجہ تبلیغ اسلام بھی کرتے رہے، اور جب وہ دہلی سے اجمیر جارہے تھے تو راستہ میں سات سو ہندوؤں کو مسلمان کیا[1]، (خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل ۲۵۹) میں ہے:۔

''ہزار در ہزار از صغار و کبار بخدمت اں محبوب کردگار حاضر شدہ مشرف بہ شرف اسلام و ارادت آنحضرت شدند، بحدیکہ چراغ اسلام در ہند بطفیل ایں خاندان عالی شان روشن گشت۔''

ازدواجی زندگی اجمیر کے قیام کے زمانہ میں دو شادیاں کیں، جن میں ایک تو سید وجیہ الدین مشہدی (حاکم اجمیر) کی دختر نیک اختر عصمت اللہ بی بی تھیں اور دوسری کسی ہندو راجہ کی لڑکی بی بی امتہ اللہ تھیں، جو مشرف باسلام ہوگئی تھیں، حضرت خواجہؒ صاحب کی اولاد میں تین لڑکے حضرت سید فخر الدین، حضرت سید ضیاء الدین ابو سعید، اور حضرت سید حسام الدین تھے اور ایک دختر نیک اختر بی بی حافظہ جمال تھیں، حضرت خواجہ نے سید فخر الدینؒ اور بی بی حافظ جمال کو خلافت بھی دی، بی بی حافظ جمال عورتوں کو شرعی اور روحانی تعلیم دیا کرتی تھیں، (مراۃ الاسرار، سیر الاقطاب ص ۱۳۴، خزینۃ الاصفیاء ص ۲۶۵)

وصال اور ولادت کے سلسلہ میں جو تاریخ مقرر ہوتی ہے، اس بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت خواجہ کا وصال ۶۲۷ھ میں ہوا، اگر وہ ۵۸۸ھ میں اجمیر آئے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ اجمیر میں ۳۹ سال قیام رہا، سیر الاقطاب میں ہے کہ وفات کے دن عشا کی نماز پڑھ کر اپنے حجرہ کا دروازہ بند کرلیا، حجرہ کے باہر خانقاہ کے رہنے والوں کے کانوں میں ایسی آواز آتی رہی، جیسے کوئی پاؤں کو وجد کی حالت میں ٹپکتا ہو، ان کو خیال ہوا کہ خواجہ صاحب پر وجد کا عالم طاری ہے، اخیر شب میں یہ آواز بند ہوگئی، فجر کی نماز کا وقت آیا، تو دروازے پر دستک دی گئی، لیکن اندر سے کوئی آواز نہیں آئی، جب دروازہ کسی طرح کھولا گیا تو لوگوں نے دیکھا کہ حبیب اللہ حب اللہ کی خاطر جاں بحق ہوگئے[2]۔

محبت رسولؐ تمام عمر عشق الٰہی میں وارفتہ و بے خود رہنے کے ساتھ محبتِ رسول کے نشے میں بھی سرشار رہے، اپنے ملفوظات میں رسول اللہ ﷺ کا ذکر بہت ہی والہانہ انداز میں فرماتے تھے، اور اکثر حدیث نبوی ﷺ بیان فرما کر رونے لگتے تھے، ایک جگہ ملفوظات میں فرمایا کہ افسوس ہے اس شخص پر جو قیامت کے دن آپ سے شرمندہ ہوگا، اس کی جگہ کہاں ہوگی جو آپ سے

---

[1] دعوت اسلام مترجمہ عنایت اللہ، ص ۳۰۱ علی گڑھ، [2] راحت القلوب ص ۳۷، سیر الاقطاب ص ۱۴۱،

شرمندہ ہوگا، وہ کہاں جائے گا، یہ فرما چکے تو ہائے ہائے کرکے رو پڑے[1]۔

مجاہدہ رات کو کم سوتے اور بالعموم عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتے تھے، کلام پاک ایک بار دن میں اور ایک بار رات میں ختم کرتے، مجاہدہ کے ابتدائی دور میں جب کسی شہر میں وارد ہوتے تو قبرستان میں قیام فرماتے، مگر جب لوگوں کو ان کی خبر ہو جاتی تو وہاں توقف نہ کرتے اور چپ چاپ کسی طرف روانہ ہو جاتے[2]۔

حلم وعفو طبیعت میں حلم وعفو کی درویشانہ صفات منتہائے کمال تک پہنچی ہوئی تھیں، ایک بار ایک بدباطن شخص حضرت خواجہؒ کو قتل کرنے کے ارادہ سے آیا، حضرت خواجہ کو اس کا علم نور باطن سے ہو گیا، وہ شخص جب نزدیک آیا تو بہت ہی اخلاق سے پیش آئے اور اپنے پاس بٹھا کر فرمایا کہ جس ارادہ سے آئے ہو، اس کو پورا کرو، یہ سنتے ہی وہ شخص کانپنے لگا، سربسجود ہو کر عاجزی سے بولا کہ مجھ کو لالچ دے کر آپ کو ہلاک کرنے کو بھیجا گیا تھا، یہ کہہ کر بغل سے چھری نکالی اور سامنے ڈال دی، پھر قدموں پر گر کر کہنے لگا کہ آپ مجھ کو اس کی سزا دیجئے، بلکہ میرا کام ہی تمام کر دیجئے، خواجہ صاحب نے فرمایا کہ ہم درویشوں کا شیوہ ہے کہ ہم سے کوئی بدی بھی کرتا ہے، تو ہم اس کے ساتھ نیکی سے پیش آتے ہیں، تم نے تو میرے ساتھ کوئی برائی نہیں کی، یہ کہہ کر اس کیلئے دعائیں کیں، وہ شخص بہت متاثر ہوا، اور اسی وقت سے خدمت میں رہنے لگا حضرت خواجہ کی دعاؤں کی بدولت اس کو ۴۵ بار حجِ کعبہ کی سعادت حاصل ہوئی اور اسی مقدس سرزمین میں پیوند خاک بھی ہوا[3]۔

مریدوں سے محبت حضرت خواجہ صاحب کو اپنے خلفا اور مریدین سے غیر معمولی محبت تھی، خانہ کعبہ میں دعا کی تھی کہ قیامت تک خانوادۂ چشتیہ کا سلسلہ قائم رہے[4]، چنانچہ یہ سلسلہ ابتک قائم ہے، اور انشاءاللہ رہے گا۔

فیاضی فقر و درویشی کے باوجود ان کی خانقاہ میں شاہانہ فیاضیوں کا دریا بہتا تھا، مطبخ میں روزانہ اتنا کھانا پکتا تھا کہ تمام غربا و مساکین سیر ہو جاتے تھے[5]۔

حقوق ہمسایہ پڑوسیوں میں کسی کا انتقال ہو جاتا تو جنازہ کے ہمراہ ضرور تشریف لیجاتے، نماز جنازہ اور تدفین کے بعد جب تمام لوگ واپس ہو جاتے تو تنہا اس کی قبر پر بیٹھے رہتے اور دعائیں جو اس وقت کیلئے موزوں ہیں پڑھتے، ایک بار ایک ہمسایہ کا انتقال ہوا تو حسب معمول جنازہ کے ساتھ گئے، حضرت قطب الدین بھی معیت میں تھے، جب تمام لوگ لوٹ گئے تو حضرت خواجہ ہمسایہ کی قبر پر ٹھہر گئے، حضرت خواجہ قطب الدین فرماتے ہیں، کہ میں نے دیکھا کہ آپ کے چہرۂ مبارک کا

---

[1] دلیل العارفین مجلس دوم، [2] گلزار ابرار (عکسی نسخہ) سیر الاقطاب ص ۱۰۱، ۱۲۳ و خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۲۵۶، [3] سیرت الاقطاب ص ۱۳۳، ۱۳۴، [4] ایضاً ۱۰۴، [5] ایضاً۔

رنگ یکا یک متغیر ہو گیا، پھر اسی وقت اصلی رنگ پر آ گیا، اور آپ الحمدللہ فرماتے ہوئے کھڑے ہو گئے، حضرت قطب الدین نے چہرے کے رنگ کی تغیر کی وجہ پوچھی تو فرمایا قبر میں عذاب کے فرشتے آئے تھے لیکن پھر رحمت الٰہی نازل ہوئی[1]، خود بھی عذاب قبر سے بے حد خائف رہتے تھے، اور جب بھی قبر کا ذکر آتا تو گریہ طاری ہو جاتا، اور کبھی چیخیں مار کر روتے[2]،

لباس وغذا خواجہ صاحب کے فقیرانہ لباس میں دوہرا بخیہ ہوتا تھا، اگر وہ پھٹ جاتا تو جس رنگ کا بھی کپڑا مل جاتا اسی کا پیوند لگا لیا کرتے تھے، کھانا بہت کم تناول فرماتے ریاضت کے ابتدائی زمانہ میں لگاتار سات سات دن تک روزے رکھتے اور صرف پانچ مثقال کی ٹکیہ سے روزہ افطار کرتے، سیر الاقطاب کے مؤلف کا بیان ہے کہ برابر صائم الدہر رہے، سفر میں تیر و کمان، نمکدان اور چمقاق ساتھ رکھتے اور شکار کے کباب سے روزہ افطار فرماتے تھے۔

ذوق سماع سماع سے بھی ذوق تھا، اور محفل سماع میں ان پر غیر معمولی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، ایک بار حضرت خواجہ ابو یوسف چشتی کی خانقاہ میں مقیم تھے، وہاں کی مجلس میں قوالوں نے ان دو شعروں کو گایا۔

عاشق بہ ہوائے دوست بیہوش بود — و ز یادِ محبت خویش مدہوش بود
فردا کہ بہ حشر خلق حیراں ماند — نامِ نودرونِ سینہ و گوش بود

تو خواجہ کئی روز تک بیہوش رہے[3]۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے روایت ہے کہ حضرت خواجہ معین الدینؒ چشتی کی محفل سماع میں شیخ الشیوخ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، شیخ محمد کرمانیؒ، شیخ محمدؒ صفاہانی، مخدوم زادہ شیخ برہان الدین چشتیؒ، مولانا بہاء الدین بخاریؒ، مولانا محمد بغدادیؒ، خواجہ اجل سجزیؒ، شیخ سیف الدین باخرزیؒ، شیخ احمد بن محمد اصفہانیؒ، شیخ جلا الدین تبریزیؒ، شیخ اوحد الدینؒ، شیخ احمد واحدؒ، شیخ برہان الدین غزنویؒ، خواجہ سلیمانؒ خواجہ عبدالرحمٰنؒ اور بغداد کے دوسرے مشائخ کبار بھی شریک رہتے[4]۔

مفتاح العاشقین (ص ۲۲) میں ہے،

"شیخ الاسلام خواجہ معین الحق الشرع والدین قدس اللہ سرہٗ العزیز نے سماع کے بارے میں فرمایا کہ سماع اسرار حق معلوم کرنے کا ایک زریعہ ہے **الذین یستمعون القول فیلتغون احسنہ اولئک الذین ھداھم واولئک ھم الو الالباب** جبکہ حیوانی خصلتیں جو کہ تمام عالم کی ذات میں ہوتی ہیں کسی کی ذات میں مبدل ہو جاتی

---

[1] راحت القلوب مجلس دہم، [2] تفصیل کے لئے دیکھو دلیل العارفین مجلس چہارم، [3] دلیل العارفین مجلس چہارم، [4] سیر الاقطاب ص ۱۰۳،

ہیں، اور اس کے دل پر انسانی خصلتوں کا استیلا ہو جاتا ہے، تو عشق غالب ہوتا ہے، اور ہیبت طاری ہو جاتی ہے، اس وقت اسرار باطن کا کشف ہوتا ہے، اور جب اسرار باطن کا مکاشفہ ہوتا ہے، تو اس ذوق میں رقص کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، جیسا کہ ایک بزرگ نے فرمایا:۔

گر عروس سبز پوش مرار دے نماید
لا جرم طاؤس دل در رقص آید"

علوے مرتبت ہندوستان کے صوفیائے کرام میں خواجہ صاحب کا مرتبہ سب سے زیادہ بلند ہے، رسول اللہ ﷺ کی جانب سے ان کو قطب المشائخین[1]" کے لقب کی بشارت ملی، خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے ان کو "ملک المشائخ، سلطان السالکین منہاج المتقین، قطب الاولیاء شمس الفقراء، ختم المہتدین" کے لقب سے یاد کیا ہے[2]،

سیر العارفین کے مؤلف نے ان کی شان میں لکھا ہے:۔

آں شہنشاہ جہانِ معرفت	ذاتِ او بیروں زادراک وصفت
خسرو ملک آفتابِ تخت و تاج	از خود و از غیر خود بے احتیاج
غرق بحرِ عشق از صدق و صفا	از خودی بیگانہ باحق آشنا
کردہ مرغ ماتمش زواجِ کمال	بیضہء افلاک را در زیر بال
اختر برجِ سپہرِ لم یزل	گوہر درج کمال بے بدل
آں معین الدین ملت بے نظیر	فارغ از دنیا بملک دین امیر
در ثنائے او جمالی را چہ حد	فیض او باید کہ فرماید مدد[3]

اس کے بعد ان کو گوہر معدن لولوے لجہء تصدیق، نیز انوار معرفت اور عرعر گلزار مشیخت کہا ہے۔

سیر الاقطاب کے مصنف نے قطب الاقطاب، حجۃ الاولیاء، مہبط انوار، مخزن المعرفت والحقیقت، پردہ انداز اسرار غیبی، چہرہ کشائے صور لاریبی[4]"اور صاحب سفینۃ الاولیاء نے "زبدہ مشائخ اجل وقدوۂ اولیائے اکمل" کہا ہے[5]۔

مولانا عبدالحق محدث دہلوی نے ان کو "سر حلقہء مشائخ کبار" لکھا ہے۔

خواجہ صاحب کے فیوض و برکات اور کرامات وخوارق عادات عام طور سے بہت مشہور ہیں، اور آج بھی ان کی ابدی خوابگاہ کی زیارت کیلئے ہندوستان کے ہر گوشہ کے لوگوں کا ہجوم ہوتا ہے۔

---

[1] سیر الاقطاب ص ۱۰۲ ومونس الارواح، [2] دلیل العارفین مطبع مجتبائی ص ۴۷، [3] سیر العارفین ص ۵، [4] سیر الاقطاب ص ۱۰۳، [5] سفینۃ الاولیاء ص ۵۸

بادشاہوں کا خراج عقیدت

ہر دور میں ہندوستان کے مسلمان فرمانرواؤں کو حضرت خواجہ کی ذات اقدس سے غیر معمولی عقیدت رہی، سلطان شمس الدین التمش کو بزرگانِ چشت سے جو روحانی لگاؤ رہا، اس کی تفصیل آگے آئیگی، مالوہ کے سلطان محمود خلجی نے راجپوتوں کے خلف فوج کشی کی تو حضرت خواجہ کے مزار پرُ انوار پر پہلے حاضری دی، اس کے بعد میدان جنگ کی طرف رُخ کیا، اور جب اس کو فتح حاصل ہوئی تو مزار کے قریب ایک مسجد بنوائی، جواب صندل خانہ کے نام سے مشہور ہے، بلند دروازہ اور دوسری عمارتیں بھی اسی نے تعمیر کرائیں، شہنشاہ اکبر کو حضرت شیخ سلیم چشتی سے اس لئے عقیدت پیدا ہوئی کہ وہ حضرت خواجہ کے سلسلہ سے منسلک تھے، اور جب شیخ کی دعاؤں سے شہزادہ سلیم پیدا ہوا تو اکبر خوشی میں آگرہ سے اجمیر شریف تک پاپیادہ گیا، راستہ میں روپئے اور اشرفیاں لٹاتا ہوا اجمیر شریف پہنچا، اور وہاں شاہانہ طریقہ پر خیرات تقسیم کرائی، ایک مسجد اور خانقاہ کیلئے کئی عمارتیں بنوائیں، اور درگاہ کے انتظام میں ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچائیں، مراد کی پیدائش پر بھی اکبر نے اجمیر شریف کی زیارت کی اور شہر کے گرد چونے اور پتھر کا حصار بنوایا، اس کو جب بھی کسی اور فوجی کاموں سے فرصت مل جاتی تو حضرت خواجہ کے آستانہ پر ضرور حاضر ہوتا تھا[1]۔

جہانگیر اپنے آٹھویں سال جلوس میں اجمیر شریف گیا تو اس کا حال خود لکھا ہے۔

> ''دوشنبہ کے روز ۵ رشوال مطابق ۲۶ رشعبان کو اجمیر میں داخل ہونے کی سعادت قرار پائی، اس روز صبح کو میں شہر کی طرف بڑھا، جب قلعہ اور حضرت خواجہ بزرگوار کا روضہ نظر آنے لگا، تو ایک کوس پہلے ہی میں پاپیادہ ہوگیا، اور راستے کے دونوں جانب معتمدوں کو مقرر کیا کہ فقراء اور ضرورت مندوں کو روپے دیتے ہوئے آگے بڑھیں، اور جب دن کی چار گھڑیاں گذر چکیں تو شہر میں داخل ہوا، اور پانچویں گھڑی میں روضہ مبارک کی زیارت کا شرف حاصل کیا، اور پھر اپنی قیام گاہ پر واپس آیا، دوسرے دن میں نے حکم دیا کہ شہر کے ہر چھوٹے بڑے شخص اور ہر راہ گیر کو اچھی طرح انعام دیکر خوش کیا جائے''
> (تزک جہانگیری ص ۱۲۵)

۱۰۲۵ھ میں جہانگیر نے ایک لاکھ دس ہزار روپئے صرف کر کے مزار مبارک کے گرد ایک طلائی مجر تیار کرایا تھا، جواب نہیں ہے، وہ اس متبرک اور خوشگوار مقام میں پانچ روز کم تین سال تک مقیم رہا[2]، اس نے بھی اپنے آٹھویں سال جلوس میں درگاہ کو ایک دیگ دی جو آگرہ میں بنائی گئی تھی، پھر اجمیر جا کر اس میں کھانا پکوایا اور پانچ ہزار آدمیوں کو کھانا کھلوایا، اب یہ چھوٹی دیگ کے نام سے مشہور ہے، اور مشہور

---

[1] تفصیل کیلئے دیکھو اکبر نامہ ج ۲ ص ۳۵۰ ص ۱۶۲، ۲۳۳، ۲۵۲، ۶، ۲۷، ۲۴۲ وغیرہ نیز تاریخ فرشتہ

[2] جہانگیر نے اجمیر کے مفصل حالات بھی لکھے ہیں، اس کے لئے دیکھو تزک جہانگیر ص ۹

ہے کہ اس میں اسی من چاول پک سکتے ہیں۔

شاہجہاں نے بھی حضرت خواجہ کے آستانہ پر کئی بار حاضری دی، روضہ کے پاس سنگ مرمر کی مسجد اسی کی بنوائی ہوئی ہے، مسجد کا طول ۹۷ گز شرعی اور عرض ۲۷ گز شرعی ہے، اس میں پانچ دروازے ہیں، ابو طالب کلیم نے اس مصرع سے تاریخ نکالی تھی۔

کعبہ ء حاجات دینا مسجد شاہجہاں

۱۰۴۷ھ

مونس الارواح میں ہے کہ دولاکھ چالیس ہزار روپیہ میں تعمیر ہوئی، اس کی لڑکی جہاں آرا بیگم کو بھی حضرت خواجہ صاحب سے والہانہ عقیدت تھی، درگاہ کا بیگمی دالان اسی نے ۱۰۵۲ھ میں بنوایا، اس کی چھت اور ستون سنگ مرمر کے ہیں، اور فرش سنگ افشاں ابری اور طلائی کا ہے، اسی عقیدت کی بنا پر خواجگانِ چشت پر ایک کتاب مونس الارواح کے نام سے تحریر کی، شاہجہاں کے ساتھ اجمیر گئی، تو اس سفر کے تاثرات کو اس طرح قلمبند کیا ہے۔

''بخت کی یاوری اور طالع کی فیروزی سے یہ فقیرہ حقیرہ والد بزرگوار کیساتھ خطہء پاک حضرت اجمیر بے نظیر کی طرف ۱۸ ر شعبان ۱۰۵۳ء کو روانہ ہوئی اور ۷ ر رمضان المبارک کو تال اناساگر کی عمارتوں میں داخل ہوئی، اس سفر میں ہر روز ہر منزل پر دو رکعت نماز نفل ادا کرتی، ایک بار سورہ یٰسین اور سورۂ فاتحہ اخلاص وعقیدت سے پڑھ کر حضرت پیر دست گیر خواہ معین الحق والدین رضی اللہ عنہ کی روح پر فتوح کو ایصال ثواب کیا، چند روز عمارت مذکور میں ٹھہری، لیکن غایت ادب میں رات کو پلنگ پر نہ سوئی، اور نہ روضہ مبارک کی طرف پاؤں پھیلائے، اور نہ اس کی طرف پشت کی، دن کو درختوں کے نیچے رہتی، حضرت کی برکت اور اس سرزمین جنت آئین کے فیض سے اطمینان اور پھر ایک خاص ذوق پیدا ہوا، ایک رات مولود اور چراغاں کیا، روضہ کی خدمت اور زینت میں جو کچھ مجھ سے ہو سکا، میں نے اس کے کرنے میں کوتاہی نہیں کی، اور نہ کروں گی، الحمد اللہ والمنۃ، لاکھ لاکھ شکر ہے، کہ روز پنجشنبہ ۱۴ ر رمضان المبارک کو حضرت پیر دست گیر رضی اللہ عنہ کے مرقد منور کی زیارت کی سعادت حاصل ہوئی، دن کا ایک پہر باقی تھا کہ میں روضہء اقدس میں گئی اور اپنے زرد چہرے پر اُس آستانہ کی خاک ملی، دروازہ سے گنبد مبارک تک برہنہ پا زمین چومتی گئی، گنبد شریف میں داخل ہو کر اپنے پیر کی قبر پُر نور کے سات پھیرے کئے، اپنی پلکوں سے جھاڑو دی، اور مزار کی خوشبودار خاک کو توتیائے چشم بنایا، اس وقت ایسی حالت اور کیفیت پیدا ہوئی کہ تحریر میں نہیں لائی جاسکتی، غایت شوق اور سراسیمگی میں

سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کہوں اور کیا کروں، عطر اور مقطرات کو معطر قبہ پر اپنے ہاتھ سے ملا، اور پھولوں کی چادر جو اپنے سر پر رکھ کر لائی تھی، قبر مبارک پر چڑھائی، اس کے بعد سنگ مرمر کی مسجد میں جو والد بزرگوار نے تعمیر کرائی ہے، نماز ادا کی، اور پھر گنبد مبارک میں بیٹھ کر سورۂ یٰسین اور سورہ فاتحہ روح پر فتوح کے لئے پڑھی، مغرب کی نماز تک وہیں مقیم رہی، شمع روشن کی، جھالرہ کے پانی سے افطار کیا، عجیب شام تھی جو صبح سے بہتر تھی، اگر چہ اس فانیہ کے اخلاص ومحبت وعقیدت کا تقاضا یہ ہورہا تھا کہ اس مقام متبرک سے نہ ہٹے، لیکن کوئی چارہ نہ تھا۔

رشتہ در گردنم افگندہ دوست
می برد ہر جا کہ خاطر خواہِ اوست

اگر اختیار ہوتا تو ہمیشہ حضرت کے روضہ کے پاس رہتی، کیونکہ یہ عجیب گوشۂ عافیت ہے، اور میں گوشۂ عافیت کی عاشق ہوں، مجبوراً چشم گریاں، دل بریاں اور لاکھوں افسوس کے ساتھ درگاہ سے رخصت ہو کر گھر آئی، تمام رات بے قراری میں گذری، صبح کو جمعہ کے روز والد بزرگوار نے اکبر آباد کی طرف کوچ فرمایا، (مونس الارواح قلمی نسخہ دارالمصنفین)

تاج وتخت کے مالکوں کی اس قسم کی عقیدت میں بعض اعمال ایسے ضرور ہیں جو شرعی نقطۂ نظر سے محمود وپسندیدہ نہیں، لیکن اس حقیقت سے کون انکار کرسکتا ہے کہ ان بوریا نشین درویشوں نے جو اپنے روحانی اثرات چھوڑے وہ خواص وعوام کے دل ودماغ پر یکساں مستولی رہے، عالمگیر بھی کئی بار روضہ کی زیارت کیلئے گیا، وہ اپنے مستقر سے روضہ تک پیادہ پا جاتا تھا، ایک بار پانچ ہزار روپئے بھی بطور نذر پیش کیے[1]۔

تصانیف حضرت خواجہ کی جو تعلیمات تھیں ان کو ہم انیس الارواح اور دلیل العارفین کی مدد سے ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں، کچھ لوگ ان ملفوظات کو جعلی قرار دیتے ہیں، مگر اس کتاب کے ضمیمہ میں پتہ چلے گا کہ ان کو جعلی قرار دینا صحیح نہیں، ان کو ماخذ کے طور پر احتیاط سے استعمال کیا جاسکتا ہے۔

انیس الارواح میں حضرت خواجہ عثمان ہارونی کی ۲۸ صحبتوں کے ملفوظات ہیں، ان ملفوظات میں تصوف کے مہمات مسائل ونکات پر بحث نہیں کی گئی ہے، بلکہ اقوال کے ذریعہ سے بعض شرعی، اخلاقی اور دنیاوی مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے، مثلاً نماز اور شریعت کے فرائض کا منکر کافر ہے، صدقہ دینا ہزار رکعت نماز پڑھنے سے افضل ہے، مومن کو گالی دینا اپنے ماں بہن سے زنا کرنا ہے، ایسے شخص کی دعا سو

---

[1] ماٰثر عالمگیری ص ۱۸۱، ۱۹۰۔

دن تک مستجاب نہیں ہوتی ہے، پیشہ کرنے والا اللہ تعالیٰ کا دوست ہے، لیکن جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ پیشہ ہی کے ذریعہ سے روزی ملتی ہے، وہ کافر ہے، کیونکہ رزاق مطلق خدا ہے، مصیبت میں چلانا، نوحہ کرنا اور کپڑے پھاڑنا ستر مسلمانوں کے خون کرنے کے برابر ہے، مومن وہ شخص ہے، جو تین چیزوں کو دوست رکھتا ہے، درویشی، بیماری اور موت، حاجتمندوں کی مدد کرنے والا اللہ کا دوست ہے، اگر کوئی شخص اوراد و وظائف میں مشغول ہو، اور کوئی حاجتمند آجائے تو لازم ہے، کہ وہ اوراد و وظائف کو چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو اور اپنے مقدور کے مطابق اس کی حاجت پوری کرے، افضل ترین زہد موت کو یاد کرنا ہے، تین شخص بہشت کی بو تک نہ پائیں گے، ایک جھوٹ بولنے والا درویش دوسرا کنجوس، تیسرا خیانت کرنے والا سوداگر۔

دلیل العارفین اس کتاب میں خواجہ صاحب کی بارہ صحبتوں کے ملفوظات ہے، یہ ۵۶ صفحہ کا مختصر رسالہ ہے، جو مطبع مجتبائی دہلی سے چھپ کر شائع ہو گیا ہے، اس میں مختلف دینی مسائل وصوفیانہ رموز مثلاً نماز وضو، طہارت، جنابت غسل، صدقہ، شریعت، حقیقت، طریقت، محبت الٰہی، عشق الٰہی، معرفت الٰہی، عذاب قبر، توقیر گورستان، گناہ کبیرہ، عبادت اہل سلوک، دوزخ، فضیلت سورۂ فاتحہ وسورۂ یٰسین، کشف و کرامات، صحبت نیک و بد، توکل، توبہ اور تجرید پر جستہ جستہ مختصر مگر جامع اور بصیرت انگیز اشارے اور کنائے ہیں، جن کے سمجھنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی ہے۔

تکمیل اخلاق ان ملفوظات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ خواجہ صاحب کے نزدیک اہل سلوک کیلئے ہر قسم کی صوری ومعنوی اخلاق ومحاسن کا حامل ہونا ضروری ہے، کیونکہ ان کے نزدیک تصوف نہ علم ہے، اور نہ رسم بلکہ مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ کا ایک خاص اخلاق ہے (ص ۴۷) جو ہر لحاظ سے مکمل ہونا چاہئے۔

صوری حیثیت سے اس اخلاق کی تکمیل یہ ہے کہ سالک اپنے ہر کردار میں شریعت کا پابند ہو، جب اس سے کوئی بات خلاف شریعت سرزد نہ ہوگی، تو وہ دوسرے مقام پر پہنچے گا، جس کا نام طریقت ہے، اور جب اس میں ثابت قدم رہے گا، تو معرفت کا درجہ حاصل کرے گا، اور جب اس میں بھی پورا اترے گا تو حقیقت کا رتبہ پائے گا، جس کے بعد وہ جو کچھ مانگے گا اس کو ملے گا، اسی لئے خواجہ صاحب نے شریعت کے تمام ارکان اور جزئیات خصوصاً نماز کی پابندی پر بڑا زور دیا ہے۔

نماز فرماتے ہیں نماز رکن دین ہے، اور رکن وستون مترادف ہیں، اگر ستون قائم رہے گا گھر کھڑا رہے گا، اور جب ستون ہی گر جائے گا، گھر گر پڑے گا، جس نے نماز میں خلل ڈالا، اس نے اپنے دین اور اسلام کو خراب کیا، نماز کی اہمیت کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا کہ میرا گذر شام کے قریب ایک شہر میں ہوا، اس شہر کے باہر ایک غار تھا، ایک بزرگ اس میں سکونت پذیر تھے، خوف اور ہیبت الٰہی

سے ان کے بدن پر گوشت و پوست نہ تھا، صرف ہڈیاں ہی رہ گئی تھیں، ایک سجادہ پر متمکن تھے، میں ادب سے قریب جا کر بیٹھ گیا، دریافت فرمایا کہ کہاں سے آتے ہو، میں نے جواب دیا، بغداد سے آتا ہوں، فرمایا خوب آئے، لیکن مناسب ہے کہ درویشوں کی خدمت کرتے رہو، تا کہ تم کو ذوق درویشی حاصل ہو، مجھے کئی برس اس غار میں رہتے ہوئے گذر گئے، تمام دنیا سے علیٰحدگی اختیار کر کے اس غار میں چھپا بیٹھا ہوں، ایک بات سے ایسا ڈرتا ہوں کہ رات دن روتے گذرتے ہیں، میں نے پوچھا کہ حضرت وہ کون سی بات ہے، فرمایا نماز ہے، جس وقت ادا کرتا ہوں، خوف معلوم ہوتا ہے کہ کہیں کوئی شرط فرو گذاشت نہ ہو گئی ہو، اور میری ساری محنت اکارت ہو کر یہی نماز موجبِ عتابِ خداوندی ہو۔ (دلیل العارفین مجلس دوم)

نماز کو مومن کی معراج کہا ہے، چنانچہ فرمایا کہ جب وہ نماز پڑھے تو اس طرح گویا انوار تجلی کا مشاہدہ کر رہا ہے[1]۔

روزہ و حج حضرت خواجہ کے نزدیک روزہ اور حج کی بڑی اہمیت تھی، وہ خود صائم الدہر ہے، اور خانہ کعبہ کی زیارت بکثرت کی ہے، فوائد السالکین (مجلس پنجم) میں ہے کہ اجمیر سے ہر سال حج کیلئے تشریف لیجاتے تھے، ممکن ہے، یہ خیال ہو کہ ہر سال اجمیر سے حج کیلئے جانا اور واپس آنا، اس زمانہ میں ممکن نہ تھا، لیکن اس سے یہ مراد ہے کہ انھوں نے خانہ کعبہ کی زیارت اتنی بار فرمائی کہ اس کا شمار نہیں کیا جا سکتا، اس لئے کہنے کے طریقہ میں بظاہر غلو معلوم ہوتا ہے۔

احترام کلام پاک کلام پاک کی تلاوت کی بڑی فضیلت بتائی ہے، اور اس کو ایک بڑی عبادت قرار دیا ہے، اور اس کتاب کی تعظیم پر بھی بڑا زور دیا ہے، اس سلسلہ میں بیان فرمایا کہ سلطان محمود غزنوی انار اللہ برہانہ کو وفات کے بعد خواب میں دیکھا، پوچھا خدا تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا، جواب دیا ایک رات میں کسی قصبہ میں مہمان تھا، جس مکان میں ٹھہرا تھا، وہاں طاق پر قرآن پاک کا ایک ورق رکھا ہوا تھا، میں نے خیال کیا، یہاں ورق مصحف رکھا ہوا ہے، سونا نہ چاہئے، پھر دل میں خیال آیا کہ ورق مصحف کو کہیں اور رکھوا دوں اور خود یہاں آرام کروں، پھر سوچا کہ یہ بڑی بے ادبی ہوگی کہ اپنے آرام کی خاطر ورق مقدس کی جگہ تبدیل کروں اس ورق کو دوسری جگہ نہ بھیجا، اور تمام رات جاگتا رہا، میں نے کلام پاک کے ساتھ جو ادب کیا اسی کے بدلہ میں تعالیٰ نے مجھ کو بخش دیا[2]۔

اہلِ سلوک کی عبادتیں خواجہ صاحب نے اہل سلوک کی منجملہ عبادتوں میں پانچ اور عبادتیں بتائی ہیں (۱) والدین کی خدمت (۲) کلام اللہ کی تلاوت (۳) علماء و مشائخ

---

[1] دلیل العارفین مطبع مجتبائی ص ۵، [2] دلائل العارفین مجلس پنجم ص ۲۲، یہ ایک خواب کی بات ہے، جس کو موجودہ دور کے مورخ اپنی تحقیق و تدقیق میں اہمیت دینا پسند کریں گے، لیکن اولیاء اللہ محمود غزنوی کو کن نظروں سے دیکھتے تھے، وہ اس واقعہ سے ظاہر ہوگا، یہ روایت فوائد الفواد ص ۱۶۷ میں بھی ملے گی۔

کی تعظیم اور دوستی (۴) خانہ کعبہ کی زیارت (۵) پیر کی خدمت[1]۔

راہ سلوک کے گناہ خواجہ صاحب کا ارشاد ہے کہ راہ سلوک میں چار گناہ کبیرہ ہیں[2]۔ (۱) گورستان میں قہقہہ لگانا (۲) گورستان میں کھانا پینا، کیونکہ یہ عبرت کا مقام ہے (۳) مردم آزاری کرنا (۴) خدا کا نام لیکر لرزہ براندام نہ ہونا، سالک کو ان گناہوں سے بچنا لازم ہے۔

عارف ایک عارف کی معنوی خوبیوں کا اندازہ خواجہ صاحب کے مندرجہ ذیل ارشادات عالیہ سے ہوگا۔

عارف علم کے تمام رموز سے واقف رہتا ہے، اسرار الٰہی کے حقائق اور انوار الٰہی کے دقائق کو آشکارا کرتا ہے[3]۔

عارف عشق الٰہی میں کھو جاتا ہے، اور اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے اسی کی قدرتِ کاملہ میں محو اور متحیر رہتا ہے[4]۔

عارف پر جب حال کی کیفیت طاری ہوتی ہے، تو وہ اس میں ایسا مستغرق ہو جاتا ہے کہ اگر ہزاروں فرشتے بھی اس سے مخاطب ہوں تو وہ ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتا، عارف ہمیشہ مسکراتا رہتا ہے، عالم ملکوت میں خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں مقربین پر اس کی نظر پڑتی ہے، اور وہ ان کے حرکات و سکنات کو دیکھ کر مسکراتا ہے[5]۔

عرفان میں ایک ایسی حالت پیدا ہوتی ہے کہ عارف ایک قدم بڑھا کر عرش سے حجاب عظمت، اور حجاب عظمت سے حجاب کبریا تک پہنچ جاتا ہے، اور دوسرے قدم میں واپس آ جاتا ہے، یہ تو عارف کا کمترین درجہ ہے، ایک عارف کامل کہاں تک پہنچ جاتا ہے، وہ خدا ہی جانتا ہے[6]۔

عارف دونوں جہاں سے قطع تعلق کر کے یکتا (فرد) ہو جاتا ہے، اور جب یہ یکتائی (فردائیت) حاصل کر لیتا ہے، تو وہ ہر چیز سے بیگانہ نظر آتا ہے[7]۔

عارف وہی ہے کہ وہ جہاں بھی ہو، اس کی خواہش کے مطابق کام انجام پائے، وہ نہیں ہے جو کسی چیز کے پیچھے پریشان ہو[8]۔

عارف کے مراتب ہوتے ہیں، جب ان کو وہ طے کر لیتا ہے، تو وہ دنیا کو اپنی انگلیوں کے حلقہ میں دیکھتا ہے[9]۔

عارف کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اس میں صفاتِ الٰہی کا ظہور ہو، اور خدائے تعالیٰ سے عارف کی محبت کا کمال یہ ہے کہ وہ اپنے اوپر دل کے نور کو ظاہر کر دے، اور کوئی شخص اس کے دعویٰ کے ساتھ آئے، تو اس کو

---

۱ دلیل العارفین مطبع مجتبائی ص ۲۱، ص ۲۴، ۲ ایضاً ص ۱۸۔۱۵، ۳ ایضاً ص ۵، ۴ ایضاً، ۵ دلیل العارفین مطبع مجتبائی ص ۶، ۶ ایضاً، ۷ ایضاً ص ۶، ۸ ایضاً ص ۲۱، ۹ ایضاً ص ۸

اپنی کرامت سے ملزم ٹھہرائے[1]۔

"اگر کسے بردے بدعویٰ آید آں رابقوتِ کرامت ملزم کند۔"

اگر کوئی شخص کرامت دیکھنا چاہے، تو اس کو خدا کی اجازت سے کرامت دکھلانی چاہئے۔

عارف خاموش رہتا ہے تو وہ گویا خدائے تعالیٰ سے باتیں کرتا ہے، اور جب آنکھیں بند کر لیتا ہے، تو اس کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اس وقت تک سر نہ اٹھائے جب تک صور اسرافیل کی آواز اس کے کانوں تک نہ پہنچ جائے[2]۔

عارف وہ ہے جو اپنے دل سے ساری باتیں نکال کر یگانہ ہو جائے، عارف کا کمال یہ ہے کہ دوست کی اس راہ میں اپنے کو جلا کر خاک سیاہ کر دے[3]۔

عارف اسی قدر معرفت کی باتیں کر سکتا ہے، جس قدر اس کو عبور ہے، کوئے یار میں دوڑتا ہے، اور معرفت کو اُس وقت تک نہیں پہنچتا ہے، جب تک معارف کو یاد نہ کرے[4]۔

عارف وہ ہے کہ دم حاصل کرے، اور جب دم ہو جائے تو پھر زمین اور آسمان کے بیچ میں اس کو نہ پائے، عارف کا دم ذکر خدا ہے اور اسی دم پر اپنے کو فدا کر دے[5]۔

عارف کی فضیلت اس میں ہے کہ وہ خاموش رہے اور غم و اندوہ میں ہو۔

عارف دنیا کا دشمن اور خدا کا دوست ہوتا ہے، اس کو دنیا کے شور اور ہنگامے کی کوئی خبر نہیں رہتی ہے[6]۔

عارف گریہ کرتا ہے، لیکن جب اس کو قربت نصیب ہوتی ہے، تو گریہ بند کر دیتا ہے۔

دنیا میں تین چیزیں عزیز ترین ہیں، (۱) عالم کا وہ سخن جو اپنے علم سے بیان کرے، (۲) وہ شخص جس کو طمع نہ ہو، اور (۳) وہ عارف جو ہمیشہ دوست کی ثنا و صفت بیان کرتا رہے، (ص ۴۷)

عارف جب وحدانیت اور ربوبیت کے جلال کو دیکھتا ہے تو نابینا ہو جاتا ہے، تاکہ غیر پر اس کی نظر نہ پڑے[7]۔

عارف کا ایثار بے نیاز ہے[8]۔

عارف کی خصلت اخلاص ہے[9]۔

عارف محبت میں کامل ہوتا ہے، اور جب وہ اپنے دوست سے گفتگو کرتا ہے تو وہ ہوتا ہے یا اُس کا دوست[10]۔

عارف صادق وہ ہے کہ اس کی ملک میں کچھ نہ ہو، اور نہ وہ کسی کی ملک ہو[11]۔

---

۱ دلیل العارفین مطبع مجتبائی ص ۸، ۲ دلیل العارفین مطبع مجتبائی ص ۴۳، ۳ ایضاً ص ۶، ۴ ایضاً ص ۴۳، ۵ ایضاً ص ۴۴،
۶ ایضاً ص ۴۷، ۷ ایضاً ص ۴۸، ۸ دلیل العارفین ص ۵۰، ۹ ایضاً، ۱۰ ایضاً، ۱۱ ایضاً ص ۵۱

عارف کا توکل یہ ہے کہ وہ خدائے تعالیٰ کے سوا کسی سے التفات نہ رکھے، حقیقی توکل تو یہ ہے کہ عارف کو خلق سے تکلیف ورنج نہ پہنچے تو وہ نہ ان کی شکایت کرے اور نہ حکایت[1]۔

عارف وہ ہے جو صبح کو اٹھے تو رات کو یاد نہ کرے[2]۔

عارف کی محبت یہ ہے کہ ذکر حق کے سوا کسی چیز سے لگاؤ نہ رکھے[3]۔

عارف کی صفت آفتاب جیسی ہے، تمام دنیا اس سے منور ہے، دنیا کی کوئی چیز اس کی روشنی سے محروم نہیں ہے۔

عارف کے لئے تین ارکان ضروری ہیں، ہیبت، تعظیم، حیا، اپنے گناہوں سے شرمندہ ہونا ہیبت ہے، طاعت گذاری تعظیم ہے، اور خدا کے سوا کسی پر نظر نہ ڈالنا حیا ہے۔ (سیر الاقطاب ص ۱۳۹)

خواجہ صاحب کی طرف ایک دیوان بھی منسوب ہے، مگر اہل نظر کی رائے کہ یہ جعلی ہے، اس لئے ہم اس پر کسی قسم کی بحث کرنی نہیں چاہتے۔

مقامات سلوک دلیل العارفین کے علاوہ خواجہ صاحب کے ملفوظات بعض تذکروں میں بھی محفوظ ہیں، ان ملفوظات میں ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ راہ سلوک میں چودہ مقامات ہیں، (۱) توبہ (۲) عبادت (۳) زہد (۴) رضا (۵) قناعت (۶) مجاہدہ (یا جہد) (۷) صدق (۸) تفکر (۹) استرشاد (۱۰) اصلاح (۱۱) اخلاص (۱۲) معرفت (۱۳) شکر (۱۴) محبت۔

ان میں سے ہر ایک مقام ایک ایک پیغمبر کے ساتھ منسوب ہے، یعنی توبہ حضرت آدمؑ، عبادت حضرت ادریسؑ، زہد حضرت عیسیٰؑ، رضا حضرت ایوبؑ، قناعت حضرت یعقوبؑ، مجاہدہ حضرت یونسؑ، صدق حضرت یوسفؑ، تفکر حضرت شعیبؑ، استرشاد حضرت شیثؑ، اصلاح حضرت داؤدؑ، اخلاص حضرت نوحؑ، معرفت حضرت خضرؑ، شکر حضرت ابراہیمؑ، اور محبت افضل الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے۔

سلوک کے مراتب میں اہلِ طریقت کے لئے مندرجہ ذیل دس شرطیں ضروری قرار دی ہیں:

(۱) طلبِ حق (۲) طلب مرشد کامل (۳) ادب (۴) رضا (۵) محبت و ترک فضول (۶) تقویٰ (۷) استقامت شریعت، (۸) کم کھانا اور کم سونا (۹) لوگوں سے کنارہ کش ہونا، (۱۰) صوم وصلوٰۃ کا پابند ہونا۔

اسی طرح اہلِ حقیقت کے لئے بھی دس چیزیں لازمی ہیں۔

(۱) معرفت میں کامل ہونا، (۲) کسی کو رنج نہ پہنچانا، اور نہ کسی کی برائی کرنا (۳) لوگوں سے ایسی گفتگو کرنا جس سے ان کی دنیا و آخرت بنے، (۴) متواضع ہونا (۵) عزلت نشین ہونا، (۶) ہر شخص کو

---

[1] دلیل العارفین ص ۵۱، [2] ایضاً ص ۵۳، [3] ایضاً ص ۵۴۔

عزیز و محبوب رکھنا، اور اپنے کو سب سے حقیر اور کمتر سمجھنا (۷) رضا و تسلیم کو راہ دینا، (۸) ہر درد اور تکلیف میں صبر اور تحمل کرنا، (۹) عجز و نیاز اور سوز و گداز پیدا کرنا، (۱۰) قناعت اور توکل پسند ہونا[1]۔

خلفاء خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل میں حضرت خواجہ کے خلفاء کی بڑی لمبی فہرست ہے، ان کے اسمائے گرامی یہ بتائے گئے ہیں۔

(۱) قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار اوشی کاکی (دہلی) (۲) خواجہ فخر الدین فرزند ارجمند حضرت خواجہ (قصبہ سردار) (۳) شیخ حمید الدین سوالی ناگوری (۴) شیخ وجیہ الدین (ہرات) (۵) خواجہ برہان الدین عرف بدو (اجمیر) (۶) شیخ احمد (اجمیر) (۷) شیخ محسن (۸) خواجہ سلیمان غازی (۹) شیخ شمس الدین (۱۰) خواجہ حسن خیاط، (۱۱) جے پاک جوگی المعروف بہ عبداللہ (اجمیر) (۱۲) شیخ صدر الدین کرمانی (۱۳) بی بی حافظہ جمال صبیہ سعیدہ حضرت خواجہؒ (اجمیر) (۱۴) شیخ محمد ترک نارنولی (دہلی) (۱۵) شیخ علی سنجری (۱۶) خواجہ یادگار سبزواری، (۱۷) خواجہ عبداللہ بیابانی (۱۸) شیخ متا، (۱۹) شیخ وحید برادر (۲۰) شیخ مسعود غازی (اجمیر)

لیکن سیر الاقطاب (ص ۱۴۰) میں صرف چودہ نام ہیں، جن میں وہ تیرہ کو حضرت خواجہ کا خلیفہ تسلیم کرتے ہیں، اس میں شیخ صدر الدین کرمانی، شیخ محمد ترک نارنولی، شیخ علی سنجری، خواجہ یادگار سبزواری، خواجہ عبداللہ بیابانی، شیخ متا اور شیخ وحید کے نام نہیں ہیں، وہ شیخ مسعود غازی کو بھی حضرت خواجہ کا خلیفہ تسلیم نہیں کرتے، لیکن خزینۃ الاصفیاء نے لکھا ہے، کہ یہ سلطان سالار مسعود غازی شہید سے مختلف ہیں، اخبار الاخیار (ص ۴۶) میں شیخ محمد ترک نارنولی کو خواجہ عثمان ہارونیؒ کا خلیفہ بنایا گیا ہے۔

یہ بزرگانِ دین مختلف مقامات پر مامور تھے تاکہ وہ شمعِ اسلام روشن کر کے ہندوستان کے ظلمت کدہ کو منور کر دیں، اور جب سلاطین دہلی تخت و تاج کیلئے ایک جگہ سے دوسری جگہ فوج کشی میں مشغول تھے، تو خانقاہ کے یہ بوریا نشین انسانوں کے قلوب کی تسخیر کر رہے تھے، رفتہ رفتہ دو متوازی حکومتیں قائم ہو گئیں، ایک تو ان کی تھیں، جن کے ہاتھوں میں تلواریں تھیں، اور ایک ان کی جن کے گھروں میں فقر و فاقہ تھا، لیکن انہی فقر و فاقہ والوں کے ذریعہ ہندوستان میں اسلام کی سچی عظمت اور شوکت قائم ہوئی۔

---

[1] سیر الاقطاب ص ۱۳۷۔۱۳۸

حضرت خواجہ قطبُ الدین بختیار کاکیؒ

نام ونسب

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کی قدس سرہ اوش میں پیدا ہوئے، یہ قصبہ ماوراء النہر میں فرغنہ میں اندجان جنوب مشرق میں واقع ہے، بختیار نام، قطب الدین لقب تھا، عرف عام میں خواجہ کا کی کہلاتے تھے، سیر الاقطاب میں سلسلۂ نسب یہ ہے، (ص ۱۴۲)

خواجہ قطب الدین بختیار اوشی بن سید موسیٰ بن سید احمد بن سید کمال الدین بن سید محمد بن سید احمد بن سید اسحٰق حسن بن سید معروف بن سید احمد حسن بن سید رضی الدین ابن سید حسام الدین بن سید رشید الدین بن سید جعفر بن امیر المومنین حضرت امام محمد تقی الجود بن امیر المومنین حضرت امام علی موسیٰ رضا ابن امام المسلمین حضرت امام موسیٰ ابن امیر المومنین حضرت امام جعفر الصادق بن امیر المومنین حضرت امام محمد باقر بن امیر المومنین حضرت امام زین العابدین بن امیر المومنین حضرت سید الشہداء امام حسینؓ بن امیر المومنین امام المتقین حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہم،

ابتدائی تعلیم

ڈیڑھ سال کے تھے کہ والد بزرگوار کا سایہ سر سے اٹھ گیا، والدہ ماجدہ نے پوری ذمہ داری سے تعلیم وتربیت کا فرض انجام دیا، خیر المجالس میں ہے:۔

''حضرت قطب الدین بختیار کا کی قدس سرہ...... بچہ تھے اور ان کے والد کا سایہ ان کے سر پر سے اٹھ گیا تھا، تو اپنی والدہ سے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ قرآن پڑھوں، مجھ کو کسی معلم کے پاس بھیج دیں، والدہ نے تختی اور مٹھائی منگوائی اور ایک کنیز کے ساتھ پڑوس میں ایک حافظ کے پاس روانہ کیا، راستہ میں ایک بوڑھا آدمی ملا، حضرت خواجہ قطب الدین نے اس کو سلام کیا، اس نے پوچھا بابا کہاں جاتے ہو، جواب دیا، قرآن پڑھنے جاتا ہوں، میری والدہ نے مجھ کو مسجد میں بھیجا ہے، بوڑھے نے کہا اس مسجد میں نہ جاؤ، میرے ساتھ آؤ، میں جہاں چلوں وہاں چلو، اور وہیں قرآن پڑھو، خواجہ صاحب نے کہا'' بہت خوب اور اس بوڑھے آدمی کے پیچھے پیچھے چلے، ایک مسجد میں دونوں آئے، ابا حفص بیٹھے ہوئے تھے، اور ان سے کچھ لڑکے پڑھ رہے تھے، ابا حفص نے اس بوڑھے آدمی کو دیکھا، تو اٹھ کھڑے ہوئے، اور تعظیم بجالائے، اور اس کے پاؤں پر گر پڑے، اس

کے بعد بوڑھے آدمی نے کہا کہ اس بچے کو تمہارے پاس لائے ہیں، اس کے ساتھ محنت کرو، اور قرآن مجید پڑھاؤ، ابا حفص نے منظور کر لیا، اور اپنے پاس بٹھلایا، جب وہ بوڑھا آدمی چلا گیا تو ابا حفص نے خواجہ قطب الدین سے پوچھا کہ جانتے ہو یہ بوڑھا آدمی کون تھا،......وہ خواجہ خضر تھے۔" (ص ۱۰۸)

سیر العارفین میں ہے کہ خواجہ صاحب مولانا ابوحفص کی صحبت کی برکت سے بڑے بڑے ظاہری و باطنی کمالات حاصل کئے، اور سلوک کی تعلیم بھی پائی، یہاں تک کہ ریاضات و مجاہدات سے ایک ساعت بھی غافل نہ رہتے تھے۔ (ص ۱۷)

بیعت اوش سے نکل کر خواجہ صاحب بغداد پہنچے، سیر الاولیاء (ص ۴۸) میں ہے کہ یہاں امام ابواللیث سمرقندی کی مسجد میں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ سے بیعت ہوئے، اس مجلس میں شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، شیخ احمد کرمانی، شیخ برہان الدین چشتی، شیخ محمد صفاہانی بھی تھے، سیر الاولیاء میں بیعت کا سنہ ۵۲۲ھ لکھا ہے، جو کتابت کی غلطی معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اس سنہ میں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔

سیر العارفین (ص ۱۸) میں بیعت کے وقت خواجہ صاحب کی عمر بیس سال لکھی ہوئی ہے، تاریخ فرشتہ (جلد دوم ص ۳۷۸) میں بیس سال اور آئین اکبری (جلد سوم ص ۱۶۹) میں اٹھارہ سال مرقوم ہے۔

عبادت بیعت کے بعد وہ رات دن میں پچانوے رکعت نماز ادا کرتے تھے، اور ہر رات کو تین ہزار بار درود شریف پڑھ کر رسول اللہ ﷺ کے دربار گوہر میں ہدیہ بھیجا کرتے تھے، اسی زمانہ میں ان کی والدہ نے ایک حسین و جمیل لڑکی سے شادی کر دی، شادی کی ابتدائی تین راتوں میں درود شریف پڑھنے کا معمول ناغہ ہو گیا، تو رسول اللہ ﷺ نے انیس احمد نامی ایک زاہد کو خواب کے ذریعہ یہ پیام دیا کہ وہ (حضرت) بختیارؒ سے دریافت کریں کہ وہ جو تحفہ رات کو بھیجا کرتے تھے، اس کو کیوں بند کر دیا، حضرت بختیارؒ نے اسی وقت بیوی کو مہر دیکر آزاد کر دیا، اس کے بعد دنیاوی علائق سے بالکل کنارہ کش ہو گئے[1]۔

سیاحت بیعت اور ازدواجی زندگی کے بعد ہی مختلف مقامات کی سیاحت کی، عاجز راقم کیلئے ترتیب کے ساتھ اس سیاحت کا حال لکھنا ممکن نہیں، فوائد السالکین میں جتنی تفصیل بتائی گئی ہے، اس کو ہم ان ہی کی زبان سے ہدیہء ناظرین کرتے ہیں تا کہ اس میں جو کیفیت ہے وہ باقی رہے۔

غزنین تشریف لے گئے تو وہاں ایک بزرگ سے ملے جو بڑے صاحب تجرید و تفرید تھے، ان کے

---

[1] فوائد الفواد ص ۱۰۷، سیر الاولیاء ص ۵۰، سیر العارفین ص ۱۹، سیر الاقطاب ص ۱۵۶، جواہر فریدی قلمی نسخہ اخبار الاخیار ص ۲۵ موخر الذکر تذکرہ میں بیوی کو طلاق دینے کا ذکر نہیں ہے۔

متعلق فرماتے ہیں کہ جو کچھ ان کو فتوحات حاصل ہوتیں کبھی اپنے پاس نہ رکھتے، دن میں جو چیزیں آتیں وہ شام تک تقسیم کر دیتے، اور جو شام کو حاصل ہوتیں صبح تک نہ رکھتے، چھوٹے بڑے درویش و تونگر ان کی خانقاہ سے محروم نہ جاتے، بھوکوں کو کھلاتے، ننگوں کو کپڑے پہناتے، غرضیکہ بڑے صاحب نعمت تھے، میں نے ان کو فرماتے سنا کہ چالیس برس میں نے مجاہدہ کیا کچھ حاصل نہ ہوا، اور کوئی روشنی نظر نہ آئی، لیکن جب سے کم سونا، کم بولنا، کم کھانا، اور لوگوں سے کم ملنا اختیار کیا، تو روشنی نظر آئی، اور اب عرش اور حجاب عظمت تک کی چیزیں پوشیدہ معلوم نہیں ہوتیں۔ (فوائد السالکین مجلس اوّل)

فرماتے ہیں ایک بار میں دریائی سفر میں تھا کہ ایک بڑے بزرگ اور صاحب نعمت درویش کی زیارت کی، مجاہدے سے ان کا یہ حال ہو گیا تھا کہ جسم مبارک میں صرف ہڈیاں رہ گئی تھیں، ان کا یہ دستور تھا کہ چاشت کی نماز سے فارغ ہو کر لنگر خانہ میں تشریف لے جاتے، جس میں ہزاروں من کھانا ہوتا، ظہر کی نماز تک اس کی تقسیم میں مصروف رہتے، ہر آنے والے کو کھانا کھلاتے اور ننگے کو حجرے میں لیجا کر کپڑے پہناتے، یہاں تک کہ لنگر خانے میں کوئی چیز باقی نہ رہتی، پھر مصلے پر جا بیٹھے، ان کا حکم تھا کہ جو کوئی بھی آئے، ان کے پاس بھیج دیا جائے، وہ مصلے کے نیچے سے جو کچھ اس کی قسمت میں ہوتا عطا کرتے، چند روز میں ان بزرگ کی خدمت میں رہا، وہ صائم الدہر تھے افطار کے وقت ان کے پاس چار کھجوریں آتیں، دو مجھ کو دیتے اور دو خود کھاتے، مجھ سے فرمایا کہ درویش جب تک لوگوں کی صحبت ترک کر کے گوشہ گیر نہ ہو جائے اور کم نہ کھائے، کم نہ سوئے، کم نہ بولے، عالی مقام نہیں ہو سکتا، (فوائد السالکین مجلس اوّل)

دریائی سفر کا ایک اور واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ میں اپنے یار غار قاضی حمید الدین ناگوری کے ساتھ ایک دریا کے کنارے فروکش تھا، دیکھا ایک بہت بڑا بچھو بڑی تیز سے کہیں جا رہا ہے، میں نے قاضی سے کہا کہ اس میں کوئی سر الٰہی پوشیدہ ہے، ہم دونوں بچھو کے پیچھے ہو لئے، بچھو ایک درخت کے پاس پہنچا، تو اس نے ایک بہت ہی خوفناک اژدہے کو ڈنک مارا، جس سے وہ مر گیا، پاس ہی ایک شخص سو رہا تھا، ہم وہاں ٹھہر گئے کہ یہ نیند سے اُٹھے تو ہم اس سے ملاقات کریں، ہم نے اس کے نزدیک جا کر دیکھا تو وہ نشے میں بدمست پڑا تھا، تعجب ہوا کہ ایسے نافرمان بندے پر اللہ تعالیٰ نے اس قدر کیوں رحمت فرمائی، غیب سے آواز آئی کہ اگر ہم پارساؤں ہی پر اپنی توجہ رکھیں تو غریبوں کا کون حامی ہوگا، اس کے بعد وہ متوالا اٹھا تو مردہ اژدہے کو پاس دیکھ کر پریشان ہوا، ہم نے بچھو اور اژدہے کی کیفیت اس سے بیان کی، تو وہ نادم ہوا، اور کچھ عرصے کے بعد ہم نے سنا کہ وہ بہت بڑا بزرگ ہو گیا، اور اس نے ستر بار پاپیادہ حج کیا[1]۔

---

[1] مجلس اوّل، اس واقعہ کی اور بھی تفصیلات ہیں، لیکن ہم نے اختصار سے کام لیا ہے، نیز دیکھو سیر الاولیاء، ص ۵۲۔۵۳ و روضۃ الاقطاب ص ۱۷،

مجلس اوّل ہی میں فرماتے ہیں:۔میں نے ایک شہر میں دیکھا کہ دس دس بیس بیس آدمی جا بجا متحیر کھڑے ہیں، نماز کے وقت عالمِ صحو میں آ جاتے ہیں، اور نماز ادا کر کے پھر عالمِ سکر میں چلے جاتے ہیں، میں بہت دنوں تک ان کی خدمت میں رہا، ایک روز ان میں سے کچھ لوگ عالم صحو میں آئے، تو میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ لوگوں کا یہ حال کب سے ہے، جواب دیا کہ ساٹھ یا ستر سال ہوئے ہوں گے کہ ہم نے راندہ درگاہ ابلیس لعین کا قصہ سنا تھا، اسی وقت سے ہمارا یہ حال ہے۔

مجلس دوم میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک بار سمرقند میں ایک بزرگ سے ملاقات کی جو عالم تحیر میں تھے، میں نے وہاں کے لوگوں سے پوچھا کہ ان کو اس حال میں رہے ہوئے کتنے سال ہوئے، لوگوں نے جواب دیا کہ ہم ان کو بیس سال سے اسی حالت میں دیکھتے ہیں، میں چند روز ان کی صحبت میں رہا، ایک بار عالم صحو میں پایا، تو دریافت کیا کتنے روز سے آپ کو کسی کے آنے جانے کی اطلاع نہیں ہوئی، جواب دیا، اے نادان! درویش جب دریائے محبت میں غرق ہو جاتا ہے، تو گو اس کے ٹکڑے ٹکڑے بھی کر ڈالیں لیکن اس کو کچھ خبر نہ ہوگی، جانبازی کی اس راہ میں جس نے بھی قدم رکھا، اس کی جان محفوظ نہیں رہتی۔

آگے چل کر فرماتے ہیں کہ میں قاضی حمید الدین ناگوری کے ساتھ خانہ کعبہ کے طواف میں تھا، ہم دونوں کے آگے ایک بزرگ تھے، جن کا نام شیخ عثمان تھا، اور وہ شیخ ابوبکر شبلیؒ کی اولاد میں سے تھے، ہم دونوں ان کے نقش پا پر اپنا قدم رکھتے تھے، شیخ عثمان نے اپنی روشن ضمیری سے ہمارا حال معلوم کر لیا، اور فرمایا متابعتِ ظاہری کیا کرتے ہو، میری مطابعتِ باطنی بھی اختیار کرو، ہم دونوں نے عرض کیا، کہ آپ کی مطابعتِ باطنی کیا ہے، فرمایا ہر روز ہزار بار قرآن ختم کرتا ہوں، ہم دونوں کو اس پر تعجب ہوا کہ یہ تو طاقت بشری سے باہر ہے، شاید ہر سورت کی ابتدائی آیتیں پڑھ لیتے ہوں گے، ہم اسی خیال میں تھے کہ اُنھوں نے مڑ کر ہماری طرف دیکھا، اور فرمایا کہ تمہارا یہ خیال غلط ہے، میں ہزار بار روزانہ قرآن شریف حرف بحرف پڑھتا ہوں، جب حضرت خواجہ قطب الدینؒ نے یہ واقعہ مجلس میں سنایا تو حاضرین میں سے مولانا علاء الدین کرمانی نے کہا جو بات عقل میں نہ آئے، وہ کرامت ہے، کیونکہ کرامت میں عقل کو کچھ دخل نہیں، حضرت خواجہ یہ سن کر آبدیدہ ہو گئے[1]۔

مجلس دوم ہی کے ملفوظات میں ہے کہ میں قاضی حمید الدین ناگوری کے ساتھ ایک شہر میں پہنچا تو وہاں بارہ آدمیوں کی ایک جماعت دیکھی، جن میں سے ہر ایک عالمِ تحیر میں تھا، صرف نماز کے وقت ان کو ہوش آ جاتا تھا، یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد حضرت خواجہ قطبُ الدین نے حضرت فرید الدین کو مخاطب کر کے فرمایا، اے فرید! انبیاء علیہم السلام معصوم اور اولیائے کرام محفوظ اس لئے ہیں کہ ان سے

---

[1] یہ واقعہ فوائد الفواد ص ۲۰۶ میں بھی تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ درج ہے، لیکن اس میں یہ نہیں ہے کہ قاضی حمید الدین ناگوری کے ساتھ قطب صاحب بھی تھے۔

عالم سکر میں بھی کوئی فعل خلاف شریعت سرزد نہیں ہوتا، سلسلہ گفتگو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ میں اپنے مرشد خواجہ بزرگ کے ساتھ حج کو گیا، واپسی میں ہم ایک ایسے شہر میں ٹھہرے جس کا نام اب یاد نہیں، وہاں ایک بزرگ کی زیارت کی، جو ایک غار میں تھے، ہیبت الٰہی سے ان کے جسم پر گوشت باقی نہ رہا تھا، گویا ایک چوب خشک تھے، خواجہ بزرگ علیہ الرحمہ نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اگر تمہاری مرضی ہو تو چندروز یہاں قیام کریں، میں نے ادب سے عرض کیا کہ جیسی مرضی ہو، غرض ہم ان کی صحبت میں ایک ماہ تک رہے، اس عرصہ میں صرف ایک روز وہ تھوڑی دیر کے لئے عالم صحو میں آئے، ہم نے سلام عرض کیا، جواب دیکر فرمایا، عزیزو! تمہیں یہاں تکلیف ہوئی، لیکن اس کا نیک بدلہ پاؤگے، کیونکہ جو شخص درویشوں کی خدمت کرتا ہے، منزل مقصود کو ضرور پہنچ جاتا ہے، پھر فرمایا بیٹھ جاؤ، ہم بیٹھ گئے تو اپنا ذکر فرمانے لگے کہ میں شیخ محمد اسلم طوسی کی اولاد سے ہوں، اس عالمِ تحیر میں تیس سال سے ہوں، مجھ کو روز و شب کی کوئی خبر نہیں ہوتی، حق تعالیٰ آج صرف تمہارے لئے عالم صحو میں لایا ہے، اے عزیزو! اب تمہیں اجازت ہے، تم رخصت ہو جاؤ، خداوند تعالیٰ تمہیں اس زحمت کا نیک بدلہ عطا فرمائے، لیکن میری ایک بات تم یاد رکھنا، کہ دنیا کی طرف متوجہ نہ ہونا، اور مخلوق سے دور رہنا، اور جو کچھ تمہارے پاس پہنچے، اس کو کبھی اپنے پاس نہ رکھنا، ورنہ درویشی حاصل نہ ہوگی، اور حق کی مشغولیت کے سوا اور کسی چیز کی طرف التفات نہ کرنا، یہ کہہ کر وہ پھر عالمِ تحیر میں چلے گئے۔

مجلس چہارم میں ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھ کو بغداد میں بارہا حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ کی صحبت میں جانے کا اتفاق ہوا، وہ واقعی بہت بڑے بزرگ اور بڑے عابد و زاہد تھے، میں نے اپنی سیر و سیاحت میں ان جیسا عبادت گذار نہیں دیکھا۔

سیر العارفین میں ہے کہ حضرت بختیارؒ کو بغداد میں خبر ملی کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ خراسان سے ہندوستان جارہے ہیں، تو مرشد کے شوق ملاقات میں وہ بھی ہندوستان روانہ ہو گئے، لیکن خود دلیل العارفین کی ایک عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ہندوستان اپنے مرشد کی معیت میں آئے، جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے، (نیز دیکھو دلیل العارفین ص ۵۴) پھر مرشد نے اجمیر سے دہلی جانے کا حکم دیا۔

ورود دہلی

دہلی کے سفر میں ملتان پہنچے تو یہاں کے مشہور بزرگ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا قدس سرہٗ کمال محبت و شفقت سے ملے، اس لئے حضرت قطب صاحب نے وہاں کچھ دنوں قیام فرمایا، پھر اسی اثنا میں منگولوں نے ہندوستان پر یورش کی تو ملتان کا حاکم قباچہ حضرت قطب الدین صاحبؒ سے فیض و برکات کا طلب گار ہوا، اور کہا جاتا ہے، کہ انہی کی کرامت سے مغل شکست کھا کر فرار ہوئے[1] قباچہ نے ان سے ملتان ہی میں قیام کرنے کی درخواست کی، لیکن انھوں نے فرمایا کہ یہ جگہ

[1] سیر الاولیاء ص ۵۰، سیر الاقطاب ص ۱۴۹، سیر العارفین ص ۲۰،

حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کی ہے، اور یہ شہر ان ہی کی پناہ میں رہے گا (جواہر فریدی ورق ۱۸۹)

ملتان سے وہ دہلی آئے، اور دہلی کے قریب پہنچے تو سلطان شمس الدین التیمش نے حذم وحشم کے ساتھ ان کا استقبال کیا، اور ان کے قیام کا انتظام شہر کے اندر کرنا چاہا، لیکن انھوں نے کیلوکھری میں سکونت پسند کی، سلطان التیمش ہفتہ میں دوبار ان کی خدمت میں حاضر ہوکر ان کے فیوض وبرکات سے مستفیض ہوتا تھا، آخر میں سلطان التیمش نے عرض کیا کہ شہر سے اتنی دور آنے میں سلطنت کے کاروبار میں خلل پڑتا ہے، تو مجبوراً وہ شہر دہلی کے اندر فروکش ہونے پر راضی ہو گئے، اور ملک اعز الدین کی مسجد میں قیام فرمایا[۱]، شیخ الاسلام جمال بسطامی کی وفات کے بعد التیمش نے حضرت قطب صاحب کو ان کی جگہ پر مامور کرنا چاہا، لیکن جب انھوں نے انکار کیا، تو شیخ نجم الدین صغری کو اس عہدہ پر مامور کیا گیا، شیخ نجم الدین صغری حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ کے مرید تھے اور برگزیدہ بزرگوں میں شمار کیے جاتے تھے، لیکن حضرت خواجہ قطب الدینؒ کی مقبولیت سے ان کے دل میں رشک وحسد کی آگ بھڑک اٹھی۔

دہلی سے حضرت قطب صاحبؒ نے حضرت خواجہ بزرگ کی خدمت میں شوق ملاقات اور اشتیاق قدم بوسی کا عریضہ ارسال کیا، تو خواجہ صاحب اپنے مہجور مرید کی آتش شوق بجھانے کے لئے خود دہلی تشریف لائے، اور یہاں کے تمام خواص وعوام اور مشائخ کبار ان کے دیدار سے مشرف ہونے کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، مگر دہلی کے شیخ الاسلام شیخ نجم الدین صغریٰ نہیں آئے، تو خواجہ صاحب خود ان سے ملنے کے لئے گئے، انھوں نے شکایت کی کہ قطب صاحب کے ساتھ لوگوں کے گرویدگی اور فریفتگی کی وجہ سے ان کا وقار اور دبدبہ معرض خطر میں آ گیا ہے، شیخ الاسلام کی خاطر حضرت خواجہ صاحب نے قطب صاحب کو دہلی چھوڑ کر اپنے ساتھ اجمیر چلنے کا حکم دیا، التیمش نے بڑی منت و زاری کی، لیکن حضرت خواجہ صاحب نے اس کی بات نہ مانی اور قطب صاحب کو لیکر روانہ ہو گئے، دہلی کے باشندوں نے قطب الدین صاحب کو جاتے دیکھا تو عاشق زار کی طرح آہ وبکا کرنے لگے، جس جگہ قطب صاحب قدم رکھتے تھے، وہاں کی خاک اٹھا کر تبرکاً آنکھوں سے لگاتے تھے، خواجہ صاحب نے دہلی والوں کو قطب صاحب پر ایسا فریفتہ پایا، تو ارشاد فرمایا کہ بابا قطب الدین تم یہیں رہو، تمہارے چلے جانے سے دہلی کے لوگوں کا دل خراب و کباب رہے گا، مجھ کو یہ منظور نہیں، چنانچہ آخر وقت تک وہ دہلی میں مقیم رہے[۲]۔

دلیل العارفین کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مرشد کی وفات سے پہلے دہلی سے اجمیر جا کر آخری دیدار سے مشرف ہوئے، دلیل العارفین کی مجلس دوازدہم میں ہے کہ

''فرمایا ساری دنیا انوار سے روشن ہے، یہ فرما کر رو پڑے، اور فرمایا اے درویشو!

---

[۱] سیر العارفین ص ۲۱، جواہر فریدی اور روضۃ الاقطاب میں مسجد ملک اعز الدین مرقوم ہے، [۲] سیر الاولیاء ص ۵۴-۵۵،

مجھے اس جگہ اس واسطے لائے ہیں کہ یہاں میرا مدفن ہے، اور چند روز میں اس عالم سے کوچ کرونگا، شیخ علی سجزی آپ کے کاتب موجود تھے، ان سے فرمایا کہ فرمان شیخ قطب الدین بختیار کے نام تحریر کرو کہ وہ دہلی جائیں، میں نے خلافت اور سجادۂ خواجگان ان کو عطا کیا، اس کے بعد مجھ سے (یعنی حضرت شیخ قطب الدین سے) ارشاد فرمایا کہ تمہارا مقام دہلی ہے، جب فرمان لکھا جاچکا تو مجھے عنایت فرمایا اور حکم ہوا آگے آؤ، میں نزدیک گیا، تو دست مبارک سے اپنی دستار یا کلاہ میرے سر پر رکھی، اور حضرت شیخ عثمان ہارونی قدس سرہ کا عصا، اپنا مصحفِ تلاوت اور مصلیٰ بخشا اور فرمایا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت خواجگانِ چشت کے پاس تھی، جو مجھ کو ملی تھی، میں نے تم کو سونپی، تم اس کا حق ویسا ہی ادا کرو، جیسا کہ اور خواجگانِ چشت ادا کرتے ہیں، تا کہ حشر کے روز میں اپنے مشائخ کے روبرو شرمندہ نہ ہوں، میں نے (یعنی حضرت خواجہ قطب الدینؒ نے) اس کو قبول کیا، اور دو رکعت نماز ادا کی، اس کے بعد آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور آسمان کی طرف روئے مبارک کو اٹھا کر ارشاد فرمایا، جاؤ خدا کو سونپا، اور تمہیں اپنی منزل پر پہنچا دیا، پھر فرمایا، چار چیزیں جو ہر نفس ہیں، اوّل درویش، امیر و تونگر دکھلائی دے، دوم وہ بھوکوں کو سیر ہو کر کھلائے سوم غمگین رہے، لیکن ایسا کہ خوش وخرم نظر آئے، چہارم دشمن سے دوستی اور مہربانی سے پیش آئے، پھر فرمایا، اہل محبت کا مرتبہ ایسا ہے کہ جب کوئی اس سے پوچھے رات کی نماز ادا کی تو جواب دے کہ مجھے فراغت نہیں، ملک الموت کے پیچھے پیچھے پھرتا ہوں، جہاں کہیں، وہ درماندہ ہوتا ہے، دست گیری کرتا ہوں، میں نے (یعنی حضرت شیخ قطب الدینؒ نے) ارادہ کیا کہ قدمبوسی حاصل کر کے رخصت ہوں، آپ نے یہ امر روشن ضمیری سے دریافت کیا، فرمایا، آگے آؤ، میں گیا اور قدموں پر گر پڑا، آپ نے مجھے اٹھایا، اور بغل گیر ہوئے، فاتحہ پڑھی اور ارشاد کیا، راہ طریقت سے منھ نہ موڑنا، اس راہ میں مرد بنے رہنا، میں پھر قدموں پر گر پڑا، آپ نے از راہ نوازش مجھے اٹھایا اور دوبارہ بغل گیر ہوئے میں رخصت ہو کر دہلی آیا، اور وہاں سکونت اختیار کی، کئی دوست بھی ہمراہ آئے، اور فقیر کے ساتھ رہے، مجھے دہلی آئے چالیس روز ہوئے تھے، کہ اجمیر سے قاصد خبر لایا کہ تمہارے روانہ ہونے کے بعد آپ بیس دن تک زندہ رہے، پھر رحمت حق میں پیوست ہو گئے، مجھے بڑا رنج ہوا۔"

قطب صاحب اور التیتمش قطب صاحب کے قیام سے شاہی دربار پر غیر معمولی اثر پڑا، شمس الدین التیتمش ان کی خدمت میں حاضر ہوتا، تو وہ اس کو رعایا،

فقیروں، غریبوں اور درویشوں کے ساتھ دوستی کی تلقین فرماتے، اور التتمش اس پر عمل کرتا، چنانچہ قطب صاحب فرماتے ہیں:۔

''اس کا (یعنی التتمش کا) عقیدہ صحیح تھا، وہ راتوں کو جاگتا، کسی نے اس کو سوتے نہیں دیکھا، وہ بیدار رہ کر عالم تحیر میں کھڑا رہتا، اور اگر سو جاتا تو فوراً بیدار ہو جاتا، اٹھ کر وضو کرتا، اور مصلیٰ پر جا بیٹھتا، اپنے نوکروں میں سے کسی کو نہ اٹھاتا، اور کہتا کہ آرام سے سونے والوں کو تکلیف کیوں دی جائے[1]، رات کو وہ گدڑی پہن لیتا، تا کہ اس کو کسی کی خبر نہ ہو، اور کسی شخص کو ساتھ لے کر باہر نکل جاتا، اس کے ہاتھ میں سونے کے ٹنکے کا ایک توشہ دان ہوتا، اور وہ ہر مسلمان کے دروازہ پر جاتا، اس کے حالات پوچھتا، اور اس کی مدد کرتا، وہاں سے واپس ہوتا تو مسجدوں، ویرانوں، خانقاہوں اور بازاروں میں گشت کرتا، اور ان مقامات کے رہنے والوں اور درویشوں کو مالی مدد پہنچاتا، طرح طرح کی معذرت کر کے کہتا کہ وہ لوگ اس کی مدد کا ذکر کسی سے نہ کریں، دن کو اس کے دربار میں عام اجازت تھی، کہ جو مسلمان رات کو فاقہ کرتے ہوں، اس کے پاس لائے جائیں، اور جب وہ آتے تو ان میں سے ہر ایک کو کچھ نہ کچھ دیتا، اور ان کو قسمیں دے کر تلقین کرتا کہ جب ان کے پاس کھانے پینے کو کچھ نہ رہے، یا کوئی ان پر ظلم کرے تو وہ یہاں آ کر عدل و انصاف کی زنجیر کو جو باہر لٹکی ہوئی ہے، ہلائیں، تا کہ وہ ان کے ساتھ انصاف کر سکے، ورنہ قیامت کے روز ان کی فریاد کا بار اس کی طاقت برداشت نہ کر سکے گی[2]''

التتمش کی اس نیک نفسی کی وجہ سے تذکرہ نویسوں نے اس کا ذکر اولیاء اللہ کی فہرست میں کیا ہے، چنانچہ روضۃ الاقطاب میں ہے:۔

''نقل است از کتاب مفتاح الطالبین کہ سلطان شمس الدین بادشاہ صاحب ولایت د یکے از اہلِ کرامت بود در ہر کارے کہ دے را تردد بہم رسیدے، رسول علیہ السلام در خواب دیدے واجرائے آں کار بر حسب فرمودہ ایشاں گردانیدے'' (ص ۲۷)

خزینۃ الاصفیاء کے مؤلف کا بیان ہے کہ

''بادشاہ رحمدل و عادل و سلطان کامل و مکمل از خلفائے نامدار و مریدان باوقار خواجہ قطب الدین بختیار است و از محبوبان و نظر منظوران خواجہ معین الدین سجزی بود، و کمال اعتقاد بخدمت اہلِ چشت نیک و سرشت پیدا کرد، اگرچہ بظاہری تعلق بادشاہی داشت لیکن از دل فقیر و حقیر دوست بود، کم خوردی و کم خفتی، و شبہائے دراز بیدار بودے...... [3]''

---

[1] نیز دیکھو اصل الفوائد، علمی نسخہ دار المصنفین ص ۲۶، [2] فوائد السالکین ص ۲۸۔۲۹، [3] خزینۃ الاصفیا، جلد اول ص ۲۷۶،

ان اوصاف کے ساتھ التمش پر عاقبت کا خوف غالب رہتا، حضرت خواجہ قطب الدین اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں:۔

> ''ایک رات وہ (یعنی التمش) میرے پاس آیا، اور میرا پاؤں پکڑ لیا، میں نے کہا کہ مجھ کو کب تک تکلیف پہنچاتے رہو گے، جو ضرورت ہو بیان کرو، اس نے کہا رب العزت نے مجھ کو مملکت تو دی ہے، لیکن قیامت کے روز جب مجھ سے اس کی باز پرس ہو گی، اور اس کا حساب دینا ہوگا، تو اس وقت بھی آپ مجھے نہ چھوڑیں، وہ اس وقت تک واپس نہ گیا، جب تک میں نے اس کی بات قبول نہ کر لی[1]۔''

مگر بادشاہ وقت کی اس ارادت و نیاز مندی کے باوجود قطب صاحب کے گھر میں برابر فاقہ رہتا،

فقر جب کئی فاقوں کی نوبت آ جاتی تو ان کی حرم محترم پڑوس کے بقال کی بیوی سے ایک ٹنکہ یا ایک بہلول قرض لے کر خورد و نوش کا انتظام کرتیں، جب کہیں سے کچھ میسر ہوتا تھا تو قرض ادا کر دیا جاتا تھا، ایک روز بقال کی بیوی نے بی بی صاحبہ سے طنزاً کہا کہ ''میں تم کو قرض نہ دوں تو تمہارے بچے بھوکوں مر جائیں'' قطب صاحب کو معلوم ہوا تو قرض لینے سے منع کر دیا، اور فرمایا کہ حجرے کے طاق میں سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ کر جس قدر کاک کی ضرورت ہو نکال لیا کرو، اور بچوں کو کھلا دیا کرو، چنانچہ ضرورت کے وقت وہ ایسا ہی کیا کرتی تھیں، اسی لئے قطب الدین بختیار کاکیؒ کے نام سے مشہور ہوئے[2]۔

مرشد نے ان کو پانچ سو درہم تک قرض لینے کی ہدایت کی تھی، مگر آخر میں اس سے بھی پرہیز کرنے لگے تھے[3]، اپنے پاس اتنی رقم نہ رکھتے جس سے زکوٰۃ واجب ہوتی[4]۔

جود وسخا لیکن اس ناداری پر بھی جود وسخا کا یہ حال تھا کہ لنگر خانہ میں جو چیز ہوتی فوراً تقسیم کر دیتے، جس روز کوئی چیز نہ ہوتی تو خانقاہ کے ملازم سے فرماتے کہ اگر پانی ہو تو اسی کا دور چلاؤ، کہ کوئی روز بخشش اور عطاء سے خالی نہ جائے[5]۔

استغناء استغناء کا یہ عالم تھا کہ ایک بار شاہی حاجب اختیار الدین ایبک قدمبوسی کیلئے حاضر ہوا، اور کئی گاؤں بطور نذر پیش کئے، قطب صاحب نے اس کو بلایا، اور اپنی جانماز کا گوشہ الٹ کر

---

[1] فوائد السالکین ص۲۹، [2] سیر الاولیاء، ص۴۸، و سیر العارفین ص۲۴۔۲۵، جواہر فریدی قلمی نسخہ ورق ۱۹۳۔۱۹۵، سفینۃ الاولیاء ص ۱۶۱، سیر الاقطاب کے مصنف کا بیان ہے، کہ قطب صاحب نے حزم و احتیاط کی خاطر قرض لینا بند کر دیا تھا، اور مصلے کی نیچے روز ایک قرص مل جاتی، جس کو کھا کر گھر کے تمام لوگ گذر اوقات کرتے، سیر الاولیاء میں ہے کہ بقال سے جب قرض لینا بند کر دیا گیا تو وہ سمجھا کہ قطب صاحب ناخوش ہیں، اس لئے اپنی بیوی کو قطب صاحب کی اہلیہ کے پاس بھیجا، انھوں نے قطب صاحب کے کشف کا ذکر کر دیا، اس کے بعد مصنف مذکور کا بیان ہے کہ کاک مصلے کے نیچے پھر نہ ملی۔

اسی طرح کی کچھ اور روایتیں بھی ہیں افضل الفوائد کی روایت کچھ اور ہے، قلمی نسخہ دار المصنفین ص ۱۷ تفصیل کیلئے دیکھو روضۃ الاقطاب ص ۱۷۔۱۹،

[3] سیر الاولیاء ص۴۹، [4] سیر العارفین ص۲۳، [5] راحت القلوب ص۵ مطبع قاسمی میرٹھ

نیچے دیکھنے کے لئے کہا، اختیار الدین نے چشم بینا سے خزائنِ الٰہی کا دریائے ذخار بہتے ہوئے دیکھا، پھر اختیار الدین سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ جس کے یہاں خزائنِ الٰہی کا دریا بہتا ہو، وہ چند گانوں لے کر کیا کرے گا، جاؤ، آیندہ درویشوں کے ساتھ ایسی گستاخی نہ کرنا[1]، یہ روایت اس طرح بھی بیان کی جاتی ہے، کہ جب سلطان شمس الدین التیتمش نے کسی کے ذریعہ سونے چاندی کے بہت سے ٹنکے بھیجے، تو حضرت خواجہؒ نے ان کو دیکھا اور کہا کہ تم سلطان کو لے جا کر واپس کرنا، اور کہنا کہ میں ان کو اپنا دوست سمجھتا تھا لیکن وہ دشمن نکلے، یہ مال و دولت خدا کے دوستوں کے بجائے اس کے دشمنوں کو دو (روضۃ الاقطاب ص ۲۶)

ایک بار سلطان التیتمش کا وزیر بھی کچھ گانوں کا فرمان لے کر خدمت میں حاضر ہوا، اور قبول کرنے کی درخواست کی، لیکن خواجہ صاحب نے فرمایا کہ ہمارے خواجگان نے کسی سے گانوں قبول کیا ہوتا تو ہم بھی قبول کر لیتے، اگر ہم یہ گانوں لے لیں تو قیامت کے روز اپنے خواجگان کو کیا منہ دکھائیں گے[2]۔

صبر و تحمل صبر و تحمل کا یہ عالم تھا کہ ان کے چھوٹے لڑکے کا انتقال ہوا، اور لوگ اسے دفن کر کے واپس آئے تو قطب صاحب کی زوجہء محترمہ دفورِ غم سے گریہء و زاری کرنے لگیں، قطب صاحب نے لوگوں سے گریہء و زاری کا سبب پوچھا، معلوم ہوا کہ چھوٹے لڑکے کا انتقال ہو گیا، ارشاد فرمایا کہ میں جانتا تو اس کی زندگی کے لئے اللہ تبارک تعالیٰ سے دعا کرتا[3]۔

روضۃ الاقطاب میں رفیق العارفین کے حوالہ سے حضرت خواجہ کے صاحبزادی کی وفات کی روایت اس طرح درج ہے، کہ انھوں نے اپنے ساتھیوں سے بیان کیا کہ ان کے یہاں تین روز سے فاقہ ہے، ایک ساتھی نے اپنے باپ سے جا کر کہا کہ تو وہ حضرت خواجہ کے یہاں کھانا لے کر آیا، اور کہا مجھ کو معلوم نہ تھا کہ آپ کے یہاں تین روز سے فاقہ ہے یہ سن کر حضرت خواجہ نے فرمایا کہ کس کی گردن کا مہرہ ٹوٹا جس نے میرے فاقہ کو فاش کیا، (کدام گردن مہرہ شکستہ فقر مرا فاش کرد) یہ کہنا تھا کہ حضرت خواجہ کے صاحبزادے کی گردن کا مہرہ ٹوٹا، اور زمین پر گرے اور تڑپ کر رہ گئے، ان کو دفن کر کے لوگ آئے، تو ماں کی گریہء و زاری حضرت خواجہ کے کان میں پڑی، پوچھا تو فرمایا کہ مجھ کو خبر کیوں نہ کی، اللہ تعالیٰ سے اس کی زندگی مانگتا۔ (ص ۳۶)

ریاضت و مجاہدہ حضرت خواجہ قطب الدین نے عبادت و ریاضت اور مجاہدہ میں بڑی مشقتیں اٹھائیں، سیر الاولیاء (۴۹) میں ہے، کہ ابتدائی دور میں تو کچھ سو بھی لیتے تھے

---

[1] سیر الاولیا، ص ۵۳، فوائد السالکین ص ۱۵۔ [2] راحت القلوب ص ۳۲، [3] سیر الاولیا، ص ۴۵، فوائد الفواد ص ۶۲، جواہر فریدی قلمی نسخہ،

لیکن آخر عمر میں مطلق نہ سوتے تھے، اور فرماتے تھے کہ اگر کسی وقت سو جاتا ہوں تو تکلیف ہوتی ہے بیس برس تک وہ رات کو اطمینان سے نہ سوئے، یاد حق میں استغراق کا یہ عالم تھا کہ جب کوئی ملنے کو آتا، تو دیر کے بعد ہوشیار ہوتے، برابر مراقبے میں رہتے، نماز کے وقت آنکھ کھولتے اور غسل فرما کر تجدید وضو کرتے اور نماز ادا فرماتے آخر عمر میں کلام پاک حفظ کیا تھا[1]، ہر روز دو بار کلام پاک ختم کرتے تھے[2]، اسرار الاولیاء صفحہ ۳۱ میں ہے کہ جب وہ کلام پاک پڑھتے تو ہر آیت پر اپنے سینہ پر ہاتھ مارتے اور بیہوش ہو جاتے، ایک روز ہزار بار بیہوش ہوئے، لیکن جب مشاہدہ کی آیت پڑھی تو مسکرا دیئے، اور پھر عالم تحیر میں کھو گئے، اور اس عالم میں ایک دن اور ایک رات رہے[3]، جوامع الکلم میں ہے، کہ دل شکستہ، لب بستہ حجرہ کا دروازہ بند کیے گریہ وزاری میں مشغول رہتے، زیارت کے لئے معتقدین کا ہجوم ہوتا تو آہ سرد بھرتے ہوئے حجرہ سے باہر تشریف لاتے، اور خادم سے فرماتے کہ ایک ایک پیالہ پانی سب کو دو، جب تک وہ پانی پیتے وعظ کہتے، پھر سب کو رخصت کر کے حجرہ میں چلے جاتے اور یاد الٰہی میں مشغول ہو جاتے، راحت القلوب میں ہے، کہ ایک بار حضرت قاضی حمید الدین اور مولانا بدر الدین غزنوی کے ساتھ جامع مسجد دہلی میں معتکف ہوئے، تو دن اور رات میں دو بار کلام پاک ختم کرتے، ایک رات تہیہ فرمایا کہ پوری رات میں صرف دو رکعت نماز ادا کریں، چنانچہ نماز عشا کے بعد حضرت قاضی حمید الدین امام ہوئے، اور خود حضرت خواجہ قطب الدین اور مولانا بدر الدین غزنوی مقتدی بن کر پیچھے کھڑے ہوئے، حضرت خواجہ حمید الدین نے پہلی رکعت میں ایک قرآن اور چار پارے پڑھے، دوسری رکعت میں دوسرا قرآن ختم کیا، آخر میں یہ دعا کی کہ الٰہی ہم سے تیری عبادت نہیں ہو سکتی، تو اپنی رحمت سے ہم کو بخش دے (نیز دیکھو روضۃ الاقطاب ص ۳۰۔۳۱)

حب رسول اپنے مرشد کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں بھی سرشار رہتے، پہلے بیان کیا جا چکا ہے، کہ ہر رات تین ہزار بار درود شریف پڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار گوہر بار میں ہدیہ بھیجا کرتے تھے، اپنی مجلس حدیث نبوی بار بار بیان فرماتے، اپنی ایک مجلس میں فرمایا کہ شروع میں مجھ سے قرآن شریف حفظ نہ ہوتا تھا، ایک رات خواب میں حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا، قدموں پر گر پڑا، رونے لگا، پھر عرض کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ کلام پاک کو حفظ کر لوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے رونے پر رحم آیا، اور شفقت سے فرمایا کہ سر اٹھاؤ اور میں نے حسب الحکم سر اٹھایا، ارشاد ہوا کہ سورہ یوسف برابر پڑھا کرو، قرآن مجید یاد ہو جائیگا میں بیدار ہوا تو حسب الحکم سورۂ یوسف کی مواظبت کی یہاں تک کہ میں نے پورا کلام پاک حفظ کر لیا[4]۔

---

۱ فوائد السالکین مجلس پنجم، ۲ سیر الاولیاء ص ۴۹ و سیر العارفین ص ۳۴،

۳ اسرار الاولیاء ملفوظات حضرت بابا گنج شکر ص ۳۱، ۴ فوائد السالکین مجلس پنجم

ذوق سماع سماع کو بہت عزیز رکھتے، اس کی مجلس کبھی اپنی قیام گاہ میں منعقد کراتے، کبھی حضرت خواجہ قاضی حمید الدین ناگوری کے یہاں اور کبھی کسی اور درویش کے یہاں جا کر شرکت فرماتے، ایک بار مجلسِ سماع میں قوالوں نے گانا شروع کیا، جب یہ شعر پڑھا،

سرود چیست کہ چندیں فسوں عشق در دست
سرود محرم عشقت و عشق محرم اوست

تو مسلسل سات شبانہ روز بیہوش رہے، نماز کے وقت ہوشیار ہو جاتے، لیکن نماز ادا فرما کر پھر بیہوش ہو جاتے۔

وصال سماع ہی کی بدولت وصال ہوا، ایک بار شیخ علی سجزی کی خانقاہ میں محفل سماع تھی، قوالوں نے شیخ احمد جام کا قصیدہ گانا شروع کیا، جب یہ شعر پڑھا،

کشتگانِ خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جانِ دیگر است[1]

تو حضرت قطب صاحب پر وجد طاری ہو گیا، اور مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگے، اسی حال میں حضرت شیخ حمید الدین ناگوری اور مولانا بدر الدین غزنوی، ان کو گھر تک لائے، ہوش آ جاتا تو اس بیت کو پڑھنے کی فرمائش کرتے، سن کر بیہوش ہو جاتے، چار دن اور رات یہ کیفیت رہی (فوائد الفواد ص ۱۴۴) جب نماز کا وقت آتا تو وضو کر کے فرض اور سنتیں ادا کر لیتے، اور پھر اسی سکر کی حالت میں چلے جاتے، یہاں تک کہ واصل بحق ہو گئے[1] اسی لئے ان کو شہید المحبت کہا گیا ہے، میر حسن نے اس شعر پر ایک غزل کہی ہے، جس میں حضرت قطب صاحب کی شہادت کی طرف اشارہ کیا ہے،

جاں بریں یک بیت داوست آں بزرگ
آرے ایں گوہر زکانِ دیگر است
کشتگانِ خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

وفات کے وقت سر مبارک حضرت خواجہ حمید الدین ناگوری کے زانو پر تھا، اور دونوں پاؤں شیخ بدر الدین غزنوی کی آغوش میں، سال وفات ۱۴ ربیع الاول ۶۳۲ھ، (سیر الاولیاء ص ۵۶) وصال سے پہلے وصیت کی تھی کہ ان کے جنازہ کی نماز ایسا شخص پڑھائے، جس نے کبھی حرام کاری نہ کی ہو، عصر کی سنتیں قضا نہ کی ہوں، اور ہمیشہ نماز باجماعت میں تکبیر اولیٰ سے شریک رہا ہو، یہ شرطیں صرف سلطان التتمش کی ذات میں پوری ہوتی تھیں، اس لئے اسی نے جنازہ کی نماز پڑھانے کی سعادت

---

[1] فوائد الفواد ص ۱۴۴ فوائد السالکین میں اس سلسلہ میں وفات کا ذکر نہیں ہے۔

حاصل کی[1]۔

بعض تذکروں خصوصاً جواہر فریدی میں ہے، کہ وصال کے وقت ان کی عمر شریف ۵۲ سال تھی، لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ اگر یہ تسلیم کرلیا جائے، کہ وہ حضرت خواجہ معین الدین کے ساتھ، ۵۸۷ھ میں ہندوستان آئے، اور ۵۸۷ھ سے ۶۳۳ھ تک معنی ۴۶ سال وہ ہندوستان میں رہے، اور بیعت کے وقت اگر کم سے کم عمر سترہ سال بھی مان لی جائے، تو اس لحاظ سے وفات کے وقت ان کی عمر کم از کم ۶۳ سال ہوتی ہے، تاریخ ولادت کہیں نظر سے نہیں گذری، لیکن مرأۃ الاسرار میں ہے:۔

"پنجاہ سال عمر داشت بقولے پنجاہ ودو سال بقولے شصت و پنج سال"

۶۵ سال کی عمر زیادہ صحیح ہے۔

وصال سے کچھ دن پہلے عید کی نماز پڑھ کر عید گاہ سے قیام گاہ کی طرف تشریف لا رہے تھے، کہ ایک مقام پر آ کر توقف کیا، اور ہمراہی درویشوں سے فرمایا کہ اس مقام سے عشق کی بو آتی ہے، چنانچہ زمین کے مالک کو بلایا، اور معاوضہ دیکر اس زمین کو خریدا، اسی سرزمین پر روضہ مبارک واقع ہے[2]۔

مقام ودرجہ صوفیائے کرام میں قطب الاقطاب، قطب الاسلام ملک المشائخ سلطان الطریقت، برہان الحقیقت، رئیس السالکین، امام العالمین، سراج الاولیاء تاج الاصفیاء کے القاب سے یاد فرمائے جاتے ہیں۔

تصانیف حضرت قطب صاحب کے نام سے دو کتابیں منسوب ہیں، ایک دیوان اور ایک فوائد السالکین، دیوان تو نولکشور پریس سے چھپ کر شائع ہوگیا ہے، لیکن یہ کسی اور کا ہے، جو ان کی طرف منسوب کردیا گیا ہے۔

تعلیمات فوائد السالکین میں حضرت قطب صاحب کی سات مجلسوں کے ملفوظات ہیں، جن کو حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکر نے جمع کیا ہے، یہ ۳۶ صفحے کا ایک مختصر رسالہ ہے، جو مطبع مجتبائی دہلی میں چھپا ہے، اس میں وہ تمام باتیں آ گئی ہیں، جو ایک سالک کے لئے مفید ہوسکتی ہیں، یہ باتیں جستہ جستہ مختلف صحبتوں میں لکھی گئی ہیں، جن کے تجزیہ سے سالک کے لئے مندرجہ ذیل ضوابط مرتب کئے جاسکتے ہیں۔

سالک کی زندگی سالک کم کھائے، اگر وہ پیٹ بھرنے کے لئے کھاتا ہے، تو وہ نفس پرست ہے[3] کھانا صرف عبادت کی قوت کو قائم رکھنے کیلئے کھائے، اس کے لباس میں نمائش نہ ہو، اگر وہ دکھانے کیلئے لباس پہنتا ہے تو راہ سلوک کا راہزن ہے[4] کم سوئے، کم بولے، آلائش

---

[1] فوائد الفواد ص ۱۴۴، سیر الاولیاء ص ۱۵۵ سیر الاقطاب ص ۱۶۰ خزینۃ الاصفیاء ص ۲۷۵، [2] سیر الاولیاء ص ۵۵ فوائد الفواد ص ۲۵۰، سیر العارفین، ص ۳۱، جواہر فریدی قلمی نسخہ ورق ۲۰۲، [3] فوائد السالکین ص ۴، [4] ایضاً

دنیا سے پاک رہے، حضرت بایزید بسطامیؒ نے ستر سال تک عبادت کی مگر جب مقام قرب آیا تو ان کو قربت محض اس وجہ سے حاصل ہو سکی کہ ان کے پاس مٹی کا جو کوزہ اور چمڑے کا جو خرقہ تھا، ان کو پھینک دیا تو یہ درجہ حاصل ہوا[1]۔

سالک اور محبت الٰہی

سالک ہر وقت محبت الٰہی میں غرق رہے اور سکر میں اس کا یہ حال ہو کہ اس کے سینہ میں زمین و آسمان بھی داخل ہو جائیں، تو اس کو خبر نہ ہو، اگر سالک راہ سلوک کی تکلیف میں فریاد کرتا ہے، تو محبت کا دعویدار نہیں ہو سکتا، بلکہ کاذب اور دروغ گو ہے، سچی دوستی یہ ہے کہ جو کچھ دوست کی جانب سے پہنچے، اس کو نعمتِ غیر مترقبہ سمجھے کہ اس بہانہ سے دوست نے اس کو یاد تو کیا[2]، چنانچہ رابعہ بصری پر جس روز بلا نازل ہوتی تھی، وہ نہایت خوش ہوتی تھیں، اور جس روز بلا نازل نہ ہوتی، وہ بہت ہی ملول خاطر رہتیں، کہ دوست نے ان کو یاد نہیں کیا[3]، حضرت خواجہ معین الدینؒ بھی فرماتے ہیں کہ محبت کا دعویٰ اسی کو کرنا چاہئے جو دوست کی بلا پر صبر کر سکے، کیونکہ دوست کی بلا دوست کے واسطے ہے، جس روز یہ بلا نازل نہ ہو سمجھنا چاہئے کہ یہ نعمت اس سے لے لی گئی، کیونکہ راہ سلوک میں نعمت دوست کی بلا ہی کو کہتے ہیں[4]۔

راہ سلوک کے درجے

ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ مشائخ طریقت نے بالاتفاق سلوک کے ایک سو اسی درجے رکھے ہیں، لیکن اولیائے طریقت جنیدیہ نے سو درجے، صوفیائے طریقہء ذوالنون نے ستر درجے قائم کئے ہیں، طبقہء ابراہیم بشر بن حافی میں کل پچاس درجے شمار کئے ہیں، خواجہ بایزید بسطامی و عبداللہ بن مبارک اور خواجہ سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ سلوک کے کل پینتالیس درجے ہیں اولیائے طریقہ شاہ شجاع کرمانی سمنون جحت اور خواجہ محمد مرعشی کے نزدیک سلوک میں بیس ہی درجے ہیں، مگر مشائخِ چشتیہ سلوک میں صرف پندرہ درجے شمار کرتے ہیں، ان درجات میں ایک درجہ کشف و کرامت کا ہے، جن کے نزدیک سلوک میں ایک سو اسی درجے ہیں، ان میں ۸۰ واں درجہ کشف و کرامت کا ہے، طبقہء جنیدیہ میں ۷۰ واں، طبقہ بصریہ میں ۳۰ واں، طریقہ ذوالنوں میں ۲۵ واں، شاہ شجاع کرمانی کے نزدیک دسواں اور خواجگانِ چشت کے یہاں ۵ واں درجہ ہے، اس درجہ کے حاصل ہونے کے باوجود سالک کو کشف و کرامت میں اپنی ذات کو ظاہر کرنا نہیں چاہئے، کیونکہ اس کے اظہار سے بقیہ درجات سے وہ محروم ہو جاتا ہے[5]۔

حضرت قطب صاحب نے اسرار الٰہی کے پوشیدہ رکھنے پر بڑا زور دیا ہے، فرماتے ہیں کہ راہ سلوک میں حوصلہ وسیع ہونا چاہئے کہ اسرار جاگزیں ہو سکیں فاش نہ ہونے پائیں، کیونکہ جو شخص کامل ہوتا ہے وہ کبھی دوست کے اسرار کو فاش نہیں کرتا، چنانچہ قطبِ صاحب کا بیان ہے کہ وہ ایک مدت تک اپنے

---

[1] فوائد السالکین ص ۱۸، [2] فوائد السالکین ص ۱۱، [3] ایضاً، [4] ایضاً، [5] فوائد السالکین ص ۱۹-۲۰

مرشد کی صحبت میں رہے، لیکن کسی حال میں بھی انھوں نے اسرارِ الٰہی ظاہر ہونے نہ دیئے، حضرت قطب صاحب کے نزدیک منصور عارف کامل نہ تھا کیونکہ اس نے سرِّ دوست کو ظاہر کر دیا[1]، حضرت جنید بغدادیؒ پر عالمِ سکر میں کٹھن گھڑیاں گذرتیں، لیکن وہ صرف یہ کہتے کہ ہزار افسوس اُس عاشق پر کہ وہ دوستی کا دم بھرے اور جب عالمِ غیب کے اسرار اس کو معلوم ہوں تو فوراً ان کو دوسرے کے سامنے کہہ دے[2]۔"

شریعت کی پابندی حضرت قطب صاحب نے شریعت کی پابندی سالک کیلئے لازمی قرار دی ہے، سالک سکر یا کسی حال میں ہو اس کا کوئی فعل شریعت کے خلاف نہ ہونا چاہئے، چنانچہ وہ خود جب کبھی عالم سکر میں بیہوش ہوتے تو نماز کے وقت ہوش میں آ جاتے، اور نماز ادا کر کے بیہوش ہو جاتے ایک موقع پر فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام معصوم اور اولیائے کرام محفوظ اس لئے ہوتے ہیں کہ ان سے عالمِ سکر میں بھی کوئی فعل خلافِ شریعت سرزد نہیں ہوتا۔ (دیکھو فوائد السالکین مجلس دوم)

خلفاء حضرت قطب صاحب کے خلفاء میں سب سے زیادہ نمایاں نام حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کا ہے، اور سیر الاقطاب (۱۵۹) میں بائیس خلفاء کے نام ہیں، جن میں شیخ بدر الدین غزنوی، شیخ بُرہان الدین بلخی، شیخ ضیا رومی، بابا بحری بحر دریا، مولانا فخر الدین حلوانی، شیخ بدر الدین موئے تاب برادر شیخ شاہی موئے تاب، شیخ احمد وغیرہ کے ساتھ سلطان شمس الدین التمش کا بھی ہے۔

اولاد آخر عمر میں ازدواجی زندگی پھر سے شروع کی، دو صاحبزادے جڑواں پیدا ہوئے تھے، (فوائد الفواد ص ۶۱) بڑے کا نام شیخ احمد اور چھوٹے کا شیخ محمد تھا، مؤخر الذکر کا انتقال سات سال کی عمر میں ہو گیا تھا، جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے، بڑے صاحبزادے کی قبر حضرت خواجہ کے مزار کے برابر ہے، (جواہر فریدی ورق ۱۹۳) خیر المجالس (ص ۸۹) کی روایت ہے کہ حضرت قطب الدین بختیار کاکی نے یہ وصیت فرمائی تھی کہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ ان کی وفات کے بعد ان کے حرم محترم سے نکاح کر لیں، لیکن حضرت بابا فرید الدینؒ گنج شکر نے مرشد کے احترام میں ایسا نہ کیا۔

---

[1] فوائد السالکین ص ۷، [2] ایضاً

حضرت قاضی حمید الدین ناگوریؒ

اسم گرامی محمد تھا مگر حمید الدین کے نام سے مشہور تھے، ان کے والد ماجد حضرت عطاء اللہ محمود البخاری، سلطان معز الدین سام عرف شہاب الدین غوری کے زمانہ میں بخارا سے دہلی تشریف لائے، اور یہیں ان کا انتقال ہوا[1]۔

بیعت

والد بزرگوار کے انتقال کے بعد حضرت حمید الدین کو ناگور کی قضات تفویض ہوئی، اور اس عہدہ پر تین سال تک مامور رہے، اس کے بعد دنیا سے دل برداشتہ اور کنارہ کش ہو کر سیاحت کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے، بغداد شریف آئے، اور حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ سے شرف بیعت حاصل کیا، اور ایک سال تک ان کی خدمت میں رہ کر ریاضت ومجاہدہ کرتے رہے، اسی زمانہ میں یہاں حضرت قطب الدین بختیار اوشی تشریف فرما تھے، ان سے گہرے روابط و مراسم قائم ہوگئے، جو آخر وقت تک استوار رہے، حضرت خواجہ قطب الدینؒ نے درویشوں سے فیوض و برکات حاصل کرنے کے لئے جو سیاحت کی اُس میں حضرت خواجہ حمید الدین ناگوری کا ذکر رفیقِ سفر کی حیثیت سے بار بار کرتے ہیں، جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔

مرشد سے اجازت لے کر قاضی حمید الدینؒ مدینہ منورہ آئے، اور ایک برس دو مہینے سات دن تک روضہ نبوی کے مجاور رہے، وہاں سے مکہ معظمہ پہنچے جہاں تین سال تک قیام کر کے ہر قسم کے فیوض و برکات حاصل کیے، مکہ معظمہ سے سلطان شمس الدین التمش کے زمانہ میں دہلی تشریف لائے اور حضرت خواجہ قطب الاسلام بختیار کاکی کے ساتھ قیام کیا اور وفات کے بعد ان ہی کے پہلو میں دفن ہوئے، لطائف اشرفی میں سال وفات ۶۴۱ھ ہے، رمضان کے مہینہ میں تراویح کے بعد وتر کی نماز میں سجدے میں گئے تو روح عالم بالا کی طرف پرواز کر گئی[2]۔

ان کو بیعت اگرچہ سلسلہء سہروردیہ میں تھی، مگر حضرت بختیار کاکیؒ سے گہرے تعلقات کی بناء پر وہ چشتی ہی سمجھے جاتے ہیں، لطائف اشرفی میں ہے کہ خواجہ بختیار کاکی نے ان کو خرقہء خلافت بھی عطا کیا تھا، سیر الاقطاب میں ہے کہ حضرت حمید الدین ناگوریؒ حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کے استاد تھے خواجہ صاحب نے علوم ظاہری کی تعلیم انہی سے پائی، سیر الاقطاب کے مؤلف کا بیان ہے کہ:۔

---

[1] سیر العارفین ص ۴۸ و خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۳۰۹، [2] سیر العارفین ص ۱۵۵،

"باوجودیکہ حضرت قاضی حضرت خواجہ کے استاد تھے، لیکن ادب و خدمت میں اس قدر لگے رہتے تھے کہ لوگوں کو حیرت ہوتی تھی، اور وہ کہتے تھے کہ خواجہ قطب الدین قطب المشائخ ہیں اور قاضی حمید الدین سے ہزار درجہ بزرگ اور برتر ہیں، وہ (یعنی حضرت قاضی) ان کے ایک بال کی بھی برابری نہیں کر سکتے، بالآخر قاضی کو حضرت خواجہ سے خلافت بھی ملی، حالانکہ ان کے پیر سے مل چکی تھی۔" (ص ۱۵۰)

حضرت قطب الدین کی فوائد السالکین میں حضرت حمید الدین ناگوری استاد کی حیثیت سے نہیں سامنے آتے، بلکہ ان کو یار غار بتایا گیا ہے، (دیکھو فوائد السالکین مجلس اوّل)

ذوق سماع

حضرت قاضی حمید الدین ناگوریؒ سماع سے والہانہ ذوق رکھتے تھے، اور اس ذوق کی وجہ سے علمائے ظاہر نے ان کے خلاف فتوے بھی دیئے، مگر انھوں نے کسی کی پروانہ کی، اور اس ذوق کو بدستور قائم رکھا، حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ بھی ان کے ساتھ سماع کی محفلوں میں شریک ہوتے تھے، ایکبار سلطان التمش کے محل کے پاس ایک درویش کے مکان پر محفل سماع تھی، حضرت خواجہ بختیار کاکی اور حضرت حمید الدین ناگوری بھی اس میں شریک تھے، اس زمانہ کے جید علماء میں مولانا رکن الدین سمرقندی بھی تھے، جو مجلس سماع کو پسند نہیں کرتے تھے، ان کو خبر ملی کہ حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ اور حضرت حمید الدین ناگوریؒ ایک محفل سماع میں ہیں تو کچھ لوگوں کے ساتھ اس درویش کے مکان پر پہنچے، کہ اس محفل کو روک دیں، حضرت حمید الدین ناگوریؒ کو ان کی آمد کی خبر ہوئی تو صاحب خانہ سے کہا کہ تم کہیں چھپ جاؤ تاکہ مولانا رکن الدین سمرقندی تمہارے گھر میں آنے کی اجازت تم سے طلب نہ کر سکیں، اور اگر بلا اجازت گھر میں داخل ہوئے تو یہ شرعی حکم کے خلاف ہوگا، اور ان سے مواخذہ کیا جائیگا، صاحب خانہ نے ایسا ہی کیا، مولانا رکن الدین نے دروازہ پر پہنچ کر اندر داخل ہونے کی اجازت مانگی، صاحب خانہ سے کوئی اجازت نہ ملی تو دروازے سے لوٹ گئے[1] کئی اور موقعوں پر حضرت حمید الدین ناگوری پر سماع کیلئے پابندی عائد کرنے کی کوشش کی گئی، مگر وہ کسی قدغن کو بھی خاطر میں نہیں لائے[2]۔

پایۂ بزرگی

حضرت شہاب الدین سہروردیؒ، حضرت حمید الدین ناگوریؒ کی بڑی وقعت کرتے تھے، اپنی بعض تصانیف میں لکھا ہے کہ ہندوستان میں میرے بہت سے خلفاء ہیں، لیکن ان میں بزرگ ترین شیخ حمید الدین ناگوری ہیں، (خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۳۱۰)

حضرت فرید الدینؒ گنج شکر کو قاضی حمید الدین سے بڑی عقیدت تھی، ایک بار قاضی حمید الدین نے ان کو ایک خط تحریر کیا جس میں یہ رباعی لکھی۔

آں عقل کجا کہ در کمال تو رسد   واں روح کجا کہ در جمال تو رسد

---

[1] فوائد الفواد ص ۲۳۹ و خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۳۱۰، [2] تفصیل کیلئے دیکھو فوائد الفواد ص ۲۳۹۔۲۴۱،

گیرم کہ تو بردہ برگرفتی ز جمال   آں دیدہ کجا کہ برجمال تو رسد

حضرت گنج شکرؒ اس رُباعی کو پڑھتے اور وجد کرتے تھے[1]، ان کے ملفوظات میں قاضی حمید الدین کی تصانیف کا حوالہ بار بار آیا ہے، (دیکھو راحت القلوب ص ۲۹۔۳۰)

مولانا قطبُ الدین کاشانی دہلی آئے تو فرمایا کہ میں حمید الدین کے عشق کی وجہ سے دہلی آیا ہوں، ایک روز انھوں نے قاضی حمید الدین کی تمام تصانیف منگوا کر پڑھیں، اور اپنے ہمراہی علماء سے کہا کہ یارو! جو کچھ ہم نے اور تم نے پڑھا ہے، وہ سب ان رسالوں میں موجود ہے، اور جو کچھ نہیں پڑھا ہے، وہ علم بھی ان کتابوں میں موجود ہے[2]۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے تھے کہ جو حال اور کمال شیخ حمید الدین کو دربار الٰہی سے عطا ہوا تھا، وہ ہر شخص کو میسر نہ آیا[3]۔

سیر العارفین کے مصنف نے حضرت قاضی حمید الدینؒ کو علم و وقار کا کوہ قاف، بحر اسرار کا لجہ، رہروانِ منازلِ نامتناہی کا پیشوا، اور ابو سفیان ثوری ثانی کہا ہے[4]۔

اخبار الاخیار میں مولانا عبد الحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:۔

"او جامع بود میان علوم شریعت و طریقت و حقیقت[5]۔"

سفینۃ الاولیاء میں ہے:۔

"در تجرید و تفرقہ یگانہ عصر و از متقدمان مشائخ ہند و جامع بیان علوم ظاہری و باطنی و صاحب کرامات و مقامات علیہ بودند (ص ۱۶۰)

تصانیف

صاحب سیر العارفین نے لکھا ہے کہ سلوک و اسرار میں ان کی تصانیف بکثرت ہیں، مولانا عبد الحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں۔

"قاضی حمید الدین را تصانیف بسیار است۔" (اخبار الاخیار ص ۳۶)

ان کی سب سے مشہور کتاب طوالع الشموس ہے، اس میں باری تعالیٰ کے ننانوے اسماء کی شرح ہے، اور دو جلدوں پر مشتمل ہے، لطائف اشرفی میں اس کتاب کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:۔

"طالع شموس کہ مطلع شموس حقائق و منبع کیوست دقائق است از وے سرزدہ کہ آں مقدار معارف و عوارف کہ از طوالع و طالع می گردد در دیگر کتاب یافتہ نمی شود امروز در جمیع ملل و نحل دستور و سند شدہ است۔" (ص ۳۶۸)

اس کے بارے میں مولانا عبد الحقؒ فرماتے ہیں:۔

---

[1] راحت القلوب ص ۲۴ و سیر العارفین ص ۱۵۴، اخبار الاخیار ص ۳۶، [2] فوائد الفواد ص ۲۴۱ و سیر العارفین ص ۱۵۰،
[3] سیر العارفین ص ۱۵۰، [4] سیر العارفین ص ۲۶، [5] اخبار الاخیار ص ۳۱۶،

''ہر جا موج موج از اسرار حقیقت وفوج فوج از معانی طریقت است معتبراست جمیع مواضع او در متانت وحرارت و حالت متشاکل و متشابہ واقع شدہ۔'' (اخبار الاخیار ص ۳۷)

حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ کے ملفوظات میں قاضی حمید الدین ناگوری کی دو کتابوں تواریخ (؟) اور راحت الارواح کا حوالہ بار بار آیا ہے، سیر العارفین میں ان کی ایک اور کتاب لوائح کا ذکر ہے[1]، حضرت خواجہ گنج شکر کے ملفوظات میں کتابت کی غلطی سے لوائح ہی تواریخ ہوگئی ہے۔

مزار دہلی میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مرقد مبارک کے پائیں میں ہے۔

---

[1] سیر العارفین ج ۱ ص ۸۹

حضرت شیخ بہاء الدین زکریا سہروردیؒ

خاندان حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا قدس سرہٗ العزیز کے جد بزرگوار حضرت کمال الدین علی شاہ قبیلہ قریش سے تعلق رکھتے تھے، فرشتہ تذکرۂ اولیائے ہند مصنفہ شیخ عین الدین بیجاپوری کے حوالہ سے رقمطراز ہے:۔

''شیخ بہاء الدین زکریا از اولاد ہبار بن اسود بن مطلب بن اسد بن عبدالعزیز بن اقصیٰ است و ہبار اسلام آوردہ بود برادران او زمعہ و عمرو عقیل با حالتِ کفر در جنگ بدر تقبل رسیدند و سودہ کہ در زمان پیغمبر بود دختر زمعہ است۔''

حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کے جد امجد حضرت کمال الدین شاہ قریشی مکہ معظمہ سے خوارزم آئے، اور وہاں سے آکر ملتان میں سکونت اختیار فرمائی، یہاں ان کے فرزند مولانا وجیہ الدین محمد تولد ہوئے، جن کی شادی مولانا حسام الدین ترمذی کی لڑکی سے ہوئی مولانا حسام الدین تاتاریوں کے حملہ کی وجہ سے ملتان کے نواح قلعہ کوٹ کرور میں متوطن تھے، مولانا وجیہ الدین بھی خسر کے ساتھ قلعہ کوٹ کرور میں رہنے لگے، اور یہیں حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کی ولادت باسعادت ہوئی[2]۔

تعلیم بارہ سال کے ہوئے تو والد بزرگوار عالم جاودانی کو سدھارے، والد ماجد کی وفات کے بعد کلام پاک حفظ کرنا شروع کیا، ساتوں قرأتوں کے ساتھ حفظ کر چکے تو مزید تعلیم کے لئے خراسان کی طرف چل کھڑے ہوئے، یہاں پہنچ کر سات سال تک بزرگانِ دین سے علوم ظاہری و باطنی کی تحصیل کرتے رہے، وہاں سے بخارا جا کر علم میں کمال حاصل کیا، ان کے اوصاف پسندیدہ اور خصائل حمیدہ کی وجہ سے بخارا کے لوگ ان کو بہاء الدین فرشتہ کہا کرتے تھے، یہاں آٹھ سال تک تحصیل علم کرتے رہے، پھر بخارا سے حج کے ارادہ سے مکہ معظمہ گئے، وہاں سے روضۂ اقدس کی زیارت کے لئے

---

[1] سہرورد چشت کی طرح ایک مقام کا نام ہے، جو عراق و عجم کے اندر ہمدان و زنجان کے درمیان واقع تھا، حضرت شہاب الدین ابوحفص عمر اور ان کے پیر شیخ ضیاء الدین ابونجیب اور موخر الذکر کے پیر شیخ وجیہ الدین یہیں کے رہنے والے تھے، اس لئے ان کے سلسلہ کو سہروردیہ کہتے ہیں، حضرت شہاب الدین کی ولادت ۵۳۲ھ اور وفات ۶۳۲ھ میں ہوئی، مزار اقدس بغداد میں ہے، تصانیف میں عوارف المعارف، کشف النصائح الایمانیہ و کشف النصائح الیونانیہ و بہجت الابرار بہت مشہور ہیں، جن سے اب تک فیوض و برکات حاصل کئے جاتے ہیں۔ [2] سیر العارفین ص ۱۰۳، و مراۃ الاسرار قلمی نسخہ دار المصنفین

مدینہ منورہ حاضر ہوئے، اور پانچ سال تک جوار رسول میں زندگی بسر کی، اس مدت میں مولانا کمال الدین محمد نے ترپن سال تک مجاور کی حیثیت سے حرم نبوی ﷺ کی خدمت کی، حضرت بہاء الدین زکریاؒ نے حدیث کی تعلیم سے فراغت کے بعد روضہء اقدس کے پاس تزکیہء قلب اور تصفیہء باطن کیلئے مجاہدہ شروع کیا، پھر وہاں سے چل کر بیت المقدس پہنچے، اور وہاں سے بغداد شریف گئے[1]۔

بیعت بغداد میں حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ قدس سرہٗ العزیز کی صحبت سے فیضیاب ہو کر خرقہء خلافت پایا، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیخ بہاء الدین زکریا قدس سرہٗ نے اپنے مرشد کے پاس صرف ستر روز قیام فرمایا تھا کہ ان کو پیر دست گیر کی طرف سے ساری روحانی نعمتیں مل گئیں اور خرقہء خلافت سے بھی سرفراز کئے گئے، اس سے شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ کے دوسرے مریدوں کے دل میں رشک پیدا ہوا، اور شیخ سے عرض کی کہ ہم نے اتنے دنوں تک خدمت کی، لیکن ہم کو ایسی نعمت نہیں ملی، مگر ایک ہندوستانی آیا اور تھوڑی سی مدت میں شیخ ہو گیا، اور بڑی نعمت پائی۔

مگر شیخ نے ان کو یہ کہہ کر خاموش کر دیا کہ تم تر لکڑیوں کے مانند ہو، جن میں آگ مشکل اور دیر سے لگتی ہے، بہاء الدین زکریا خشک لکڑی کے مانند تھے جس میں آگ جلد اثر کرتی ہے[2]۔

شجرہٴ طریقت سلسلہء طریقت یہ ہے، شیخ بہاء الدین زکریا، شیخ شہاب الدین سہروردی، شیخ ضیاء الدین ابو نجیب سہروردی، شیخ وجیہ الدین سہروردی، شیخ ابو عبداللہ، شیخ اسود احمد دینوری، شیخ ممتاز علی دینوری، خواجہ جنید بغدادی، خواجہ سری سقطی، خواجہ معروف کرخی، خواجہ داؤد طائی، خواجہ حبیب عجمی، حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ، حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ جناب سرور کائنات ﷺ۔

عظمت مرشد خرقہء خلافت پانے کے بعد حضرت بہاء الدین زکریا کو مرشد کی طرف سے حکم ملا کہ ملتان واپس جا کر قیام کرو اور وہاں کے باشندوں کو فیض پہنچاؤ، حضرت جلال الدین تبریزی بھی شیخ الشیوخ کے ساتھ مقیم تھے، جب حضرت بہاء الدین زکریا بغداد سے رخصت ہونے لگے تو غایت محبت میں وہ بھی اپنے پیر سے اجازت لے کر ان کے ساتھ ہو گئے[3]، بیان کیا جاتا ہے کہ جب دونوں بزرگ نیشاپور پہنچے تو شیخ جلال الدین تبریزی، حضرت شیخ فرید الدین عطارؒ کی خدمت میں تشریف لے گئے، ملاقات کے بعد واپس ہوئے تو حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ نے ان سے دریافت کیا کہ آج کی سیر میں درویشوں میں کس کو سب سے بہتر پایا، بولے شیخ فرید الدین عطار کو، حضرت بہاء الدین زکریاؒ نے پوچھا، کہ ان سے کیا کیا صحبت رہی، جواب دیا کہ مجھ کو دیکھتے ہی انھوں نے دریافت کیا کہ آپ لوگوں کو کہاں سے آنا ہوا، میں نے عرض کی خطہء بغداد سے آتا ہوں، پھر استفسار کیا کہ وہاں

---

[1] سیر العارفین ص ۱۰۴، مراۃ الاسرار قلمی نسخہ دار المصنفین، [2] اسرار الاولیاء ص ۱۳۱ فوائد الفواد ص ۲۴۳، [3] سیر العارفین ص ۱۰۶

کون درویش مشغول بحق ہے، تو میں نے اس کا کوئی جواب نہ دیا، حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ نے حضرت جلال الدین تبریزی سے پوچھا کہ اپنے مرشد شہاب الدین سہروردی کا ذکر کیوں نہ کیا، جواب دیا کہ شیخ فریدالدین کی عظمت میرے دل پر ایسی چھائی ہوئی تھی کہ شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کو بھول گیا، یہ سن کر شیخ بہاء الدین زکریا کو بہت ملال ہوا، اور وہ حضرت جلال الدین تبریزی سے علیحدہ ہو کر ملتان چلے آئے، اور حضرت جلال الدین تبریزیؒ خراسان جا کر مقیم ہوئے[1]۔

قیام ملتان ملتان کی مدت قیام میں نہ صرف ملتان بلکہ سارا ہندوستان حضرت بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ کے فیوض و برکات کے انوار سے منور ہو گیا تھا، اور ان کا عہد خیر الاعصار کہا جاتا ہے[2]۔

شیخ محمد نور بخش مؤلف، سلسلہ الذہب میں رقمطراز ہیں:۔

''حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی قدس سرہٗ ہندوستان میں رئیس الاولیاء تھے علوم ظاہری کے عالم اور مکاشفات و مشاہدات کے مقامات و احوال میں کامل تھے، ان سے اکثر اولیاء اللہ کے سلسلے منشعب ہوئے، لوگوں کو رشد و ہدایت فرمائی، اور ان کو کفر سے ایمان کی طرف، معصیت سے اطاعت کی طرف اور نفسانیت سے روحانیت کی طرف لائے، اور ان کی شان بڑی تھی[3]۔''

سفینۃ الاولیاء میں ہے:۔

''حضرت شیخ الشیوخ سے رخصت ہو کر ملتان آئے، اور یہیں توطن اختیار کیا، رشد و ہدایت میں مشغول ہوئے، تو بہت سے لوگوں نے ان کی ہدایت کی برکت پائی، اور اس دیار کے تمام لوگ ان کے مرید اور معتقد ہو گئے، اس دیار میں تمام مرید اُن ہی کے ہیں۔'' (ص ۱۹۷)

رشد و ہدایت عوام و خواص دونوں کیلئے تھی، اور دونوں طبقوں کو اپنی ذات بابرکت سے فیض پہنچانے کی کوشش فرماتے، اس وقت ملتان کا حکمران ناصر الدین قباچہ تھا، جو سلطان شمس الدین التمش کا حریف بھی تھا، حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کا قلبی رجحان سلطان التمش کی طرف تھا، کیونکہ جیسا کہ ذکر آ چکا ہے، وہ اپنے زہد و تقویٰ، دینداری، اور شریعت کی پاسداری کے لحاظ سے اولیاء اللہ میں شمار کیا جاتا ہے، ناصر الدین قباچہ نے سلطان التمش کی بڑھی ہوئی سطوت و قوت کو دیکھ کر اس کے خلاف معاندانہ سازش شروع کی، اس کو ملتان کے قاضی مولانا شرف الدین اصفہانی اور خود شیخ بہاء الدین زکریا نے پسند نہ کیا، قاضی شرف الدین اصفہانی بہت ہی متدین عالم تھے انھوں نے دین کی فلاح اسی میں

---

[1] سیر العارفین ج اص ۱۰۶ و ج ۲ ص ۶۸ و فوائد الفواد ص ۲۵۲، [2] فرشتہ ج ا ص ۸۳، [3] بحوالہ اخبار الاخیار ص ۲۰۰

دیکھی کہ سلطان التمش کو قباچہ کی سازش سے مطلع کر دیں، شیخ بہاء الدین زکریا نے بھی ان کی حمایت کی، اور دونوں نے علیحدہ علیحدہ سلطان التمش کو خطوط لکھے، مگر دونوں مکتوب قباچہ کے آدمیوں کے ہاتھ لگ گئے، قباچہ ان کو پڑھ کر بہت مشتعل ہوا، اور ایک محضر کے ذریعہ دونوں کو طلب کیا، جب وہ دونوں بزرگ مجلس میں تشریف لے گئے تو قباچہ نے شیخ بہاء الدین زکریا کو اپنی داہنی جانب بٹھایا، اور قاضی شرف الدین اصفہانی کو اپنے روبرو بیٹھنے کا حکم دیا، اور ان کا خط ان کے ہاتھ میں دے دیا، قاضی شرف الدین اصفہانی نے خط پڑھ کر خاموشی اختیار کی، قباچہ نے غصہ میں جلاد کو حکم دیا کہ اسی وقت یہ تہ تیغ کر دیئے جائیں، جلاد نے آگے بڑھ کر سر قلم کر دیا، جب شیخ بہاء الدین زکریا کے ہاتھ میں ان کا مکتوب دیا گیا، تو انھوں نے اس کو دیکھتے ہی فرمایا، کہ بیشک یہ میرا خط ہے، مگر میں نے حق تعالیٰ کے حکم سے لکھا ہے، اور صحیح لکھا ہے، یہ سن کر قباچہ پر لرزہ طاری ہو گیا، اور اس نے معذرت کر کے شیخ بہاء الدین زکریا کو اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کیا[1]۔

فیاضی مگر خلق کی خاطر شاہی حکام کے ساتھ اشتراک عمل کرنے میں بھی دریغ نہ فرماتے ملتان میں ایک بار سخت قحط پڑا، والی ملتان کو غلہ کی ضرورت ہوئی، شیخ بہاء الدین زکریا نے غلہ کی ایک بڑی مقدار اپنے ہاں سے اس کے پاس بھیجی، جب غلہ اس کے پاس پہنچا تو اس کے انبار سے نقرئی ٹنکہ کے سات کوزے بھی نکلے، والی ملتان نے شیخ کو اس کی اطلاع دی، تو انھوں نے فرمایا ہم کو پہلے سے معلوم تھا لیکن غلہ کی ساتھ اسے بھی ہم نے بخشا۔

حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ کے مطبخ میں طرح طرح کے کھانے پکتے تھے، لیکن ان کو ان نعمتوں کے کھانے میں اسی وقت لذت ملتی، جب وہ مہمانوں، مسافروں اور درویشوں کے ساتھ مل کر کھاتے، جس شخص کو دیکھتے کہ وہ کھانا رغبت سے کھاتا ہے تو اس کو بہت دوست رکھتے تھے، ایک مرتبہ فقراء کی ایک بڑی جماعت دستر خوان پر شریک تھی، حضرت شیخ بہاء الدین زکریا نے ہر فقیر کے ساتھ ایک لقمہ کھایا، ایک فقیر کو دیکھا کہ روٹی شوربے میں بھگو کر کھا رہا ہے، فرمایا سبحان اللہ ان سب فقیروں میں یہ فقیر خوب کھانا جانتا ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ نان تر کو اور کھانوں پر وہی فضیلت ہے جو مجھ کو تمام انبیاء پر ہے، اور عائشہؓ کو تمام دنیا کی عورتوں پر ہے[2]۔

استغناء حضرت شیخ زکریا کو کبھی دولت کی کمی محسوس نہ ہوئی، مگر وہ خود اس سے ہمیشہ مستغنی و بے نیاز رہے، ایک روز خادم سے فرمایا جاؤ، جس صندوقچہ میں پانچ ہزار دینار سرخ رکھے ہیں، اس کو

---

[1] فوائد الفواد ص ۱۲۰، سیر العارفین ص ۵۳، تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۴۰۶، فوائد الفواد میں یہ بھی ہے، کہ قباچہ نے اسی وقت کھانا منگوایا کہ اگر شیخ بہاء الدین زکریا کھانے میں اس کے ساتھ شریک نہ ہوں گے، تو اسی بہانے ان کو ایذا پہنچائے گا، مگر شیخ بہاء الدین زکریا بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر کھانے میں شریک ہو گئے۔ [2] فوائد الفواد ص   و سیر العارفین ص ۱۲۳،

اٹھالاؤ، خادم نے ہر چند تلاش کیا، مگر صندوقچہ کہیں نہ ملا، وہ مایوس ہوکر واپس آیا، اور شیخ کو اطلاع دی تو کچھ تامل کے بعد فرمایا الحمد للہ تھوڑی دیر کے بعد خادم پھر آیا، اور صندوقچہ مل جانے کی اطلاع دی، پھر الحمد للہ کہہ کر خاموش ہو گئے، حاضرین نے عرض کی کہ حضرت نے صندوقچہ گم ہونے پر بھی الحمد للہ فرمایا اور مل جانے پر بھی، اس میں کیا حکمت تھی، ارشاد فرمایا کہ فقیروں کے لئے دنیا کا وجود اور عدم دونوں برابر ہیں، ان کو کسی چیز کے آنے پر نہ خوشی ہوتی ہے، اور نہ ان کے جانے کا غم ہوتا ہے، اور پانچوں ہزار دینار حاجتمندوں میں تقسیم کرا دیئے[1]۔

بردباری مزاج میں حلم و بردباری بہت تھی، ایک روز خانقاہ میں تشریف فرما تھے، کہ دلق پوش قلندروں کی ایک جماعت پہنچی اور ان سے مالی مدد کی خواستگار ہوئی، انھوں نے اس جماعت سے بیزاری کا اظہار فرمایا، اس پر قلندروں نے گستاخی شروع کر دی اور اینٹ پتھر سے ان کو مارنے لگے، حضرت شیخ نے خادم سے فرمایا کہ خانقاہ کا دروازہ بند کردو، جب دروازہ بند ہو گیا تو قلندروں نے دروازہ پر پتھر مارنے شروع کئے، حضرت شیخ نے کچھ تامل کے بعد خادم سے فرمایا، دروازہ کھول دو، میں اس جگہ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی قدس سرہٗ کا بٹھایا ہوا ہوں، خود سے نہیں بیٹھا ہوں، خادم نے دروازہ کھول دیا، اس وقت قلندر نادم ہوئے اور اپنے قصور کی معافی چاہی[2]۔

تواضع غایت تواضع میں اپنی تعظیم و تکریم پسند نہیں فرماتے تھے، ایک بار خانقاہ میں کچھ مرید حوض کے کنارے وضو کر رہے تھے، حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ان کے پاس پہنچ گئے، مریدوں نے وضو ختم بھی نہیں کیا تھا، کہ تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے، اور سلام عرض کیا، مگر ایک مرید نے وضو تمام کر کے مراسم تعظیم ادا کئے، حضرت شیخ بہاء الدین زکریا نے فرمایا تم سب درویشوں میں افضل اور زاہد ہو۔

مگر وہ خود دوسروں کی بڑی تعظیم کرتے تھے، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ جب وارد ہندوستان ہوئے، اور ملتان آ کر ٹھہرے تو حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ان سے تعظیم اور محبت اور شفقت سے ملے، اور اصرار کر کے کچھ دنوں ان کو اپنے یہاں روکا، حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ بھی حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ کی بڑی قدر کرتے تھے، چنانچہ جب معتقدین نے ان کو ملتان میں قیام کرنے کی دعوت دی، تو فرمایا کہ ملتان کی سرزمین پر شیخ بہاء الدین کا قبضہ اور سایہ کافی ہے، یہاں ان ہی کا تعلق ہے، ان ہی کی حمایت تم لوگوں کے ساتھ رہے گی[3]۔

محبت ومودت حضرت شیخ بہاء الدین زکریا بابا گنج شکر کی بھی بہت عزت کرتے تھے بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ دونوں خالہ زاد بھائی بھی تھے، اور باہم بڑی محبت ومودت

---

[1] سیر العارفین ص ۱۱۴ و مراۃ الاسرار قلمی، [2] فوائد الفواد، [3] سیر العارفین ص ۲۰

تھی، حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ نے ایک موقع پر کسی بات کی معذرت کرتے ہوئے بابا صاحب کو لکھا:۔

''میان ماو شما عشقبازی است۔''

بابا گنج شکرؒ نے اس کا جواب دیا:۔

''میان ماو شما عشق است بازی نیست۔''

محضر

ایک موقع پر حضرت جلال الدین تبریزی کے ساتھ حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ نے عزت و احترام کا جو نمونہ پیش کیا تھا، اس کا ذکر بادۂ تصوف کے سرشاروں کیلئے بہت ہی خمار آگیں ہے، اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ حضرت جلال الدین تبریزی نیشاپور میں حضرت شیخ بہاء الدین زکریا سے علیحدہ ہو کر خراسان چلے گئے تھے، کچھ عرصہ بعد دہلی تشریف لائے، سلطان التمش ان کی عظمت اور بزرگی کی شہرت پہلے سن چکا تھا، جب وہ دہلی کے قریب پہنچے، تو سلطان نے علماء و مشائخ کی ایک جماعت کے ساتھ شہر کے باہر جا کر ان کا استقبال کیا، اور ان کو دیکھتے ہی گھوڑے سے اتر آیا، اور ان کے آگے کر کے خود پیچھے پیچھے شہر کی طرف روانہ ہوا، یہ تعظیم و تکریم شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ کو پسند نہ آئی، ان کے دل میں حضرت جلال الدین تبریزیؒ کی طرف سے رشک و حسد کی آگ بھڑک اٹھی، مگر اس کا اظہار نہیں کیا، اور سلطان سے یہ خواہش ظاہر کی کہ حضرت جلال الدین تبریزی اس کی (یعنی نجم الدین صغریٰ) قیام گاہ کے قریب ہی فروکش ہوں، اور قیام کے لئے ایک مکان تجویز کیا، جو بیت الجن کے نام سے مشہور تھا، سلطان نے اپنے عزیز اور محبوب مہمان کو جنوں کے مکاں میں ٹھہرانا پسند نہ کیا، مگر نجم الدین صغریٰ نے کہا اگر حضرت جلال الدین تبریزی کامل درویش ہوں گے تو مکان خود جنات سے پاک ہو جائے گا، اور اگر ناقص ہوں گے، تو اپنی فریب دہی کی سزا پا جائیں گے، یہ گفتگو بالکل علیحدہ ہوئی تھی، مگر حضرت جلال الدین نے خود اس مکان میں رہنے کا اعلان کر دیا، جب وہ اس مکان میں داخل ہوئے تو ان کے قدم کی برکت سے مکان تمام بلیات سے پاک ہو گیا، اور ان کو کسی قسم کا گزند نہ پہنچا، دوسرے روز حضرت خواجہ بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کی ملاقات کے لئے شہر کی تنگ گلیوں میں سے ہو کر چلے، حضرت بختیار کاکیؒ کو کشف ہوا کہ حضرت جلال الدین تبریزیؒ ان سے ملنے آ رہے ہیں تو وہ خود گلیوں میں ہوتے ہوئے ان کے استقبال کو بڑھے، راستہ میں قرآن السعدین ہوا، جس وقت حضرت جلال الدین خواجہ بختیار کے ہمراہ ان کی خانقاہ پہنچے، اس وقت یہاں مجلسِ سماع ہو رہی تھی، فقراء جمع تھے اس بیت پر حضرت خواجہ صاحب کو وجد آ گیا۔

در میکدۂ وحدۃ ایثار نمی گنجد
در عالم یکرنگی اغیار نمی گنجد

سلطان التمش حضرت جلال الدین تبریزیؒ کے ساتھ مرشد کا یہ لگاؤ دیکھ کر ان کا اور بھی معتقد ہو گیا، اس سے نجم الدین صغریٰ کا حسد اور زیادہ بڑھا، ایک روز موسم بہار میں سلطان التمش نے فجر کی نماز سے پہلے نجم الدین صغریٰ کو اپنے محل میں بلایا، اور ان کو امام بنایا، نماز شاہی محل کی چھت پر ہوئی، چھت کے سامنے حضرت جلال الدین تبریزیؒ کی قیامگاہ تھی، وہ فجر کی نماز سے فراغت کے بعد صحن خانہ میں چادر اوڑھے آرام فرما رہے تھے، اور ایک ملازم جس کو اللہ تعالیٰ نے حسن صورت بھی عطا کیا تھا، ان کے پاؤں دبا رہا تھا، نجم الدین صغری کو خیال ہوا کہ حضرت جلال الدین تبریزیؒ نماز سے غافل ہو کر محو استراحت ہیں، اسی وقت سلطان کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ آپ ایسے ہی دنیا پرست درویشوں کے معتقد ہیں، یہ سونے کا کون سا وقت ہے، اور ایک صاحب جمال غلام بھی پاس بیٹھا ہے، حضرت جلال الدین تبریزیؒ کو نور باطن سے نجم الدین صغریٰ کی بدگمانی معلوم ہو گئی اسی وقت اٹھے اور صحن خانہ ہی میں سے سلطان کو حقیقت سے آگاہ کیا، سلطان نادم ہوا، اور نجم الدین صغریٰ سے کہنے لگا، تم شیخ الاسلام ہو کر ایسی باتیں کرتے ہو، تم کو نیک و بد کی بھی پہچان نہیں، مگر نجم الدین صغری شرمندہ ہونے کی بجائے اندرونی طور پر اور زیادہ برہم ہو گئے، اور حضرت جلال الدین تبریزیؒ سے ان کی پرخاش اور بھی بڑھ گئی، اور شہر کی ایک حسین و جمیل مطربہ کو پانچ سو اشرفیوں کا لالچ دلا کر آمادہ کیا کہ وہ حضرت جلال الدین تبریزیؒ پر فسق و زنا کا الزام لگائے، مطربہ نے سلطان کے پاس جا کر حضرت جلال الدین تبریزیؒ کو مہتم کیا، سلطان سن کر ششدر رہ گیا، وہ سمجھتا تھا کہ یہ جھوٹا الزام ہے، اور مطربہ کو اس کی دروغگوئی کی پوری سزا دے سکتا تھا، لیکن قانون کی وجہ سے معذور تھا، مدعیہ خود اپنے بیان سے واجب التعزیر فاحشہ ثابت ہو رہی تھی، مگر حضرت جلال الدین تبریزیؒ پر بغیر شہادت کے تہمت زنا ثابت نہیں ہو سکتی تھی، مدعیہ کا تنہا بیان کافی نہ تھا، لیکن اس کا مقدمہ سامنے آ جانے کے بعد اس کی شرعی تحقیقات بھی ضروری تھی، اس لئے سلطان نے مشورے کے بعد ایک محضر طلب کرنے کا فیصلہ کیا، محضر میں شرکت کے لئے ہندوستان کے مشاہر علماء و مشائخ کو دعوت دی گئی، حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ نے بھی اس دعوت کو قبول کیا، اور وہ دہلی تشریف لائے، اس محضر میں دو سو صرف اولیائے کرام شریک ہوئے، محضر جامع مسجد میں منعقد ہوا۔

شیخ الاسلام نجم الدین صغری کو حضرت بہاء الدین زکریاؒ اور جلال الدین تبریزی کی کشیدگی کا علم تھا، چنانچہ وہ ان دونوں کی اس کشیدگی سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے، شیخ الاسلام کی حیثیت سے انھوں نے شیخ بہاء الدین زکریا ہی کو حکم مقرر کیا، جمعہ کی نماز کے بعد مقدمہ کی کارروائی شروع ہوئی، مطربہ پیش کی گئی، حضرت شیخ جلال الدین تبریزی کو بھی طلب کیا گیا، جس وقت وہ مسجد کے دروازے پر پہنچے، سارے علماء و اولیاء ان کی تعظیم کیلئے کھڑے ہو گئے، اور جب حضرت جلال الدین تبریزیؒ نے اپنی جوتیاں اتاریں، تو شیخ بہاء الدین زکریا نے بڑھ کر ان کی جوتیاں اپنے ہاتھوں میں لے لیں، سلطان التمش یہ دیکھ کر

بہت متاثر ہوا، کہ ایک جلیل القدر حکم اپنے سامنے پیش ہونے والے ملزم کی ایسی توقیر وعظمت کر رہا ہے، جو حضرت جلال الدین تبریزیؒ کے معصوم ہونے کی دلیل ہے اور تحقیقات کی کارروائی روک دینا چاہی، مگر شیخ بہاء الدین زکریاؒ نے فرمایا:۔

"میرے لئے فخر کی بات ہے کہ شیخ جلال الدین تبریزی کے پاؤں کی خاک کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بناؤں، کیونکہ وہ میرے مرشد شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی کے ساتھ سات سال تک سفر وحضر میں رہے، لیکن شاید شیخ الاسلام نجم الدین کے دل میں یہ خیال ہو کہ بہاء الدین نے شیخ جلال الدین تبریزی کی تعظیم کر کے، ان کے عیب پر پردہ ڈال دیا ہے، تو یہ اہل اللہ پر بخوبی روشن ہے کہ حضرت جلال الدین سے ایسے فعل شنیع کا واقع ہونا محال ہے، لیکن پھر بھی دلائل بینہ کا اظہار ضروری ہے، اس لئے مدعیہ مطربہ کو سامنے لاؤ۔"

چنانچہ مطربہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ کے سامنے لائی گئی مگر اس پر ایسا رعب طاری ہو گیا کہ اس نے تہمت ثابت کرنے کے بجائے شروع سے آخر تک پورا واقعہ بیان کر دیا، کہ نجم الدین صغری نے اس کو طمع دلا کر حضرت جلال الدین تبریزی پر الزام رکھنے کے لئے آمادہ کیا تھا، اس سازش کے افشاء پر نجم الدین صغری ایسے ذلیل اور پشیمان ہوئے کہ مجلس ہی میں ان کو غش آ گیا، اور حضرت جلال الدین تبریزی کی معصومیت ثابت ہو گئی، سلطان التمش نے اس کذب وبہتان کی سزا میں نجم الدین صغریٰ کو شیخ الاسلام کے عہدہ سے برطرف کر کے حضرت شیخ بہاء الدین زکریا سے اس کے قبول کرنے کی استدعا کی انھوں نے قبول فرمایا، اور ایک مدت تک شیخ الاسلام کا عہدہ ان کے خاندان میں قائم رہا[1]۔

جود وسخا حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ کے صحیفہ کمال میں جود وسخا کی بھی اعلیٰ مثالیں ملتی ہیں، ایک بار ان کے معتقدوں اور مریدوں کا جہاز غرق ہو رہا تھا، غایت اضطراب میں انھوں نے حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا سے روحانی استمداد کی، اللہ جل شانہٗ کی قدرت سے وہ جہاز محفوظ رہ گیا، جہاز پر موتی اور جواہرات کے بڑے بڑے تاجر تھے، جب جہاز ساحل پر پہنچا، تو ان تاجروں نے اپنے مال کا ایک ثلث حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کی خدمت میں نذر کرنے کا عہد کیا، اور ان کی جانب سے خواجہ فخر الدین گیلانی نقد وجواہرت لے کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے، جواہرات کی قیمت اور نقد رقم ملا کر ستر (۷۰) لاکھ چاندی کے ٹنکے ہوتے تھے، شیخ نے اس کو قبول تو کر لیا، لیکن تین دن کے اندر یہ کل رقم حقداروں محتاجوں اور مسکینوں میں تقسیم کرا دی، خواجہ فخر الدین گیلانیؒ اس سے اتنے متاثر ہوئے کہ انھوں نے اسی وقت اپنا تمام مال واسباب فقراء میں بانٹ دیا، اور فقیری اختیار کر لی، پانچ برس شیخ

[1] فوائد السالکین مجلس ششم وسیر العارفین ص ۶۷۔۱۶۹۔

کی خدمت میں گذار کر بیت اللہ کے حج کو روانہ ہوئے مگر جدہ پہنچ کر جنت کی راہ لی[1]۔

ذوق سماع

سماع سے بھی کبھی کبھی شغل فرماتے تھے، ایک مرتبہ عبداللہ رومی قوال ملتان وارد ہوا، اور خدمت عالی میں حاضر ہو کر عرض کی، کہ اس کا گانا شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی نے شوق کے ساتھ سنا ہے، اور وہ ان کی خدمت میں اکثر حاضر ہوتا رہا ہے، شیخ نے فرمایا کہ جب شیخ الشیوخ نے سنا ہے تو زکریا بھی سنے گا، چنانچہ قوال کو ایک خاص حجرہ میں بلایا گیا، عشاء کی نماز کے بعد ایک پہر رات گذری ہوگی، کہ حجرہ میں تشریف لائے اور دو پارے کلام پاک تلاوت کر کے قوال کو سنانے کا حکم دیا، اور حجرہ کے دروازہ میں زنجیر لگا دی، قوال نے گانا شروع کیا۔

مستاں • کہ شراب ناب خوردند

از پہلوئے خود کباب خوردند

جب اس بیت کی تکرار کی تو حضرت شیخ بہاء الدین زکریا وجد میں کھڑے ہوگئے، اور حجرہ کا چراغ گل کر دیا، قوال کا بیان ہے کہ اس کو کچھ معلوم نہ ہوتا تھا، کہ شیخ کی کیا کیفیت ہو رہی ہے، صرف دامن معلوم ہوتا تھا، اور کچھ نظر نہ آتا تھا، تھوڑے وقفہ کے بعد شیخ حجرہ سے باہر تشریف لے گئے، اور وہ (یعنی قوال) اپنے رفیقوں کے ساتھ حجرہ ہی میں رہا، جب صبح ہوئی تو شیخ نے خادم کے ہاتھ خلعت اور بیس نقرئی ٹنکے بھجوا دیئے[2]۔

عبادت و ریاضت

عبادت و ریاضت میں کلام پاک کی تلاوت سے بڑا شغف رکھتے تھے، ایک بار اپنے خلفاء کے ساتھ مجلس میں بیٹھے تھے کہ ان سے مخاطب ہو کر فرمایا، تم میں سے کوئی شخص ایسا ہے، جو دو رکعت نماز کی نیت باندھے، اور ایک رکعت میں پورا کلام پاک ختم کرے، حاضرین میں سے کسی کی یہ ہمت نہ ہوئی، پھر خود ہی نماز کے لئے کھڑے ہو گئے، اور دو رکعت نماز کی نیت کر کے پہلی ہی رکعت میں پورا کلام مجید ختم کر دیا اور چار پارے اور پڑھے، دوسری رکعت میں سورۂ اخلاص پڑھی، بارہا فرماتے تھے کہ اہل دل سے مجھ کو جو کچھ فیض پہنچا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو عمل میں لانے کی بھی توفیق عطا فرمائی ہے، اور جس کام کے لئے حوصلہ کیا پورا ہوا، لیکن ایک کام ابتک نہیں ہو سکا، ایک بزرگ آغاز صبح سے طلوع آفتاب تک قرآن شریف ختم کر لیتے ہیں، میں نے بھی ہر چند اس کی کوشش کی، مگر یہ حوصلہ پورا نہیں ہو سکا، تین چار پارے باقی رہ جاتے ہیں، مگر سیر العارفین کے مؤلف کا بیان ہے کہ میں نے اپنے پیر دستگیر شیخ سماء الحق والدین سے سنا تھا کہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کا معمول تھا کہ تہجد کی نماز کے بعد کلام پاک شروع کرتے، اور فجر کی نماز کی سنتوں تک پورا قرآن ختم کر لیتے تھے[3]۔

۱؎ سیر العارفین ص ۱۱۶۔۱۷۷، ۲؎ فوائد الفواد ص ۱۳۷، و سیر العارفین ص ۱۱۴، ۳؎ فوائد الفواد ص ۶ و سیر العارفین ص ۱۲۰

وفات دفات کے روز اپنے حجرہ میں عبادت میں مشغول تھے کہ حجرہ کے باہر ایک نورانی چہرہ کے مقدس بزرگ نمودار ہوئے، اور حضرت شیخ صدرالدین کے ہاتھ میں ایک سربمہر خط دیا، حضرت شیخ صدرالدینؒ خط کا عنوان دیکھ کر متحیر ہوئے، والد بزرگوار کی خدمت میں پیش کر کے باہر آئے، تو قاصد کو نہ پایا، خط پڑھنے کے ساتھ ہی حضرت شیخ بہاءالدین زکریاؒ کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کرگئی، اور آواز بلند ہوئی۔

''دوست بدوست رسید۔''

یہ آواز سُن کر حضرت شیخ صدرالدینؒ دوڑے ہوئے حجرے میں گئے، دیکھا، آواز حقیقت بن چکی تھی[1]۔

راحت القلوب (ملفوظات حضرت بابا گنج شکر) میں ہے کہ جس وقت حضرت بہاءالدین زکریاؒ کا وصال ہوا، اسی وقت اجودھن میں حضرت بابا گنج شکرؒ بیہوش ہوگئے، بڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو فرمایا کہ ''برادرم بہاءالدین زکریا ازیں بیابان فنا بہ شہرستان بقا بردند۔'' (ص ۵۷)

اور پھر اٹھ کر مریدوں کے ساتھ غائبانہ جنازہ کی نماز پڑھی[2]، مزار شریف ملتان میں ہے۔

سنہ وفات میں اختلاف ہے، راحۃ القلوب میں سال وفات ۶۵۶ھ سیر الاولیاء (ص ۹۱) میں ۶۶۷ھ، اخبار الاخیار میں ۶۶۱ھ، سفینۃ الاولیاء اور فرشتہ میں ۶۶۶ھ، اور مراۃ الاسرار میں ۵۶۵ھ ہے، سفینۃ الاولیاء میں پیدائش کا سال ۵۶۵ھ لکھا ہے۔

تعلیمات حضرت شیخ بہاءالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی نہ کسی تصنیف کا پتہ ہے، اور نہ ملفوظات کا ذکر تذکروں میں ہے۔ مگر انھوں نے اپنے مریدوں کیلئے جو وصایا اور خطوط لکھے تھے، ان کو اخبار الاخیار کے مصنف نے نقل کیا ہے، ان سے ان کی صوفیانہ تعلیمات پر روشنی پڑتی ہے، اس لئے ان کے اقتباسات ہدیہ ناظرین کئے جاتے ہیں۔

فرماتے ہیں کہ بندہ پر واجب ہے، کہ سچائی اور اخلاص سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور اس کے عبادات واذکار میں غیر اللہ کی نفی ہو، اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے احوال کو درست اور اقوال وافعال میں اپنے نفس کا محاسبہ کرے، ضرورت کے سوا نہ کوئی بات کہے، اور نہ کوئی کام انجام دے، ہر قول وفعل سے پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ سے التجا کرے، اور اس سے نیک عمل کی توفیق کی مدد چاہے۔

دوسرے موقع پر اپنے مرید کو نصیحت فرماتے ہیں، کہ تم اللہ تبارک وتعالیٰ کے ذکر کو اپنے اوپر لازم کرلو، ذکر ہی سے طالب محبت تک پہنچتا ہے، محبت ایسی آگ ہے، جو تمام میل کچیل کو جلا ڈالتی ہے، جب

---

[1] راحت القلوب مجلس ہفتم فوائد الفواد ص ۲۲۱ وسیر العارفین ص ۲۷ وفرشتہ ج ۲ ص ۴۰۹ راحت القلوب ص ۵۷،

[2] اخبار الاخیار ص ۲۷، سفینۃ الاوصیاء ص ۱۹۵-۶، مراۃ الاسرار قلمی نسخہ دار المصنفین، فرشتہ ج ۲ ص ۴۰۹،

محبت راسخ ہو جاتی ہے، تو مذکور کے مشاہدہ کے ساتھ ذکر حقیقی ذکر ہوتا ہے، یہی وہ ذکر کثیر ہے، جس پر اللہ تعالیٰ کے اس قول، وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ میں فلاح کا وعدہ کیا گیا ہے۔

پھر فرماتے ہیں کہ مرید کو چاہئے کہ اپنے روزگار کی حفاظت کرتا رہے، ماسوای اللہ کو دل سے دور کر دے، دنیا کے لوگوں کی محبت کو اپنے اوپر حرام کر لے اور حق تعالیٰ کی یاد میں مشغول رہے، اگر اس کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے موانست نہ ہوگی، تو خدائے تعالیٰ کی محبت کی بو بھی وہ نہ سونگھ سکے گا۔

ایک نصیحت میں ارشاد فرمایا کہ بدن کی سلامتی قلتِ طعام میں اور روح کی سلامتی ترک گناہ میں اور دین کی سلامتی حضرت خیر الانام محمد ﷺ پر درود بھیجنے میں ہے[1]۔

خلفاء

حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ اپنے مریدوں میں شیخ حسن افغان کو بہت ہی محبوب رکھتے تھے، وہ ان پڑھ تھے، مگر ان کا ظاہر و باطن روحانی تعلیم سے آراستہ تھا، ان کی بزرگی کا یہ حال تھا، کہ ایک بار ایک کاغذ پر تین سطریں لکھ دی گئیں جن میں سے ایک میں کلام پاک کی آیت تھی، ایک میں حدیث شریف اور ایک میں کسی شیخ کا قول منقول تھا، یہ کاغذ دکھا کر شیخ حسن افغان سے پوچھا گیا کہ کون سی سطر میں کیا چیز ہے، شیخ حسن افغان نے قرآن مجید کی آیت والی سطر پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ یہ کلام ربانی ہے، اس کا نور مجھ کو زمین سے عرشِ معلّٰی تک نظر آ رہا ہے، حدیث شریف کی سطر پر انگلی رکھ کر کہا کہ یہ حدیث مقدس کی سطر ہے، اس کا نور ساتویں آسمان تک دکھائی دیتا ہے، پھر شیخ کے قول پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ اس کا نور زمین سے آسمان تک دیکھتا ہوں، حضرت شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ اکثر فرماتے تھے کہ اگر قیامت کے دن بارگاہ الٰہی میں مجھ سے پوچھا جائے گا کہ ہماری بارگاہ میں کیا کمائی لایا ہے، تو میں عرض کروں گا میری کمائی حسن افغان ہے[2]۔

حضرت شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں میں شیخ فخر الدین عراقی اور شیخ امیر حسینی بھی خاص طور پر ذکر کے لائق ہیں، ان کے حالات آگے چل کر علیحدہ ابواب میں بیان کئے جائیں گے، دو اور کے اسمائے گرامی یہ ہیں، شیخ جمال خنداں اور شیخ نجیب الدین علی برغش۔

---

[1] اخبار الاخیار ص ۲۷،

[2] سیر العارفین ص ۱۱۱، وفرشتہ ج ۲ ص ۴۱۳،

حضرت شیخ صدرالدین عارفؒ

روحانی مرتبہ

حضرت شیخ صدرالدین رحمتہ اللہ علیہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا نوراللہ مضجعہ کے فرزندار جمند تھے، والد بزرگوار ہی کی صحبت میں عقلی ونورانی تعلیم پائی۔ اسی تعلیم کی بدولت اپنے زمانہ میں سرحلقۂ اولیاء سمجھے جاتے تھے، ان کے والد کے ایک مرید امیر حسینی نے جن کا ذکر آگے آئے گا، ان کے روحانی مرتبہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:۔

آں بلند آوازۂ عالم پناہ — سرور دیں افتخار صدر گاہ
صدر دین و دولت آں مقبولِ حق — نہ فلک از خوانِ جودش یک طبق
آبِ حیواں قطرۂ بحر دلش — چوں خضر علم لدنی حاصلش
معتبر چوں قول او افعال او — ہم بیانِ او گواہ حالِ او
مقتدائے دیں قبولِ خاص و عام — دولتش گفتہ توئی خیر الانام
سلکِ معنی جملہ در فرمانِ او — ہم بہ کسب وہم بمیراث آں او[1]

تاریخ فرشتہ میں ان کے روحانی اوصاف و کمالات کی تعریف وتوصیف حسب ذیل اشعار میں کی گئی ہے:۔

آں گہر معدنِ حق الیقین — تازہ زآب کرمش باغ دیں۔
دادہ زپاکی بملائک صلہ — خرقہ وحدت بخلا و ملا
لجہ مواج دل پاک او — عقل فرو ماندہ در ادراکِ او
صدر نشیں گشت بعرش بریں — گشتہ خطابش از خدا صدر دیں[2]

وہ عام طور سے شیخ صدرالدین عارف کے نام سے مشہور تھے کہا جاتا ہے کہ جب کلام پاک پڑھتے یا ختم کرتے تو معرفت کے نئے نئے اسرار ورموزان پر عیاں ہوتے، اسی لئے وہ عارف کے لقب سے مشہور ہوئے، تاریخ فرشتہ میں ہے:۔

"ویرا عارف ازاں گویند کہ ہر بار ختم کلام اللہ کردی، سمند فکرت بیشتر راندی دوقتیکہ بتلاوت مشغول بودے اورا فوج فوج معانی رونمودی[3]"۔

---

[1] اخبار الاخیار ص ۵۹، [2] تاریخ فرشتہ ج ۲ ص ۴۰۸، [3] ایضاً

فیاضی والد بزرگوار کے وصال کے بعد جب رشد و ہدایت کی مسند پر متمکن ہوئے، تو ترکہ میں سات لاکھ نقد ملے، مگر یہ ساری رقم ایک ہی روز میں فقراء و مساکین میں تقسیم کرادی، اور اپنے لئے ایک درہم بھی نہ رکھا، کسی نے عرض کی کہ آپ کے والد بزرگوار اپنے خزانہ میں نقد و جنس جمع رکھتے تھے، اور اس کو تھوڑا تھوڑا صرف کرنا پسند کرتے تھے، آپ کا عمل بھی ان ہی کی روش کے مطابق ہونا چاہئے، شیخ صدر الدین رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا، کہ حضرت بابا دنیا پر غالب تھے، اس لئے دولت ان کے پاس جمع ہو جاتی تو ان کو علائق دنیا کا کوئی خطرہ لاحق نہ ہوتا، اور وہ دولت کو تھوڑا تھوڑا خرچ کرتے تھے، مگر مجھ میں یہ وصف نہیں، اس لئے اندیشہ رہتا ہے، کہ دنیا کے مال کے سبب سے دنیا کے فریب میں مبتلا نہ ہو جاؤں، اس لئے میں نے ساری دولت علیحدہ کردی[1]۔

مگر اس فیاضی اور جود و سخا کے باوجود ان کے یہاں دولت کی فراوانی رہتی تھی، ایک بار شیخ رکن الدین فردوسی[2] دہلی سے ملتان تشریف لے گئے، تو حضرت شیخ صدر الدینؒ سے بھی ملنے آئے، اس وقت ان کے یہاں علماء و فقراء کی بڑی تعداد موجود تھی، شیخ رکن الدین فردوسی کا بیان ہے کہ کھانے کا وقت آیا تو ایسا پر تکلف دسترخوان بچھایا گیا، جیسا بادشاہوں کے یہاں ہوا کرتا ہے، خود شیخ صدر الدین کے سامنے طرح طرح کے کھانے اور حلوے تھے، شیخ رکن الدین فردوسی ایام بیض کے روزے سے تھے، مگر تبرکاً و تیمناً کھانے میں شریک ہو گئے، اور شیخ صدر الدین کے قریب ہی دسترخوان پر بیٹھے، شیخ رکن الدین نے اپنے میزبان کی خاطر روزہ تو افطار کر لیا، مگر سوچنے لگے کہ صرف افطار ہی پر اکتفا کی جائے یا کچھ اور کھایا جائے، شیخ صدر الدین نے اپنے نور باطن سے ان کی اس کشمکش کو محسوس کر کے فرمایا کہ جو شخص حرارت باطن سے طعام کو نور بنا کر حق تک پہنچا سکے، اس کے لئے تقلیل طعام کی پابندی لازم نہیں۔

چونکہ لقمہ می شود بر تو کہن
تن مزن ہر چند تبو انی بخور[3]

مہمانوں کی خاطر سے شیخ دسترخوان پر ہاتھ نہ روکتے تھے کہ ان کے ہاتھ روک لینے سے مہمان کہیں تکلف میں بھوکے نہ رہ جائیں۔

حضرت شیخ صدر الدینؒ اور شہزادہ محمد سلطان حضرت شیخ صدر الدین عارفؒ کے خوارق و کرامات کی بہت سی حکایتیں مشہور ہیں، ان میں سے بہت کچھ غور طلب ہے، بیان کیا جاتا ہے، کہ سلطان غیاث الدین بلبن نے اپنے بڑے لڑکے شہزادہ محمد سلطان کو مغلوں کی یورش روکنے کے لئے ملتان بھیجا، شہزادہ کے ساتھ اس کی بیوی بھی تھی، جو

---

[1] تاریخ فرشتہ ج ۲ ص ۴۰۸، [2] یہ حضرت مخدوم شرف الدین یحییٰ منیری کے پیر کے پیر تھے، [3] فرشتہ ج ۲ ص ۴۱۱ و مراۃ الاسرار قلمی نسخہ دار المصنفین

سلطان رکن الدین ابراہیم بن شمس الدین التمشؒ کی لڑکی تھی، یہ شہزادی اپنی نیکی، حیا اور حسن کیلئے مشہور تھی، مگر شہزادے کی شراب خوری اور بدمستی سے عاجز تھی، ملتان پہنچ کر ایک روز شہزادہ نے شراب کے نشہ میں بیوی کو طلاق دیدی اور اس سے علیحدگی اختیار کر لی، مگر نشہ کے بعد بیوی کی مفارقت گوارا نہ ہوئی، اور علماء کو جمع کر کے مسئلہ پوچھا، انھوں نے بتایا، کہ شہزادی اس کی زوجیت میں اس وقت تک نہیں آ سکتی، جب تک کہ حلالہ نہ کر لے، شہزادہ کی تنک مزاجی اور حمیت نے اس کو گوارا نہ کیا، اور غصے میں اٹھ کر خلوت میں چلا گیا، اور قاضی امیر الدین خوارزمی کو بلا کر کہا کہ باپ کے غیظ و غضب اور دوزخ کے عذاب سے ڈرتا ہوں، لیکن اس کی (یعنی شہزادی کی) مفارقت اور دوری بھی گوارا نہیں، قاضی امیر الدین خوارزمی نے رائے دی، کہ شیخ صدر الدین عارف نیک اور اچھے بزرگ ہیں، پوشیدہ طور پر ان سے شہزادی کا نکاح کر کے طلاق دلوا دی جائے، شہزادہ اس پر راضی ہو گیا اور حضرت شیخ صدر الدین عارفؒ سے شہزادی کا نکاح کر دیا گیا، جب نکاح ہو چکا، تو شہزادی نے حضرت شیخ صدر الدین عارفؒ کے پاؤں پر گر کر کہا کہ اگر آپ مجھ کو پھر اس ظالم اور فاسق کے حوالہ کر دیں گے، تو قیامت کے روز آپ کی دامنگیر ہوں گی، شیخ صدر الدین عارفؒ کو اس کے عجز و زاری پر رحم آ گیا، اور انھوں نے شہزادی کو طلاق دینے سے انکار کر دیا، شہزادہ کو اس کی اطلاع ہوئی، تو اس کے غصہ کی کوئی انتہا نہ رہی، اور اس نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ دوسرے شیخ کے گھر کو خون سے رنگین کر دیا جائے، شیخ کو اس حکم کی خبر دی گئی، تو اُن میں کوئی تغیر نہ ہوا اور اپنے ارادہ پر قائم رہے، اسی دوران میں اچانک مغل حملہ آور ہو گئے، شہزادہ کی فوج پسپا ہوئی، اور وہ خود ان کے ہاتھوں قتل ہوا، فرشتہ نے اس واقعہ کو بڑی تفصیل سے لکھا ہے، اور آخر میں یہ شعر نقل کیا ہے کہ

گنج قارون کہ فرومی رود از قعر ہنوز
خوانده باشی کہ ہم از غیرتِ درویشانست[1]

مگر تعجب ہے کہ فرشتہ نے اس روایت کو صحیح سمجھ کر کر اپنی تاریخ میں کس طرح قلمبند کیا، اس نے سلطان غیاث الدین بلبن کے ذکر میں شہزادہ محمد سلطان کے اخلاقِ حسنہ اور اوصاف حمیدہ کی جو تصویر کھینچی ہے، اس سے اس روایت کی تکذیب ہوتی ہے۔

فرشتہ لکھتا ہے:۔

”بلبن کے فرزندوں میں سب سے بہتر اور افضل شہزادہ محمد سلطان خاں شہید[2] ہے، یہ شاہزادہ سلطان غیاث الدین بلبن کا بڑا پیارا اور محبوب ترین فرزند تھا، تمام عمدہ صفتیں اور پسندیدہ عادتیں جو ایک شہزادہ میں ہونی چاہئیں سب حق سبحانہ وتعالیٰ نے اس کو مرحمت کی تھیں، یہ شہزادہ اپنی فضیلت، دانش اور ہنر میں بے مثل تھا، اس کی مجلس ہمیشہ بڑے بڑے

---

[1] فرشتہ ج ۲ ص ۴۱۱، [2] محمد سلطان جب مغلوں کے ہاتھوں سے ہلاک ہوا تو محمد سلطان خاں شہید کے نام سے مشہور ہوا،

فاضلوں اور شاعروں سے آراستہ رہتی تھی، اور وہ ان کو ہر طرح کی عنایتوں اور مہربانیوں سے سرفراز کرتا رہتا تھا، زمانہ اس کے جود و کرم کی وجہ سے بہار اور چمن بنا ہوا تھا، اور اس کا (یعنی زمانہ کا) جیب و دامن، نسرین اور نسترین سے پر تھا، امیر خسرو اور خواجہ حسن جیسے لوگ ملتان میں اس کے ندیم خاص رہے، وہ دوسرے درباریوں سے زیادہ ان دونوں کی عزت کرتا تھا، اور ان کی نظم ونثر سے محظوظ ہوتا تھا، وہ اس قدر مہذب اور شائستہ تھا، کہ اگر کسی مجلس میں تمام دن اور رات بیٹھنا پڑتا تو بھی اپنا زانو او نچانہ کرتا تھا، قسم کے وقت صرف حقا کا لفظ اس کی زبان پر ہوتا شراب کی مجلس اور بدمستی میں بھی اس کی زبان سے کوئی نا ملائم لفظ نہ نکلتا''

ادب بزرگ کند مرورا تو شاید طبع
بحلیہء ادب آری تا بزرگ شوی

اس کی خوشگوار علمی مجلس میں شاہنامہ، دیوان خاقانی، انوری، خمسہ نظامی، اور امیر خسرو کے اشعار پڑھے جاتے تھے، ارباب فہم و دانش اس کی شعرفہمی کے معترف تھے، امیر خسرو فرماتے تھے کہ میں نے سخن فہمی، باریک بینی، ذوق صحیح اور متقدمین و متاخرین کے اشعار کی یادداشت میں سلطان محمد کے جیسا کسی کو نہ پایا، اس کے پاس ایک بیاض تھی جس میں مشہور شعراء کے منتخب اشعار خوش خط منقول تھے، امیر خسرو اور خواجہ حسن اشعار کے انتخاب کی خوبی اور اس کی (یعنی سلطان محمد کی) سخن فہمی اور نکتہ رسی کے مداح تھے، اس کی شہادت کے بعد سلطان غیاث الدین بلبن نے یہ بیاض امیر علی جاندار کو دی، جس کے بعد امیر خسرو کو ملی، اس زمانہ کے تمام شعراء نے اس بیاض کو دیکھا اور ان منتخب اشعار کو اپنی اپنی بیاض میں نقل کیا، اور ایسے نوجوان شہزادہ کی وفات پر رنجیدہ ہوئے جس زمانہ میں سلطان محمد ملتان میں مقیم تھا، شیخ عثمان ترمذی جو اپنے وقت کے بہت بڑے بزرگ تھے، وہاں تشریف لائے، اس نے ان کی بڑی تعظیم اور خاطر داری کی، ان کی خدمت میں نذر اور ہدیہ پیش کیا، اور بہت اصرار کیا کہ وہ ملتان میں قیام فرمائیں اور ان کیلئے ایک خانقاہ تعمیر کرائی جائے، اور اس کے مصارف کیلئے گاؤں وقف کیے جائیں، مگر شیخ عثمان ترمذی نے اس کو قبول نہ کیا، اور وہاں سے چل کھڑے ہوئے، ایک روز شیخ عثمان اور شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے صاحبزادے شیخ صدر الدین شہزادہ کی مجلس میں تشریف رکھتے تھے، مجلس میں عربی اشعار پڑھے جاتے تھے، کسی شعر کو سن کر ان بزرگوں اور مجلس کے تمام درویشوں پر وجد طاری ہو گیا، اور وہ رقص کرنے لگے، محمد خاں سلطان شہید ان کے سامنے دست

بستہ کھڑا رہا، اور برابر زار و قطار روتا رہا، اگر کوئی شخص اس کی مجلس میں کوئی نصیحت آمیز شعر پڑھتا تو دنیا کو دل سے بھلا کر اس کو بڑے شوق سے سنتا اور اس پر رقت طاری ہو جاتی[1]۔

فرشتہ کے مندرجہ بالا بیان کی لفظ بلفظ تصدیق مولانا ضیاء الدین برنی کی تاریخ فیروز شاہی سے بھی ہوتی ہے، جو بلبن کے عہد کی سب سے زیادہ معتبر اور مستند تاریخ ہے، مولانا ضیاء الدین برنی نے شہزادہ محمد سلطان کی بیوی کے طلاق اور پھر شیخ صدر الدین سے اس کے نکاح کا ذکر مطلق نہیں کیا ہے، بلکہ وہ شہزادہ کے اُن تمام محاسن و اوصاف کو لکھ کر جن کا فرشتہ نے ذکر کیا ہے ان الفاظ میں شہزادہ کی وفات کا ماتم کرتے ہیں۔

''میں نے بارہا امیر خسرو اور امیر حسن کو حسرت اور افسوس کے ساتھ کہتے سنا کہ اگر ہم لوگوں اور دوسرے ارباب ہنر کی قسمت یاور ہوتی تو خان شہید زندہ رہتا اور بلبنی تخت پر متمکن ہوتا، اور ہم اور تمام ارباب ہنر روپیوں میں غرق ہو جاتے، لیکن ارباب فضل و کمال کی قسمت کھوئی تھی، زمانہ نے ان کی طرف کبھی انصاف کی آنکھوں سے نہیں دیکھا، اور نہ کبھی ان و صاحبِ دولت و استطاعت دیکھ سکتا ہے، غدار اور سفلہ نواز فلک میں اتنی طاقت کہاں سے آ سکتی تھی کہ ایک مہربان ہنر شناس اور ہنر پرور بادشاہ کو شاہی تخت پر بیٹھنے دیتا، اور ارباب ہنر کو فروغ ہوتا، فلک کے کام میں یہی شتر گربگی ہے، کہ زمانہ کی بے نظیر و عدیم المثال شخصیتوں کو حاجتمند اور ضرورت مند بنائے رکھتا ہے، اور گمنام اور ناکام لوگوں کو جن کے حلق میں گندہ پانی اور پاک چیزیں ہونی چاہئیں، ہزار ناز و نعمت کے ساتھ پرورش کرتا ہے، ریچھ اور سور کو تو مرصع اور مکلل اور عندلیب و بلبل کو قفس میں ذلت کے ساتھ مہجور و محبوس اور مایوس رکھتا ہے[2]۔''

خود امیر خسرو شہزادہ محمد سلطان کے ساتھ مغلوں کی مہم میں تھے، اور شہزادہ کی شہادت کے بعد مغلوں کے ہاتھوں گرفتار ہو کر محبوس بھی رہے، شہزادہ کی شہادت پر ایک خونچکاں مرثیہ بھی کہا تھا، مگر کہیں اس کی بیوی کے طلاق و نکاح کا ذکر نہیں ہے، میر حسن نے بھی نثر میں شہزادہ کی وفات حسرت آیات پر آنسو بہائے ہیں، لیکن اس میں بھی شہزادہ کی بیوی کے حلالہ کا کہیں ذکر نہیں، امیر خسرو اور میر حسن کے مراثی و ماتم نامے اس قدر مقبول ہوئے کہ لوگ شہزادہ کی یاد تازہ رکھنے کیلئے ان کو برابر اپنے مطالعہ میں رکھتے تھے، چنانچہ تیموری دور کے مورخ ملا عبدالقادر بدایونی نے میر حسن اور امیر خسرو کے مراثی کو اپنی منتخب التواریخ میں چوبیس صفحوں میں نقل کیا ہے[3] مگر شہزادہ محمد سلطان اور شیخ صدر الدین کی کشیدگی اور ناگواری کا کہیں اشارہ تک نہیں ہے، البتہ طبقات اکبری میں اس واقعہ کا کچھ ذکر ہے، مگر مؤلف کو خود اس

---

[1] فرشتہ ج ا ص ۱۰۷ تاریخ فیروز شاہی ص ۸۲۔۸۹، [2] تاریخ فیروز شاہی ص ۶۷۔۶۹، [3] منتخب التواریخ ج ا ص ۱۳۱۔۱۵۵

کی صحت میں شک ہے، اس لئے اس روایت کی ابتدا گویند[1] سے کی ہے، یعنی یہ عوام کی روایت ہے، راقم السطور کی بھی یہی رائے ہے، کہ یہ واقعہ محض عقیدت مند عوام کی روایت ہے، جس کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔

صحبت کیمیا اثر حضرت شیخ صدر الدین کی کیمیا اثر صحبت اور تربیت سے متعدد ارباب کمال پیدا ہوئے جو مختلف مقامات میں مخلوق خدا کے ظاہری و باطنی اخلاق کو آراستہ کرنے میں مشغول تھے، شیخ جمال خنداں اُن سے تربیت پانے کے بعد اوجھ میں قیام پذیر ہوئے، اور وہاں کی مخلوق کو فیض یاب کرنے کے بعد اسی سرزمین میں آسودۂ خواب ہیں، ایک دوسرے خلیفہ شیخ حسان الدین ملتانی کو بدایوں میں رہنے کا حکم ملا تھا، چنانچہ وہ آخر وقت تک یہیں رہے، اور یہیں ان کا مزار ہے، ایک اور خلیفہ مولانا علاء الدین خجندی حضرت شیخ صدر الدین کی خدمت میں چودہ سال تک رہے، ان کا سب سے بڑا وصف یہ تھا، کہ دو روز دو دفعہ کلام پاک ختم کرتے تھے، ان کے مرشد ان کو محبوب اللہ کہا کرتے تھے، ان خلفاء میں شیخ احمد ابن محمد قندھاری المعروف بہ شیخ احمد معشوق پر سب سے زیادہ جذب وسکر کی کیفیت طاری رہتی، اس کوچہ میں آنے سے پہلے وہ گھوڑوں اور دوسری چیزوں کے تاجر تھے، دولت کی فراوانی کی وجہ سے عیش وعشرت میں مشغول رہتے تھے، محفل نشاط میں شراب سے بھی شغل کرتے تھے، ایک مرتبہ تجارت کے سلسلہ میں قندرھار سے ملتان آئے تو حضرت شیخ صدر الدین کی زیارت کے لئے بھی حاضر ہوئے، شیخ نے اپنا جھوٹا ایک لقمہ ان کو کھانے کو دیا، اس کو کھاتے ہی عجیب کیفیت ان پر طاری ہوگئی، اسی وقت تجارت کا سارا سامان فقراء ومساکین میں تقسیم کردیا، اور مرشد کی خانقاہ میں عزلت نشین ہوگئے، اور سات سال تک تربیت پاتے رہے، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ ان کے بارے میں فوائد الفواد میں فرماتے ہیں کہ

> ''ایک بار چلہ کے جاڑے میں آدھی رات کو وہ باہر آئے، اور پاس ہی بہتے ہوئے پانی میں جاکر کھڑے ہوگئے اور کہنے لگے کہ الٰہی میں اس وقت تک اس جگہ سے باہر نہ نکلوں گا، جب تک مجھ کو یہ نہ معلوم ہوجائے کہ میں کیا ہوں، ان کے کان میں آواز آئی کہ تم وہ ہو کہ تمہاری وجہ سے قیامت کے روز بہت سے لوگ دوزخ سے محفوظ رہیں گے، شیخ احمد نے کہا کہ صرف اس بات پر اکتفا نہیں کرسکتا ہوں، پھر آواز سنی کہ تم وہ ہو کہ قیامت کے روز تمہاری عنایت کی وجہ سے بہت سے لوگ بہشت میں جائیں گے، شیخ احمد نے کہا کہ اس سے بھی تسلی نہیں ہوئی، میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ میں کیا ہوں، آواز آئی کہ ہم نے حکم کردیا ہے کہ سارے درویش اور عارف ہمارے عاشق ہوں، مگر تم ہمارے معشوق

---

[1] طبقات اکبری ج ا ص ۸۸،

ہو، یہ سن کر خواجہ احمد پانی سے نکل کر شہر کی طرف چلے گئے، راستہ میں جو شخص ان سے ملتا
''السلام علیکم یا شیخ احمد معشوق'' کہتا۔

فوائد الفواد میں ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ مذکورۂ بالا واقعہ بیان کر کے زار وقطار رونے لگے، کسی نے اس مجلس میں کہا کہ شیخ احمد نماز نہیں پڑھتے تھے، خواجہ صاحب نے فرمایا کہ ہاں جب ان سے کہا جاتا تھا کہ وہ نماز کیوں نہیں پڑھتے تو کہتے تھے کہ نماز پڑھوں گا، مگر سورہ فاتحہ نہیں پڑھوں گا، اس پر اعتراض ہوتا کہ یہ نماز درست نہ ہوگی، اور جب ان سے اوراصرار کیا جاتا تو کہتے کہ سورۂ فاتحہ پڑھوں گا مگر ''ایاک نعبد و ایاک نستعین'' چھوڑ دوں گا، پھر ان سے کہا جاتا کہ اس آیت کو بھی پڑھنا ہوگا، اس ردوقدح کے بعد وہ نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے، مگر سورۂ فاتحہ پڑھتے وقت جب مذکورۂ بالا آیت زبان پر آتی، تو ان کے ہر بن مو سے خون جاری ہو جاتا، اور نماز توڑ دیتے اور حاضرین کو مخاطب کر کے کہتے کہ ایسی حالت میں نماز کیسے جائز ہو سکتی ہے[1]، واللہ عالم بالصواب،

علمی یادگار حضرت شیخ صدر الدینؒ نے ان روحانی یادگاروں کے علاوہ ایک علمی یادگار کنوز الفوائد بھی چھوڑی ہے، یہ ان کے ملفوظات کا مجموعہ ہے، جس کو ان کے ایک مرید خواجہ ضیاء الدین نے مرتب کیا تھا، راقم السطور کی نظر سے یہ کتاب نہیں گذری مگر اخبار الاخیار میں اس کے طویل اقتباسات ہیں[2]، ان ہی کی مدد سے ہم شیخ صدر الدین کی صوفیانہ تعلیمات کا خاکہ ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

تعلیمات فرماتے تھے کہ حدیث قدسی میں ہے کہ لا الہ الا اللہ حصنی فمن دخلہ امن عذابی یعنی اللہ تبارک تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہے کہ لا الہ الا اللہ میرا قلعہ (حصن) ہے، جو کوئی اس کے اندر داخل ہوا وہ میرے عذاب سے محفوظ ہو گیا، اس قلعہ کی تصریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قلعہ کی تین قسمیں ہیں، ظاہر، باطن اور حقیقت، حصن ظاہر یہ ہے کہ بندہ خدائے تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ خوف زدہ ہو، اور نہ کسی سے کوئی امید رکھے، اگر تمام دنیا کے لوگ اس کے دشمن ہو جائیں تو اس سے متردد نہ ہو، اگر دنیا والے اس کے دوست ہو جائیں تو اس سے خوش نہ ہو، کیونکہ خداوند تعالیٰ کے حکم کے بغیر نفع وضرر اور خیر وشر کا ظہور نہیں ہوتا، حصن باطل یہ ہے کہ یقین ہو کہ موت سے پہلے جو کچھ بھی پیش آتا ہے، وہ بالکل عارضی اور آنی وفانی ہے، اور دنیا کی کسی چیز کو ثبات نہیں، اس لئے اس کی ہستی و نیستی قابل التفات نہیں، حصن حقیقت یہ ہے کہ دل میں نہ بہشت کی آرزو ہو، اور نہ دوزخ کا خوف ہو، صرف اللہ ہی اللہ ہو، دل میں جب یہ سچائی راسخ ہو جاتی ہے، تو بہشت خود بخود پیچھے پیچھے چلی آتی ہے۔

ایک اور موقع پر مریدوں سے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی پیروی کی پہلی شرط یہ ہے کہ جس پر آپ

---

[1] فوائد الفواد ص ۵۷۔۲۵۷، [2] اخبار الاخیار ص ۵۹۔۶۱،

ایمان لائے، اس پر ایمان لا کر بندہ ثابت قدم رہے، اور شک وشبہہ کے بجائے رغبت ومحبت اور معرفت کے ساتھ دل میں یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی ذات میں اکیلا، اور اپنی صفات میں یگانہ ہے، وہ تمام صفات کمالیہ سے متصف ہے، اسماء، صفات اور افعال کے لحاظ سے قدیم ہے، اوہام وافہام کی ادراک سے بالاتر ہے، حدوث، عوارض، اور اجسام کی علامتوں سے پاک ہے، تمام عالم اسی کا پیدا کیا ہوا ہے، اس کی ذات وصفات میں چون وچرا کرنا جائز نہیں ہے، وہ خود کسی چیز سے مشابہ ہے، اور نہ کوئی چیز اس سے مشابہ ہے، تمام پیغمبر اسی کے بھیجے ہوئے ہیں، اور محمد رسول اللہ ﷺ تمام پیغمبروں میں افضل ہیں، اور جو کچھ آپ نے فرمایا ہے، صحیح اور درست ہے، اور اس میں کوئی تفاوت نہیں، خواہ یہ باتیں عقل میں آئیں یا نہ آئیں، اگر نہ آئیں تو بھی ان کو تسلیم کر لینا چاہئے تاکہ اعتقاد درست رہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے خدا کے حکم کو جانا، اس کی کیفیت اور کنہ معلوم کرنے کی کوشش نہ کی، اگر خداوند تعالیٰ کے حکم کی تاویل آیات اور احادیث کے مطابق ہو تو تاویل کرنا جائز ہے۔ ایمان کی صحت کی علامت یہ ہے، کہ اگر بندہ نیک کام کرے، تو اس کو خوشی محسوس ہو، اور اگر اس سے برائی سرزد ہو تو اس کو بُرائی معلوم ہو، بندہ کے ایمان کی استقامت کی علامت یہ ہے کہ وہ علم کے بجائے ذوق وحال کی بناء پر اللہ اور رسول کو محبوب رکھے۔

ایک دوسرے موقع پر مریدوں کو نصیحت کی، کہ کوئی سانس ذکر کے بغیر باہر نہ نکلنا چاہئے، کیونکہ بزرگوں نے کہا ہے کہ جو کوئی ذکر کے بغیر سانس لیتا ہے، وہ اپنا حال ضائع کرتا ہے، ذکر کے وقت وسوسہ اور حدیث نفس سے گریز کرنا چاہئے، اور جب یہ صفت پیدا ہو جائے گی تو وسوسے اور حدیث نفس ذکر کے نور سے جل جائیں گے، اور دل میں نور ذکر اترتا جائے گا، اور اس میں ذکر کی حقیقت متمکن ہو جائے گی، پھر ذکر مذکور کے مشاہدہ کے ساتھ ہوگا، اور دل نور کے یقین سے منور ہو جائے گا، اور یہی طالبوں اور سالکوں کا مقصود ہے، ع

این کار دوست است کنوں تا کراں رسد

ایک اور موقع پر مریدوں کو تلقین کی کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے، تو اس کو بندۂ سعید لکھ دیتا ہے، اور اس کو زبان کے ذکر کے ساتھ قلب کی موافقت کی توفیق عطا کرتا ہے، اور زبان کے ذکر سے قلب کے ذکر کی جانب ترقی دیتا ہے، یہاں تک کہ اگر زبان ذکر سے خاموش رہتی ہے، تو قلب خاموش نہیں ہوتا، یہی ذکر کثیر ہے، اور اس ذکر تک بندہ اُس وقت تک نہیں پہنچتا، جب تک کہ وہ نفاق سے بری نہ ہو، جس کا اشارہ محمد رسول اللہ ﷺ کے اس قول میں ہے کہ میری امت کے اکثر منافق اس کے قاری ہیں، اس نفاق سے مراد غیر خدا کے ساتھ وقوف اور تعلق باطن ہے، اس سے پرہیز ضروری ہے، باطن کا لگاؤ صرف خدا کے ساتھ ہونا چاہئے، پس جب بندہ کو تجرید ظاہری یعنی ناپسندیدہ

چیزوں سے علیحدگی کی توفیق ہوتی ہے، اور وہ برے وساوس اور اخلاقِ مذمومہ سے پاک وصاف ہوکر تفرید باطن سے معزز ہوتا ہے، تو قریب ہوتا ہے، کہ اس کے باطن میں نور کا ذکر متجلی ہو جائے، اور شیطانی وساوس اور نفسانی خواہشات اس سے دور ہو جائیں، اور اس کے باطن میں نور کے ذکر کا جوہر نمایاں ہو جائے، یہاں تک کہ اس کا ذکر مشاہدۂ مزکور کو متجلی کر دے، اور یہ وہ مرتبہ بلند اور عطیہء عظمی ہے کہ اس کے حصول کے لئے امت کے اصحابِ ہمت اور اربابِ بصیرت کی گردنیں بڑھتی ہیں۔

وفات

حضرت شیخ صدرالدین قدس سرہٗ کا وصال ملتان میں ۳ر ماہ ذی الحجہ کو ظہر وعصر کے درمیان ہوا، تاریخ فرشتہ میں سال وفات ۶۷۶ھ ہے[1]، جو غلط معلوم ہوتا ہے، سفینۃ الاولیاء اور مرأۃ الاسرار میں ۶۸۴ھ درج ہے، سفینۃ الاولیاء کے مصنف کا بیان ہے کہ

''و در ملتان بخانقاہ والد بزرگوار خود ہژدہ سال بعد از ایشاں بہ ارشاد و تکمیل طالبان و مریدان اشتغال داشتند[2]''

حضرت بہاء الدین زکریاؒ کے سالِ وفات کی صحیح تعیین نہیں ہوسکی ہے، اگر سیر الاولیاء کی روایت کے مطابق ان کی وفات کا ۶۶۷ھ تسلیم کرلیا جائے تو اٹھارہ سال اور جوڑنے کے بعد حضرت شیخ صدر الدینؒ کا سال وصال ۶۸۵ھ ہوتا ہے، مگر سفینۃ الاولیاء اور مرأۃ الاسرار نے ۶۸۴ھ لکھا ہے، مرأۃ الاسرار کے مؤلف کا بیان ہے کہ وفات کے وقت عمر شریف ۶۹ سال کی تھی، مگر بعض تذکروں میں ۷۳ سال بھی بتائی جاتی ہے، اس لئے تاریخ ولادت کی تعیین مشکل ہے، گو بعض روایتوں کے مطابق شب جمعہ ۶۱۱ھ بتائی گئی ہے، مرقد مبارک ملتان ہی میں حضرت بہاء الدین زکریاؒ کے پہلو میں ہے۔

---

[1] تاریخ فرشتہ ج ۲ ص ۴۱۱

[2] سفینۃ الاولیاء ص ۱۹۹،

حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ

وجہ تسمیہ گنج شکر اسم گرامی مسعود، لقب فریدالدین تھا، مگر عام طور سے بابا گنج شکرؒ کے لقب سے مشہور تھے، گنج شکر کی وجہ تسمیہ مختلف بتائی جاتی ہے، سیر العارفین کے مولف کا بیان ہے کہ جس زمانہ میں اپنے مرشد حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کی خدمت میں تربیت حاصل کررہے تھے، تو ایک بار انھوں نے سات دن تک متواتر روزے رکھے، ایک دن افطار کے وقت اپنے حجرے غزنین دروازہ سے خواجہ بختیار کاکیؒ کے پاس جارہے تھے، کہ ایک جگہ کیچڑ میں پاؤں پھسل گیا، اور آپ زمین پر گر پڑے، کچھ کیچڑ منہ میں چلی گئی، مگر اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت سے کیچڑ شکر بن گئی، مرشد کی خدمت میں پہنچ کر یہ واقعہ بیان کیا، انھوں نے فرمایا، اگر مٹی تمہارے منہ میں شکر بن گئی، تو خداوند تعالےٰ تمہارے سارے وجود کو شکر بنادے گا، اور تم ہمیشہ شیریں رہو گے، اسی کے بعد سے گنج شکر مشہور ہو گئے[1]، سیر الاقطاب کے مصنف کا بیان ہے کہ ایک بار خواجہ فریدالدینؒ نے متواتر روزے رکھے، ایک دن افطار میں کوئی چیز کھانے کو نہ ملی، حالت گرسنگی میں رات کو سنگریزے منہ میں رکھ لئے، یہ سنگ ریزے شکر ہو گئے، جب یہ خبر خواجہ بختیار کاکیؒ کو پہنچی تو فرمایا، فرید گنج شکر ہے[2]، جواہر فریدی میں ہے، کہ ان کو بچپن میں شکر سے بڑی رغبت تھی، اس لئے ان کی والدہ ان کو نماز پڑھنے کی ترغیب کی خاطر جانماز کے نیچے شکر رکھ دیتیں، نماز پڑھ کر جانماز کو الٹتے تو شکر ملتی، اسی شوق میں نماز پڑھتے، ایک روز ان کی والدہ کسی مہمان کی خاطر مدارات میں لگی رہیں، جانماز کے نیچے شکر نہ رکھ سکیں، لیکن حضرت فریدالدینؒ نے حسب معمول نماز پڑھی، اور جانماز الٹی تو وہاں اور بھی زیادہ شکر ملی، ان کی والدہ کو یاد آیا تو نماز کیلئے بلایا، لیکن ان کو معلوم ہوا کہ انھوں نے نماز پڑھ لی، اور ان کو شکر بھی مل گئی، اسی کے بعد گنج شکر کہلائے، (ورق ۲۵۳)

خزینۃ الاصفیاء کے مصنف نے تذکرۃ العاشقین کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ایک سوداگر اونٹوں پر شکر لاد کر ملتان سے دہلی جارہا تھا، جب وہ اجودھن پہنچا، تو شیخ فریدالدین نے اس سے پوچھا، اونٹوں پر کیا ہے؟ سوداگر نے تمسخر سے جواب دیا نمک ہے، یہ سن کر شیخ فریدالدینؒ نے فرمایا "بہتر ہے، نمک ہی ہوگا" سوداگر جب اپنی منزل مقصود پر پہنچا تو اونٹوں پر شکر کے بجائے نمک پاکر سخت گھبرایا، اسی وقت واپس ہوا، اور شیخ فرید کی خدمت میں حاضر ہو کر تقصیر کی معافی چاہی، شیخ نے فرمایا کہ اگر شکر تھی تو شکر ہو جائے

---

[1] سیر العارفین ص ۳۶، ۳۷، [2] سیر الاقطاب ص ۱۶۵،

گی، چنانچہ پھر نمک شکر میں تبدیل ہو گیا، بیرم خاں خانخاناں نے اس واقعہ کو منظوم کیا ہے، اس کا ایک شعر یہ ہے:۔

کانِ نمک، جہانِ شکر، شیخ بحر و بر
آں کز شکر نمک کند و از نمک شکر[1]

ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت شیخ فریدالدینؒ جب جنگلوں اور پہاڑوں میں ریاضت کر رہے تھے، تو اک دن ان کو بہت پیاس معلوم ہوئی، ایک کنویں کے پاس پہنچے، لیکن وہاں ڈول اور ڈوری نہ تھی، ناامید ہو کر کنویں کے پاس کھڑے ہو گئے، تھوڑی دیر میں دو جنگلی ہرن کنویں کے پاس آئے، کنویں کا پانی ابل کر کنارہ تک آ گیا، دونوں ہرنوں نے اپنی پیاس بجھائی، شیخ فریدالدین بھی پانی پینا چاہتے تھے کہ پانی گہرائی میں اتر گیا، شیخ فریدالدینؒ متحیر ہوئے، آسمان کی طرف منہ اٹھا کر کہا "الٰہی ہرنوں کو تو تو نے پانی پلا دیا، اور اپنے بندے کو کیوں محروم کر دیا، آواز آئی تو نے ڈول اور ڈوری پر اعتماد کیا، اور ان جانوروں نے مجھ پر بھروسہ کیا، اس لئے تم محروم رہے، اور وہ دونوں ہرن سیراب ہوئے، یہ سُن کر شیخ فریدالدینؒ بہت متاسف ہوئے، اور نفس کشی کے لئے چالیس روز تک چلہ معکوس کیا، اس مدت میں پانی کا ایک قطرہ بھی منہ میں نہ ڈالا، چلہ ختم ہونے کے بعد ایک مٹھی خاک منہ میں ڈالی جو فوراً شکر ہو گئی، غیب سے آواز آئی، اے فرید! تیرے چلہ کو ہم نے قبول کیا، اور تجھ کو اپنے لئے چن لیا، اور شیریں سخنوں کے گروہ میں تجھ کو گنج شکر بنایا[2]۔

اسی طرح کی کچھ اور روایتیں بھی ہیں۔

مولد حضرت شیخ فریدالدین کی ولادت باسعادت قصبہ کھتوال (کہوتوال کوٹھی وال کبنی وال) ضلع ملتان میں ہوئی۔

سنہ ولادت سیر الاولیاء (ص ۹۱) میں ہے کہ وہ ۵۶۹ھ میں پیدا ہوئے[3]، اور ۹۵ سال کی عمر میں ۶۶۴ھ میں وفات پائی، لیکن فوائد الفواد (ص ۵۳) میں ہے کہ انھوں نے ۹۳ سال کی عمر پائی، اس لحاظ سے ان کا سال ولادت ۵۷۱ھ ہوتا ہے، اور اگر تاریخ ولادت ۵۶۹ھ ہی صحیح تسلیم کر لی جائے تو سال وفات ۶۶۲ھ ہوتا ہے، لیکن سیر الاولیاء، جواہر فریدی، اخبار الاخیار، سفینۃ الاولیاء میں تاریخ وفات ۵ محرم روز سہ شنبہ ۶۶۴ھ ہی مذکور ہے، پھر ۹۳ سال کی عمر کو مستند سمجھ کر تاریخ ولادت ۵۷۱ھ ہوتی ہے، بعد کے تذکرہ نگاروں نے ولادت اور وفات کی تاریخ لکھنے میں غلطیاں کی ہیں، مثلاً تاریخ فرشتہ اور خزینۃ الاصفیاء میں سال ولادت ۵۸۴ھ لکھا ہے، سال وفات میں بھی بڑا اختلاف ہے، تاریخ فرشتہ میں ۶۶۰ھ سیر القطاب میں ۶۹۰ھ اور خزینۃ الاصفیاء مخبر الواصلین اور تذکرۃ العاشقین کے حوالہ

---

[1] خزینۃ الاصفیاء ص ۲۹۲ ج اوّل، [2] خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۲۹۳، [3] سیر الاولیاء ص ۹۱ سیر الاقطاب ص ۱۶۳،

سنہ ۶۷۰ھ مرقوم ہے جو صحیح نہیں۔

شجرۂ خاندانی مختلف تذکروں میں مختلف شجرے لکھے ہوئے ہیں، مثلاً خزینۃ الاصفیاء میں حسب ذیل شجرہ ہے، (ج ا ص ۲۸۷)

شیخ فریدالدین گنج شکر قدس سرہٗ بن جمال الدین سلیمان بن شیخ مسعود بن شیخ احمد بن شیخ یوسف بن شیخ محمد بن شیخ شہاب الدین بن شیخ احمد المشہور بفرخ شاہ بادشاہ کابل بن نصیرالدین بن محمود المعروف بہ نشیمان شاہ بن سامان شاہ بن سلیمان بن مسعود بن عبداللہ بن واعظ الاکبر بن ابوالفتح بن اسحاق بن قطب العالمین سلطان ابراہیم بادشاہ بلخ بن ادہم بن سلیمان بن ناصر بن عبداللہ بن امیر المومنین فاروق الاعظم عالیجنات عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ۔

لیکن سیر الاقطاب (ص ۱۶۳) پر حسب ذیل نسب نامہ درج ہے۔

حضرت شیخ فریدالدین شکر گنج مسعود قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ بن شیخ سلیمان بن شیخ شعیب بن شیخ محمد احمد بن شیخ یوسف بن شیخ شہاب الدین المعروف بفرخ شاہ بن نصر فخر الدین محمود بن سلیمان بن شیخ مسعود بن عبداللہ واعظ الاصغر بن واعظ الاکبر ابوالفتح بن شیخ اسحاق بن شیخ ناصر بن شیخ عبداللہ بن امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔

مذکورۂ بالا دونوں شجروں میں بڑا اختلاف ہے، پھر تمام تذکرہ نویس لکھتے ہیں، کہ حضرت فرید الدین گنج شکر کابل کے بادشاہ فرخ شاہ کے خاندان سے تھے۔

سیر الاولیاء کے مؤلف کا بھی بیان ہے، کہ باباصاحب کا آبائی تعلق شاہِ کابل فرخ شاہ عادل کے خاندان سے تھا، چنگیز خانیوں کی یورش میں ان کے خاندان کے افراد تباہ ہوئے تو ان کے جد بزرگوار قاضی شعیب اپنے تین لڑکوں کے ساتھ لاہور آئے، پھر قسور میں آباد ہو گئے، جس کے بعد وہ کہنوال کے قاضی مقرر ہوئے[1] لیکن سیر العارفین کے مولف کا یہ بیان عجیب و غریب ہے، کہ آپ کے پدر بزرگوار مسمی جمال الدین سلیمان نواحِ کابل سے سلطان شہاب الدین غوری خواہرزادہ سلطان محمد غزنوی کے عہد سلطنت میں ملتان آئے، اور نواحِ ملتان میں قصبہ کونہوال میں سکونت اختیار کی، سیر الاقطاب (ص ۱۶۳) نے اس بیان کو یہ لکھ کر اور بھی زیادہ خلط ملط کیا ہے۔

''پدر بزرگوار آں حضرت خواہرزادہ سلطان محمود غزنوی است۔''

تاریخ فرشتہ (جلد دوم ص ۳۸۳) کے بیان میں وضاحت ہے۔

''پدر والا گہر شیخ موسوم بکمال الدین سلیمان در عہد سلطان شہاب الدین غوری از کابل بملتان آمد و قضائے قصبہ کھونوال کہ نزدیکِ ملتان است یافت۔''

---

[1] سیر الاولیاء ص ۵۹،

فرشتہ کا یہ بھی بیان ہے کہ

''جد بزرگوارش مشہور بہ فرخ شاہ زمام حکومت کابل در کف داشت۔''

یہ سیر الاولیاء ہی کی روایت پر بھروسہ کر کے لکھا گیا ہے، لیکن مورخوں کو کابل کی تاریخوں میں فرخ شاہ کا نام نہیں ملتا۔

کھتوال میں شیخ جمال الدین نے ملا وجیہ الدین کی دختر نیک اختر[1] مرسم خاتون سے شادی کی جن سے تین فرزند ہوئے (۱) اعزالدین محمود[2] (۲) فریدالدین مسعود (۳) نجیب الدین متوکل۔

ابتدائی تعلیم

حضرت شیخ فرید نے ابتدائی تعلیم کھتوال میں ہی اپنی والدہ کی نگرانی میں پائی، جو بہت ہی ''صالحہ، پارسا اور کاملہ''[3] تھیں، مزید تعلیم کے لئے ملتان پہنچے جو اس وقت قبۃ الاسلام بنا ہوا تھا[4]، اور وہاں جید علماء کا اجتماع تھا، خیر المجالس (ص ۲۲۰) میں ہے کہ انھوں نے ملتان میں سرائے حلوانی کے پاس ایک مسجد میں قیام کیا، سیر العارفین کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسی مسجد میں مولانا منہاج الدین ترمذی سے فقہ کی ایک کتاب نافع پڑھی، اور کلام پاک بھی حفظ کیا، اور ہر رات ایک بار کلام مجید ختم کرتے تھے، خیر المجالس اور سیر الاولیاء، دونوں میں ہے کہ اسی مسجد میں حضرت شیخ فریدؒ ایک روز نافع کا مطالعہ کر رہے تھے، وہاں حضرت قطب الدین بختیار کاکی تشریف لائے تحیۃ المسجد پڑھی، اور شیخ فرید کو پڑھتے دیکھ کر پوچھا کہ کون سی کتاب ہے، شیخ فرید نے جواب دیا نافع تو حضرت قطب الدین بختیار نے فرمایا ''نافع سے نفع ہوگا'' یہ سن کر حضرت شیخ فریدؒ حضرت قطب الدین بختیارؒ کے قدموں پر گر پڑے، اور کہا،

''نفع من از کیمیاء سعادت بخش شما نہادہ اند۔''

اور پھر یہ دو شعر پڑھے،

مقبول تو جز مقبل جاوید نشد	وز لطف تو ہیچ بندہ نو مید نشد
لطفت بکدام ذرہ پیوست دمے	کاں ذرہ بہ از ہزار خورشید نشد

سیر العارفین میں ہے کہ اسی وقت حضرت شیخ فریدؒ بیعت بھی ہو گئے، اور اس وقت ان کی عمر اٹھارہ سال کی تھی، لیکن سیر الاولیاء کی روایت ہے، کہ ملتان سے دہلی آئے تو حضرت شیخ فریدؒ ان کے حلقہء ارادت میں داخل ہوئے، اور مرید ہونے کے وقت قاضی حمید الدین ناگوری، مولانا علاء الدین کرمانی، سید نور الدین مبارک غزنوی، شیخ نظام الدین ابوالمؤید، مولانا شمس ترک اور خواجہ محمود موئنہ دوز جیسے بزرگانِ دین موجود تھے۔ (ص ۶۱)

---

[1] سیر العارفین و جواہر فریدی ورق ۳۱۲، [2] تاریخ فرشتہ میں ان کا نام بھی غلطی سے فریدالدین ہی طبع ہو گیا ہے، جلد دوم ص ۳۸۳،
[3] سیر الاقطاب ص ۱۶۳، [4] سیر الاولیاء ص ۶۰،

سیر العارفین میں ہے کہ بیعت کے بعد حضرت قطب الدین بختیارؒ نے اپنے مرید سے فرمایا کہ ترک و تجرید میں علم ظاہری بھی حاصل کرتے رہو، اور اس علم کے بعد دہلی میرے پاس آؤ، اس نصیحت کے بعد حضرت شیخ فرید الدین قندھار جاکر پانچ برس تک علوم ظاہر حاصل کرتے رہے، آئین اکبری (جلد دوم ص ۱۶۹) میں ہے کہ وہ سیستان بھی گئے اور حضرت فرید الدین کے ملفوظات میں ہے کہ وہ غزنی، بغداد، بخارا، سیوستان اور بدخشاں وغیرہ کی بھی سیاحت کر کے علوم ظاہری اور باطنی حاصل کرتے رہے۔

حضرت خواجہ عثمانی ہارونیؒ، حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اور حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ نے بزرگانِ دین فیوض حاصل کرنے کے لئے ایک مدت تک لمبے لمبے سفر کر کے ہر قسم کی صعوبتیں اور مشقتیں برداشت کرتے رہے، اس لئے اپنے خواجگان کی روایت کے مطابق حضرت فرید الدین نے بھی سیاحت کی، تو کوئی تعجب کی بات نہیں، اسی لئے آئین اکبر جلد دوم میں ۱۶۹ میں ہے کہ

''واز راہ دستوری گرفتہ بقندھار و سیستان بستافت و باندوختن دانائی پرداخت۔''

سیاحت آئین اکبری میں صرف قندھار اور سیستان ہی کا ذکر ہے، لیکن راحت القلوب میں جن جن مقامات کی سیاحت کا جستہ جستہ ذکر ہے، ان کو ہم یہاں اس غرض سے قلمبند کرتے ہیں کہ یہ اندازہ ہو کہ وہ مختلف مقامات کے اولیاء اللہ کی صحبت سے کس کس طرح بہرہ مند ہوئے۔

فرماتے ہیں کہ میں نے بغداد میں شیخ شہاب الدین سہروردیؒ (المتوفی ۶۳۲ھ) کی زیارت کی، اور ان سے کئی روز تک فیضِ صحبت حاصل کرتا رہا، کوئی دن ایسا نہیں گذرتا تھا کہ ان کی خانقاہ میں دس ہزار ہزار سے کم فتوح آتی ہو، اور وہ اس کو اسی روز راہ خدا میں خرچ نہ فرما دیتے ہوں، ایک پیسہ بھی شام تک باقی نہیں رکھتے تھے، اور فرماتے تھے کہ اگر میں ایک پائی بھی رکھوں تو مجھے درویش نہ کہیں گے، بلکہ مالدار کہیں گے[1]۔

حضرت بابا گنج شکر کو حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے آخر عمر تک بڑی عقیدت رہی، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی تصنیف عوارف المعارف کو آپ (یعنی حضرت بابا گنج شکر) بڑی خوش اسلوبی سے پڑھاتے تھے، اور آپ کے پڑھانے میں یہ اثر تھا کہ سننے والوں کے ہوش بجا نہیں رہتے تھے، میں نے اس کتاب کے پانچ باب آپ ہی سے پڑھے، اور آپ کے بیان کی لذت سے مجھ پر ایسی بیخودی طاری ہو جاتی کہ اگر ایسی حالت میں موت آ جاتی تو ایک بڑی دولت ملتی، آپ کے گھر میں فرزند ارجمند پیدا ہوا، تو اس کا نام بھی شہاب الدین ہی رکھا[2]۔

---

[1] راحت القلوب مطبع قاسمی ص ۳، [2] فوائد الفواد ص ۷۵۔

فرماتے ہیں کہ جب میں بغداد میں تھا، تو برابر اسی خیال میں رہتا کہ کسی اہل اللہ کی زیارت نصیب ہو، اپنا یہ خیال ہر کس و ناکس سے ظاہر کرتا، اور بزرگانِ دین کا سراغ لگاتا، ایک بزرگ کا حال معلوم ہوا کہ وہ دریائے دجلہ کے کنارے ایک غار میں سکونت پذیر ہیں، میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا، تو وہ نماز میں مصروف تھے، جب نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے سلام کیا، سلام کا جواب دے کر فرمایا کہ بیٹھ جاؤ، میں بیٹھ گیا، ان کے چہرے سے بڑی عظمت وہیبت ظاہر ہوتی تھی، ان کا منھ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا تھا، میری طرف مخاطب ہوکر فرمایا، اگر بزرگوں کی زیارت کی غرض سے یہ سفر اختیار کیا ہے، تو اللہ تعالیٰ تم کو بھی بزرگی عطا فرمائے گا، میں نے سر تسلیم خم کیا، اس کے بعد فرمایا کہ کم و بیش پچاس سال سے اسی غار میں رہتا ہوں، حضرت جنید بغدادیؒ کی اولاد سے ہوں، جڑی بوٹی میری غذا ہے، عرصہ بیس سال سے شب زندہ دار ہوں، لیکن گذشتہ شب اتفاقاً میری آنکھ مصلے پر لگ گئی، اور ایک خواب دیکھا، یہ رات معراج کی تھی، خواب میں اس رات کی فضیلت ظاہر ہوئی، خواب بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ جو شخص خدا کی طلب کرتا ہے، حق تعالیٰ بھی اس کا طالب ہوتا ہے، ان کا معمول تھا کہ عشاء کی نماز کے بعد سے صبح تک نماز معکوس پڑھتے رہتے تھے[1]۔

حضرت بابا گنج شکرؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ جس وقت میں بغداد اور اس کے نواح میں سفر کر رہا تھا، تو میری ملاقات خواجہ اجل سنجری سے ہوئی، میں نے سلام کیا اور انھوں نے جواب دے کر مصافحہ کیا اور مجھ کو دیکھ کر فرمایا:۔

"بیا شکر عالم نیک آمدی بنشیں"

میں وہیں بیٹھ گیا، آپ نے میرے حال پر بہت لطف و کرم فرمایا، اور کئی روز تک مجھ کو مہمان رکھا، میں نے اپنے قیام کے زمانہ میں دیکھا کہ کسی آنے والے کو خالی نہ جانے دیتے تھے، اگر کچھ موجود نہ ہوتا، تو خستہ خرما ہی عطا فرماتے، میں جب رخصت ہونے لگا تو دعا دی کہ اللہ تعالیٰ تمہارے رزق میں برکت دے، میں نے وہاں کے لوگوں سے سنا کہ آپ جیسا فرماتے ہیں ویسا ہی ہوتا ہے، اسی نواح میں ایک اور بزرگ سے ملاقات ہوئی، جو بہت ہی لاغر اندام تھے، ان کے جسم پر گوشت مطلق نہ تھا، جس مقام پر وہ رہتے تھے وہ ایسے ویرانے میں تھا کہ وہاں چرند و پرند بھی نہ تھے، میں سوچنے لگا کہ یہ بزرگ ایسے خرابہ میں کیوں رہتے ہیں، یہاں ان کی خورش کا سامان کہاں سے ہوتا ہوگا وہ بزرگ میری طرف مخاطب ہوئے، اور فرمانے لگے کہ مجھ کو اس غار میں رہتے ہوئے چالیس سال گذر گئے، میری خورش بجز خس و خاشاک کے کچھ اور نہیں، میں چند روز ان کی صحبت میں رہا، اور پھر وہاں سے بخارا کی طرف روانہ ہوا، وہاں شیخ سیف الدین باخرزی المتوفی ۶۵۸ھ سے ملاقات ہوئی، بڑے باعظمت اور پُر ہیبت بزرگ

---

[1] راحت القلوب ص ۹۔۱۰۔

تھے، جب ان کی مجلس میں پہنچا، اور سلام عرض کیا تو فرمایا کہ بیٹھ جاؤ، میں بیٹھ گیا، آپ ہر لحظہ میری جانب دیکھ کر فرماتے یہ مشائخ میں سے ہوگا، اور بہت سے اس کے مرید ہوں گے، تھوڑی دیر کے بعد اپنے دوش مبارک سے سیاہ کمبل اتار کو مجھ پر ڈال دیا، اور فرمایا، یہ کمبل اوڑھ لو میں نے اوڑھ لیا، چند روز آپ کی خدمت میں رہا، ایک دن بھی ایسا نہیں ہوتا تھا کہ تقریباً ایک ہزار آدمی ان کے دستر خوان پر کھانا نہ کھاتے ہوں، کوئی خانقاہ سے محروم نہ جاتا، (ص ۵)

ایک اور موقع پر فرماتے ہیں کہ جب میں بخارا میں شیخ سیف الدین باخرزیؒ المتوفی ۶۶۷ھ کی خدمت میں حاضر تھا، تو ایک شخص ان کے پاس آیا، اور عرض کیا کہ یا حضرت میں مال رکھتا ہوں، لیکن کئی سال سے اس میں نقصان ہوتا ہے، اور میں خود بھی بیمار ہو جاتا ہوں، اس سے اور بھی نقصان ہوتا ہے، آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب کسی مسلمان کے مال میں نقصان ہو تو سمجھنا چاہئے کہ اس کے دل میں کھوٹ ہے، اس کو نقصان اس لئے ہوتا ہے کہ اس کا ایمان درست ہو جائے۔

فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ سیف الدین باخزری کے یہاں سے روانہ ہو کر میں ایک مسجد میں شب باش ہوا، یہاں خبر ملی کہ اس مسجد کے پاس ایک غار ہے، جہاں ایک اہلِ دل بزرگ رہتے ہیں، علی الصبح ان کی خدمت میں پہنچا، اس وقت تک میں نے ان کے جیسا پُر ہیبت بزرگ کسی اور کو نہیں پایا تھا، عالمِ تفکر میں کھڑے تھے، چار رات اور دن کے بعد عالمِ صحو میں آئے، میں نے سلام کیا، سلام کا جواب دے کر فرمایا تم کو مجھ سے تکلیف پہنچی، بیٹھ جاؤ، میں بیٹھ گیا، فرمایا میں خاندان شمس العارفین سے ہوں، تیس برس سے اس صومعہ میں رہتا ہوں، لیکن اس مدت میں حیرت اور دہشت کے سوا مجھ کو کوئی اور چیز حاصل نہیں ہوئی، شاید تم اس کے سبب سے واقف نہ ہو، میں نے عرض کیا کہ مجھ کو اس کی وجہ معلوم نہیں، آپ ارشاد فرمائیں، فرمایا یہ راہ راست بازوں کی ہے، جس شخص نے اس راہ میں راستی سے قدم رکھا وہ منزل مقصود کو پہنچا، اور اس کو وصال دوست نصیب ہوا، اور جس نے دوست کی رضا کے بغیر قدم بڑھایا وہ جل کر رہ جائے گا، میرے اور حق تعالیٰ کے درمیان ستر ہزار حجاب ہیں، جب پہلا حجاب اٹھا تو دیکھا کہ مقربانِ بارگاہ آنکھیں اوپر کئے ہوئے دیکھ رہے ہیں، اس طرح یکے بعد دیگرے حجابات اُٹھتے گئے اور جب حجاب خاص کے پاس پہنچا تو آواز آئی کہ اس حجاب کے آگے وہی بڑھ سکتا ہے، جس نے دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے بیگانہ ہو کر مجھ سے رشتہ یگانگی جوڑا، میں نے عرض کیا کہ میں تمام چیزوں سے بیگانہ ہوں آواز آئی کہ اگر تو نے سب کو چھوڑ دیا ہے، تو مجھ سے مل گیا، اس وقت میں نے نگاہ ڈالی، تو اپنے آپ کو اس صومعہ میں پایا، پس اے فرزند! اس راہ میں سب سے بیگانہ ہونا چاہئے، تا کہ حق تعالیٰ سے رشتہ یگانگی قائم ہو، اس کے بعد حضرت بابا گنج شکر نے فرمایا کہ اس گفتگو کے بعد مغرب کی نماز کا وقت آیا، تو ہم دونوں نے باجماعت نماز پڑھی، جب نماز سے فارغ ہوئے تو دو پیالہ آش اور چار روٹیاں

آئیں، مجھ سے کھانے کو ارشاد فرمایا، میں نے کھانا ساتھ کھایا، عجیب مزے کا تھا، وہ حلاوت آج تک میں نے کسی اور کھانے میں نہیں پائی، اس رات کو میں وہیں مقیم رہا۔[1]

فرماتے ہیں کہ جب میں نواح غزنی میں تھا، تو ایک رات کسی مسجد میں شب باش ہوا، وہاں چند درویش رہتے تھے، ان میں سے ہر ایک بڑا عبادت گذار تھا، میں رات بھر ان کی خدمت میں رہا، صبح کو وہاں سے روانہ ہو کر ایک حوض پر پہنچا، جہاں ایک بزرگ تشریف فرما تھے، وہ بہت لاغر، ضعیف اور کمزور تھے، میں نے لاغری اور کمزوری کا سبب پوچھا تو فرمایا مجھے عارضہ شکم ہے، دن بھر ان کی خدمت میں رہا، جب رات ہوئی تو ان کا عارضہ بڑھا، ان کا معمول تھا کہ ہر رات سو رکعت نفل ادا فرماتے، لیکن دو رکعت کے بعد ان کو قضائے حاجت کی ضرورت ہوتی تھی، قضائے حاجت کے واسطے تشریف لے جاتے، واپس آ کر غسل فرماتے اور پھر نماز میں مشغول ہو جاتے، پھر حاجت ہوتی اور پھر غسل کر کے دوگانہ ادا فرماتے، اس طرح اس رات وہ مسلسل ساٹھ بار نہائے اور اپنا وظیفہ پورا کیا، آخری بار جب نہانے تشریف لے گئے تو پانی کے اندر ہی انتقال فرما گئے، سبحان اللہ، کتنے مضبوط اور راسخ العقیدہ تھے[2]، یہ کہہ کر بابا گنج شکر رونے لگے۔

غزنی ہی کے نواح کی سیاحت کے متعلق فرماتے ہیں کہ کسی شہر کی مسجد میں رمضان شریف میں امام حدادی کی بھی قدم بوسی کی، اور ان کی خدمت میں عرصہ تک رہا وہاں ایک اور باعظمت بزرگ تھے، جو ہر رات تین بار کلام پاک ختم کرتے، بلکہ چار پارے اور زیادہ پڑھ جاتے، انھوں نے مجھ کو نصیحت فرمائی کہ راہ سلوک میں جفاکشی اور محنت بہت ضروری ہے، جب تک مجاہداتِ کاملہ اور ریاضات شاقہ نہ کرو گے، مقام اعلیٰ کو نہ پہنچو گے، کیونکہ اہل صفہ نے فرمایا ہے کہ اس راہ میں اصلی چیز مجاہدہ ہے۔[3]

غزنی کے ایک بزرگ کی نصیحت کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ انھوں نے مجھ کو نصیحت کی کہ دنیا آدمی کی طرف پیٹھ رکھتی ہے، اور آخرت منھ، زندگی میں یہ دونوں ساتھ ہیں، لازم ہے کہ آخرت کو دنیا پر ترجیح دی جائے، کیونکہ آخرت ہی کام آئے گی۔[4]

فرماتے ہیں کہ جس زمانہ میں سیوستان کی سیر و سیاحت میں مصروف تھا، انہی دنوں وہاں کے ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی انھوں نے ازراہ کرم مجھ کو اپنے سینے سے لگایا، اور فرمایا کہ مشائخ کی تم نے جو خدمت کی ہے، وہ تمہارے لئے باعث سعادت ہے، اور میرے پاس بھی آنا تمہارے لئے اچھا ہوا۔[5]

سیوستان ہی کے ایک بزرگ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے ان کو دیکھا کھڑے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کا ذکر فرما رہے ہیں، میں ان کے پاس ٹھہرا رہا، ایک روز ان کو ہوش آیا، تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس کو سعادتِ ابدی عطا کرتے ہیں، اس کے لئے ذکر کا دروازہ کھول دیتے ہیں، اور وہ شخص سوتے جاگتے،

---

[1] راحت القلوب ص ۵، ۶، [2] ایضاً، [3] راحت القلوب ص ۲۶، [4] ایضاً ص ۳۸، [5] ایضاً ص ۱۷، [6]

اُٹھتے بیٹھتے ذکر ہی میں رہتا ہے، فرمایا قضائے حاجت کے وقت سوا اور تمام وقت ذکر کرنا چاہئے۔

فرماتے ہیں کہ بدخشاں میں حضرت شیخ ذوالنون المتوفی ۲۴۶ھ کے خاندان کے ایک بزرگ شیخ عبدالواحد مصری سے میری ملاقات ہوئی، وہ شہر سے باہر ایک غار میں رہتے تھے، ان کا جسم بالکل گھل گیا تھا، صرف ایک پاؤں رکھتے تھے، ان کو ایک ہی پاؤں پر عالم تحیر میں کھڑے دیکھا، ان کے پاس پہنچا تو سلام کیا، انھوں نے بیٹھنے کو کہا اور پھر عالم تحیر میں کھو گئے، تین دن اور تین رات عالمِ صحو میں نہ آئے اور مجھ سے مخاطب نہ ہوئے، تیسرے دن عالمِ صحو میں آئے، تو فرمایا میرے پاس نہ آؤ، ورنہ جل جاؤ گے، دور بھی نہ رہو کہ مہجور رہو گے، میرا حال سن لو، میں اس غار میں ستر برس سے ہوں، ایک بار ایک عورت ادھر سے گذری، میری نگاہ اس پر پڑی، اور اس کی طرف میرا میلان ہوا، اور میں نے اس غار سے باہر نکلنا چاہا، لیکن غیب سے آواز سنی ''اے مدعی، یہی عہد تھا، کہ تم میرے سوا کسی دوسرے سے بھی لگاؤ رکھو، یہ آواز سن کر میں متنبہ ہوا، اور فوراً اس پاؤں کو جو باہر نکل آیا تھا، کاٹ کر پھینک دیا، اس واقعہ کو تیس سال گذرے ہوں گے، میں حیران ہوں کہ قیامت کے دن جب مجھ سے سوال کیا جائیگا تو میں کیا جواب دوں گا[1]''۔

فرماتے ہیں کہ ایک بار میں ایک چشتی بزرگ کی خدمت میں حاضر تھا، ایک صوفی آیا، اور اس نے کہا کہ آج کی رات میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہتا ہے کہ تیری موت قریب ہے، حضرت نے سنتے ہی ارشاد فرمایا کہ کل تمہاری صبح کی نماز قضا ہوئی تھی، صوفی نے خیال کیا تو سچ تھا[2]۔

راحت القلوب کی مجلس نہم کے بعض ملفوظات سے یہ اندازہ ہوتا ہے، کہ حضرت بابا گنج شکرؒ بیت المقدس میں بھی کچھ دنوں رہے تھے[3]۔

خلافت حضرت شیخ فریدالدینؒ ایک مدت کی سیاحت کے بعد دہلی حضرت بختیار کاکیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، مرشد نے ان کی اقامت کے لئے غزنین دروازہ کے پاس ایک جگہ منتخب کی جہاں وہ ریاضت ومجاہدہ میں مشغول ہو گئے، تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ اس ریاضت ومجاہدہ میں ان کی یہ کیفیت ہو گئی تھی کہ جب حضرت خواجہ معین الدینؒ چشتی حضرت بختیار کاکیؒ سے ملنے دہلی آئے، تو شیخ فریدؒ کو دیکھنے ان کے حجرے میں تشریف لے گئے، مگر شیخ فرید ضعف کی وجہ سے تعظیم کے لئے اٹھ نہ سکے حضرت خواجہ معین الدینؒ نے ان کیلئے دعا کی، اور غیب سے بشارت ملی، کہ ''فرید را برگزیدم'' چنانچہ خواجہؒ صاحب نے ان کو خلعت مرحمت فرمایا، اور حضرت بختیار کاکیؒ نے بھی اپنی خلافت کی دستار ان کی سر پر باندھی اُس وقت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے حضرت بختیار کاکیؒ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:۔

''بابا قطب الدین شاہبازے عظیم در دام آورد کہ بجز سدرۃ المنتہی آشیانہ نمی

---

[1] راحت القلوب ص ۱۷۔۱۸، [2] ایضاً، [3] راحت القلوب ص ۲۸

گیرد[1]"

حضرت خواجہ بختیار کاکی نے اُس وقت یہ بھی نصیحت فرمائی کہ صاحب سجادہ کے لئے ضروری ہے کہ اس کا دل کدورت غل وغش، فحش، حسد، اور آلائش دنیا سے پاک رہے، اور پھر یہ بھی فرمایا کہ اہلِ سلوک کے لئے ضروری ہے کہ وہ کم سوئے، کم بولے، کم کھائے، اور لوگوں سے کم ملے، (جواہر فریدی ورق ۲۲۹۔۲۳۰۔۲۸۱)

قیام ہانسی واجودھن مرشد کی صحبت میں پوری تعلیم پا چکے تو حضرت گنج شکرؒ مرشد کے حکم سے دہلی سے ہانسی آئے اور رخصت کرتے وقت مرشد نے فرمایا کہ تم میری موت کے وقت تو میرے پاس نہ ہو گے لیکن میری موت کے دو تین روز کے بعد فاتحہ خوانی کے لئے پہنچو گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، حضرت گنج شکرؒ ہانسی پہنچے تو کچھ دنوں کے بعد ایک روز خواب میں دیکھا کہ مرشد کا وصال ہو گیا ہے، ہانسی سے پریشان ہو کر روانہ ہوئے، تو وصال کے تیسرے روز دہلی پہنچے، مزار مبارک کی زیارت فرما چکے تو قاضی حمید الدین ناگوریؒ نے حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کا خرقہ اور دوسری امانتیں حضرت گنج شکر کو دیں، جن کو مرشد نے اپنے محبوب خلیفہ کے حوالہ کرنے کو کہا تھا، تین یا سات روز کے بعد حضرت گنج شکرؒ نے دہلی کو چھوڑنا چاہا تو تمام لوگوں نے دہلی ہی میں قیام کرنے کی درخواست کی مگر انھوں نے دہلی میں ٹھہرنا پسند نہیں کیا، اور ہانسی آئے لیکن یہاں لوگوں کا ہجوم بڑھا تو اجودھن کی طرف بڑھ گئے[2] یہاں تنہائی اور سکون پایا، تو اسی کو مسکن بنا لیا، لیکن کچھ دنوں کے بعد معتقدین کا ہجوم یہاں بھی بڑھا، تو اس جگہ کو بھی چھوڑنا چاہتے تھے، مگر مرشد نے خواب میں یہیں ٹھہرنے کی ہدایت کی، اور ایک روز ہاتف غیبی نے بھی آواز دی، کہ "اے شیخ! پریشان نہ ہو، اور لوگوں کی جفا کاری کو برداشت کر۔" اس کے بعد سے ہر شخص کو ان کے پاس آنے کی عام اجازت تھی، اور وہ ہجوم سے ملول خاطر نہیں ہوتے تھے[3]۔

محنت شاقہ حضرت گنج شکر نے راہ سلوک کے طے کرنے میں بڑی بڑی محنتیں کیں، سیر الاولیاء (ص ۷۰) میں ہے کہ مرشد کے حکم سے ایک کنوئیں میں چلہ معکوس کیا، راحت القلوب میں ہے، کہ ایک بڑی مدت تک عالم تفکر میں کھڑے رہے، مطلق نہ بیٹھے، ان کے پاؤں سوج گئے تھے، اور ان سے خون بہتا تھا، اس درمیان میں ان کو یاد نہیں، کہ انھوں نے کچھ کھایا ہو[4] فجر کی نماز کے بعد بڑی دیر تک سجدے میں پڑے رہتے، پہلے ذکر آ چکا ہے کہ حضرت خواجہ معین الدینؒ ان کے حجرے میں ان کو دیکھنے کیلئے تشریف لے گئے، تو ریاضت کی وجہ سے وہ اس قدر ضعیف ہو گئے تھے کہ تعظیم کیلئے نہ اٹھ سکے، اس قدر نحیف و نزار ہو گئے تھے کہ اٹھنے بیٹھنے میں بھی سہارا لیا کرتے تھے، حجرہ کے اندر سر بسجود ہو کر برابر

---

[1] سیر الاقطاب ص ۱۲۹، [2] فوائد الفواد ص ۱۸۸ و خیر المجالس ص ۸۹ و سیر الاقطاب ص ۱۶۷، [3] سیر الاقطاب ص ۱۶۱،
[4] راحت القلوب ص ۹

یہ پڑھا کرتے تھے، (خیر المجالس ص ۲۲۴)

خواہم کہ ہمیشہ در ہوائے تو زیم　　خاکی شوم و بذیر پائے تو زیم
مقصود من بندہ زکونین توئی　　از بہر تو میرم از برائے تو زیم

ایک بار اٹھ کر تھوڑی دور چلنا چاہتے تھے، عصا کے سہارے اٹھے، مگر چند قدم چلے ہوں گے کہ چہرہ کا رنگ متغیر ہوگیا، ہاتھ سے عصا چھوڑ دیا، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ ساتھ تھے، انھوں نے پریشانی کا سبب پوچھا تو فرمایا عصا پر سہارا کیا تھا، اسلئے عتاب نازل ہوا کہ غیر کا سہارا لیتے ہو، اسی لئے عصا چھوڑ دیا، اور محجوب ہوں[1]، ہمیشہ روزہ رکھتے تھے، اگر کوئی عارضہ بھی لاحق ہوتا، یا فصد لیتے تو بھی روزہ افطار نہ کرتے تھے[2]، رمضان میں ہر رات تراویح کی نماز میں دو کلام پاک ختم کرتے، کبھی دس دس پارے زیادہ بھی پڑھ جاتے، اور کچھ رات باقی رہتی تو تراویح سے فارغ ہو جاتے، حضرت خواجہ نظام الدینؒ بھی ان کے ساتھ تراویح کی نمازوں میں شریک رہتے تھے[3]، خشیت الٰہی کا بڑا غلبہ رہتا تھا، مریدوں کی مجلسوں میں بات بات پر روتے، اور بعض اوقات دھاڑیں مار کر گریہ کرتے تھے، اس شعر کو جب پڑھتے تو ہائے ہائے کر کے روتے، نعرے لگاتے، اور بیہوش ہو جاتے۔

در کوی عاشقاں چناں جاں بدہند
کانجا ملک الموت نگنجد ہر گز[4]

ذوق سماع ایک بار ان کے سامنے یہ رُباعی پڑھی گئی تو ایک دن اور ایک رات بیہوش رہے[5]۔

آں عقل کجا کہ در کمالِ تو رسد　　واں دیدہ کجا کہ در جمالِ تو رسد
گیرم کہ تو پردہ برگرفتی زجمال　　آں روح کجا کہ در جلالِ تو رسد

ایک بار ایک مجلسِ سماع میں یہ غزل شروع کی گئی:۔

ملامت کردن اندر عاشقی راست　　ملامت کے کند آنکس کہ بنیاست
نہ ہر تر دامنے را عشق زیبد　　فشانِ عاشقی از دور پیداست
نظامی تا توانی پارسا باش　　کہ نور پارسائی شمعِ دلہاست

تو حضرت گنج شکر پر بے قراری کی عجیب کیفیت طاری ہوئی، اور یہ کیفیت اتنی بڑھی کہ سات دن اور سات رات سکر کا عالم رہا، بے چین ہو کر رقص بھی کرنے لگتے تھے، نماز کا وقت آتا تو صحو میں آجاتے، نماز کے بعد بیہوشی طاری ہو جاتی[6]۔

سماع سے نہایت شغف رکھتے تھے، سماع کی حرمت وحلت پر ایک روز گفتگو ہو رہی تھی تو فرمایا کہ

---

[1] سیر الاولیاء ص ۸۱ و سیر الاقطاب ص ۱۶۶، جواہر فریدی ورق ۲۵۸، [2] فوائد الفواد و سیر العارفین ص ۳۸،
[3] راحت القلوب ص ۲۷، [4] راحت القلوب ص ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۳، [5] ایضاً ص ۲۴، [6] ایضاً ص ۱۱و۱۲

سبحان اللہ! کوئی جل کر راکھ ہو جائے، اور دوسرے ابھی اختلاف ہی میں ہوں[1] مگر سماع انہی لوگوں کے لئے جائز قرار دیا ہے، جو اس میں ایسے مستغرق ہوں کہ ایک لاکھ تلواریں ان کے سر پر ماری جائیں، یا ایک ہزار فرشتے ان کے کان میں کچھ کہیں تو بھی ان کو خبر نہ ہو[2]۔

فقر و فاقہ تمام زندگی فقیرانہ مسرت اور درویشانہ استغنا کے ساتھ گذاری، لباس و غذا میں بڑی شانِ بے نیازی پائی جاتی تھی، جسم پر کپڑے پھٹ جاتے تھے تو بھی علیحدہ نہ کرتے تھے، ایک بار کرتہ بہت ہی بوسیدہ ہو گیا تھا، ایک شخص نے نیا کرتہ نذر کیا، کرتہ پہن تو لیا، لیکن فرمایا جو ذوق مجھ کو اس پرانے کرتہ میں حاصل تھا، اس نئے کرتہ میں نہیں ہے[3] جس کمبل پر دن کو بیٹھتے، اسی کو رات کے وقت اپنا بستر استراحت بناتے[4]، اور تکیہ کے بجائے سر کے نیچے اپنے مرشد کا عصا رکھ لیتے تھے، (فوائد الفواد ص ۵۲) گھر میں اکثر فاقہ ہوتا تھا، گھر کی کنیز خبر دیتی کہ فلاں صاحبزادے یا فلاں حرم پر دو دو تین تین فاقے گذر گئے، لیکن اس خبر سے ان کی ریاضت و عبادت کا سکون ختم نہ ہوتا، (خیر المجالس ص ۸۹) ایک روز حرم محترم نے آ کر عرض کیا کہ فلاں لڑکا بھوک سے مر رہا ہے، تو فرمایا فرید کیا کرے، اگر تقدیر الٰہی یہی ہے[5] تو یہی ہوگا، اکثر شربت سے افطار کرتے تھے، ایک پیالہ شربت کا جس میں تھوڑی کشمش ہوتی حاضر کیا جاتا، تو اس میں سے نصف بلکہ دو تہائی حاضرین میں تقسیم کر دیتے، اور باقی خود نوش فرماتے، پھر اس میں سے بھی کسی کو عنایت کرتے، اگر گھر میں کچھ ہوتا تو افطار کے بعد دو روٹیاں لائی جاتیں، ان میں سے ایک ٹکڑا خود کھاتے اور باقی حاضرین کو تقسیم کر دیتے، (فوائد الفواد ص ۵۱) لنگر خانہ کی طرف سے طرح طرح کے کھانے دستر خوان پر چنے جاتے تو مہمان کھاتے، لیکن خود تناول نہ فرماتے، زیادہ تر جوار کی روٹی پسند فرماتے، (سیر الاولیاء ص ۳۸۶) اکثر ڈیلہ پکا کرتا تھا، یہ ایک قسم کا پھل تھا، جس کا عام طور سے نمک اور سرکہ ملا کر اچار بناتے تھے، ایک روز گھر میں نمک نہ تھا، حضرت خواجہ نظام الدینؒ نے مرشد کی خاطر ایک درم کا نمک بقال سے ادھار لیا، اور ڈیلہ پکا کر مرشد کے پاس لے گئے، حضرت گنج شکرؒ نے کھانے کے لئے پیالہ میں ہاتھ ڈالا، تو ہاتھ میں گرانی محسوس ہوئی، اور لقمہ اٹھا نہ سکے فرمایا ''ازیں بوئے اسراف می آید'' اور پوچھا کہ نمک کہاں سے لا کر ڈالا گیا ہے، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے لرزہ براندام ہو کر عرض کیا کہ قرض کا ہے، حضرت گنج شکرؒ نے فرمایا کہ درویشوں کو فاقہ سے موت آ جائے تو اس سے بہتر ہے کہ لذت نفسانی کے لئے وہ مقروض ہوں، قرض اور توکل میں بعد المشرقین ہے، اگر کسی مقروض درویش کو اچانک موت آ جائے تو قیامت میں اس کی گردن قرض کے بار سے جھکی رہے گی، یہ کہہ کر پیالہ کو غرباء میں تقسیم کر دینے کا حکم دیا[6]، ایک بار طی کا روزہ رکھا، تین دن تک کچھ نہ کھایا، تیسرے

---

[1] اخبار الاخیار ص ۵۲، [2] راحت القلوب ص ۱۲، [3] فوائد الفواد ص ۵۳، اخبار الاخیار ص ۵۰، [4] ایضاً،
[5] جواہر فریدی ورق ۳۵۰، [6] سیر العارفین ص ۶۲،

روز افطار کے وقت ایک شخص چند روٹیاں لے کر حاضر ہوا، اس کو رزقِ غیب سمجھ کر نوش فرمایا، مگر فوراً ہی کراہت محسوس ہوئی، اور اسی وقت قے کر دی، معلوم ہوا کہ جو شخص کھانا دے گیا تھا وہ شرابی تھا[1]۔

استغناء اس قدر عسرت اور تنگدستی کے باوجود بابا گنج شکرؒ اپنے مرشد کی طرح مال و متاع دنیوی سے مستغنی رہے، ایک بار سلطان ناصرالدین محمود اجودھن میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا، اور ان کی ملاقات سے ایسا متاثر ہوا کہ اپنے وزیر الغ خاں کو (جو بعد میں غیاث الدین بلبن کے نام سے بادشاہ ہوا) چار گاؤں کا فرمان اور ایک کثیر رقم بطور ہدیہ دے کر بھیجا، مگر انھوں نے اس کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ یہ ان کو دو، جن کو ضرورت ہو، ہمارے خواجگان کی یہ رسم نہیں[2] اسی طرح ایک بار والی اجودھن نے کچھ گاؤں اور نقد رقم پیش کرنے کی کوشش کی، تو فرمایا کہ اگر میں یہ گاؤں اور رقم لے لوں تو مجھے لوگ درویش نہ کہیں گے، مالدار کہیں گے، اور درویش دلیہ دار میرا لقب ہو جائے گا، اس کے بعد یہ منہ درویشوں کو دکھانے کے لائق نہ رہے گا، اور میں ان کے درمیان کھڑا نہ ہو سکوں گا[3]، اور کبھی کسی سے کچھ قبول کر لیتے، تو راہ خدا میں تقسیم کر دیتے، جواہر فریدی میں ہے کہ ایک بار سلطان بلبن نے ان کے پاس ایک بڑی رقم بھیجی، اس کے اصرار سے اس کو بادل ناخواستہ لے لیا، لیکن غرباء میں تقسیم کر دینے کا فوراً حکم دیا، مولانا بدرالدین اسحٰق نے رات ہونے سے پہلے ہی یہ تمام رقمیں تقسیم کر دیں، رات کو چراغ لے کر دیکھا کہ کوئی سکہ رہ تو نہیں گیا ہے، ایک سکہ باقی رہ گیا، جس کو مولانا بدرالدین اسحٰق نے اپنی ٹوپی میں رکھ لیا، تا کہ دوسرے دن اس کو بھی کسی مسکین کو دیدیں، بابا صاحب عشاء کی نماز پڑھنے کے لئے مسجد تشریف لے گئے تو نماز میں ان کا دل نہ لگا، اور گرانی محسوس کی، مولانا بدرالدین سے پوچھا کہ ساری رقمیں تقسیم ہو گئیں کہ نہیں؟ مولانا بدرالدین نے جواب دیا کہ ایک رہ گیا ہے، بابا صاحب نے اس کو لے کر پھینک دیا، اور پھر نماز سکون سے پڑھی، لیکن پھر رات بھر روتے رہے، کہ ہاتھ میں اس کو لے کر آلودہ کیوں کیا فرماتے تھے کہ جو کچھ بھی اور جتنا بھی اللہ کی راہ میں دیا جائے اسراف نہیں ہے، اور جو کچھ بھی غیر اللہ کے لئے خرچ کیا جائے اسراف ہے[4]، جب زائرین مٹھائی لاتے، تو مٹھائیوں کا انبار لگ جاتا، لیکن یہ مٹھائیاں اجودھن کے بچوں اور درویشوں میں تقسیم کر دی جاتیں، کوئی محروم نہ رہتا[5]۔

نرمی و ملاطفت طبیعت میں بیحد نرمی و ملاطفت تھی، ایک بار چار درویش آئے، اور بابا صاحب سے درشت لہجہ میں گفتگو کی، انھوں نے پھر بھی ان کی دلجوئی اور مہمان داری کرنے کی کوشش کی، لیکن وہ رکے نہیں، جب جانے لگے تو حضرت بابا صاحب نے ہدایت کی، کہ وہ بیابان کی راہ سے نہ جائیں، لیکن وہ نہ مانے، اور جب وہ جا چکے تو زار و قطار رونے لگے، جیسے کوئی ماتم کرتا ہو، بعد

---

1. اخبار الاخیار ص ۵۱، 2. راحت القلوب ص ۳۲، فوائد الفواد ص ۹۹، فرشتہ جلد دوم ص ۲۸۸، 3. جواہر فریدی ورق ۲۵۴، ۲۵۶ و راحت القلوب مجلس یازدہم، 4. سیر الاقطاب ص ۱۲۹، 5. راحت القلوب ص ۵۷

میں معلوم ہوا کہ بیابان میں بادِ سموم اٹھی اور وہ چاروں درویش ہلاک ہو گئے[1]۔

ایک بار خانقاہ میں ایک اور قلندر آیا، حجرہ میں بابا صاحب عبادت میں مشغول تھے، اس کے باہر ان کی جانماز بچھی تھی، اسی پر قلندر آ کر بیٹھ گیا، خادم خاص نے مزاحمت نہیں کی، اور کھانا لا کر دیا، قلندر نے کہا پہلے شیخ کو دیکھ لوں تو کھانا کھاؤں، خادم نے جواب دیا شیخ حجرہ میں ہیں، وہاں جانے کی اجازت نہیں، کھانا کھا لو، تو پھر ملو، قلندر نے کھانا کھا کر نشہ اور گھاس نکالی، اس کا خمیر اپنے کشکول میں بنانا شروع کیا، اس کا شیرہ جانماز پر بھی ٹپکا، خادم خاص نے مزاحمت کی، تو قلندر نے اپنا کشکول اس کو مارنے کے لئے اٹھایا، شور سن کر بابا صاحب حجرہ سے باہر نکل پڑے، قلندر سے فرمایا، میری خاطر معاف کر دو، قلندر نے جواب دیا، قلندر کا کشکول اُٹھ چکا ہے تو کسی پر ضرور گرے گا، بابا صاحب نے فرمایا، دیوار پر مار دو، اس نے دیوار پر دے مارا تو دیوار گر گئی۔ (خیر المجالس ص ۱۳۰)

ایک بار ایک اور قلندر آیا، اس نے بابا صاحب سے سخت لہجہ میں کہا کہ تم نے اپنے کو بت بنا لیا ہے، تاکہ لوگ تمہاری پرستش کریں، بابا صاحب نے جواب دیا کہ میں نے اپنے کو نہیں بنایا ہے، خدا نے مجھ کو بنایا ہے، کوئی اپنے کو نہیں بنا سکتا ہے، بنانے والا خدا ہے جو اپنے بندوں کو نوازتا ہے، قلندر نے یہ سنا تو کہا کہ ''آفریں بر تحملِ شما باد۔'' (جواہر فریدی ورق ۲۴۰)

تواضع وخاکساری ایک بار بابا صاحب کے پاؤں میں کچھ تکلیف تھی، اس لئے مریدوں کی مجلس میں چارپائی (کھاٹ) پر بیٹھے تو اپنے کو اونچی جگہ پر پا کر مریدوں سے معذرت کی، اور اپنی تکلیف بتائی، حاضرین نے دعا کی اور کہا کہ

''حیات شما می باید، وحیات ما متعلق حیات شما است۔''

یعنی آپ کو صحت ہو، ہماری صحت آپ ہی کی صحت کے ساتھ ہے، حضرت خواجہ نظام الدین نے اسی وقت یہ بیت پڑھی،

جان جہانیاں توئی دشمن جاں بود کسے
اے ہمہ دشمنان تو دشمنِ جانِ خویشتن[2]

حاجت مندوں کے لئے ان کی خانقاہ کا دروازہ آدھی رات تک کھلا رہتا (خیر المجالس ص ۲۳۶)۔

ایک بار خانقاہ میں کچھ درویش آئے، گھر میں جوار کے سوا اور کچھ نہ تھا، خود ہی جوار پیسا اور اس کی روٹیاں پکا کر درویشوں کے پاس لائے۔

خدمت خلق اللہ عبادت وریاضت کے بعد صرف خلق اللہ کی خدمت ہی کی فکر زیادہ رکھتے، کوئی بیمار ہوتا تو اس کے لئے دعا فرماتے، زن وشو ایک دوسرے سے بچھڑ جاتے تو

---

[1] فوائد الفواد ص ۲۵۱، [2] فوائد الفواد ص ۲۵۱

دونوں کو اپنی کوشش سے پھر ملا دیتے، کوئی سرکاری عہدہ دار ظلم کرتا تو اس کو ظلم کرنے سے منع کرتے، بے قصوروں کو سزا سے بچاتے، کوئی فسق و فجور میں مبتلا ہو جاتا تو اس کو صحیح راستہ پر لگاتے، اس کے اخلاق کو درست کرنے کی کوشش کرتے، اصلاح کا طریقہ یہ تھا کہ علیحدہ علیحدہ افراد کو اپنے پاس بلاتے، اور اپنی نگاہ مرد مومن سے اس کی ماہیت قلب کرتے، (جواہر فریدی ورق ۲۳۸، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۸، ۲۵۱)

ازدواجی زندگی خیر المجالس (ص ۸۹) میں ہے کہ بابا صاحب کی دو یا تین بیویاں تھیں۔

''خدمتِ شیخ را دو حرم بود یا سہ حرم۔''

بعض تذکروں میں ہے کہ بابا صاحب کے نکاح میں الغ خاں (سلطان غیاث الدین بلبن) کی ایک لڑکی بی بی ہزیرہ بھی تھیں، جواہر فریدی میں اس نکاح کی پوری تفصیل درج ہے، باب صاحب نے نکاح کے بعد زوجۂ محترمہ سے فرمایا۔

''لباس دنیاوی را دور کن و فقر را معمور کن۔''

شہزادی نے اسی پر عمل کیا، چنانچہ جہیز میں جتنا شاہانہ سامان، لباس اور زیورات ملے وہ سب فقراء و مساکین میں تقسیم کر دیئے گئے، صرف دو کنیزیں سارو اور شکر رکھ لی گئیں، یہ روایت موجودہ دور کے بعض مورخوں کے نزدیک مشکوک سمجھی جاتی ہے، لیکن الغ خاں کی ایک لڑکی سلطان ناصر الدین محمود کی ملکہ بن کر بھی جب عسرت اور تنگی کی زندگی بسر کر رہی تھی، تو کیا عجب کہ الغ خاں نے درویشوں کے سلطان بابا صاحب کے حبالہء عقد میں اپنی ایک لڑکی دے کر اس کو بھی فقر و فاقہ کی زندگی کی سعادت حاصل کرنے کے لئے آمادہ کر لیا ہو[1]۔

جواہر فریدی ہی میں ہے کہ بابا صاحب نے ایک بیوہ بی بی کلثوم سے بھی نکاح کر لیا تھا، جن کے ان کے پہلے شوہر سے ایک صاحبزادے نصر اللہ تھے، سیر الاولیاء میں بابا صاحب کے لڑکوں اور لڑکیوں کے حسب ذیل نام دیئے ہوئے ہیں۔

(۱) خواجہ نصیر الدین نصر اللہ (۲) خواجہ شہاب الدین (۳) شیخ بدر الدین سلیمان (۴) شیخ نظام الدین (۵) شیخ یعقوب (۶) بی بی مستورہ (۷) بی بی شریفہ (۸) بی بی فاطمہ[2]، جواہر فریدی میں خواجہ نصیر الدین کا نام نہیں ہے، جن سے مراد نصر اللہ ہی ہیں، سیر الاولیاء میں خواجہ نصیر الدین نصر اللہ کو سب سے بڑی اولاد کہی گئی ہے جواہر فریدی میں یہ بی بی کلثوم کے پہلے شوہر کے لڑکے بتائے گئے ہیں، اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بی بی کلثوم سے پہلے نکاح ہوا، اور اس کے بعد بی بی ہزیرہ سے ہوا، بی بی ہزیرہ سے تمام اولادیں ہوئیں، جواہر فریدی میں ایک صاحبزادہ کا نام شیخ عبداللہ بھی بتایا گیا ہے، جو بچپن ہی

---

[1] مزید تفصیل کے لئے دیکھو جواہر فریدی قلمی نسخہ، خزینۃ الاصفیاء ج اص ۳۰۱ و بزم مملوکیہ از مؤلف ص ۱۸۲، ۱۸۳،

[2] سیر الاولیاء ۱۸۹۔۱۹۰

میں وفات پا گئے تھے[1]۔

اگر یہ روایت صحیح ہے کہ بی بی ہزیرہ الغ خاں کی صاحبزادی تھیں تو ان سے نکاح کے بعد بابا صاحب نے اُلغ خاں کی بادشاہت سے پہلے اور اس کی بادشاہت کے زمانہ میں بھی اس سے اپنی شان استغنا اور بے نیازی قائم رکھی۔

تخت نشین ہونے سے پہلے بلبن نے بابا گنج شکر سے ایک بار درخواست کی، کہ ناصر الدین محمود کے کوئی اولاد نرینہ نہیں، اس لئے آپ دعا فرمائیں کہ دہلی کی بادشاہت اسی کی قسمت میں لکھی ہو، بابا گنج شکر نے اس کے جواب میں صرف یہ رباعی پڑھی،

فریدون فرخ فرشتہ نبود ز عود و ز عنبر سرشتہ نبود
زداد و دہش یافتہ نیکوئی داد و دہش کن فریدوں توئی[2]

بلبن جب بادشاہ ہوا تو ایک بار کسی نے بابا گنج شکر سے اس کے پاس کچھ سفارش کرانی چاہی، تو سفارش نامہ اس طرح لکھا۔

''میں اس شخص کا معاملہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بعد آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں، اگر آپ اس کو کچھ دیدیں گے تو حقیقی عطا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہوگا، اور آپ مشکور ہوں گے، اور اگر آپ نہ دیں گے، تو اس کا مانع اللہ تعالیٰ ہوگا، اور آپ معذور ہوں گے[3]۔''

ارباب دول سے کنارہ کشی

اس استغناء کا یہ نتیجہ تھا کہ اپنے متوسلین کو بھی ارباب حکومت اور اصحاب ثروت سے دور رہنے، اور ان سے کسی قسم کا فائدہ نہ اٹھانے کی ہمیشہ تلقین کیا کرتے تھے، شیخ بدر الدین غزنویؒ حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کے خلفاء میں تھے، دہلی میں ملک نظام الدین خریطہ دار نے ان کیلئے ایک خانقاہ بنوادی تھی، اور ان کی راحت کے لئے ہر قسم کا سامان مہیا کیا کرتا تھا، کچھ دنوں کے بعد شاہی حکام نے ملک نظام الدین کو زر کثیر کے غبن کے الزام میں ماخوذ کرلیا، جس سے شیخ بدر الدین کی راحت میں خلل واقع ہوا، انھوں نے حضرت شیخ فرید الدینؒ کی خدمت میں ایک رقعہ تحریر کیا کہ شاہی عہدہ داروں میں میرا ایک معتقد ہے، اس نے میرے واسطے خانقاہ بنوائی تھی، اور فقیروں کی خاطر عمدہ طریقے سے کرتا تھا، مگر اب غبن کے الزام میں گرفتار کرلیا گیا ہے، میری طبیعت پریشان ہے، مؤدبانہ التماس ہے کہ آپ دعا سے مدد فرمائیں، کہ اس کی رہائی ہو، اور درویشوں کا کاروبار سرانجام پائے، حضرت بابا گنج شکرؒ نے اس رقعہ کو پڑھا، تو سر ہلایا، اور جواب میں تحریر فرمایا۔

''عزیز الوجود کا رقعہ پہنچا، اس کے مطالعہ سے خوشی ہوئی، اور جو کچھ اس میں درج تھا، اس سے آگاہی ہوئی، جو کوئی، اپنی روش پر چلے گا، وہ ضرور ایسی حالت میں گرفتار ہو

---

[1] خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۳۰۱، [2] سیر الاولیاء ص ۸۰ و مراۃ الاسرار قلمی نسخہ دار المصنفین، [3] اخبار الاخیار ص ۵۲،

گا، جس سے ہمیشہ بے چین رہے گا، آپ تو پیران پاک کے معتقدوں میں ہیں، پھر ان کی روش کے خلاف خانقاہ کیوں بنوائی، اور اس میں کیوں بیٹھے، حضرت خواجہ قطب الدینؒ اور آپ کے پیر بے نظیر خواجہ معین الدینؒ کی روش اور عادت تو یہ نہیں رہی، کہ اپنے لئے خانقاہ بنا کر دکانداری کریں، ان کا شیوہ تو گمنامی اور بے نشانی کا رہا[1]''

اگر کسی بادشاہی ملازم سے کوئی واسطہ رکھتے تو اس کو پند و نصیحت کے ذریعہ سے راہ راست پر لانے کی کوشش کرتے، اجودھن کے ایک عامل منشی پر اس جگہ کا والی مہربان نہ تھا، اور اس کو ایذا پہنچاتا تھا، عامل نے بابا گنج شکر کی خدمت میں پہنچ کر عرض کیا، کہ والی مجھ کو تنگ کرتا ہے، آپ میری اس سے سفارش کر دیں، بابا صاحب نے اس کی التجا سن کر اپنے خادم کو والی کے پاس بھیجا، کہ فرید پر احسان کرو، اور عامل کو ایذا نہ پہنچاؤ، لیکن والی کی عداوت پہلے سے بھی بڑھ گئی، عامل پھر بابا صاحب کی خدمت میں آیا، اور عرض کی کہ وہ ظالم تو پہلے سے بھی زیادہ تکلیف پہنچاتا ہے، بابا صاحب نے فرمایا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح میں نے تمہاری سفارش اس والی سے کی، اور اس نے نہ سنی، اسی طرح تم سے بھی کسی شخص نے کسی مظلوم کی سفارش کی ہوگی، اور تم نے نہ سنی ہوگی، یہ سُن کر عامل متاثر ہوا، اور فوراً توبہ کی، اور عہد کیا کہ اب کسی شخص کی سفارش سے روگردانی نہ کروں گا، اور نہ کسی مظلوم کو ایذا دوں گا، تھوڑے دنوں کے بعد وہ والی عامل سے خوش ہو گیا، اور انعام میں اس کو خلعت اور گھوڑے دیئے، پھر کچھ روز کے بعد وہ بھی (یعنی والا) بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا، اور ظلم کرنے سے توبہ کی[2]۔

فیوض و برکات

حضرت گنج شکر کے رشد و ہدایت سے جو فیوض جاری ہوئے اُن سے سلطان غیاث الدین بلبن بھی متاثر ہوا، بلبن کا عہد نہ صرف سیاسی نقطۂ نظر سے ممتاز تھا، بلکہ اس زمانہ میں اتنے مشائخ عظام جمع ہو گئے تھے کہ مورخوں نے اس عہد کو خیر الاعصار لکھا ہے، حضرت بابا گنج شکرؒ کے علاوہ شیخ الشیوخ شیخ بہاء الدین زکریاؒ، شیخ صدر الدینؒ، شیخ بدر الدینؒ، غزنوی، اور سیدی مولا کے انوار سے ہندوستان منور ہو گیا تھا، بلبن کو ان تمام اولیاء اللہ سے عقیدت تھی، اور اسی کا نتیجہ تھا کہ اس نے اپنے لڑکے کو خاص طور پر تاکید کی تھی کہ،

''قضاۃ و حکام متقی ہندین نصب فرمائی تا کہ رواج دین و رونق عدل میان علایق پذیر آید۔'' (فرشتہ ج ۱ ص ۸۳)

وصال

گذشتہ اوراق میں ذکر آیا ہے کہ سیر الاولیاء، اخبار الاخیار، جواہر فریدی اور سفینۃ الاولیاء میں تاریخ وفات ۵ محرم روز سہ شنبہ ۶۶۴ھ ہے، اور یہی صحیح معلوم ہوتی ہے۔

وفات سے کچھ روز پہلے شمس دبیر شاعر نے خواجہ نظامی کی مندرجۂ ذیل مثنوی سنائی۔

---

[1] سیر العارفین ص ۵۱، اردو ترجمہ ۸۵، جواہر فریدی ورق ۲۶۰، [2] سیر العارفین ص ۳۷۔۳۸،

جہاں چیست بگو رز نیرنگ او | رہائی بچنگ آراز چنگ او
مقبے نہ بینی دریں باغ کس | تماشا کند ہر یکے ہر نفس
دریں چار سو ہیچ بیگانہ نیست | کہ کیسہ بر مرد خود کامہ نیست
درو ہردے از نو برے می رسد | یکے می رود دیگرے می رسد
جہاں گرچہ آرامگاہے خوش است | شنا بندہ را نعل در آتش است
دو دردارد ایں باغ آراستہ | درد بند ایں ہر دو برخاستہ
در آز درے باغ بنگر تمام | زدیگر درے باغ بیروں خرام
اگر زیر کی باگلے خود مگیر | کہ باشد بجا ماندنش ناگزیر
دریں دم کہ داری بشادی بسیچ | کہ آیندہ در زیر پیچست و پیچ
یکے را در آرد بہ ہنگامہ تیز | دگر راز ہنگامہ گوید کہ خیز
نظامی سبک باش یاراں شدند | تو ماندی بہ غم غمگساراں شدند

اس مثنوی سے متاثر ہو کر بیہوش ہو گئے، اور جب ہوش آیا تو شمس دبیر کو پیراہن خاص عطا فرمایا، اور تلاوتِ قرآن پاک میں مصروف ہو گئے، اس کے بعد سے وصال تک کسی اور سے مخاطب نہیں ہوئے، صرف عبادت میں مشغول رہتے، پانچویں محرم کی رات کو بابا صاحب پر مرض کا غلبہ ہوا، عشاء کی نماز جماعت سے پڑھی، اور بیہوش ہو گئے، ایک گھنٹہ کے بعد ہوش میں آئے، تو فرمایا کہ میں نے عشاء کی نماز پڑھ لی ہے، حاضرین نے عرض کیا، حضرت ہاں، لیکن پھر فرمایا، ایک بار اور پڑھ لوں، پھر کون جانے کیا ہو، پھر تیسری مرتبہ پڑھی، اور فرمایا یا حی یا قیوم اور جان بحق تسلیم کی، (راحت القلوب ص ۶۸) تکفین کے وقت گھر میں بڑی بے سروسامانی تھی، کفن کے اوپر چادر ڈالنے کے لئے نہ تھی تو سیر الاولیاء کے مصنف کی دادی نے اپنی سفید چادر نذر کی (سیر الاولیاء ص ۸۸-۸۹)

مزار اقدس اجودھن میں ہے، جو اب تک زیارت گاہِ خاص و عام ہے، شہنشاہ اکبر کو حضرت بابا کے مزار سے بڑی عقیدت تھی، اس لئے اس نے اجودھن کا نام پاک پٹن رکھا۔

تذکرہ نگاروں نے ان کو زبدۃ الاتقیای ابرابر، شیر بیشہ، تقدیس ربانی، محرمِ اسرار مشیتِ ایزدی، ہمدم نواز قربت صمدی وغیرہ کے القاب سے یاد کیا ہے۔

اشاعت اسلام حضرت بابا صاحب کے رشد و ہدایت سے نہ صرف مسلمان مسلمان بنے، بلکہ غیر مسلموں کی ایک بڑی تعداد میں مشرف بہ اسلام ہوئی، اجودھن کے قیام کے ابتدائی زمانہ میں ایک جوگی مسمی سھو ناتھ خدمت اقدس میں حاضر ہوا، جو جادو منتر اور استدراج میں مشہور تھا، بابا صاحب کو دیکھتے ہی اس پر ان کی ہیبت اس قدر غالب ہوئی کہ زبان سے کچھ بول نہ سکا،

پھر حضرت بابا صاحب کے کشف و کرامت سے ایسا متاثر ہوا کہ قدموں پر گر پڑا، اور اپنے چیلوں کے ساتھ بابا صاحب کے ہاتھ پر ایمان لایا[1]، کہا جاتا ہے کہ پاک پٹن کے اطراف میں زیادہ تر جو نومسلم قومیں ہیں، وہ حضرت بابا صاحب ہی کی برکت سے مسلمان ہوئی ہیں، جواہر فریدی میں ہے کہ پنجاب میں مرہنگوالیان، بہلیان، ادہکان، جکروالیان، بکان، ہکان، سیان، کھوکھران، سیال وغیرہ، حضرت بابا ہی کی برکت سے مسلمان ہوئیں (ورق ۴۴۳)

تصنیفات حضرت گنج شکرؒ کی تصنیفات میں ان کے ملفوظات کے دو مجموعے ہیں، راحت القلوب اور اسرار الاولیاء، راحت القلوب کے خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اور اسرار الاولیاء کو حضرت بدر اسحٰق نے مرتب کیا ہے، دونوں بزرگ بابا گنج شکر کے خلیفہ تھے۔

تعلیمات راحت القلوب میں راہ سلوک کی بنیادی باتیں وہی ہیں جو انیس الارواح، دلیل العارفین، اور فوائد السالکین میں پائی جاتی ہیں، مگر اس میں ملفوظات نسبتہً زیادہ ہیں، اس لئے ان سے بعض مسائل پر زیادہ روشنی پڑتی ہے، اس کتاب کے آخری حصہ میں چشتیہ سلسلہ کے اوراد وظائف اور ان کے فضائل و برکات کا ذکر ہے، جو مذکورۂ بالا ملفوظات میں نہیں ہیں۔

درویش شروع میں درویش کی مختلف صفات بتائی گئی ہیں، مثلاً درویش کی صفت پردہ پوشی اور خود فراموشی ہے، پردہ پوشی سے مراد خدا کے بندوں کی پردہ پوشی ہے۔

درویش کو چاہئے کہ چار باتیں اختیار کرے (۱) اپنی آنکھوں کو بند کر لے، کہ خدا کے بندوں کے عیوب نہ دیکھ سکے، (۲) کانوں کو بہرا کر لے، کہ جو باتیں سننے کے لائق نہ ہوں ان کو نہ سن سکے، (۳) زبان کو گونگی کر لے کہ جو باتیں کہنے کے لائق نہ ہوں، ان کو نہ کہے، (۴) پاؤں کو لنگڑا رکھے، کہ جب اس کا نفس کسی غیر ضروری یا ناجائز کام کی طرف لے جانا چاہے، تو نہ جا سکے، اگر یہ باتیں اس کو حاصل ہو گئیں تو وہ درویش ہے، ورنہ وہ دروغ گو ہے۔

جو درویش اس دنیائے دنی کی عزت و جاہ کا خواستگار اور اہلِ دنیا کے لطف و کرم کا خواہاں ہو وہ درویش نہیں ہے، بلکہ درویشوں کو بدنام کرنے والا اور طریقت کا مرتد ہے۔

جس درویش کے دل میں ذرہ برابر بھی دنیا کی محبت ہوگی وہ مردود طریقت ہے۔

درویشوں کا طریقہ تحمل ہے، اور تحمل بھی ایسا کہ اگر کوئی شخص اس کی گردن پر ننگی تلوار رکھے تو بھی اس سے وہ خوش رہے، اور اس کے لئے بددعا نہ کرے۔

درویش کا زہد تین چیزوں میں ہے، (۱) دنیا کا جاننا، اور اس سے ہاتھ اٹھا لینا (۲) مولانا کی طاعت کرنا، اور آداب کی رعایت رکھنا، (۳) آخرت کی آرزو اور اس کو طلب کرنا۔

---

[1] راحت القلوب ص ۲۸،

صلاحیت دل حضرت گنج شکرؒ نے راہ سلوک میں دل کی صلاحیت پر زیادہ زور دیا ہے، اور اس کو سلوک کی اصل کہا ہے، اور یہ صلاحیت اُس شخص کو حاصل ہوتی ہے، جو لقمہ، حرام سے پرہیز اور اہل دنیا سے اجتناب کرتا ہے، ایک جگہ حضرت یحیٰی معاذ رازی کا قول نقل کر کے فرمایا ہے کہ حکمت اس کے دل میں قرار پا سکتی ہے جس کے دل میں دنیا کی حرص نہ ہو، رشک وحسد نہ ہو، اور شرف و جاہ کی خواہش نہ ہو۔

سماع حضرت گنج شکرؒ نے سماع کو راحتِ دل قرار دیا ہے، کہ یہ اہل محبت کے دل میں حرکت پیدا کرتا ہے، اور حرکت کے بعد حیرت، حیرت کے بعد ذوق اور ذوق کے بعد بیہوشی طاری ہو جاتی ہے، اس بیہوشی میں وہ ایسا مستغرق ہوتا ہے، کہ اگر اس وقت اس کے سر پر ہزاروں تلواریں چلیں تو بھی اس کو خبر نہ ہو، اور یہی چار چیزیں معرفت کے اسباب بنتی ہیں۔

معرفت معرفت کی تعریف یہ ہے کہ جب تک کسی شخص کو اپنی معرفت حاصل نہیں ہوتی وہ دوسروں کے پیچھے مبتلا رہتا ہے، لیکن جب اس کو حق سبحانہ تعالیٰ کی محبت ہو جاتی ہے، تو پھر اسُ کو ایسا استغراق ہو جاتا ہے، کہ اگر اس کے پاس ہزاروں فرشتے بھی آئیں، تو ان کی طرف کنکھیوں سے بھی نہ دیکھے، اور اگر اس کو آنے کی خبر ہو جائے تو وہ کاذب و دروغ گو ہے۔

کرامت کرامت کے متعلق فرمایا کہ اس کا اظہار کرنا پست حوصلہ والوں کا کام ہے، مشائخ نے اس کے اظہار کو پسند نہیں کیا ہے، کیونکہ اس سے نفس میں تکبر پیدا ہوتا ہے[1]۔

اسرار الاولیاء میں بائیس فصلیں ہیں اور ہر فصل میں تصوف کے مستقل موضوع پر حضرت گنج شکرؒ کے ارشادات ہیں، جس سے اس موضوع کے سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔

عشق الٰہی شروع میں عشق الٰہی پر گفتگو ہے، حضرت گنج شکرؒ نے فرمایا کہ فقراء کا عشق الٰہی علماء اور اصحاب عقل کے عشق سے بالکل جدا ہے۔ (ص ۴)

آں عشق کہ بود کم نگردد   تا باشد ازاں دم نہ گردد (نظامی)
عشقے کہ نہ عشق جاد دان است   بازیچۂ شہوتِ جوان است (ص ۴)

ایک دوسری جگہ فرمایا،

سریست مرا درون جاں در عشقت   گر سر ردد اے دوست نگویم باکس
سریست عاشقاں را در طاقت نہانی   پوشیدہ دار خود را تا آنجا تجل نمائی

اس عشق کا عنصر صرف آگ ہوتی ہے، جس کے شعلہ سے تمام عالم جل کر خاک سیاہ ہو سکتا ہے (ص ۸)

---

[1] راحت القلوب ص ۳۳۔

اس عشق کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ صاحب عشق اپنی دوئی کو کھو کر اپنی ذات سے بالکل متحد ہو جاتا ہے، (ص ۶)

عشق میں عاشق اپنے معشوق کی طلب میں مجاہدہ کرتا ہے، جس سے اس کو مکاشفہ ہوتا ہے، مکاشفہ کے بعد مشاہدہ یعنی معشوق کا دیدار ہوتا ہے، اس مشاہدہ سے اس کا عشق اور بھی تیز ہو جاتا ہے، اور رفتہ رفتہ حجابات اٹھتے جاتے ہیں، اور عاشق ایک ایسے مقام پر پہنچتا ہے جہاں وہ صرف عالم تحور میں رہتا ہے، (اسرار الاولیاء ص ۴۹)

راہ عشق میں محبت کے سات سو مقامات ہیں، پہلا مقام یہ ہے کہ (معشوق) کی طرف سے جو بلا بھی نازل ہو، اس کو صبر و سکون سے عاشق برداشت کرے، (ص ۵۱) اس راہ میں محبت کی کوئی غایت نہیں (۵۲) اور عاشق اپنے تمام اعضاء کے ساتھ محبت معشوق میں مستغرق رہتا ہے، اور اپنی آنکھوں سے صرف معشوق کو دیکھتا ہے، وہ اپنے کانوں سے صرف معشوق کی باتیں سنتا ہے، وہ اپنے ہاتھ پاؤں کو صرف معشوق کے لئے حرکت دیتا ہے، اور اپنی زبان سے صرف معشوق کا ذکر کرتا ہے، اور محبت میں وہی صادق ہے، جو ہر لحہ معشوق کے ذکر یعنی ذکر الٰہی میں مشغول رہتا ہے، (ص ۵۱)

ذکر یعنی عبادت الٰہی سے عشق کی تکمیل ہوتی ہے، عبادت الٰہی میں ظاہر اور باطن کا یکساں ہونا ضروری ہے، عبادت سے اسرارِ الٰہی معلوم ہوتے ہیں، مگر ان کا ظاہر کرنا عشق کے منافی ہے۔

رزق ایک جگہ فرمایا راہ سلوک میں بندۂ صادق وہ ہے، جو رزق حاصل کرنے کے لئے پریشان خاطر نہ ہوتا ہو، اور اگر وہ اس کیلئے پریشان رہتا ہے، تو وہ بد دین اور بد دیانت ہے، رزق کی چار قسمیں ہیں:۔

(۱) رزق مقسوم (۲) رزق مذموم (۳) رزق مملوک (۴) رزق موعود۔

رزق مقسوم وہ رزق ہے جو روز ازل سے لوح محفوظ پر لکھ دیا گیا ہے، اس میں کمی اور زیادتی نہیں ہو سکتی، رزق مذموم وہ رزق ہے کہ جتنا بھی زیادہ ملے، اس پر قناعت نہ کی جائے، رزق مملوک وہ رزق ہے، جو ضرورت کی کفالت کے بعد جمع کیا جائے، رزق موجود وہ رزق ہے، جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے وعدہ کیا ہے، اور اس کا ملنا ضروری ہے[۱]۔

راہ سلوک کی سچائی یہ ہے کہ سالک ہر قسم کے رزق سے بے غم رہے، اگر وہ رزق کے لئے اندوہ گیں رہتا ہے، تو وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے، خداوند تعالیٰ خود اس کا رزق اس کے پاس پہنچائے گا، پھر بھی اس کا توکل یہ ہونا چاہئے کہ اس کو جو کچھ بھی ملے، راہ خدا میں دیدے، اگر رزق جمع کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کی تمام عنایتوں سے محروم ہو جاتا ہے۔

---

[۱] اسرار الاولیاء ص ۱۷

توکل آگے چل کر ایک فصل میں بابا گنج شکرؒ نے فرمایا کہ عاقل وہی شخص ہے، جو دنیا کے تمام معاملات میں اللہ پر توکل کرتا ہے، توکل کی تشریح اس طرح کی ہے کہ متوکل کے ایمان میں خوف رجاء اور محبت ہو، خوف سے وہ گناہ کو ترک کرتا ہے، اور رجاء سے اللہ کی اطاعت کرتا ہے، اور محبت سے خدا تعالیٰ کی رضا کیلئے تمام مکرہات سے باز آتا ہے۔

راہ سلوک میں توبہ ایک اہم چیز ہے، بابا گنج شکرؒ نے توبہ کی چھ قسمیں بتائی ہیں۔

(۱) توبہء دل، حسد، ریا، لہو ولعب اور تمام نفسانی لذتوں اور شہوت سے صدق دل سے باز آنا، اس سے دل کی آلائش دور ہوتی ہے، جس کے بعد بندہ اور مولیٰ کا حجاب اٹھ جاتا ہے۔

(۲) توبہء زبان، ناشائستہ بیہودہ اور ناروا کلمات زبان پر نہ لانا، زبان صرف خداوند تعالیٰ کے ذکر اور کلام پاک کی تلاوت کے لئے وقف ہونی چاہئے، عشق حقیقی میں وہی سالک ثابت قدم رہ سکتا ہے، جس نے دل اور زبان کی توبہ سچائی سے کرلی ہو، زبان کی توبہ کے بغیر صرف دل کی توبہ سے وہ انوار عشق کی تجلی نہیں دیکھ سکتا ہے، آنکھ، کان، ہاتھ، اور نفس زبان ہی کے تابع ہیں، اس لئے زبان کی توبہ سے یہ تینوں چیزیں بھی محفوظ رہتی ہیں۔

(۳) توبہء چشم (حرام چیز کو نہ دیکھنا) (۲) کسی کا عیب نہ دیکھنا، (۳) ظلم ہوتے ہوئے نہ دیکھنا، سالک جب مشاہدۂ حق کر چکا ہو، تو پھر اس کو دنیا کی کسی چیز پر نظر نہیں ڈالنی چاہئے۔

(۴) توبہ گوش، ذکر حق کے سوا کوئی اور چیز نہ سننا،

(۵) توبہء دست، ناروا اور ناجائز چیزوں کو ہاتھ نہ لگانا،

(۶) توبہء پا، حرام چیزوں کی طرف نہ جانا،

(۷) توبہء نفس، ماکولات، شہوات اور لذات سے باز نہ آنا

اس تقسیم کے علاوہ توبہ کی تین قسمیں اور بھی ہیں،

(۱) توبہء حال (۲) توبہ ماضی (۳) توبہ مستقبل، حال کا توبہ گناہوں سے پشیمان اور نادم ہو کر باز آنا ہے، ماضی کا توبہ اپنے دشمنوں کو خوش کرنا ہے، اگر تائب نے کسی کا ایک درہم بھی غصب کرلیا ہو تو اس کو دس درہم واپس کرنا چاہئے، اگر اس نے کسی کو بُرا کہا ہو تو اس کے پاس جا کر معافی مانگے، اور اگر وہ مر گیا ہو تو معذرت کے بجا اس کے نام سے غلام آزاد کرے، اور اگر شراب پیتا رہا ہو، تو توبہ کے بعد خدا کے بندوں کو سرد اور لطیف پانی پلائے۔

مستقبل کا توبہ یہ ہے کہ تائب آئندہ تمام گناہوں سے پرہیز کرنے کے لئے عہد کرے۔

تلاوت کلام پاک حضرت گنج شکرؒ نے اگلی دو فصلوں میں مرشد اور پیر کی خدمت اور تلاوت کلام پاک کی فضیلت کا ذکر کیا ہے، فرمایا ہے کہ سات دن مشائخ اور پیروں کی

خدمت سات سو سال کی عبادت کے برابر ہے، کلام پاک کی تلاوت کے متعلق فرمایا ہے کہ اس سے بہتر اور افضل تر کوئی عبادت نہیں، کلام پاک کی تلاوت سے بندہ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوتا ہے، جس سے بڑھ کر اور کوئی سعادت نہیں ہو سکتی۔

خرقہ حضرت گنج شکرؒ نے صوفیوں کے لباس خرقہ، گلیم اور صوف اور طاقیہ پر بھی بحث کی ہے، خرقہ، گلیم اور صوف کو انبیاء کا لباس بتایا ہے، اس لئے اس کی تعظیم و تکریم پر پورا زور دیا ہے۔

خرقہ پہننے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ دونوں عالم سے قطع تعلق کر لے، اس کے دل میں دنیا کی کوئی آلائش نہ ہو، اسی طرح صوف اور گلیم پہننے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ دنیا سے کنارہ کش ہو جائے، اور اگر اس لباس کو اہلِ دنیا کے لطف و کرم کا ذریعہ بناتا ہے، تو وہ کذاب اور دروغ گو ہے، (ص ۴۷)

صوفی اسی سلسلہ میں تصوف اور صوفی کی بھی جستہ جستہ بحث آ گئی ہے، بابا گنج شکر نے فرمایا کہ صوفی وہ ہے جس کے دل میں اتنی صفائی ہو کہ اس کے صفائے قلب کے سامنے کوئی چیز پوشیدہ نہ رہے۔

تصوف مولیٰ کی صفائے دوستی کا نام ہے۔

اہل تصوف وہ ہے جو ہر وقت خاموش اور عالم تحیر میں مستغرق رہتے ہیں،

اہل تصوف ایک ایسی قوم ہیں کہ جب وہ خدا سے پیوستہ ہو جاتے ہیں، تو پھر ان کو خدا کی پیدا کی ہوئی چیزوں کی خبر نہیں ہوتی۔

تصوف کا کمال یہ ہے کہ اصحاب تصوف ہر روز پانچوں وقت نماز میں اپنے کو عرش پر دیکھیں۔

تصوف ایک اخلاق ہے، اس لئے حضرت گنج شکرؒ نے اربابِ تصوف کو اخلاقی ہدایتیں بھی دی ہیں، مثلاً

صوفی دنیا اور دنیا کے لوگوں سے بے نیاز اور مستغنی ضرور رہتا ہے، مگر کسی حال میں وہ دنیا کی مذمت اور ہجو نہیں کرتا ہے، وہ نہ اس سے محبت اور نہ اس سے عداوت رکھتا ہے (ص ۹۲)

محبت مرشد صوفی ایک مرشد سے وابستہ ہوتا ہے، پیر سے اس کی ارادت اور بیعت عشق کے درجہ تک پہنچ جانی چاہئے، (۷۶) پیر کے تمام احکام کو دل و جان سے بجا لانا فرض ہے (ص ۹۱) وہ تمام عمر اپنے پیر کو سر پر اٹھا کر حج کرتا رہے، تو بھی پیر کے حقوق کی ادائیگی سے سبکدوش نہیں ہو سکتا، (ص ۹۱) وہ صدق دل اور تعظیم سے اپنے مرشد کے ہاتھوں کا بوسہ دیتا ہے، تو اس کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں، (فصل شانزدہم) حضرت گنج شکرؒ نے دوسرے علماء اور مشائخ کی تعظیم پر بھی

زور دیا ہے، فرمایا کہ جوان کو دوست رکھتا ہے، وہ اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہے، (فصل سیزدہم)

ذکرِ حق صوفی کی زندگی ذکرِ حق میں مشغول ہونا ہے، وہ جب تک ذکرِ حق میں مستغرق ہوکر بیہوش رہتا ہے، تو وہ زندہ ہے، اور جب ہوش میں آکر ذکرِ حق چھوڑ دیتا ہے، تو مردہ ہو جاتا ہے، (فصل ہفتدہم)

اظہارِ کشف حضرت گنج شکرؒ نے خواجگان چشت کے مسلک کے مطابق صوفی کو کشف کے اظہار سے منع کیا ہے، لیکن وہ راہِ سلوک کے تمام مقامات کو طے کرلے تو اس کے اظہار میں کوئی ہرج بھی نہیں۔

تکلیف و مصیبت آخر میں فرمایا ہے کہ راہِ سلوک میں سالک پر جس قدر رنج، تکلیف، مصیبت نازل ہوگی، وہ اللہ تعالیٰ سے قریب تر ہوتا جائے گا، کیونکہ اس کے ذریعہ سے وہ خدا کی طرف یاد کیا جاتا ہے، چنانچہ حضرت خواجہ معین الدینؒ تکلیف میں اس کی زیادتی کی دعا کرتے تھے، اور اپنے ایمان کی صحت اسی میں سمجھتے تھے (ص ۹۳)

علمِ شریعت ایک بار حضرت نظام الدینؒ اولیاء خلافت سے پہلے ایک مسجد میں بیٹھ کر ایک شرعی مسئلہ پر غور و فکر کر رہے تھے، وہاں ایک مجذوب نے کہا کہ مولانا نظام الدین علم بہت بڑا حجاب ہے، حضرت شیخ نظام الدین کے دل میں یہ بات کھٹکی کہ علم حجاب تو ہوسکتا ہے، لیکن بڑا حجاب کیونکر ہوسکتا ہے، مجذوب نے کہا کہ جب اس جگہ پہنچو گے تو یہ معلوم ہو جائے گا، اس کے بعد حضرت شیخ نظام الدین اپنے مرشد کی خدمت میں پہنچے، اور مجذوب کی باتیں کہہ سنائیں، شیخ الاسلام حضرت فرید الدین گنج شکر نے فرمایا کہ حجاب دو قسم کا ہوتا ہے، ایک ظلمانی، دوسرا نورانی، گناہ اور برائیاں ظلمانی حجاب ہیں، جو شخص ان سے توبہ کریگا، اس کا گناہ معاف کر دیا جائیگا، لیکن علم ایک نورانی حجاب ہے، جس کو ہر شخص نہ عبور کرسکتا ہے، اور نہ اس کے کنارے سے اٹھ سکتا ہے، جس وقت تک شرعی علوم میں بھی دستگاہ نہیں ہو گی، خدا کی محبت، معرفت اور قربت حاصل نہیں ہوسکتی، اس لئے علم ایک بڑا حجاب ہو جاتا ہے[1]

شریعت کی پابندی حضرت بابا گنج شکر کے ملفوظات نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور دوسرے شرعی امور کے متعلق اس کثرت سے ہیں کہ یہ عاجز راقم اپنی کج مج بیانی کی بناء پر ان کو سمیٹ کر لکھنے سے قاصر ہے حضرت بابا صاحب نے کسی حال میں جادۂ شریعت سے تجاوز کرنا پسند نہیں فرمایا، عالمِ سکر میں ہوتے تو نماز کے وقت عالمِ صحو میں آجاتے، نماز کے متعلق فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے وہ دینی و دنیاوی نعمت جو اٹھارہ ہزار عالم میں پیدا کی ہے، وہ دراصل نماز ہے[2]، نماز باجماعت کی بڑی

---

[1] شمائل الاتقیاء ص ۴۰۰، [2] شمائل الاتقیاء ص ۸۱

پابندی کرتے، اور اپنے مریدوں کو تلقین فرماتے کہ اگر دو آدمی بھی ہوں تو جماعت قائم کر لینی چاہئے[1]،
روزے کی برکت کے لئے تمام عمر روزے رکھے، مریدوں اور معتقدوں کو ایک بار مخاطب کر کے فرمایا، کہ
رمضان المبارک کے روزے رکھنے سے ہزار سال کی عبادت کا ثواب ملتا ہے، اور روزہ دار کے نامہء
اعمال سے بے شمار برائیں نکال دی جاتی ہیں[2]، زکوٰۃ کے متعلق فرمایا کہ شریعت کی زکوٰۃ تو یہ ہے کہ جب
دوسو درہم ہوں تو پانچ درہم زکوٰۃ نکالے، لیکن طریقت کی زکوٰۃ یہ ہے کہ دوسو درہم میں پانچ درہم تو اپنے
لئے رکھے اور ایک سو پچانوے راہ خدا میں دیدے، اور حقیقت کی زکوٰۃ یہ ہے کہ دوسو درہم میں ایک حبہ
بھی اپنے لئے نہ رکھے[3]۔

ایک موقع پر اپنے مریدوں کو ایک بزرگ کے قول کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ جب ایک آدمی
تین باتوں سے اجتناب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے تین چیزیں اٹھالیتا ہے، اول جو شخص زکوٰۃ نہیں دیتا
تو اللہ اس کے مال سے برکت اٹھالیتا ہے، دوم جو شخص قربانی نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ اس سے عافیت چھین لیتا
ہے، سوم جو شخص نماز نہیں پڑھتا، اللہ تعالیٰ مرنے کے وقت اس سے ایمان کو جدا کر دیتا ہے[4]۔

کئی بار حج کی بھی سعادت حاصل کی۔

محبت رسول ﷺ رسول اللہ ﷺ کا ذکر مبارک جب کبھی آتا تو زار و قطار روتے ایک بار آپ ﷺ
کی وفات کا ذکر خود ہی فرمایا، اور جب بیان کر چکے تو آہ کھینچی، نعرہ مارا، اور روتے
روتے بیہوش ہو گئے، اور جب ہوش آیا تو فرمایا، جس کے واسطے تمام عالم پیدا کیا گیا، جب اسی کو اس
عالم سے اٹھالیا گیا، تو اور دوسرے ناچیز بندوں کی کیا حیثیت ہے، جو زندگی کی خواہش کریں، ہم اپنے کو
جانے والوں ہی میں شمار کریں، غفلت کا پردہ درمیان سے اٹھادیں، اور زادراہ کی فکر میں لگے رہیں[5]۔

خلفاء سیر الاقطاب میں جن خلفاء کے نام دیئے ہوئے ہیں، اُن میں سے کچھ یہ ہیں، شیخ علاء الدین
علی احمد صابر، شیخ نظام الدین اولیاء، شیخ جمال ہانسوہ، شیخ زین الدین دمشقی، شیخ علی شکر ریز، شیخ
محمد سراج، شیخ عارف سیوستانی، مولانا داؤد پایلی۔

ان خلفاء سے تین سلسلے جاری ہوئے، حضرت شیخ نظام الدین اولیاء سے نظامیہ، حضرت شیخ علاء
الدین صابر سے صابریہ، اور حضرت شیخ جمال الدین ہانسویؒ سے جمالیہ، لیکن کچھ دنوں کے بعد جمالیہ
سلسلہء نظامیہ میں مدغم ہو گیا، تذکرہ نویس یہ بھی لکھتے ہیں کہ انھوں نے اپنے داماد مولانا بدر الدین اسحٰق،
صاحبزادوں میں شیخ یعقوب، شیخ نظام الدین، شیخ بدر الدین سلیمان اور شیخ شہاب الدین اور اپنے بھائی
شیخ نجیب الدین متوکل کو بھی خلافت عطا کی[6]۔

---

[1] راحت القلوب مجلس پانزدہم، [2] راحت القلوب ص ۹۶، [3] ایضاً ص ۳، [4] ایضاً ص ۴، [5] راحت القلوب ص ۶۸

[6] سیر الاقطاب ص ۱۷۶۔۱۷۷، خزینۃ الاصفیاء ج اص ۳۰۳،

حضرت شیخ فخرالدین عراقیؒ

نام ونسب پورا نام شیخ فخرالدین ابراہیم ہے، تاریخ گزیدہ میں سلسلہ نسب یہ ہے، فخرالدین ابراہیم بن بزرجمہر بن عبدالغفار الحوالقی[1] مگر تذکرۂ دولت شاہ[2]، مراۃ الخیال[3]، سیر العارفین[4]، مخزن الغرائب اور برٹش میوزیم کے فارسی مخطوطات[5] کی فہرست میں ان کے والد بزرگوار کا اسم گرامی شہریار مرقوم ہے، سیر العارفین کے مؤلف کا بیان ہے کہ

"شیخ فخرالدین محمد شہریار بہاء الدین زکریا کی بہن کے بیٹے یعنی بھانجے تھے[6]۔"

مگر بعض تذکروں میں ان کو شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ کا بھانجا بتایا جاتا ہے[7]، ہمدان کے نواح میں قریہ کیجان (باکونجان) میں پیدا ہوئے[8]، صغر سنی میں کلام پاک حفظ کیا، ہمدان کے لوگ ان کی خوش گلوئی پر شیفتہ تھے[9]۔

ابتدائی حالات سترہ سال کی عمر میں ہمدان کے مدرسہ سے معقولات ومنقولات پڑھ کر فارغ ہوئے، ایک روایت یہ ہے کہ وہ ہمدان سے بغداد آئے، اور شیخ شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں رہ کر روحانی تعلیم پائی، اور ان سے شرف بیعت حاصل کیا، ان کے پاس رہ کر برسوں عبادت وریاضت کرتے رہے، شیخ شہاب الدین سہروردی نے اسی مدت میں ان کو عراقی تخلص عطا فرمایا، اور ہندوستان جانے کا حکم دیا، یہاں پہنچ کر حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کی خدمت میں ملتان آئے، اور ان کے فیض صحبت سے روحانی اور باطنی دولت سے مالامال ہوئے، ایک دوسری روایت ہے کہ تعلیم سے فارغ ہو کر ہمدان کے مدرسہ میں درس دے رہے تھے کہ قلندروں کی ایک جماعت پہنچی، اور مندرجہ ذیل غزل پڑھنے لگی۔

مارخت زمسجد بخرابات کشیدیم	خط بر ورقِ زہد و کرامات کشیدیم
درکوئے مغاں درصفِ عشاق نشستیم	جام از کف رندانِ خرابات کشیدیم

---

1. تاریخ گزیدہ ص ، 2. تذکرہ دولت شاہ ص ۲۱۵، 3. مراۃ الخیال ص ۲۴، 4. سیر العارفین جلد اوّل، 5. برٹش میوزیم فارسی مخطوطات ص ۵۹۴، 6. سیر العارفین ص ۱۰۷، 7. مراۃ الاسرار قلمی نسخہ دار المصنفین، 8. میخانہ عبدالنبی ص ۲۸ مرتبہ۔ جناب محمد شفیع صاحب ایم اے، 9. نفحات الانس قلمی نسخہ دار المصنفین، ایک روایت ہے کہ نو مہینے میں پورا کلام پاک حفظ کیا، اور اس وقت ان کی عمر پانچ سال نو مہینے کی تھی۔

از زہد و مقامات گذشتیم کہ بسیا ؎ کاس تعب از زہد مقامات کشیدیم

ان اشعار کو سن کر شیخ فخر الدین ابراہیم بے تاب ہو گئے، اور ان پر ایک وجد طاری ہو گیا، قلندروں میں سے ایک قلندر اپنے حسن و جمال میں بے نظیر تھا، اس کے حسن فانی کو دیکھ کر ان کے دل میں عشق حقیقی کی آگ بھڑک اٹھی، کپڑے پھاڑ ڈالے اور عمامہ سر سے اتار پھینکا، اور اسی وقت فرمایا،

چہ خوش باشد کہ دلدارم تو باشی
ندیم و مونس و یارم تو باشی

اور پھر قلندروں کے ساتھ ہمدان سے چل کھڑے ہوئے اور عراق و عرب و عجم کی سیاحت کرتے ہوئے ہندوستان پہنچے، جب ملتان آئے تو قلندروں کے ساتھ حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ کی خانقاہ میں قیام کیا، حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کی نظر ان پر پڑی تو ان کو صورت آشنا پایا، اور اپنے مقرب خاص شیخ عماد الدین سے فرمایا:۔

''دریں جوانِ استعداد تمام یافتم او را ایں جا باید بودن۔''

شیخ فخر الدین عراقی نے بھی حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ کی طرف کشش محسوس کی اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ

''برمثال مقناطیس کہ آہن را کشد، شیخ مرا جذب می کند و مقید خواہد کرد از یں جا زود تر می باید رفت۔''

چنانچہ ملتان سے دہلی چلے آئے، اور دہلی سے سومنات کی طرف جارہے تھے کہ راستہ میں سخت آندھی آئی، آندھی میں قلندر ایک دوسرے سے علیٰحدہ ہو گئے، شیخ فخر الدین عراقی ساتھیوں سے چھوٹ کر ادھر ادھر پریشان خاطر پھرتے رہے، بالآخر ملتان کی طرف مراجعت کا تہیہ کیا، وہاں پہنچے تو حضرت شیخ بہاء الدین زکریا نے دیکھتے ہی فرمایا:۔

''عراقی از ما بگریختی۔''

شیخ فخر الدین نے جواب میں کہا:۔

از تو نگریزد دل من یک زماں کالبدار کے بوداز جاں گریز
دایہء لطف مرا در برگرفت داد بیش از مادرم صد گو نہ شیر[1]

کیفیت و مستی حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ان کو اپنی خلوت میں لے گئے جہاں وہ دس روز تک چلہ میں بیٹھے، گیارہویں روز ان پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو گئی، وہ روتے تھے، اور یہ غزل پڑھتے تھے،

---

[1] میخانہ عبدالنبی ص ۳۲

نخستیں بادہ کاندر جام کردند ز چشم مست ساقی دام کردند
چو بے خود خواستند اہل طرب را شراب بے خودی در کام کردند
برائے صید مرغ جان عاشق ز زلف فتنہ جویان[1] دام کردند
بہ عالم ہر کجا رنج و بلا بود[2] بہم بردند و عشقش نام کردند
چو خود کردند[3] از خویشتن فاش عراقی را چرا بدنام کردند[4]

حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کے مریدوں نے چلہ میں شیخ فخر الدین عراقی کو نغمہ سرائی کرتے دیکھا، تو مرشد کو اطلاع دی کہ ان چیزوں کی تو ممانعت ہے، پھر شیخ فخر الدین عراقی اس کے کیسے مرتکب ہو رہے ہیں، مرشد نے فرمایا کہ

''شمارا ازیں چیز ہا منع است او را منع نیست[5]۔''

اس کے کچھ دنوں کے بعد شیخ عماد الدین شہر میں نکلے، ایک خرابات سے گذر رہے تھے کہ رندوں کو مندرجہ بالا غزل چنگ و چغار کے ساتھ پڑھتے سنا، شہر سے واپس ہوئے تو اپنے مرشد شیخ بہاء الدین زکریاؒ کو یہ واقعہ سنایا، مرشد نے یہ سن کر شیخ فخر الدین عراقی کے متعلق فرمایا کہ

''کار او تمام شد۔''

اور پھر شیخ فخر الدین عراقی کے پاس خلوت میں پہنچ کر ارشاد فرمایا:۔

''عراقی! مناجات در خرابات می کنی، بیرون آئی۔''

شیخ عراقی باہر آئے، مرشد کے قدموں پر سر رکھ دیا، اور دیر تک پھوٹ پھوٹ کر روتے رہے، مرشد نے اپنے دست مبارک سے ان کا سر اٹھایا، اور سینہ سے لگایا، شیخ عراقی نے اسی وقت ایک غزل کہی جس کا مطلع یہ ہے۔

در کوئے خرابات کسے را کہ نیاز است
ہشیاری و مستیش ہمہ عین نماز است

مرشد نے اسی وقت اپنا خرقہ اتار کر ان کو پہنا دیا، اور اسی مجلس میں اپنی صاحبزادی کو اُن کے حبالہء نکاح میں دیدیا، شیخ عراقی اپنے مرشد اور خسر کی خدمت میں پچیس سال رہے، اسی اثناء میں ان کے فرزند ارجمند شیخ کبیر الدین کی پیدائش ہوئی۔

---

[1] مخزن الغرائب، خوباں، ز زلف قید خوباں دام کردند، [2] ایضاً رنج و بلائیست، [3] ایضاً، ستر، [4] یہ پوری غزل تذکرہ دولت شاہ ص ۲۱۶ سے نقل کی گئی ہے، دولت شاہ اور مخزن الغرائب کے مؤلف کا بیان ہے کہ شیخ فخر الدین نے یہ غزل اپنے مرشد شیخ شہاب الدین سہروردی کے فراق اور اپنی غربت وطن پر کہی تھی، جس کے بعد شیخ بہاء الدین زکریا نے ان کو عراق واپس جانے کی اجازت دیدی، مگر میخانہ مؤلفہ عبد النبی میں شیخ فخر الدین عراقی کے جو تفصیلی حالات درج ہیں، اس کے مطالعہ سے یہ روایت صحیح نہیں معلوم ہوتی ہے، [5] مراۃ الخیال ص ۶۴،

خلافت حضرت شیخ بہاء الدین زکریا نے اپنے وصال کے وقت شیخ فخر الدین عراقی ہی کو اپنا خلیفہ اور جانشین بنایا تھا، مگر شیخ فخر الدین عراقی نے مرشد کی دیرینہ روایات کی پابندی نہ کی، وہ مغلوب الحال ہو کر اپنے جذبات کا اظہار شعر و شاعری کے ذریعہ سے کیا کرتے تھے، جس کو حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کے اور دوسرے مرید اپنے مرشد کے طریقے اور مسلک کے خلاف سمجھتے تھے، شیخ فخر الدین نے یہ محسوس کیا تو اس منصب سے علیحدہ ہو کر عدن کی طرف روانہ ہو گئے۔

عدن میں پذیرائی عدن کا سلطان ان کی شہرت سن چکا تھا، اور ان کی شاعری کا معتقد تھا، چنانچہ وہ عدن پہنچے، تو علماء وصلحا کی معیت میں ان کا شاندار استقبال کیا، اور شاہی خانقاہ میں ٹھہرایا، اور ہر قسم کی خاطر تواضع کی، حج کا موسم آیا تو حضرت شیخ فخر الدین عراقی نے خانہ کعبہ کی زیارت کرنے کا ارادہ ظاہر کیا، سلطان ان کا اس قدر گرویدہ ہو گیا تھا، کہ انکی مفارقت گوارا نہ کی، لیکن وہ خانہء کعبہ کی زیارت کے اشتیاق میں سلطان کی اجازت کے بغیر چپ چاپ عدن سے چل کھڑے ہوئے، سلطان کو ان کے جانے کی خبر ملی تو ان کی علیحدگی سے بیتاب ہو کر خود بھی عازم حج ہوا، مگر پھر لوٹ آیا، اور بے انتہا مال و دولت کا نذرانہ ان کی خدمت میں اس ہدایت کے ساتھ بھیجا کہ اگر وہ اس کو قبول نہ کریں تو ان کے خادموں اور مریدوں میں تقسیم کر دیا جائے۔

حج حضرت شیخ فرید الدین عراقیؒ مست و سرشار مکہ معظمہ پہنچے، احرام باندھتے وقت انھوں نے ایک قصیدہ تحریر فرمایا، جس کا مطلع یہ تھا۔

اے جلالت فرشِ عزت جاوداں انداختہ
گوئے در میدانِ وحدت کامراں انداختہ

اور جب خانہ کعبہ پر ان کی نظر پڑی تو اس کے انوار و تجلیات سے مسحور ہو کر ایک دوسرا قصیدہ کہا، جس کے دو شعر یہ ہیں،

تعالیٰ من تو حد بالکمال تقدس من تفرد بالجلال
جذا صفہء بہشت مثال کہ بود آیمانش صفت نعال

مدینہ منورہ پہنچے تو ان پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہو گئی، اور ایک رات میں پانچ قصیدے کہے، ان قصیدوں کے صرف مطلعے ملاحظہ ہوں:۔

(۱)

عاشقاں چوں بردر دل حلقہ سودا زنند آتشِ سودائے جاناں در دِل شیدا زنند

(۲)

شہبازم و چو صید جہاں نیست در خورم تاگہ بود کہ از کفِ ایام بر پرم

(۳)

اے رخت مجمع خیال شدہ مطلع نور ذوالجلال شدہ

(۴)

راہ باریکست وشب تاریک ومرکب لنگ وپیر اے سعادت رخ نماہی واے عنایت دستگیر

(۵)

دل ترا دوست ترز جاں دارد جاں زبہر تو درمیاں دارد[1]

سیاحت اقصائے روم مدینہ منورہ کی زیارت سے مشرف ہو چکے تو اقصائے روم کی سیاحت کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے، قونیہ پہنچ کر وہاں حضرت شیخ محی الدین عربی کے خلیفہ اور سجادہ نشین حضرت شیخ صدرالدینؒ کی خدمت میں پہنچے، ان کی صحبت میں روحانی دلچسپی پیدا ہوئی، تو ایک عرصہ تک قونیہ میں قیام پذیر رہے، اور حضرت شیخ صدرالدینؒ کی صحبت میں فصوص الحکم کا مطالعہ کیا، جس کے بعد اپنی مشہور کتاب لمعات تصنیف کی، حضرت شیخ صدرالدین نے اس کو پڑھ کر فرمایا:۔

''اے فخرالدین عراقی سرسخن مردان آشکارا کردی[2]۔''

چنانچہ یہ کتاب ارباب تصوف کے حلقہ میں برابر مقبول رہی، ملا نورالدین عبدالرحمٰن جامی نے اشعۃ اللمعات[3] اور مولانا صائن الدین علی ترکہ اصفہانی نے ضوٴ اللمعات[4] کے نام سے اس کی شرحیں لکھی ہیں، سیر العارفین کے مؤلف کا بیان ہے، کہ صدر ماوری نے بھی اس کی شرح تحریر کی ہے، اور لمعات کی تعریف میں یہ شعر لکھا ہے،

چہ در سنبل چہ در آہوئے تا تار
نسیمش نافہ مشکِ اود بار(؟)

اور خود سیر العارفین کے مؤلف نے لمعات کی توصیف ان الفاظ میں کی ہے:

''ارباب بصیرت پر مخفی نہیں ہے کہ لمعات ایک قطرہ سحاب فیض کا ہے جو دریائے معرفت شیخ بہاء الدین زکریا قدس اللہ سرہ العزیز سے فخرالدین کی زبان پر ٹپکا[5]۔''

یہ کتاب فصوص الحکم کے طرز پر لکھی گئی ہے، اور اس میں بھی فصوص کی طرح اٹھائیس فصلیں ہیں، میخانہ کے مؤلف کا خیال ہے کہ

''لمعات بحقیقت لُب فصوص است[6]۔''

یہاں کے قیام کے زمانہ میں امیر معین الدین حضرت شیخ فخرالدین عراقی کا بیحد معتقد ہو گیا تھا،

---

[1] یہ تمام تفصیلات میخانہ مولفہ عبدالنبی ص ۳۶ و ۳۷ سے لی گئی ہیں، [2] میخانہ ص ۳۷، [3] برٹش میوزیم کیٹلاگ ص ۵۹۴، [4] ایضاً ص ۸۳۱، [5] سیر العارفین ص ۱۰۹، [6] میخانہ ص ۳۷

اس کا اصرار تھا کہ وہ کوئی جگہ انتخاب کر کے اپنے لئے خانقاہ بنالیں، پہلے تو انھوں نے اس کو پسند نہ کیا، لیکن پھر توقات میں خانقاہ بنوالی، ایک بار امیر معین الدین کچھ نقد رقم لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوا، مگر انھوں نے اس کو قبول کرنے سے انکار کیا، امیر معین الدین نے شکستہ خاطر ہو کر کہا کہ آپ مجھ سے نہ کوئی خدمت لیتے ہیں اور نہ میری طرف التفات فرماتے ہیں، شیخ نے ہنس کر جواب دیا کہ

''اے امیر! مارا بزرمی تواں فریفت۔''

طبیعت میں وارفتگی تھی، اور اس وارفتگی کے عالم میں بعض اوقات ان کے حرکات واعمال ارباب ظاہر کے لئے ناپسندیدہ ہو جاتے تھے، ایک روز امیر معین الدین ان کی قیامگاہ پر آیا، تو ان کو وہاں نہ پایا، ان کی تلاش میں باہر نکلا، تو دیکھا کہ کچھ لڑکے ان کے گلے میں رسی ڈال کر ان کو ادھر ادھر دوڑا رہے ہیں، بعض لوگوں نے شیخ عراقی کی اس حرکت پر طنز بھی کیا، لیکن امیر معین الدین نے طنز وتشنیع پر توجہ نہ کی، اور شیخ کی معیت میں ان کی قیام گاہ پر واپس آیا، اسی طرح ایک روز شیخ اپنی قیامگاہ سے باہر گئے تو دو دن تک واپس نہ آئے، امیر معین الدین نے ہر طرف آدمی دوڑائے لیکن ان کا کہیں پتہ نہ چلا، تیسرے روز خبر ملی کہ وہ پہاڑ کے دامن میں مقیم ہیں، امیر معین الدین اپنے ساتھیوں کے ہمراہ وہاں پہنچا، تو شیخ کی عجیب کیفیت دیکھی وہ برہنہ پا اور برہنہ سر برف کے تودوں پر رقص کر رہے تھے، ان کے جسم سے پسینہ جاری تھا، اور اسی جذب کے عالم میں اشعار کہتے جاتے تھے، جن میں سے ایک شعر یہ ہے:۔

در جام جہاں نمائے اوّل
شد نقش ہمہ جاں ممثل

بڑی مشکل سے شہر کی طرف مراجعت کرنے کے لئے رضامند ہوئے، تھوڑے ہی عرصہ کے بعد امیر معین الدین کے برے دن آ گئے ارباب سلطنت اس سے برگشتہ ہو گئے اور حکومت کی طرف سے اس کی املاک ضبط کر لی گئی، اس کو اپنی زندگی کی خاطر شہر بھی خاموشی سے چھوڑ دینا پڑا، مگر جب وہ شہر سے جانے لگا، تو رات کو شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور جواہرات کا ایک ذخیرہ پیش کر کے گذارش کی کہ ان کو جس طرح چاہیں خرچ کریں، مگر میرا لڑکا مصر میں مقید ہے، اگر ممکن ہو تو اس کی رہائی کی کوشش کریں، اس کو رہا کرا کر اپنے پاس رکھیں، اور اس کو ایک لمحہ کیلئے بھی اپنے سے جدا نہ کریں، اس کو اپنا پرانا خرقہ بھی پہنائیں، اور اس کو موقع نہ دیں کہ وہ اس خرقہ کو ضائع کرے، امیر یہ باتیں کہتے وقت اشکبار ہو رہا تھا، خود شیخ پر بھی گریہ طاری تھا، بالآخر شیخ کے پاؤں کا بوسہ دیکر وہ رخصت ہو گیا، اور شیخ نے جواہرات کو بطور امانت اپنے پاس رکھ لیا۔

امیر معین الدین کی معزولی کے بعد اس علاقہ کی نگرانی خواجہ شمس الدین کے سپرد[1] کی گئی، اس کی معیت میں مولانا امین الدین[2] بھی تشریف لائے، تو قات پہنچ کر مولانا امین الدین شیخ فخر الدین عراقی سے بھی ملنے آئے، دونوں بڑی گرم جوشی سے ایک دوسرے سے ملے، اور جب سیر و سلوک پر گفتگو ہوئی، تو دونوں ایسے محو ہوئے کہ رات کا کافی حصہ گذر گیا، پھر بھی دونوں کی تشنگی باقی رہی، یہاں تک کہ تین دن گذر گئے، چوتھے روز مولانا امین الدین خواجہ شمس الدین سے ملے، تو موخر الذکر نے تین دن کی مفارقت کی شکایت کر کے اپنے ملال کا اظہار کیا، مولانا امین الدین نے خواجہ شمس الدین کی دلجوئی کر کے فرمایا کہ شیخ فخر الدین عراقی کی صحبت میں تھا، اور ان سے ایسی باتیں سنیں جو کسی سے عمر بھی نہ سنی تھیں، اُن کی صحبت میں تین سال رہتا، یا تمام زندگی رہنے کا موقع مل جاتا، تو بھی ان کی مفارقت گوارا نہ کرتا، مولانا امین الدین کی اس عقیدت مندی کو سن کر خواجہ شمس الدین کو بھی شیخ فخر الدین عراقی سے ملنے کا اشتیاق ہوا، اور ان کو لانے کے لئے خلعت کے ساتھ ایک اونٹ بھیجا، شیخ فخر الدین عراقی جب قریب پہنچے تو خواجہ شمس الدین معزز لوگوں کے ساتھ ان کے استقبال کے لئے گیا، شیخ نے مولانا امین الدین کو دیکھ کر کہا "ان ھی الا فتنتک یعنی مجھ کو یہاں بلا بھیجنے میں تمہارا ہی فتنہ ہے، خواجہ شمس الدین ان سے بڑی تعظیم کے ساتھ پیش آیا، اور جب سلوک پر گفتگو شروع ہوئی، تو شیخ کی گفتگو میں اتنی تاثیر اور گرمی تھی کہ خواجہ شمس الدین کی آنکھوں سے بہت دیر تک بے اختیار آنسو جاری رہے۔

کچھ ہی عرصہ کے بعد حاسدوں نے ارباب حکومت سے مخبری کی کہ امیر معین الدین کی ساری دولت شیخ فخر الدین عراقی کے پاس جمع ہے، مگر ان کی گرفتاری سے پہلے خواجہ شمس الدین نے ان کو اس کا موقع دیا کہ وہ تو قات چھوڑ کر کہیں اور منتقل ہو جائیں، چنانچہ وہ امیر معین الدین کی امانت لے کر دو آدمیوں کے ساتھ یثرب کی طرف روانہ ہو گئے اور وہاں سے مصر پہنچے، یہاں خانقاہ صالحیہ میں قیام کر کے امیر معین الدین کے لڑکے کی رہائی کی تدبیریں کیں، مگر کوئی صورت کارگر نہیں ہوئی، تو سلطان مصر کے دربار کے دروازہ پر پہنچے، حاجبوں نے پہلے روکا، مگر پھر اندر جانے کی اجازت دیدی، سلطان کو دیکھ کر سلام کیا، اور امین معین الدین کی امانت اس کے سامنے رکھ کر کھڑے ہو گئے، سلطان نے ان کو دیکھ کر محسوس کیا کہ وہ کوئی اعلیٰ پایہ کے بزرگ ہیں، چنانچہ اس نے ان کو عزت سے بٹھایا، اور جواہرات کی گٹھری کی طرف اشارہ کر کے پوچھا کہ اس میں کیا ہے، حضرت شیخ فخر الدین عراقی نے جواب دیا کہ یہ امانت ہے، سلطان نے اس کو کھولنے کا حکم دیا، اور بیش بہا جواہرات دیکھ کر متحیر ہوا مزید تفصیل پوچھی تو شیخ فخر الدین

---

[1] ہلاکو کے زمانہ سے ارغوں کی تخت نشینی (۶۸۳ھ) تک ایلخونیوں کے دیوانی معاملات کی نگرانی خواجہ شمس الدین کے سپرد تھی، دیکھو حواشی میخانہ ص ۵، [2] میخانہ کی مؤلف نے مولانا کیلئے یہ القاب استعمال کئے ہیں، سلطان المحققین امین الحق والدین، حامی ملت قدس رحمہما اللہ

عراقی نے ساری باتیں بتائیں، سلطان کو تعجب ہوا کہ انھوں نے جواہرات کو میرے سامنے لا کر تحفہ کے طور پر حاضر کر دیا ہے، اور اپنے لئے ان کو پسند نہیں کیا، شیخ کو نور باطن سے سلطان کے اس تعجب کا کشف ہو گیا، چنانچہ اسی وقت کلام پاک کی اس آیت **قل متاع الدنیا قلیل والاٰخرۃ خیرٌ لِمَنْ اتقٰی ولا تظلمون فتیلا** کی تفسیر بیان فرمائی، سلطان ان کی تقریر سے متاثر ہو کر اپنی مسند سے نیچے اتر آیا، اور شیخ کے سامنے مودب ہو کر بیٹھ گیا، اور ان کی باتیں سنتا رہا، اور ہر بات پر روتا تھا، کہا جاتا ہے کہ سلطان اس روز اتنا رویا کہ تمام عمر نہ رویا تھا، (میخانہ ص ۴۳)

اسی روز سلطان نے امیر معین الدین کے لڑکے کو قید سے رہا کرنے کا حکم جاری کیا، اور اس کے ساتھ بہت ہی لطف و کرم سے پیش آیا، غایتِ عقیدت میں اس نے حضرت شیخ فخر الدین عراقی کو سلطنت کا شیخ الشیوخ بنانے کا ارادہ ظاہر کیا، دوسرے دن اس منصب کے عطا کرنے کی تقریب میں تمام صوفیہ وعلماء اور اکابر سلطنت کو مدعو کیا، اس دعوت پر دربار میں چھ ہزار صوفیاء جمع ہوئے اور بڑے اعزاز کے ساتھ شیخ فخر الدین عراقی کو خلعت اور طیلسان پہنایا گیا، اس کے بعد ایک جلوس مرتب کیا گیا، جس میں صرف شیخ فخر الدینؒ عراقی گھوڑے پر سوار تھے، اور باقی تمام صوفیاء، علماء اور امراء ان کے رکاب میں پا پیادہ تھے، شیخ نے اپنی یہ عظمت اور توقیر دیکھی تو انھوں نے اپنے نفس کا استیلاء اور غلبہ محسوس کیا، اس لئے اضطراراً طیلسان اور دستار اتار کر گھوڑے کی زین کے آگے رکھ لی، کچھ دیر کھڑے رہ کر پھر دستار کو سر پر رکھ لیا، حاضرین یہ دیکھ کر ہنسے، اور آپس میں کہنے لگے کہ ایسا دیوانہ اور مسخرہ آدمی شیخ الشیوخ کے منصب کے لئے کیونکر موزوں ہو سکتا ہے، وزیر نے شیخ سے پوچھا یا شیخ **لما فعلت ھذا** (اے شیخ آپ نے ایسا کیوں کیا) شیخ نے جواب دیا، **وانت ما تعرف الحال** (آپ کو حال سے واقفیت نہیں) اور جب سلطان کو اس کی خبر ملی تو شیخ کو بلا کر اس واقعہ کے متعلق استفسار کیا، شیخ نے جواب دیا کہ

"نفس من بر من مستولی شدہ بود، اگر چنیں نہ کردمے خلاص نیافتمے، بلکہ در عقوبت بماندمے۔"

اس جواب کو سن کر سلطان کا اعتقاد اور بھی بڑھ گیا، اور شیخ کے وظیفہ میں مزید اضافہ کر دیا، مگر شیخ کی طبیعت کی بے قراری اور مزاج کی آشفتگی بدستور سابق قائم رہی، وہ بازاروں، سڑکوں اور گلیوں میں بلا تکلف گھومتے نظر آتے تھے، اور اس بے تکلفی میں ان سے بعض ایسی باتیں سرزد ہو جاتیں جو درویشی شیخیت کے لئے ناموزوں ہوتیں، پھر بھی ان سے لوگوں کی عقیدت مندی قائم رہی، سلطان نے حکم دے رکھا تھا کہ وہ اس کے پاس جس وقت بھی تشریف لانا چاہیں، ان کی مزاحمت نہ کی جائے، چنانچہ اگر وہ حرم یا خوابگاہ میں بھی ہوتا تو بھی فوراً قدمبوسی کے لئے حاضر ہو جاتا، کچھ روز کے بعد شیخ کی طبیعت مصر سے گھبرا گئی، تو دمشق کی طرف جانے کا قصد کیا، سلطان نے روکنا چاہا، مگر وہ اٹھ کھڑے ہوئے اس کے

بعد سلطان نے شام کے ملک الامراء کو ان کے استقبال اور پذیرائی کے لئے لکھا، چنانچہ اس نے تمام علماء ومشائخ کے ساتھ ان کا پرجوش خیر مقدم کیا، (میخانہ ص ۴۶)

وفات یہاں ان کے قیام کے چھ مہینے کے بعد ان کے فرزند شیخ کبیر الدین ہندوستان سے ملنے آئے، صاحبزادے کے آنے کے کچھ دنوں کے بعد ان کے چہرے پر دموی ورم ظاہر ہوا جس سے وہ پانچ روز تک نہ سو سکے، اور یہی عارضہ ان کے لئے مرض الموت ثابت ہوا، موت کے وقت شیخ کبیر الدین کو پاس بلایا، اور یہ آیت پڑھی،

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيهِ وَاُمِّهِ وَاَبِيهِ وَصَاحِبَتِهِ وبنيه لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَانٌ يُّغْنِيهِ (عبس)

جس روز ایسا آدمی اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اپنی اولاد سے بھاگے گا ان میں ہر شخص کو ایسا مشغلہ ہوگا جو اس کو اور طرف متوجہ نہ ہونے دے گا۔

پھر یہ رباعی کہی،

در سابقہ چوں قرار عالم دادند | مانا کہ نہ بر مراد آدم دادند
زاں قاعدہ[1] و قرار کانر وز افتاد | نہ بیش بکس وعدہ و نہ کم دادند

اس کے بعد کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے عالم جاودانی کو سدھارے، وفات کے بعد سن شریف اٹھاسی سال[2] تھا، میخانہ اور نفحات الانس میں سال وفات ۶۸۸ھ ہے، تاریخ گزیدہ، میں ۶۸۶ھ اور تذکرہ دولت شاہ میں ۷۰۹ھ مرقوم ہے، مگر اوّل الذکر سنہ ہی صحیح سمجھا گیا[3]، ان کے مزار مبارک کے متعلق نفحات الانس میں ہے۔

''وقبر وے در تقائے مرقد شیخ محی الدین بن العربی است قدس اللہ تعالیٰ روحہما در صالحیہ دمشق وقبر فرزند وے کبیر الدین در پہلوئے قبر وے رحمہ اللہ تعالیٰ۔''

تذکرہ دولت شاہ میں ہے،

''و مرقد مبارکش در جبل صالحیہ است و در قدم حضرت قدوۃ العارفین شیخ الشیوخ العالم ہادی الخلائق والامام شیخ محی الدین بن العربی قدس اللہ سرہ العزیز آسودہ است[4]۔''

سیر العارفین میں ہے:۔

''قبر ان کی برابر مزا شیخ محی الدین ابن عربی کے ہے، چنانچہ یہ فقیر جمالی بھی وہاں

---

[1] مراۃ الخیال
ہر قاعدہ و قرار کانروز افتاد | نے بیش بکس ز وعد نے کم دادند

[2] تذکرہ دولت شاہ میں بیاسی سال مرقوم ہے، [3] دیکھو حواشی میخانہ ص ۶۷ نیز مراۃ الخیال ص ۶۴ و مراۃ الاسرار قلمی نسخہ دار المصنفین

[4] تذکرہ دولت شاہ ص ۲۱۲

جا کر زیارت سے فیضیاب ہوا ہے، محلہ مشہور صالحیہ، دمشق میں مزاران کا واقع ہے، اور اس دیار کے زائر دونوں مزاروں کی نسبت الفاظ سے یوں کرتے ہیں کہ ہذا بحر العرب یعنی یہ قبر شیخ محی الدین عربی کی سمندر پر فیض عرب شریف کا ہے، اور نسبت قبر شیخ مولانا فخر الدین کی کہتے ہیں، ہذا بحر العجم یعنی یہ سمندر عجم کا ہے، بڑا فیض پہنچانے والا، اور قبر شیخ اوحد الدین کرمانی کی بھی اسی متبرک جگہ پر ہے[1]۔"

سفینۃ الاولیاء میں ہے، (ص ۱۹۸)

"قبر ایشاں در قفائے قبر شیخ محی الدین العربی است در صالحیہ، دمشق۔"

تصانیف حضرت شیخ فخر الدین عراقی کی تصانیف میں لمعات کے علاوہ ایک مثنوی اور ایک دیوان بھی ہے، مثنوی کا نام برٹش میوزیم کے فارسی مخطوطات کی فہرست میں عشاق نامہ درج ہے[2]، میخانہ میں مثنوی کا نام مرقوم نہیں ہے، لیکن اس کا ذکر ان الفاظ میں ہے:۔

"مثنوی بہ طرز حدیقہ برشتۂ نظم در آوردہ، در آں میان غزل گوئی فرمودہ۔"

اور اسی کے ساتھ اس میں مثنوی کے کچھ اشعار بھی منقول ہیں، جو ہم ہدیہ ناظرین کرتے ہیں،

از عراقی سلام بر عشاق — آں جگر خستگانِ تیر فراق
محرمانِ سراچۂ قدسی — لوح خوانانِ سرِّ نہ کرسی
سالکانِ طریقۂ علیا — راہ دارانِ جادۂ سفلی
زندہ جاناں مردہ در غم یار — مست حالان وجان و دل ہشیار
بادشاہانِ تختِ روحانی — غوطہ خورانِ بحر نورانی
شاہ بازان در قفس ماندہ — پیش بیناں باز پسماندہ
از حدود وجود گم گشتہ — وز عقول و نفوس بگذشتہ
یکسے شان زدوست پروانہ — سوختہ چوں ز شمع پروانہ
ہمچو پروانہ زا اشتیاقِ رخش — خویشتن راافگندہ در آتش
درّہ دوست باز سر کردہ — ابجدِ عشق راز بر کردہ
چوں ز کتاب دہر جیفہ شدہ — بر سریر صفا خلیفہ شدہ
یار خود دیدہ در پسِ پردہ — تن بجاں ماندہ جاں فدا کردہ
مے نخوردہ شدہ بوئے مست — دوست نادیدہ دل بدادہ زدست
برہ یار منتظر ماندہ — نمکِ شوق بر دل افشاندہ

---

[1] سیر العارفین ص ۱۰۹ اور اردو ترجمہ جلد اول ۲۴-۲۵، [2] برٹش میوزیم کیٹلاگ فارسی مخطوطات ص ۵۹۴،

مار محنت کشیدہ چوں ایوب	زہر فرقت چشیدہ چوں یعوب
نظر جاں زجسم بگستہ	صدق میعاد باز دانستہ
کردہ از جان بسوی کویش روے	لیس فی جبتی سوے اللہ گورے
جان انا الحق زنان و تن بردار	فارغ از جنت و گذشتہ زنار
علم اتحاد بربستہ	لشکر آز و خشم بشکستہ
بن و بیخ خیال برکندہ	گشتہ آزاد ہمچناں بندہ

مولانا شبلی شعر العجم جلد پنجم (ص ۱۲۸) میں رقمطراز ہیں کہ شیخ عراقی کی ایک مثنوی کا نام وہ فصل ہے جوان کی نظر سے نہیں گذری، لیکن اس کے حسب ذیل چند اشعار ریاض العارفین سے نقل کئے ہیں:۔

از جمالت نمی شکیبد دل	می برد عقل و می فریبد دل
عاشقان تو پاکباز اند	صید عشق تو شاہ بازان اند
فارغی از درون صاحب درد	بکن اے دوست ہرچہ بتواں کرد
عشق و اوصاف کردگار یکے است	عاشقے وعشق وحسن یار یکے است

دیوان میں قصیدوں اور غزلوں کے ہزاروں اشعار ہیں، ان کے عارفانہ اشعار کی داد ہر زمانہ میں ملی ہے، ملا جامی نفحات الانس میں رقم طراز ہیں:۔

''وے صاحب کتاب لمعات ست و دیوان شعر وے مشہور است۔''

تذکرۂ دولت شاہ میں ہے:۔

''سخناں پر شور و عارفانہ دارد در وجد و حال بے نظیر عالم بودہ و موحدان و عارفان سخن اورا معتقدند۔'' (ص ۲۱۵)

سیر العارفین کے مؤلف کا بیان ہے،

''اور نیز اکثر قصائد و مدائح خوب و مرغوب اپنے پیر بے نظیر شیخ بہاء الدین زکریا قدس روحہ کی صفت و ثنا میں فخر الدین مرحوم نے لکھے ہیں (ص ۱۰۹ اور اردو ترجمہ جلد اول ص ۲۴۔۲۵)

مخزن الغرائب میں ہے،

''سخنان پر شور و عاشقانہ بسیار دے راست۔'' (قلمی نسخہ دار المصنفین)

ان کا دیوان چھپ گیا۔ ہے، غزلوں کے کچھ اشعار اور رباعیات ملاحظہ ہوں:۔

بیا اے دیدہ تا یکدم بگریم	نیم چوں خوش دل و خرم بگریم
گہے از درد بے درماں بنالیم	گے از زخم بے مرہم بگریم

نشد جان محرم اسرار جاناں براں محروم نا محرم بگریم
عراقی راکنوں ماتم بداریم براں مسکین دریں ماتم بگریم

چہ کردہ ام کہ دلم از فراق خوں کردی چہ افتاد کہ درد دلم فزوں کردی
ہمہ حدیث وفا و وصال می گفتی چہ عاشق تو شدم قصہ بازگوں کردی
بہ سوختی دل و جانم گداختی جگرم بہ آتش غمت از بسکہ آزموں کردی
سیاہ روے دو عالم شدم کہ در خم نقر گلیم بختِ عراقی سیاہ گوں کردی

دست از دل بے قرار شستم وا اندر سر زلفِ یار بستم
بیدل شدم و ز جاں بیک یار چوں طرۂ یار بر شکستم
گویند چگونہء؟ چہ گویم؟ ہستم زغمش چنانکہ ہستم
ساقی قدحے کہ از مے عشق چوں چشم خوش تو نیم مستم
درد ام بلا افتادہ بودم ہم طرۂ او گرفت دستم
شد نوبت خویشتن پرستی آمد کہ آنکہ مے پرستم
فارغ شوم از غم عراقی از زحمتِ او چو باز رستم
در میکدہ می کشم سبوے باشد کہ بیا بم از تو بوے

اے دوست الغیاث کہ جانم بسوختی فریاد کز فراق روا نم بسوختی
دانم کہ سوختی زغمِ عشق خود مرا لیکن ندانم اینکہ چانم بسوختی

رُباعی

گل صبحدم از بادِ برآشفت و بریخت با بادِ صبا حکایتے گفت و بریخت
بدعہدی عمر بیں کہ گل دردہ روز سر برزد و غنچہ کرد و بشگفت و بریخت

رُباعی

یا رب تو بخود مرا تونگر گرداں واز ہرچہ خبر از تست دلم برگرداں
آمیختہ شد مس و غل با نقدم آخر نظرے مس رازر گرداں

مولانا شبلی شعرالعجم (حصہ پنجم ص ۱۲۹) میں رقمطراز ہیں کہ شیخ عراقی اکثر وحدت وجود کے مسئلہ کو صاف تمثیلوں میں ادا کرتے ہیں، مثلاً

عشق شورے در نہاد ما نہاد جان مادر لوتہء سودا نہاد

گفتگوئے در زبانِ ما افگند　　جستجوئے در درونِ مانہاد
دمبدم در ہر لباسے رخ نمود　　لحظہ لحظہ پائے دیگر پا نہاد
بر مثالِ خویشتن حرفے نوشت　　نام آں حرف آدم و حوا نہاد
ہم بہ چشم خود جمال خود بدید　　تہمتے برچشم نا بینا نہاد

یہ غزل ان کی مشہور عام ہے، اور حال وقال کے جلسوں میں گائی جاتی ہے۔

بہ زمیں چو سجدہ کردم ززمیں ندا بر آمد　　کہ مرا خراب کر دی تو بہ سجدۂ ریائی
جو براہ کعبہ رفتم بہ حرم رہم ندادند　　کہ برونِ درچہ کردی کہ درونِ خانہ آئی

ان کے ایک ترجیع بند کے دو بند کے نمونے بھی ملاحظہ ہوں:۔

در میکدہ با حریفِ قلاش　　بنشین و شراب نوش و خوش باش
از خطِ خوش نگار برخواں　　سردو جہاں ولی مکن فاش
برنقش و نگار رفتہ گشتم　　زاں روی نمی رسم بنقاش
تابا خودم از خودم خبر نیست　　وبا خود نفسنی بنودے کاش
مخمور میم بیار ساقی　　نقل ولی ازاں لبِ شکر پاش
درصو معہا چوی نگنجد　　دردی کش و می پرست و قلاش
من نیز تبرک زہد گفتم　　آہنگ شب و روز ہمچو اوباش

در میکدہ می کشم سبوئی
باشد کہ بیابم از تو بوئی

اے روی تو شمعِ مجلس افروز　　سودائے تو آتشِ جگر سوز
رخسار خوشِ تو عاشقاں را　　بہتر از ہزار عید و نو روز
بکشای لبت بخندہ نیمای　　از لعل تو گوہر شب افروز
زنہار ازاں دو چشم مستت　　فریاد ازاں دو زلف کیں توز
چوں زلف تو کژ مباد باما　　از قد تو راستی بیا موز
ساقی بدہ آں می طرب را　　بستان زمن ایں دلِ غم آموز
آں رفت کہ رفتمی بمسجد　　اکنوں چوں قلندر شب و روز

در میکدہ می کشم سبوے
باشد کہ بیابم از تو بوے[1]

---

[1] میخانہ ص ۴۹-۵۰

حضرت شیخ امیر حسینیؒ

نام و وطن

حضرت شیخ امیر حسینی کا اسم گرامی نفحات الانس[1] میں حسین بن عالم بن ابی الحسین، تذکرۂ دولت شاہ[2] میں حسین بن عالم بن الحسن الحسینی، تاریخ فرشتہ میں صرف امیر حسین بن نجم الدین[3] شاہ اودھ کے کتب خانہ کی فہرست میں امیر کبیر الدین حسینی بن عالم بن ابوالحسین حسینی[4] ہے، مگر سیر العارفین میں پورا نام شیخ صدر الدین احمد بن نجم الدین المعروف بہ سید حسین[5] ہے، معلوم نہیں سیر العارفین کے مؤلف نے اتنے مختلف نام کیوں تحریر کئے ہیں، ممکن ہے، یہ القاب ہوں، وہ غور کے ایک گاؤں کزیو کے رہنے والے تھے[6]، پھر بعد میں ہرات میں سکونت پذیر ہو گئے تھے، اس لئے نام کے ساتھ ہروی بھی پایا جاتا ہے۔

بیعت

تذکرۂ دولت شاہ اور آتش کدہ میں ہے کہ وہ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کے مرید تھے، لیکن یہ صحیح نہیں۔

نفحات الانس میں ہے:۔

> ''از کتاب دے کنز الرموز چناں متبادر می شود کہ دی مرید شیخ بہاء الدین زکریا است[7]''

اگرچہ اس کے بعد نفحات الانس کے مؤلف ملا عبدالرحمٰن جامی یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ بعض کتابوں میں یہ بھی پایا جاتا ہے کہ حضرت امیر حسینی، شیخ ابوالفتح رکن الدین بن شیخ صدر الدین بن شیخ بہاء الدین زکریاؒ کے مرید تھے، مگر اس سلسلہ میں سیر العارفین کے مؤلف کا بیان واضح ہے، شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر میں ہے کہ

> ''ایک مرید منجملہ مریدان صادق العمل و القول کے شیخ صدر الدین احمد بن نجم الدین ہروی بھی ہیں، جو سید حسین کے نام سے بھی مشہور و معروف ہیں، ان کی تصنیفات نثر و نظم میں بکثرت مقبول و مشہور عام و خاص ہیں، نثر میں نزہت الارواح اور طرب

---

[1] نفحات الانس قلمی نسخہ دارالمصنفین، [2] تذکرہ دولت شاہ ص ۲۲۲، [3] تاریخ فرشتہ ج ۲ ص ۴۰۶، [4] کیٹلاگ ہذا ص ۴۳،
[5] سیر العارفین ج ا ص ۲۵، [6] لطائف اشرفی ص ۳۶۶، [7] ایضاً، لطائف اشرفی میں یہ بھی ہے کہ حضرت قدوۃ الکبری می فرمودند کہ از بعض مردم ملتان، چناں استماع افتاد کہ حضرت میر حسینی زا نیز حضرت شیخ یک دختر خود در العقد نکاح در آوردہ اند،

المجالس اور نظم میں زاد المسافرین اور کنز الرموز بمقام متبرک ملتان شیخ بہاء الدین کی خدمت میں رہ کر وہیں تصنیف کیں، اور شیخ بہاء الدین نے کتب مذکورہ کا مطالعہ بغور فرما کر مصنف کے تحسین و آفرین کی، اور وہ سوالات بھی جو شیخ محمود شوستری سے کئے گئے تھے، اور شوستری مرحوم نے ان کے جوابات میں نسخہء گلشن راز تصنیف کیا، سید حسین کی تصنیف میں سے ہیں، چنانچہ اپنے زمانہ میں نواحِ خراسان میں علم و معرفت و طریقہء درویشی میں سید صاحب بے نظیر و بے ہمتا گذرے ہیں، اور ریاضت عظیم فرماتے تھے، اوّل مرتبہ ملتان میں اپنے پدر بزرگوار سید نجم الدین رحمتہ اللہ علیہ کے ہمراہ برسبیل تجارت آئے تھے، اور بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں فیضیاب ہوئے، لیکن بوجہ زعم علم و کمال مرید نہ ہوئے تھے، مگر وفات پدر بزرگوار دفعتہً ترک تعلق دنیائے دنی کر کے آزادی اور خداطلبی اختیار کی اور اپنا تمام مال و اسباب فی سبیل اللہ مساکین و فقراء پر ایثار کر کے ملتان آئے، اور بصدق عقیدت شیخ بہاء الدین زکریا قدس اللہ روحہٗ کے مرید ہو گئے، اور تین برس تک رہ کر پیر کی خدمت میں رہ کر بڑی بڑی ریاضتیں کر کے کمالات و کرامات سے مالا مال ہو گئے، مزار متبرک سید صاحب کے موضع ہری میں واقع ہے، اس دیار کے لوگ اُن کی زیارت کے واسطے دوشنبہ کے دن جایا کرتے ہیں، حق یہ ہے کہ مرقد منور اُن کے زائروں کے جسم بے جان میں روحِ تازہ بخشتا ہے، عجب دلکشا اور جانفزا مقام ہے، جن ایام میں یہ ضعیف جمالی مقام ہری میں پہنچا تھا، اس وقت مولانا عبدالرحمٰن جامی، اور مولانا عبدالغفور قدس اللہ سرہ العزیز بھی سید صاحب کی زیارت کے واسطے تشریف لائے تھے، بعد حصول زیارت ہم سب نے مل کر نماز ظہر و عصر کی اس جگہ پر ادا کی تھی، اور بہت کچھ فیض حاصل کیا تھا[1]"

وفات نفحات الانس میں ہے کہ حضرت امیر حسینی نے ۱۶ رشوال ۷۱۸ھ میں وفات پائی، تذکرۂ دولت شاہ میں سال وفات ۷۱۹ھ ہے، لیکن اودھ کے کتب خانہ کے کیٹلاگ اسپرنگر کا بیان ہے کہ ان کی تصنیف زاد المسافرین میں حسب ذیل شعر درج ہے،

در ہفت صدو بست و نہ ز ہجرت
گشت آخر ایں کتاب ختمت[2]

اس لحاظ سے وہ ۷۲۹ھ تک بقید حیات تھے، ان کے علمی تبحر کے ان کے معاصرین بھی معترف تھے، چنانچہ ان کے ظاہر و باطنی علوم کی وجہ سے شیخ فخر الدین عراقیؒ اور شیخ اوحدیؒ ان کو بہت عزیز رکھتے

[1] سیر العارفین اردو ترجمہ ج اص ۲۶ فارسی ص ۱۱۰، [2] فہرست کتب خانہ شاہ اودھ ص ۴۳۰،

تھے[1]۔

تذکرۂ دولت شاہ میں ان کی مدح سرائی ان الفاظ میں کی گئی ہے،

''سالک مسالک دین و عارف اسرار یقین است و در کشف رموز حقایق و دقائق کنز معانی بودہ و در فضیلت و علوم جنید ثانی، خاطر پُر نور او گلشن راز و طوطی نطق او عندالیت خوش آواز، (ص۲۲۲)

تصانیف اُن کی تصانیف حسب ذیل ہیں:۔

(۱) نزہت الارواح (۲) الارواح (۳) صراط مستقیم (۴) طرب المجالس (۵) زاد المسافرین (۶) کنز الرموز (۷) سوالات و گلشنِ راز (۸) دیوان، یہ تمام کتابیں غیر مطبوعہ ہیں، ان کے قلمی نسخے مختلف کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں[2]، امیر حسینی کے متعلق مولانا عبدالرحمٰن جامی رقمطراز ہیں:۔

''مرا دراد یوان اشعار است بغایت لطیف[3]''

میری نظر سے مذکورۂ بالا کتابیں نہیں گذری ہیں، لیکن کتب خانوں کی مختلف فہرستوں میں اُن پر جو تبصرہ ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان تمام تصنیفات کا موضوع معرفت اور سلوک و طریقت ہے۔

نزہتہ الارواح کے متعلق لطائف اشرفی میں ہے:۔

''لمعات حضرت فخر الدین عراقی و نزہتہ الارواح حضرت امیر حسینی بشرف نظر شیخ (یعنی حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی) در آوروند، فرمودند کہ لمعات بہ نسبت خاص واقع شدہ، و نزہتہ الارواح ہم خاص و ہم عام بہ حیثیت خود بہرہ برد اما لمعات لمعہ دیگر دارد (ص ۳۶۷)

زاد المسافرین کے متعلق ہم جو کچھ معلومات فراہم کر سکے ہیں ان کو ہم ہدیہء ناظرین کرتے ہیں[4]۔

مثنوی کا آغاز حمد باری تعالیٰ شانہٗ سے ہوتا ہے، پروردگارِ عالم کی نعمتوں اور رحمتوں کا اعتراف کرتے ہوئے دنیاداروں کو خطاب اس طرح کیا جاتا ہے۔

بشنو پسرا بیانِ حالت علم وجد لست قیل و قالت
علمے کہ خدائے داں شوی تو اینست کجا ہمی دوی تو

---

[1] تذکرۂ دولت شاہ ص۲۲۴، [2] مثلاً دیکھو کیٹلاگ فارسی مخطوطات برٹش میوزیم ج ا ص ۴۰، ج ۲ ص ۶۰۸ فہرست کتب خانہ شاہ اودھ ص ۴۳۰، [3] نفحات الانس قلمی نسخہ دار المصنفین، [4] راقم الحروف کا ایک مضمون ''حضرت امیر حسینی'' پر جنوری ۴۶ء کے معارف میں شائع ہوا تھا، اس کی اشاعت پر بزرگ محترم جناب سید مقبول احمد صاحب صمدنی نے حضرت امیر حسینی کی تصنیف ''زاد المسافرین'' پر ایک مختصر لیکن مفید مقالہ دسمبر ۴۶ء کے معارف میں تحریر فرمایا ہے، ہم اس مقالہ کے بعض ضروری اجزاء اس کتاب میں شامل کرتے ہیں۔

آں علم طلب کہ باتو ماند وآں دم کہ ترا ز نو رہاند
آں علم فریضہ تانہ خوانی تحقیق صفاتِ حق نہ دانی
اے طبع و ہوا معلّم تو تا کہ لم و لا نسلّم تو
خود را بگذرت کردہ گرم آخرز خدا نیایدت شرم
از خود بخدا مرد بتاویل تشبیہ مکن بوجہ تسیل
زنہار بحجت قیاسی غرہ نشوی بحق شناسی

اس کے بعد مقالات شروع ہو جاتے ہیں جن میں جا بجا متعدد حکایات بھی ہیں، پہلا مقالہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کی تنزیہ وتقدیس اور سالک کو ریاضت ومجاہدہ کی تلقین وتشویق میں ہے، اس میں بھی خطیبانہ رنگ اور واعظانہ انداز بیان قائم ہے، فرماتے ہیں۔

ہندو کہ ہمیشہ بت پرستد ہر صبح و عادت می فرستد
جز ذکر تو نیست درز بانش زنار وفاست در میانش
ایں جملہ زدین و ملت خویش جز تیر غمت ندیدہ در کیش

دوسرے مقالہ میں فضیلت وشرف انسانی پر بحث ہے، اس میں فارسی زبان کی سلاست ولطافت کے ساتھ ساتھ بعض غیر معمولی عربی الفاظ یا نامانوس کلمے بھی کہیں کہیں آ گئے ہیں، اس کی پہلی حکایت ملاحظہ ہو:۔

موسیٰ زمیٔ فراق مخمور مستانہ و دید برسرِ طور
گفت اے ز تو بود ہرچہ بودہ مارا بتوہم تو رہ نمودہ
گر نزد منی کجات جویم تابا تو حدیثِ خویش گویم
در دور تری بر آرم آواز باشد کہ بخود درم کنی باز
بشنو ز ہاتفے جوابے کے از تو بہ پیشِ تو نقابے
ایں جانے حوالہ نیست بگذار من باتوام از خودم طلب دا
افتادنِ مہرہ ہاشش در اینجا بود اے حریف بنگر
شلہانِ جہاں دریں خیالات برنطع غمند جملگی مات
از غایت قرب دور دور است ہر مرغ بہ دانہء صبور است
ایں آتش ما چگونہ میرد کیں درد دوا نمی پزیرد
یاد آرز خود کہ نیست یادت بے شرم کسے کہ شرم بادت

تیسرا مقالہ طریقت اور سلوک کی کیفیت میں ہے، چوتھا ارشاد ومعاملت پر ہے، اس میں کئی

حکایتیں ہیں، پانچویں مقالہ میں عشق اور اس کے مرتبہ کا بیان ہے، چھٹا مقالہ معرفتِ نفس انسانی اور اس کی صفت میں ہے، ساتویں میں معرفت کا بیان ہے اور اس کی تحقیق ہے، آٹھویں مقالہ کا عنوان ہے، ''در بیان حال شرف بادشرف می رسد۔'' یہ مقالہ اور مقالوں سے کچھ زیادہ طویل اور تمثیلات سے معمور ہے، اور اسی پر چند در چند مواعظ ونصائح ومخاطبات کے ساتھ مثنوی ختم ہو جاتی ہے، ارشاد ہوتا ہے:۔

دریست گراں بہا کہ سفتم	دریاب کہ گفتنی بہ گفتم
ہمدستۂ گلبنِ یقین است	ہم توشۂ رہ روانِ دین است
از بس کہ فشاند بحر من در	شدد امنِ آخر الزماں پُر
ایں گلشکرے کہ من سرشتم	در ہشت مقالتش بنشتم
شمع است کہ از دلم برا فروخت	ہفتا دو ہزار پردہ را سوخت
یک نکتہ او کہ جاں کند شاد	بردل در ہشت باغ بکشاد
آنکس کہ بیافت اند کے بولے	دانست کہ چوں شگافتم موے
تاجست سرانِ نامور را	نہ پارہ و مست کون خررا
چوں اہل خرد بہرد یارے	زیں تحفہ برند یاد گارے
ایں نور بہر طرف کہ تابد	یعنی کہ قبول ہر کہ یابد
زیں گنج کہ رایگاں کشادم	وارد بدعائے خیر یادم
در ہفصد و بیست و نہ ہجرت	گشت آخر ایں کتاب تمت

اس مثنوی میں ۱۴۵۶ اشعار ہیں، اس کی مقبولیت اور اہمیت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس کا ایک بڑا حصہ، تذکرۂ دولت شاہ اور آتش کدہ میں بھی ہے، جس کو ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

ایں طرفہ حکایتیست نبگر	روزے مگر از قضا سکندر[1]
می رفت و ہمہ سپاہ با او	صد[2] حشمت و مال و جاہ با او
ناگہ بخرابۂ گذر کرد،	پیرے ز خرابہ سر بدر کرد
پیرے کہ نہ کہ آفتاب پر نور	در چشم سکندر آمد از دور
پرسید کہ ایں چہ شاید آخر	ایں کیست کہ می نماید آخر
در گوشۂ ایں مغاک دلگیر	بیہودہ نہ باشد ایں چنیں پیر
چوں راند بداں مغاک چوں گور[3]	پیر از سر وقت خود نہ شد دور

---

[1] آتش کدہ میں یہ مصرع اس طرح ہے، ع
روزے ز قضا مگر سکندر

[2] آتش کدہ آں حشمت، [3] آتش کدہ آمد براں مغاک پر نور،

چوں باز نہ کرد سوے او چشم | پر سید سکندرش بصد خشم
گفت اے شدہ غول ایں گذر گاہ | غافل چہ نشستہ، دریں راہ
بہرچہ نکردی احترام | آخر نہ سکندرست نامم
دانی کہ منم بہ بخت فیروز | پشت ہمہ روے عالم امروز
دریا دل و آفتاب رائم | فرق فلکست زیر پائم
پیر از سر وقت بانگ برزو | گفت ایں ہمہ نیم جو نیر زد
نہ پشت نہ روے عالمی تو | یکدانہ زکشتِ آدمی تو
دوراں فلک کہ بیشمار است | ہر ساعتش از تو صد ہزار ست
نہ غول و غافلم دریں کوئے | ہشیار ترا ز توام بہ صدر ری
از روز پسیں چو آگہم من | چوں منتظر آں دریں رہم من
غافل توئی کز برائے پیشی | مغرور دو روزہ عمر خویشی
چوں آخر کار ہا جدائیست | باخلق مراچہ آشنائیست[1]
در بندۂ من کہ حرص و آزند | بر تو ہمہ روز سرفرازند
بامن چہ برابری کنی تو | چوں بندۂ بندۂ منی تو
گریاں شدازیں سخن سکندر | بفگند کلاہِ شاہی آذر
از خجلتِ خود نفیر می زد | سر برکف پائے پیر می زد
پیر از سر حال رہ نمودش | کاندر ہمہ وقت یاد بودش

آتش کدہ میں کچھ اور اشعار بھی منقول ہیں، مثلاً

بخدا کہ درد مندم زغمِ فراق یارا | نہ خلاف گوید آنکس کہ حکم کند خدارا

اے سایہ تو مرد صحبت نورنۂ | رو ماتم خود گیر کزیں سورنۂ
اندیشۂ وصل آفتابت نرسد | می ساز بایں قدر کز اود ورنۂ[2]

کنزالرموز میں امیر حسینی نے حضرت شیخ بہاءالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے فرزند ارجمند شیخ صدرالدین کی مدح میں جو اشعار کہے ہیں ان میں سے کچھ یہاں نقل کیے جاتے ہیں،

شیخ ہفت اقلیم قطبِ اولیاء | واصلِ حضرت ندیمِ کبریا
مفخر ملت بہاے شرع و دین | جانِ پاکش منبعِ صدق و یقین

---

[1] یہ شعر تذکرۂ دولت شاہ میں نہیں ہے۔ [2] آتش کدہ ص ۲۱۔

از وجود او بہ نزد دوستاں ` جنت الماوئ شدہ ہندوستان
منکہ رو از نیک راز بد تافتم ایں سعادت از قبولش یافتم
رخت ہستی چوں بروں پر ازمیاں کرد پرواز ہما بر آشیاں
آں بلند آوازۂ عالم پناہ سر در عصر افتخار صدر گاہ
صدر دین و دولت آں مقبولِ حق نہ فلک برخوانِ جودش یک طبق[1]

---

[1] نفحات الانس قلمی نسخہ دارالمصنفین و فرشتہ جلد دوم ص ۴۰۶،

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء
محبوب الٰہی

اسم گرامی والقاب اسم گرامی محمد، القاب محبوب الٰہی، سلطان المشائخ، سلطان الاولیاء، سلطان السلاطین اور نظام الدین اولیاء تھے۔

نسب نامہ سید محمد بن سید احمد بن سید علی بن سید عبداللہ خلمی بن سید حسن خلمی بن سید علی مشہدی بن سید احمد مشہدی بن سید ابی عبداللہ بن سید علی اصغر بن سید جعفر ثانی ابن امام علی ہادی نقی بن امام محمد تقی بن امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام علی زین العابدین بن سیدنا امام حسین بن سیدنا امیر المومنین حضرت علی مرتضٰی علیہم السلام،

ان کے دادا سید علی اور نانا سید عرب ہم جد تھے۔

پیدائش حضرت شیخ نظام الدینؒ کا خاندان بخارا سے ہجرت کر کے لاہور آیا، پھر وہاں سے بدایوں میں سکونت پذیر ہوا، اور اسی شہر میں ماہ صفر ۶۳۴ھ میں حضرت شیخ نظام الدینؒ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

ابتدائی تعلیم جب پانچ سال کے ہوئے تو والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا، اس لئے اپنی والدہ ماجدہ کے زیر تربیت پرورش پائی جو بڑی عابدہ وزاہدہ تھیں، ان کی بزرگی اور کرامت کے واقعات سیر الاولیاء (مولفہ، سید محمد مبارک امیر خورد) میں درج ہیں۔

حضرت شیخ نظام الدین کی ابتدائی تعلیم بدایوں میں ہوئی یہیں مولانا علاء الدین اصولی سے قدوری ختم کی، جنھوں نے دستار فضیلت باندھنے کی تقریب میں علماء ومشائخ کو مدعو کیا، دستار فضیلت باندھتے وقت بعض بزرگوں نے یہ پیشن گوئی کی کہ "ایں بزرگ خواہد شد[1]"

مزید تعلیم کیلئے اپنی والدہ کے ساتھ دہلی گئے، جو اس وقت علماء وفضلاء کا گہوارہ بنا ہوا تھا، ان میں فضل وکمال کے اعتبار سے مولانا شمس الدین خوارزمی بہت ممتاز تھے، بلبن ان کا بیحد قدردان تھا، چنانچہ اپنی بادشاہت کے زمانہ میں اس نے ان کو شمس الملک کا خطاب دیا، اور "مستوفی ممالک" کے عہدہ پر

---

[1] خیر المجالس، علی گڑھ اڈیشن ص ۱۹۱

مامور کیا، اس زمانہ کے مشہور شاعر تاج الدین سنگریزہ نے ان کی مدح میں ایک قصیدہ بھی کہا تھا، جس کا ایک شعر یہ ہے۔

شمشاد کنوں، کامِ دل دوستاں شدے
مستوفی ممالک ہندوستان شدے[1]

اس عہدہ سے پہلے درس وتدریس کے لئے مشہور تھے، اس لئے حضرت شیخ نظام الدینؒ نے ان کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا، مولانا شمس الدین خوارزمی نے بھی ان کی طرف غیر معمولی توجہ کی، اور عزیز شاگردوں کو اپنے حجرہ میں بلا کر درس دیا کرتے تھے، چنانچہ یہ شرف ان کے تین شاگردوں، قطب الدین ناقلہ، برہان الدین عبدالباقی اور حضرت شیخ نظام الدینؒ کو حاصل تھا، مولانا شمس الدین خوارزمی کا کوئی شاگرد جب درس سے غائب ہوتا، اور جب وہ آتا تو اس سے مذاقاً پوچھتے کہ میں نے تمہاری کیا خطا کی تھی جو تم درس میں حاضر نہ ہوئے، بتا دو تا کہ میں پھر وہی قصور کروں اور تم آئندہ بھی حاضر نہ ہوسکو، لیکن جب حضرت نظام الدینؒ کا ناغہ ہو جاتا، اور استاد کی خدمت میں پہنچتے تو ان کو دیکھ کر یہ شعر پڑھتے،

آخر کم از آنکہ گاہ گاہے
آئی و بما کنی نگاہے[2]

حضرت شیخ نظام الدینؒ نے مولانا شمس الدین سے حریری کے چالیس مقامات پڑھے، اس کے بعد مولانا کمال الدین زاہد سے مشارق الانوار کا درس لیا ہے، مولانا کمال الدین اپنے عہد کے جید عالم اور بڑے متقی اور متدین بزرگ تھے، سلطان بلبن نے ان کے تقویٰ، دیانت اور کمال علم کی شہرت سن کر ان کو اپنے پاس بلایا، اور کہا کہ اگر آپ میری نمازوں کی امامت قبول کریں تو کیا عجب کہ اس امامت کی برکت سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں میری نمازیں قبول ہوں، لیکن مولانا کمال الدین نے بڑی بے نیازی سے سلطان کو جواب دیا کہ میرے پاس نماز کے سوا اور کوئی چیز نہیں، آپ اس کو بھی چھین لینا چاہتے ہیں، سلطان اس جواب کو سن کر خاموش ہو گیا اور معذرت کر کے مولانا کو واپس کیا، حضرت شیخ نظام الدینؒ نے انہی سے حدیث پڑھی، اور اس علم میں بڑا پایہ حاصل کیا، حافظ کلام پاک بھی تھے، تحصیل علوم وفنون کا شغل برابر جاری رکھا، اپنے مرشد حضرت شیخ العالم بابا گنج شکرؒ سے عوارف المعارف اور تمہید ابوشکور سالمی پڑھی[3]، چنانچہ ان کا شمار متبحر علما میں ہوتا تھا، ان کے مریدان ان کے تبحر علمی سے بھی استفادہ کرتے تھے، اسی لئے ان کی خانقاہ میں رشد وہدایت کے ساتھ درس وتدریس کا بھی سلسلہ رہتا تھا، اور اس سلسلہ کو جاری رکھنے کے لئے ان کے مرشد کی بھی ہدایت تھی۔

کشش مرشد | حضرت شیخ نظام الدینؒ دہلی میں ہلال طشت دار کی مسجد کے نیچے ایک حجرہ میں رہتے

[1] سیر العارفین ص ۶۰، [2] فوائد الفواد ص ۶۸، [3] سیر الاولیاء ص ۱۰۱ تا ۱۰۶

تھے، اس سے قریب ہی بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے چھوٹے بھائی شیخ نجیب الدین متوکلؒ کا مکان تھا، جو ظاہری و باطنی علوم سے بہرہ ور تھے، ان کی صحبت میں حضرت شیخ نظام الدینؒ کے دل میں بابا گنج شکرؒ کی ملاقات اور دیدار کا شوق پیدا ہوا، ایک رات شہر کی جامع مسجد میں مقیم تھے، صبح کے وقت موذن نے منارہ پر چڑھ کر یہ آیت پڑھی،

الم یان للذین امنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللّٰہ، (حدید۔۲)

کیا اس کا وقت نہیں آیا کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کے دل اللہ کے ذکر سے اس کی خشیت سے جھک جائیں،

اس کو سن کر ان پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی، اور بابا گنج شکرؒ کی زیارت کو اٹھ کھڑے ہوئے، اور جب اجودھن پہنچے تو بابا صاحب نے ان کو دیکھ کر یہ شعر پڑھا،

اے آتشِ فراقت دلہا کباب کردہ
سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

اور اسی روز حلقہء ارادت میں داخل کر لیا، بابا صاحب کی خانقاہ میں اور تمام مریدین زمین پر سویا کرتے تھے، لیکن ان کے لئے بابا صاحب کے حکم سے ایک کھاٹ کا انتظام ہوا، وہ اس پر سونا نہیں چاہتے تھے کہ حافظانِ کلام ربانی اور عاشقانِ درگاہِ رحمانی تو زمین پر رہیں، اور وہ کھاٹ پر آرام کریں، لیکن مرشد کا حکم تھا، اس لئے عدول حکمی بھی نہیں کی[1]،

حضرت شیخ نظام الدینؒ اپنے پیر دستگیر کی صحبت میں ۱۵/ رجب ۶۵۵ھ سے ۳/ ربیع الاول ۶۵۶ھ تک تعلیم و تربیت پاتے رہے، ان سے کلام پاک کے چھ پارے عوارف المعارف کے پانچ ابواب کے علاوہ ابوشکور سالمی کی تمہید المبتدی بھی پڑھی، ان کے مرشد جب ان کو عوارف المعارف پڑھاتے تو ان کو بڑی لذت محسوس ہوتی،

فوائد الفواد میں فرماتے ہیں،

''میں نے عوارف کے پانچ باب شیخ کبیر فرید الدینؒ سے پڑھے، ان کا ایسا بیان ہوتا کہ پھر ایسا بیان کسی اور سے نہ سنا گیا، اس بیان کے موقع پر ایسا ذوق طاری ہو جاتا کہ سننے والے کی تمنا ہوتی کہ اس بیان کے موقع پر موت آ جاتی تو خوب ہوتا۔'' (ص ۵۷)

بابا گنج شکرؒ کی خانقاہ میں تمام درویشوں کی زندگی بڑی عسرت، تنگی اور فاقہ میں گزرتی تھی، مولانا بدر الدین اسحٰق لنگر خانہ کے لئے ایندھن کی لکڑیاں لاتے، شیخ جمال الدین ہانسوی جنگل جا کر ویلہ لایا کرتے، یہ ایک قسم کا پھل تھا، جس کا عام طور سے نمک اور سرکہ ملا کر اچار بناتے تھے، حسام الدین کابلی

---

[1] سیر الاولیاء ص ۱۰۶ فرشتہ ج ۲ ص ۳۹۲ وخزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۳۲۹،

پانی بھر کر لاتے اور باورچی خانہ کے برتن دھویا کرتے، حضرت نظام الدینؒ دیلوں کے پکانے کی خدمت اپنے ذمہ لیتے، دیلے میں ڈالنے کے لئے نمک کبھی میسر ہوتا، کبھی نہیں، جب کہیں سے کوئی غیبی مدد مل جاتی، تو پڑوس کے بقال کے یہاں سے مسالہ خرید لیا جاتا، ایک روز نمک نہ تھا، حضرت شیخ نظام الدینؒ نے مرشد کی خاطر ایک درم کا نمک بقال سے ادھار لے لیا، اور دیلہ پکا کر مرشد اور درویشوں کے سامنے لے گئے، مولانا بدرالدین اسحٰق، شیخ جمال الدین ہانسوی اور حضرت شیخ نظام الدینؒ ایک ہی پیالہ میں ساتھ کھاتے تھے، جب بابا گنج شکر نے لقمہ اٹھانے کے لئے پیالہ میں ہاتھ ڈالا، تو ہاتھ میں گرانی محسوس ہوئی اور لقمہ اٹھا نہ سکے، فرمایا کہ "ازیں بوے اسراف می آید۔" اور پوچھا کہ نمک کہاں سے لاکر ڈالا گیا ہے، حضرت شیخ نظام الدینؒ نے لرزہ براندام ہو کر عرض کیا قرض کا ہے بابا گنج شکرؒ نے فرمایا کہ درویشوں کو فاقہ سے موت آ جائے تو اس سے بہتر ہے کہ لذت نفسانی کے لئے وہ مقروض ہوں، قرض اور توکل میں بعد المشرقین ہے، اگر کسی مقروض درویش کو اچانک موت آ جائے، تو قیامت میں اس کی گردن قرض کے بارے سے جھکی رہے گی، یہ کہہ کر پیالوں کو غرباء میں تقسیم کر دینے کا حکم دیا، حضرت شیخ نظام الدین کا خود بیان ہے کہ اسی وقت انھوں نے دل میں قرض لینے سے توبہ واستغفار کی، مرید کی اس توبہ کا کشف مرشد کو ہوا تو جس کملی پر بیٹھے تھے، اس کو عطا کر کے ارشاد فرمایا کہ انشاء اللہ آئندہ تم کو قرض کی ضرورت ہی نہ پڑے گی، اور جب شیخ نظام الدینؒ دہلی واپس ہونے لگے تو مرشد نے ان کو دو باتوں کی نصیحت فرمائی، ایک یہ کہ اگر کسی سے قرض لینا تو اس کو جلد ادا کرنے کی کوشش کرنا، دوسرے اپنے دشمنوں کو ہر حال میں خوش رکھنے کی سعی کرنا، چنانچہ جب حضرت نظام الدینؒ دہلی واپس آئے تو ایک عزیز کے پاس پہنچے، جس سے انھوں نے ایک کتاب مستعار لی تھی، اور وہ گم ہو گئی تھی، ان سے فرمایا کہ میری نیت صادق ہے، کاغذ مہیا کر کے آپ کی کتاب لکھ کر آپ کے حوالہ کروں گا، وہ عزیز یہ سن کر ایسے متاثر ہوئے کہ کتاب مذکور حضرت نظام الدینؒ کو بخش دی، وہاں سے حضرت نظام الدینؒ ایک بزاز کے پاس آئے، جس سے کسی وقت بیس جیتل کا کپڑا ادھار لیا تھا، دس جیتل دیکر بقیہ رقم بعد میں دینے کو کہا، بزاز نے دس جیتل تو لے لئے اور بقیہ دس حضرت نظام الدینؒ کے مرشد کی صحبت کی عمدہ تاثیر کی وجہ سے معاف کر دیئے[1]۔

دہلی سے تین بار مرشد سے فیوض و برکات حاصل کرنے کے لئے حضرت نظام الدین اجودھن تشریف لے گئے (فوائد الفواد ص ۴۲) ایک بار مرشد نے اپنے محبوب مرید کے لئے خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی کہ الٰہی نظام الدین جو تجھ سے مانگا کرے، اسے عطا فرمایا کر، یہ دعا قبول ہوئی، اسی لئے وہ محبوب الٰہی کہلائے[2]، آخری بار جب اجودھن مرشد سے ملنے گئے، تو واپسی کے وقت مرشد نے فرمایا

---

[1] سیر العارفین فارسی ص ۶۳، اردو ترجمہ ص ۱۲۱ و مراۃ الاسرار (قلمی نسخہ دار المصنفین) و مونس الارواح قلمی نسخہ [2] سیر العارفین ص ۶۳

کہ اللہ تعالیٰ تجھے نیک بخت بنائے، تم ایسے درخت ہو گے جس کے سایہ میں مخلوق آرام پائے گی، اور نصیحت کی کہ حصولِ استعداد کے لئے برابر مجاہدہ کرتے رہنا، (سیر الاولیاء ص ۱۱۷)

بابا گنج شکرؒ کا جب وصال ہوا تو محبوب الٰہی اجودھن میں نہ تھے، لیکن مرشد نے عصا اور خرقہ جو حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ سے ان کو ملا تھا، مولانا بدر الدین اسحٰق کی معرفت اپنے مرید کے پاس دہلی بھیجا، بابا گنج شکرؒ کے جلیل القدر اور عظیم المرتبت خلفاء میں تاج الاولیاء علاء الدین صابر بھی تھے، بابا گنج شکرؒ فرمایا کرتے تھے کہ

"علم سینہ من بہ شیخ نظام الدین اولیاء بدایونی رسید، وعلم دل من بہ شیخ علاء الدین علی احمد صابر فائز گردید[1]"

فقر و فاقہ

پہلی دفعہ جب اجودھن سے حضرت محبوب الٰہیؒ دہلی تشریف لائے تو شہر میں آبادی کی کثرت کی وجہ سے ان کو عبادت و ریاضت کے لئے کوئی پُرسکون جگہ نہ ملی، ان دنوں مرشد کی ہدایت کے بموجب کلام پاک حفظ کر رہے تھے، اس لئے جب شہر میں یکسوئی نہ ملتی تو جنگل جا کر حفظ کرتے، ایک روز قتلغ خاں کے حوض کے پاس ایک درویش سے ملاقات ہوئی، اس کی باتوں سے معلوم ہوا کہ شہر اس وقت فسق و فجور کا مرکز ہو رہا ہے، اس لئے یہاں کے قیام سے ایمان میں سلامتی اور عبادت و استقامت پیدا نہیں ہو سکتی ہے، اس گفتگو کے بعد حضرت محبوب الٰہی دہلی سے متصل ایک جگہ غیاث پور میں آکر مقیم ہوئے، شروع میں یہاں کے قیام کے زمانہ میں بڑی عسرت اور تنگی رہی، چنانچہ خود فرماتے ہیں، کہ اس زمانہ میں ایک من خربوزے دو جیتل کو ملتے تھے، لیکن ساری فصل گذری گئی، مگر میں ایک پھل بھی چکھ نہ سکا، اتفاقاً ایک روز ایک شخص کئی کر خربوزے اور کچھ روٹیاں میرے پاس لایا، جس کو میں نے اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی نعمت سمجھ کر لے لیا۔

اس زمانہ میں ایک جیتل میں دو سیر آٹا ملتا تھا، پھر بھی حضرت محبوب الٰہیؒ کے پاس اتنے دام نہ ہوتے تھے، کہ روٹی کے لئے آٹا خرید سکیں، کئی کئی روز کا فاقہ ہو جاتا، ایک بار مسلسل تین روز کا فاقہ ہو گیا، تو کسی نے دروازہ پر دستک دی، دروازہ کھولا گیا تو ایک شخص خشک کھچڑی دیکر غائب ہو گیا، حضرت محبوب الٰہی نے گرسنگی کی شدت میں اس کھچڑی کو کھا لیا، اور اس کو کھا کر جو لذت محسوس کی اُس کا ذکر آئندہ بار بار فرماتے تھے اور کہتے تھے کہ پھر کسی کھانے میں ایسی حلاوت محسوس نہیں ہوئی، جب گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہ ہوتی تھی تو ان کی والدہ ماجدہ کہا کرتیں کہ آج ہم لوگ خداوند تعالیٰ کے مہمان ہیں، حضرت محبوبؒ الٰہی کو اس جملہ سے بڑی لذت ملتی، اور جب ان کے گھر میں آذوقہ ہوتا تو وہ افسوس کرتے کہ ان کی والدہ ماجدہ یہ نہ کہہ سکیں گی کہ آج ہم لوگ اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں، حضرت محبوبؒ الٰہی کی عسرت کی خبر

---

[1] سیر الاقطاب ص ۱۷۸،

سلطان جلال الدین خلجی کو ملی تو ان کی خدمت میں یہ کہلا بھیجا کہ اگر وہ حکم دیں تو ان کے خدمت گذاروں کے لئے کچھ گاؤں نذر کیے جائیں، مگر حضرت محبوبؒ الٰہی کے فاقہ مست جان نثاروں نے ان سے عرض کیا کہ آپ کے یہاں ہم کبھی کبھی روٹی کھالیتے ہیں، لیکن یہ گاؤں قبول کر لئے گئے تو اس کے بعد ہم آپ کے یہاں پانی پینا بھی پسند نہ کریں گے، یہ جواب سن کر حضرت محبوبؒ الٰہی بے حد محظوظ ہوئے[1]۔

اسی زمانہ میں شیخ برہان الدین غریب اور شیخ کمال الدین یعقوب جو آگے چل کر حضرت محبوب الٰہی کے خلیفہ ہوئے، ان کی خدمت میں رہتے تھے، ایک روز چار روز کا مسلسل فاقہ ہو گیا، پڑوس کی ایک نیک بی بی نے جو حضرت محبوبؒ الٰہی سے بیعت بھی تھیں، کچھ آٹا بھیجا، شیخ کمال الدین یعقوب نے آٹے کو مٹی کے ایک برتن (دیگ سفالین) میں ڈال کر آگ پر چڑھا دیا، اسی وقت ایک دلق پوش درویش آ پہنچا، اور کچھ کھانے کے لیے مانگا، محبوب الٰہیؒ نے دیگ کو خود اپنے ہاتھوں سے اٹھا کر درویش کے سامنے رکھ دیا، اس نے دیگ سے کچھ گرم گرم لقمے منہ میں ڈالے، پھر دیگ کو اٹھا کر زمین پر پٹک دیا، اور یہ کہتا ہوا غائب ہو گیا۔

> ''شیخ فرید الدین گنج شکر نعمت باطن شیخ نظام الدین اولیاء ارزانی داشت دمن دیگ فقر ظاہری او شکستم، حالا سلطان ظاہری و باطنی شدی۔''

اس کے بعد حضرت محبوبؒ الٰہی کی عسرت اور تنگی جاتی رہی[2]، حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں،

> ''فتوحات کا یہ حال تھا کہ دولت کا دریا آگے دروازے کے بہتا تھا، کوئی وقت فتوحات سے خالی نہ ہوتا، صبح سے شام تک لوگ آتے بلکہ عشاء تک، مگر لینے والے لانے والوں سے زیادہ ہوا کرتے، اور جو کوئی کچھ لاتا، اس سے زیادہ حضرت کی عنایت سے پاتا، ایک بار ایک امیر سو تنکہ زر نذر کو لایا، آپ نے قبول نہ فرمایا، جب دیکھا کہ بہت رنجیدہ ہوتا ہے تو اس میں سے ایک تنکہ قبول کیا، باقی وہ پاس لئے ہوئے غمناک بیٹھا رہا، دل میں کہتا تھا، اگر حضرت شیخ سب قبول فرمادیں تو میری سعادت ہے، شیخ نے فرمایا میں نے سب اس لئے قبول نہیں کیا کہ تیرے کام آویں گے، لے جا، میرے پاس اور مال ہے پھر اس سے کہا الٹی طرف دیکھ اس نے نظر کی تو دیکھا تو انبار اشرفیوں کا لگا ہوا ہے سر قدموں پر رکھ کر جانے کو اٹھا، آپ نے اسے منع کیا کہ جو کچھ دیکھا ہے، اسے اور سے مت کہنا، وہ پوشیدہ نہ رکھ سکا، باہر آ کر یہ حال لوگوں سے بیان کر دیا'' (خیر المجالس اردو ترجمہ ص ۲۰۲، ترجمہ کی عبارت ہو بہو نقل کر دی گئی ہے)

---

[1] سیر الاولیاء ص ۱۱۳۔۱۱۴، [2] ایضاً ص ۱۱۳، ۱۱۵ و فرشتہ ج ۲ ص ۳۹۲ و خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۳۳۰،

خلوت در انجمن اسی زمانہ میں سلطان معز الدین کیقباد نے غیاث پور کے پاس کیلوکھڑی میں ایک محل بنوایا، اور ایک شہر آباد کیا، جس میں ایک جامع مسجد بھی بنوائی، اس لئے لوگوں کے ہجوم سے حضرت محبوب الٰہی کی طبیعت گھبرانے لگی، اور کہیں دوسری طرف چلے جانے کا ارادہ کیا، لیکن ایک روز ایک خوش رو نوجوان ان کے پاس آیا، اور یہ دو شعر پڑھے،

آں روز کہ مہ شدی نمی دانستی ‏ کانگشت نمائے عالمی خواہی شد
امروز کہ زلفت دلِ خلقے بربود ‏ در گوشہ نشستنت نمی دارد سود

اور کہا:۔

''اوّل مشہور نمی بایستی شد، ایں کس مشہور شد، چناں سعی کند کہ در روز قیامت از روے رسول اللہ ﷺ شرمندہ نہ گردد، از خلق گوشہ گرفتن و بحق مشغول شدن سہل است امام درانگی و کار مردی آنست کہ خلوت در انجمن باشد و باوجود انبوہ خلق در مشغولی خلل نیفتد[1]''

امراء کی آمد و رفت یہ سن کر غیاث پور ہی میں آخر وقت تک مقیم رہے، دربار کی قربت کی وجہ سے امراء کی آمد و رفت بھی ان کے یہاں شروع ہوئی، اور وہ تربیت پا کر مستفیض ہوتے رہے۔

سیر العارفین کے مصنف کا بیان ہے کہ

''بیشترے اہل دول کہ ہموارہ مائل بہ فسق و فجور بودند بخدمت حضرت شیخ انابت نمودند، و بصلاح دینی و فلاح یقینی مستلزم و مستحکم گشتند[2]''

امیر خسرو خسرو کو یہ شرف حاصل ہے کہ ان کے والد بزرگوار امیر سیف الدین لاچین بھی حضرت محبوب الٰہی کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے، اور ان کا پورا خاندان شرف بیعت سے مشرف ہوا، امیر خسرو کی عمر اس وقت جب انھوں نے اپنے محبوب مرشد کے دامن میں پناہ لی، کل آٹھ سال کی تھی، رفتہ رفتہ مرشد کو اس مرید سے اتنا گہرا لگاؤ پیدا ہو گیا کہ بارہا فرمایا کرتے کہ

''اے ترک من از وجود خود برنجم لیکن از تو نہ رنجم[3]''

امیر خسرو پر بھی مرشد کی تربیت کا اتنا اثر ہوا کہ تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ چالیس سال تک صائم الدہر رہے، اور عشق الٰہی کی ایسی سوزش ان میں پیدا ہو گئی کہ جب لباس زیب تن کرتے تو بعض تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ سینہ کے پاس کا کپڑا جل جاتا، چنانچہ محبوب الٰہیؒ فرماتے ہیں کہ

---

[1] سیر الاولیاء ص ۱۱۱ و سیر العارفین ص ۶۶، مطلوب الطالبین ورق ۳۹، [2] سیر العارفین ص ۶۵، [3] خزینۃ الاصفیاء ص ۳۴۰ جلد اوّل، مونس الارواح (قلمی نسخہ دار المصنفین) میں یہ الفاظ اس طرح ہیں ''از خود تنگ آیم اما از تو تنگ نیایم۔''

''روز قیامت از ہر کس خواہند پرسید کہ چہ آوردی از من پرسند خواہم گفت کہ سوز سینہ ایں ترک اللہ[1]''

امیر خسرو کو بھی اپنے مرشد سے کچھ ایسا والہانہ لگاؤ پیدا ہو گیا تھا، کہ ان کی فریفتگی اور شیفتگی آج تک ضرب المثل ہے، امیر خسرو نہ صرف ایک بے بدل شاعر اور ادیب تھے، بلکہ شاہی دربار سے تعلقات کی بناء پر امیر کبیر بھی تھے، لیکن اس کے باوجود وہ کبھی خلوت میں مرشد کے ادنیٰ خادم بن کر رہتے، کبھی جلوت میں خوش الحان قوال کے لباس میں، مرشد کو اپنی غزلیں سناتے، اور جو شعر مرشد کو پسند آ جاتا، اس کو بیخود ہو کر بار بار گاتے، وہ اپنی شاعری کے سارے کمالات کو محض اپنے مرشد کے لعاب دہن کی برکت سمجھتے تھے، مرشد نے بھی مرید کے شعر و شاعری کے متعلق یہ اشعار موزوں کیے ہیں[2]۔

خسرو کہ بہ نظم و نثر مثلش کم خواست ملک است کہ ملک سخن خسرو راست

ایں خسرو ما است ناصر خسرو نیست زیرا کہ خدائے ناصر خسرو است

مرشد سے امیر خسرو کا عشق اتنا بڑھ گیا تھا کہ ایکبار ایک درویش نے محبوب الٰہیؒ کے پاس آ کر سوال کیا، اتفاق سے اس روز لنگر خانہ میں کوئی چیز نہ تھی، محبوب الٰہیؒ نے فرمایا آج جو کچھ بھی فتوح میں آئیگا تم کو دیدیا جائیگا، لیکن اتفاق سے اس روز کوئی چیز کہیں سے نہیں آئی، فرمایا کل کی فتوح تمہارے نذر کی جائے گی، دوسرے دن بھی کوئی چیز نہیں آئی، بالآخر حضرت محبوب الٰہیؒ نے اپنے پاؤں کی جوتیاں دیکر درویش کو رخصت کیا، وہ شہر سے باہر نکلا، تو امیر خسرو جو بادشاہ وقت کے ساتھ کہیں گئے تھے، راستہ میں ملے، اور درویش سے مرشد کی خیریت پوچھی، جب درویش باتیں کرنے لگا، تو امیر خسرو نے بے اختیار ہو کر کہا،

''مرا از تو بوے پیر روشن ضمیر من می آید شاید کہ از شیخ نشانی نزد خود داری۔''

درویش نے وہ نشانی دکھائی، امیر خسرو بے تاب ہو گئے، اور درویش سے پوچھا کہ اس کو فروخت کرتے ہو، وہ راضی ہو گیا، امیر خسرو کے پاس اس وقت پانچ لاکھ نقرئی ٹنکے تھے، جو بادشاہ نے ان کو ایک قصیدہ کے صلہ میں عطا کئے تھے یہ پوری رقم درویش کو دیکر مرشد کے نعلین خرید لئے، اور ان کو اپنے سر پر رکھ کر مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی،

درویش برہمیں اکتفا کرد، ورنہ اگر تمام جان و مال من بعوض ایں کشف طلب می کرد حاضر می کردم[3]۔''

محبوب الٰہی کو بھی اپنے مرید سے ایسی شیفتگی تھی کہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر شریعت میں اجازت

---

[1] سفینۃ الاولیاء ص ۱۶۰، [2] کہا جاتا ہے کہ محبوب الٰہی نے امیر خسرو کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالا تھا (خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۳۱۸) و سیر الاولیاء ص ۳۰۲، [3] خزینۃ الاصفیاء ص ۳۴۱ و سفینۃ الاولیاء ص ۱۷۰،

ہوتی تو میں وصیت کرتا کہ

''اور او ر قبر من دفن نمایند تا ہر دو یکجا باشیم[1]''۔

لیکن پھر یہ وصیت فرما گئے کہ

''امیر خسرو بعد از من نخواہد زیست، چوں رحلت کند پہلوے من دفن کنند کہ او صاحب اسرار منست و من بے او قدم در بہشت نہم[2]''۔

امیر خسرو مرشد کی رحلت کے وقت دہلی سے دور سلطان محمد تغلق کے ساتھ بنگالہ کی مہم پر تھے، محبوب الٰہی کا وصال ہوا تو یکایک امیر خسرو کے دل پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوگئی، اور وہ بادشاہ سے اجازت لے کر چل کھڑے ہوئے، دہلی پہنچ کر معلوم ہوا کہ حضرت محبوب الٰہی اپنے محبوب سے جا ملے، یہ سن کر بے تاب ہوگئے، اپنی ساری ملکیت مرشد کے ایصال ثواب کے لئے فقراء و مساکین پر لٹا دی، اور ماتمی لباس پہن کر مزار پُر انوار پر پہنچ گئے، اس سے سر ٹکرا کر ایک چیخ ماری کہ

''سبحان اللہ آفتاب در زیر زمین و خسرو زندہ[3]''۔

اور یہ ہندی شعر پڑھا،

گوری سوئے سیج پر مکھ پر ڈھرے کیس
چل خسرو گھر اپنے رین بھئی سب دیس

اور یہ پڑھ کر بیہوش ہوگئے، سیر الاولیاء کی روایت ہے کہ امیر خسرو لکھنوتی سے واپس آئے اور ان کو معلوم ہوا کہ سلطان المشائخ جنت کو سدھارے تو اپنا منہ سیاہ کر لیا، کپڑے پھاڑ ڈالے، اور مٹی میں لت پت سلطان المشائخ کے مزار کے پاس پہنچے، ع

جامہ دراں چشم چکاں خون دل رواں

اس کے بعد بولے کہ مسلمانو! میں کون ہوں کہ ایسے بادشاہ کے لئے روؤں، میں تو اپنے لئے روتا ہوں کہ سلطان المشائخ کے بعد اب زندہ نہ رہ سکوں گا، (سیر الاولیاء ص ۳۰۵)

اور اسی اندوہ و غم میں چھ مہینے کے بعد عالمِ بقا کو سدھارے، لیکن وفات کے بعد مرشد کے پہلو میں دفن نہ کئے جا سکے، فرشتہ کا بیان ہے:۔

''چوں امیر خسرو فوت شد خواستند کہ موجب وصیت پہلوے قبر شیخ درون گنبد دفن کنند یکے از خواجہ سرایان کہ منصب وزارت داشت و مرید شیخ بود مانع شدہ کہ بعضے مریدان شیخ وامیر خسرو مشتبہ خواہد شد، پس او را در پایان شیخ بر چبوترہ یاران مدفون ساختند[4]''۔

۱، ۲ فرشتہ ج ۲ ص ۴۰۳، ۳ سفینۃ الاولیاء ص ۱۷۰، ۴ فرشتہ ج ۲ ص ۴۰۴، مونس الارواح (قلمی نسخہ دار المصنفین) میں ہے کہ امیر خسرو نے اپنے مرشد کے وصال کے ساڑھے تین مہینے کے بعد انتقال کیا۔

دربارشاہی سے بے نیازی حضرت محبوبؒ الٰہی نے بادشاہوں کی صحبت سے ہمیشہ کنارہ کشی اختیار کی، اوران سے کسی حال میں بھی ملنا پسند نہیں فرمایا، سلطان جلال الدین خلجی کو حضرت محبوبؒ الٰہی کے شرف ملاقات کی بڑی تمنا تھی، لیکن یہ تمنا پوری نہیں ہوئی، امیر خسرو اس کے دربار سے متعلق تھے، اور انھوں نے وعدہ کیا کہ حضرت کی اجازت کے بغیر وہ ان کی خدمت میں سلطان کو لے جائیں گے، سلطان خوش تھا کہ اسی طرح نیاز حاصل ہو جائے گا، امیر خسرو نے اپنی ولی نعمت سے وعدہ تو کرلیا، لیکن دل میں خیال پیدا ہوا کہ کہیں مرشد کو یہ ناگوار نہ ہو، سلطان جلال الدین نے امیر خسرو سے اس واقعہ کو راز میں رکھنے کے لئے کہا تھا، مگر سلطان کے ایما کے خلاف انھوں نے اپنے مرشد کی خدمت میں عرض کیا کہ سلطان آنا چاہتے ہیں، محبوب الٰہی نے اسی وقت شہر چھوڑ کر اپنے مرشد کے مزار کی زیارت کے لئے اجودھن روانہ ہو گئے، سلطان جلال الدین کو خبر ملی کہ امیر خسرو سے باز پرس کی کہ یہ راز کیوں فاش کیا، امیر خسرو نے عرض کیا کہ اگر آپ رنجیدہ ہوئے تو زیادہ سے زیادہ میری جان کا خطرہ ہے، لیکن مرشد آزردہ ہوتے تو میرے ایمان کا خطرہ تھا، سلطان جلال الدین خلجی کو یہ جواب بہت پسند آیا[1]۔

خلجی دربار کے امراء میں محمد کاشف (یا کاتب) حاجب اور ملک قرہ بیگ ترک بھی حضرت محبوبؒ الٰہی کے معتقدین میں تھے، ایک بار کاشف علاء الدین خلجی کی جانب سے پچاس ہزار دینار نذر لایا، یہ رقم وہ اُس وقت لے کر پہنچا، جب محبوبؒ الٰہی رشد و ہدایت کے سلسلے میں کسی عقدہ کے حل کرنے کے وعدہ کا ایفا کرنے والے تھے، رقم دیکھ کر فرمایا، بادشاہ کے انعام کی طرف توجہ کروں یا عہد پورا کروں، مریدوں نے عرض کی۔

"وفائے عہد بہتر از ہشت بہشت ست، چہ جائے انعام پنجاہ ہزار دینار[2]"

سلطان علاء الدین خلجی نے جب ملک کافور کو ورنگل کی فتح کے لئے بھیجا تو کچھ دنوں تک اس کو اس مہم کے متعلق کسی قسم کی خبر نہ ملی، حالتِ اضطراب میں قاضی مغیث الدین بیانوی اور ملک قرا بیگ کو بھیج کر محبوب الٰہیؒ کی خدمت میں یہ پیام کہلایا۔

"شمارا غم اسلام بیش از من ست، اگر بمیامن نور باطن حقیقی کیفیتی معلوم شدہ باشد، اشارہ نمایند کہ خاطر از نہ رسیدن خبر لشکر گران ست[3]"

محبوب الٰہیؒ نے بشارت دی:۔

"ورائے ایں فتح فتحائے دیگر متوقع ست[4]"

---

[1] سیر الاولیاء، ص ۱۳۵، [2] فرشتہ دوم ص ۳۹۴ و سیر العارفین ص ۷۳، [3] فرشتہ ج اول ص ۱۱۹ و تاریخ فیروز شاہی ضیاء الدین برنی ص ۳۳۱، [4] ایضاً

چنانچہ اسی روز درنگل کے فتح کی خبر ملی، سلطان علاء الدین نے خوشی میں سلطان الاولیاء کی خانقاہ کے لئے پانچ سو اشرفیاں بھیجیں، ملک قرا بیگ اشرفیاں لیکر پہنچا تو اس کو دیکھ کر ایک خراسانی قلندر نے محبوب الٰہیؒ سے کہا اَلھدایا مُشترکٌ (یعنی ہدیہ مشترک ہوتا ہے) محبوب الٰہیؒ نے جواب دیا، "تنہا خوشترک" (یعنی تنہا ایک ہی شخص کو مل جائے تو اس سے بہتر ہے) یہ کہہ کر تمام اشرفیاں قلندر کے حوالہ کر دیں[1]۔

ملک قرا بیگ (قنبر بیگ) کو علاء الدین نے یہ ہدایت کر رکھی تھی کہ محبوب الٰہی کو محفل سماع میں جس شعر پر وجد آئے، اس کو وہ لکھ لیا کرے، اور آ کر سنایا کرے۔

مرأۃ الاسرار کے مصنف کا بیان ہے کہ ان اشعار کو سن کر علاء الدین کو قلبی راحت محسوس ہوتی تھی[2]، ایک بار محبوب الٰہی کو حکیم سنائی کے ان دو شعروں پر وجد آیا:۔

بیش منا جمالِ جاں افروز — در نمودی برو سپند بسوز

آں جمال تو چیست ہستیٔ تو — واں سپند تو چیست مستی تو

حسب معمول قرا بیگ ان کو لکھ کر سلطان علاء الدین خلجی کے پاس پہنچا، سلطان ان اشعار کو بار بار پڑھتا، آنکھوں سے لگاتا اور تعریف کرتا تھا، قرا بیگ نے سلطان کی یہ عقیدت دیکھ کر کہا، اس حسن عقیدت کے باوجود آپ نے شیخ سے اب تک ملاقات نہیں کی ہے، جو تعجب کا باعث ہے۔" سلطان نے جواب دیا

"اے قرا بیگ (قنبر بیگ) ترک ما بادشاہیم از سر تا پا آلودۂ دنیا و بدیں آلودگی شرم داریم کہ آنچناں پاکی را دریابیم۔"

لیکن اسی وقت اپنے جگر گوشوں خضر خاں اور شادی خاں کو محبوب الٰہیؒ کے دامنِ ارادت سے وابستہ ہونے کے لئے دو[2] لاکھ تنکے کے ساتھ بھیجا، دونوں مرید ہو کر محبوب الٰہی کی صحبت سے مستفیض ہوتے رہے خضر خاں ہی نے خانقاہ کی عمارت بنوائی ہے[3]۔

خضر خاں محبوب الٰہی کی حلقہ ارادت میں آچکا تو تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ

"ایک بار سلطان علاء الدین خلجی نے شیخ کے امتحان کی غرض سے ان کی خدمت میں امور سلطنت کی اصلاح کے متعلق چند فصلیں لکھیں، جن میں ایک فصل کا مضمون یہ تھا کہ چونکہ حضرت شیخ تمام دنیا کے مخدوم ہیں، اور دین اور دنیا میں جس شخص کو کوئی ضرورت ہوتی ہے، ان کی خدمت سے پوری ہوتی ہے، اور خداوند تعالیٰ نے دنیا کی سلطنت کی باگ ہمارے ہاتھ میں دی ہے، تو ہم کو چاہئے کہ جو کام اور جو مصلحت سلطنت میں پیش

---

[1] سیر العارفین ص ۷۹، [2] مونس الارواح قلمی نسخہ دار المصنفین و سیر العارفین ص ۴۲، و مرأۃ الاسرار قلمی نسخہ دار المصنفین،

[3] فرشتہ ج ۲ ص ۳۹۴ و سیر العارفین ص ۴۷

آئے، حضرت شیخ کی خدمت میں پیش کریں تاکہ جس چیز میں ملک کی بھلائی ہو ہماری بہتری ہو اس سے مطلع فرمائیں، اس لئے چند فصلیں اس باب میں شیخ کی خدمت میں بھیجی جاتی ہیں، ان میں جو اچھی باتیں ہوں ان کے نیچے لکھ دیں، تاکہ ہم ان پر عمل کریں۔'' اس کاغذ کو خضر خاں کے ذریعہ جو اس کے تمام لڑکوں میں زیادہ محبوب اور شیخ کا مرید تھا، شیخ کی خدمت میں بھیجا، جب خضر خاں نے اس کاغذ کو شیخ کے ہاتھ میں دیا، تو انھوں نے اس کو نہیں پڑھا، اور حاضرین مجلس سے کہا کہ ہم فاتحہ پڑھتے ہیں، پھر فرمایا کہ فقیروں کو بادشاہوں کے کام سے کیا مطلب، میں ایک فقیر ہوں، اور شہر سے الگ ایک گوشہ میں رہتا ہوں، اور بادشاہوں اور مسلمانوں کی دعا گوئی میں مشغول ہوں، اس لئے بادشاہ اس کے بعد مجھ سے کہے گا تو میں اس جگہ سے بھی چلا جاؤں گا، خدا کی زمین کشادہ ہے، جب یہ خبر سلطان علاء الدین کو پہنچی تو خوش ہو کر معتقد ہو گیا، اور کہلا بھیجا کہ اگر قبول فرمائیں تو میں شیخ کی خدمت میں حاضر ہوں، شیخ نے فرمایا کہ آنے کی ضرورت نہیں میں غائبانہ دعا میں مشغول ہوں اور غائبانہ دعا اثر رکھتی ہے، سلطان علاء الدین نے ملاقات کے لئے پھر اصرار کیا، تو شیخ نے کہلا بھیجا کہ اس ضعیف کے گھر میں دو دروازے ہیں، اگر بادشاہ ایک دروازہ سے تشریف لائیں گے، تو میں دوسرے دروازے سے باہر نکل جاؤں گا[1]۔''

سلطان علاء الدین خلجی کی ایک نئی تصویر اوپر کی سطروں سے سلطان علاء الدین خلجی کو محبوب الٰہیؒ سے جو عقیدت تھی اس کا اندازہ ناظرین کو ہوا ہو گا، موجودہ دور کی تاریخوں میں سلطان علاء الدین خلجی کی بہت ہی بھیانک تصویر کھینچی گئی ہے، لیکن اولیاء اللہ اس کو کن نظروں سے دیکھا کرتے تھے، اس کا ذکر شاید یہاں دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، حضرت محبوبؒ الٰہی کی وفات کے بعد حضرت نصیر الدینؒ چراغ دہلی کی مجلس میں ایک بار علاء الدین خلجی کا ذکر آیا تو حضرت چراغ دہلیؒ نے فرمایا کہ ملک التجارؒ چراغ دہلی کی مجلس میں ایک بار علاء الدین خلجی کا ذکر آیا تو حضرت چراغ دہلیؒ نے فرمایا کہ ملک التجار قاضی حمید الدین جب اودھ آئے، تو ایک دعوت میں مجھ کو بھی بلایا، دعوت کے بعد جب تمام لوگ رخصت ہو گئے، تو میں تنہا رہ گیا، اثنائے گفتگو میں قاضی حمید الدین نے کہا کہ ایک بار میں نے علاء الدین کو پلنگ پر برہنہ سر، پاؤں زمین پر لٹکائے ہوئے بیٹھا دیکھا، جو فکر میں غرق اور مبہوت تھا، میں سامنے پہنچا تو بادشاہ کو بالکل خبر نہیں ہوئی، میں نے باہر آ کر ملک فرید بک سے کہا کہ آج بادشاہ کو میں نے اس حال میں دیکھا ہے، تم بھی چل کر دیکھو، میرے ساتھ وہ اندر گیا تو

---

[1] اخبار الاخیار ص ۵۵۔۵۶، نیز دیکھو سیر الاولیاء ص ۱۳۲۔۱۳۳

بادشاہ کو باتوں میں لگایا، پھر عرض کیا، حکم ہو تو کچھ بیان کروں، بادشاہ نے اجازت دی تو میں (یعنی قاضی حمید الدینؒ) آگے بڑھا اور عرض کیا، میں اندر آیا تو دیکھا کہ حضور برہنہ سر پریشان حال اور فکر مند ہیں، آپ کو کس بات کی فکر ہے، بادشاہ نے کہا سنو! (مجھ کو چند روز سے یہ فکر ہے کہ مجھ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کا حکم بنایا ہے، اب کچھ ایسا کام کرنا چاہیے، کہ مجھ سے تمام مخلوق کو نفع پہنچے، سوچا کیا کروں، اگر اپنا خزانہ تقسیم کروں تو بھی مخلوق کو نفع نہ ہوگا، اب ایک بات یہ سوچی ہے کہ غلہ کی ارزانی کی تدبیر کروں، اس سے مخلوق کو ضرور فائدہ پہنچے گا اور اس کی تدبیر یہ ہے کہ بنجاروں کے نائکوں کو حکم دوں کہ وہ حاضر ہوں، اور وہ جو غلہ اطراف ملک سے دس بیس ہزار بیلوں پر لاتے ہیں، اس کی قیمت اپنے خزانے سے ادا کروں، اور ان کو پہننے کے لئے کپڑے دوں، اور خانگی خرچ کے لئے علیٰحدہ سے روپے دوں، تاکہ وہ بے فکر رہیں، اور اطراف ملک سے غلہ لاکر میرے نرخ مقررہ کے مطابق فروخت کریں، قاضی حمید الدین نے یہ واقعہ بیان کر کے کہا کہ غرض یہی بات کی گئی، شاہی فرمان جاری ہوئے، خلعت، خرچ اور قیمت شاہی خزانے سے ادا کی گئی، اور غلہ بکثرت آنے لگا، چند روز کے بعد گیہوں سات جیتل فی من بکنا شروع ہوا، گھی، شکر اور دوسری چیزیں بھی ارزاں ہوئیں اور تمام لوگ آسودہ رہنے لگے، یہ قصہ بیان کر کے حضرت چراغ دہلیؒ نے فرمایا کہ سلطان علاء الدین رحمتہ اللہ علیہ بھی کیا بادشاہ تھا، مجلس کے حاضرین میں سے ایک نے کہا کہ لوگ اس کی قبر کی زیارت کو جاتے ہیں، اور اپنی مراد کی ڈوری اس کے مزار پر باندھ آتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان کی حاجتیں برلاتے ہیں، حضرت چراغ دہلیؒ کے ملفوظات کے کاتب شیخ حمید شاعر نے بھی اپنا ایک ذاتی واقعہ بیان کیا کہ ایک روز جمعہ کی نماز کے بعد سلطان علاء الدین کے مزار پر فاتحہ پڑھنے گیا، مجھ کو کوئی حاجت نہ تھی، لیکن پھر بھی اپنی دستار سے ایک دھاگہ نکال کر مزار پر باندھ آیا، رات کو خواب میں دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے کہ تیری کیا حاجت ہے، میں نے کہا مجھے کوئی حاجت نہیں[1]۔

محبوبؒ الٰہی کے فیوض و برکات

علاء الدین خلجی کے عہد میں محبوبؒ الٰہی کے فیوض و برکات سے ملک میں عام انقلاب پیدا ہوا، اس کی تصویر ضیاء الدین برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں کھینچی ہے، اس میں پہلے تو بعض اور مشائخ کے اثرات کا ذکر ہے، پھر محبوب الٰہیؒ کی نظر کیمیا اثر اور صحبتِ روح پرور سے خواص و عوام میں جو غیر معمولی تبدیلیاں پیدا ہوئیں، ان کی تفصیل یہ ہے:۔

> ”سلطان علاء الدین کے زمانہ کے مشائخ میں سے سجادۂ تصوف شیخ الاسلام نظام الدین، شیخ الاسلام علاء الدینؒ، اور شیخ الاسلام رکن الدینؒ سے آراستہ تھا، ایک دنیا ان

---

[1] خیر المجالس مجلس ہفتاد و ہفتم ص ۲۴۳۔۲۴۰۔

کے انفاسِ متبرکہ سے روشن ہوئی، اور ایک عالم نے ان کی بیعت کا ہاتھ پکڑا، اور ان کی مدد سے گناہگاروں نے توبہ کی، اور ہزاروں، بدکاروں اور بے نمازیوں نے بدکاری سے ہاتھ اٹھالیا، اور ہمیشہ کے لئے پابند نماز ہو گئے، اور باطنی طور پر دینی مشغلے کی طرف رغبت ظاہر کی، اور توبہ صحیح ہوگئی، اور عباداتِ لازمہ اور متعدیہ کا معمول ہو گیا، اور دنیا کہ حرص ومحبت جو انسان کے فوائد اور فرمانبرداری کی بنیاد ہے، ان مشائخ کے اخلاقِ حمیدہ اور ترک تجرید کے معالات کے دیکھنے سے دلوں سے کم ہوگئی، اور سالکوں کو نوافل اور وظائف کی کثرت اور اوصافِ عبودیت کی پابندی سے کشف وکرامات کی آرزو دل میں پیدا ہونے لگی، اور ان بزرگوں کی عبادات ومعاملات کی برکت سے لوگوں کی معاملات میں سچائی پیدا ہوگئی، اور ان کے مکارمِ اخلاق ومجاہدہ وریاضت کے دیکھنے سے اللہ والوں کے دلوں میں اخلاق کے بدلنے کی خواہش پیدا ہوئی، اور ان دینی بادشاہوں کی محبت اور اخلاق کے اثر سے خداوند تعالیٰ کے فیض کی بارش دنیا میں ہونے لگی، اور آسانی مصیبتوں کے دروازے بند ہو گئے، اور ان کے زمانہ کے لوگ قحط ووبا کی مصیبت میں مبتلا اور گرفتار نہیں ہوئے، اور ان کی مخلصانہ اور عاشقانہ عبادت گذاری کی برکت سے مغلوں کا فتنہ جو سب سے بڑا فتنہ تھا، ایسا فرد ہوا، اور یہ تمام ملاعین اس قدر آوارہ اور تباہ ہوئے کہ اس سے زیادہ نہیں ہو سکتے تھے، اور یہ تمام باتیں جو ان تینوں بزرگوں کے وجود سے ان کے معاصرین کو نظر آئیں، وہ شعار اسلام کی بلندی کا ذریعہ بن گئیں، اور احکام شریعت وطریقت سے جو رونق ورواج حاصل ہوا، اس کا کیا کہنا، کتنا عجیب وہ زمانہ تھا، جو سلطان علاء الدین کے آخری دسویں سال میں نظر آیا، ایک طرف سلطان علاء الدین نے ملک کی بہتری کے لئے تمام منشی اور ممنوع چیزوں کو اور فسق وفجور کے اسباب کو قہر وغلبہ، تعزیز وتشدد اور قید وبند سے روک دیا، اور مال جو دینی اور ملکی فساد کا ذریعہ اور ہوا پرستوں کے لئے گناہوں کا آلہ اور حریصوں، بخیلوں اور تاجروں کے لئے سود، ذخیرہ اندوزی کا سامان اور فتنہ پروروں کے لئے بغاوت کی استعداد اور نیکوں کے لئے کبر، مفاخرت، غفلت اور کسل مندی پیدا کرنے والا ہے، اور عبادت گذاروں کے لئے نسیان وفراموشی کا باعث ہے، سلطان علاء الدین ہر بہانہ سے کہ جو اس کو ملتا، مال داروں اور حکام سے سختی سے لے لیتا، اور بازار والوں کو کہ دنیا کی تمام قوموں میں سب سے زیادہ جھوٹ بولنے والی اور سب سے زیادہ فریب کرنے والی قوم ہے، سچائی اختیار کرنے، سچائی کے ساتھ مال بیچنے اور سچ کہنے کے لئے خون خرابہ میں رکھتا تھا، دوسری طرف اسی زمانہ میں شیخ الاسلام نظام الدین نے بیعت

کا عام دروازہ کھول رکھا تھا، اور گناہگاروں کو خرقہ پہناتے، اور ان سے توبہ کراتے تھے، اور اپنی مریدی میں قبول کرتے تھے، اور خاص وعام، غریب ودولتمند، بادشاہ وفقیر، عالم جاہل، شریف ورذیل، شہری اور دیہاتی، غازی ومجاہد، آزاد وغلام، سب کو طاقیہ، توبہ اور پاکی کی تعلیم دیتے تھے، اور یہ تمام لوگ چونکہ اپنے کو شیخ کا مرید سمجھتے تھے، بہت سے گناہوں سے باز آتے تھے، اور اگر شیخ کے کسی مرید سے لغزش ہو جاتی تھی، تو پھر از سرِ نو بیعت کر لیتے، اور توبہ کا خرقہ عطا کرتے تھے، اور شیخ کی مریدی کی شرم تمام لوگوں کو بہت سی ظاہری وباطنی برائیوں سے روک دیتی تھی، اور عام طور پر لوگ تقلید واِعتقاد کی وجہ سے عبادت کی طرف رغبت کرتے تھے، مرد عورت، بوڑھے، جوان، بازاری، عامی، غلام، نوکر سب کے سب نماز ادا کرتے تھے، اور زیادہ تر مرید چاشت واشراق کے پابند ہو گئے تھے، آزاد اور نیک کام کرنے والوں نے شہر سے غیاث پور تک چند تفریحی مقامات پر چبوترے قائم کر دیئے تھے، اور چھپر ڈال دیئے تھے، کنوے کھدوا دیئے تھے، پانی سے بھرے ہوئے گھڑے اور مٹی کے لوٹے رکھوا دیئے تھے، چٹائیاں بچھوا دی تھیں، اور ہر چبوترہ اور ہر چھپر میں ایک چوکیدار اور ایک ملازم مقرر کر دیا تھا، تاکہ مرید اور توبہ کرنے والے نیک لوگوں کو شیخ کے آستانہ تک آنے جانے میں نماز ادا کرنے کے وقت وضو کرنے کے لئے کوئی تردد نہ ہو، اور چبوترہ اور چھپر میں نفل پڑھنے والے نمازیوں کا ہجوم دیکھا جاتا تھا، اور ارتکاب گناہ لوگوں کے درمیان کم ہو گیا تھا، اور اکثر آدمیوں کے درمیان چاشت، اشراق اور اوابین، تہجد اور زوال کے وقت رکعات نماز کی تحقیقات زیادہ تھی، کہ ان نوافل میں ہر وقت کتنی رکعتیں ادا کرتے ہیں، اور ہر رکعت میں کلام پاک کی کون سی سورہ اور کون سی آیت پڑھتے ہیں۔ پنجگانہ نمازوں اور ہر نفل سے فارغ ہونے کے بعد کون کون سی دعائیں آتی ہیں، اکثر نئے مرید شیخ کے قدیم مریدوں سے غیاث پور کی آمد ورفت کے وقت پوچھتے تھے کہ شیخ رات کی نماز میں کتنی رکعتیں پڑھتے ہیں، اور ہر رکعت میں کیا پڑھتے، اور عشاء کی نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ پر کتنی بار درود بھیجتے ہیں اور شیخ فرید اور شیخ بختیار رات دن میں کتنی بار درود بھیجتے تھے، اور کتنی بار قل ہو اللہ احد پڑھتے تھے، نئے مرید شیخ کے قدیم مریدوں سے اسی قسم کے سوالات کرتے تھے، روزے، نوافل اور تقلیل طعام کے متعلق پوچھتے تھے، اس نیک زمانہ میں اکثر آدمیوں کو حفظ قرآن کا ذوق پیدا ہو گیا تھا، نئے مرید شیخ کے پرانے مریدوں کی صحبت میں رہتے تھے، پرانے مریدوں کو طاعت عبادت ترک تعلق، تصوف کی کتابوں کے پڑھنے، مشائخ کے اوصاف حمیدہ اور ان کے

معاملات کے بیان کرنے کے سوا کوئی دوسرا کام نہ تھا، دنیا اور دنیاداروں کا ذکر ان کی زبان پر نہیں آتا تھا، کسی دنیادار کے گھر کی طرف اپنا رُخ نہیں کرتے تھے، دنیا اور اہلِ دنیا کے میل جول کی حکایت نہیں سنتے تھے، اور اس کو عیب و گناہ جانتے تھے، کثرت نوافل اور اس کی پابندی کا معاملہ اس بابرکت زمانہ میں اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ بادشاہ کے محل میں بہت سے امراء وسلاحدار، لشکری، شاہی نوکر، شیخ کے مرید ہوتے تھے، اور چاشت واشراق کی نمازیں ادا کرتے تھے، ایام بیض اور عشرہ ذی الحجہ کے روزے رکھتے تھے، اور کوئی ایسا محلہ نہیں تھا، جس میں ایک مہینہ میں دن کے بعد صلحاء کا اجتماع نہیں ہوتا تھا اور صوفیوں کی محفل سماع نہیں ہوتی تھی، اور باہم گریہ وزاری نہیں کرتے تھے، شیخ کے چند مرید تراویح کی نماز میں مسجدوں اور گھروں میں ختم قرآن کرتے، وہ لوگ جو مستقیم الحال ہو چکے تھے، رمضان، جمعہ اور تہواروں کی راتوں میں قیام کرتے اور صبح تک بیدار رہتے، پلک کو پلک سے نہیں لگنے دیتے، شیخ کے مریدوں میں سے بڑے درجہ کے مرید تمام سال رات کے ایک یا دو تہائی حصے تہجد کی نماز میں گذارتے بعض عبادت گذار عشاء کی نماز کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتے، شیخ کے مریدوں میں سے چند آدمیوں کو میں جانتا ہوں کہ شیخ کے فیض نظر سے صاحب کشف وکرامات ہو گئے تھے، شیخ کے مبارک وجود، ان کے انفاس پاک کی برکت، ان کی مقبول دعاؤں کی وجہ سے اس ملک کے اکثر مسلمان عبادت، تصوف اور زہد کی طرف مائل اور شیخ کی ارادت کی طرف راغب ہو گئے تھے، سلطان علاء الدین اپنے تمام گھر والوں کے ساتھ شیخ کا معتقد اور مخلص ہو گیا تھا، خواص وعوام کے دلوں نے نیکی اختیار کر لی تھی، عہد علائی کے آخری چند سالوں میں شراب معشوق، فسق وفجور، جوا، فحاشی وغیرہ کا نام اکثر آدمیوں کی زبان پر نہیں آنے پایا، بڑے بڑے گناہ لوگوں کے نزدیک کفر کے مشابہ معلوم ہونے لگے تھے، مسلمان ایک دوسرے کی شرم سے سود خواری اور ذخیرہ اندوزی کے کھلم کھلا مرتکب نہیں ہو سکتے تھے، بازار والوں سے جھوٹ بولنے، کم تولنے، اور آمیزش کرنے کا رواج اُٹھ گیا تھا، اکثر طالب علموں اور بڑے بڑے لوگوں کی رغبت، جو شیخ کی خدمت میں رہتے تھے، تصوف اور احکام طریقت کی کتابوں کے مطالعہ کی طرف ہو گئی تھی، قوۃ القلوب، احیاء العلوم، ترجمہ احیاء العلوم عوارف، کشف المحجوب، شرح تعریف، رسالہ قشیریہ مرصاد العباد، مکتوبات عین القضاۃ، لوائح ولوامع قاضی حمید الدین ناگوری، فوائد الفواد، میر حسن سنجری کے بہت سے خریدار پیدا ہو گئے تھے، زیادہ تر لوگ کتب فروشوں سے سلوک وحقائق کی کتابوں کے بارے میں دریافت کرتے

تھے، کوئی پگڑی ایسی نہ تھی، جس میں مسواک اور کنگھی لٹکی نظر نہ آتی تھی، صوفیوں کی کثرت خریداری کی وجہ سے لوٹا اور چرمی طشت گراں ہو گئے تھے، حاصل کلام یہ کہ خداوند تعالیٰ نے شیخ نظام الدینؒ کو پچھلی صدیوں میں شیخ جنید اور شیخ بایزید کے مثل پیدا کیا تھا[1]۔''

حضرت محبوبؒ الٰہی اور قطب الدین خلجی

سلطان علاء الدین خلجی کی وفات کے بعد قطب الدین مبارک شاہ ملک کافور کی مدد سے خضر خاں اور شادی خان کو قتل کر کے تخت نشین ہوا، خضر خاں اور شادی خاں محبوبؒ الٰہی کے خاص اور عزیز مریدوں میں تھے، اس لئے سلطان قطب الدین ان سے بدگمان ہو گیا، پھر اس کی یہ بدگمانی عداوت میں تبدیل ہو گئی، اور مصلحتہً وہ پہلے سہروردیہ سلسلہ کے ایک بزرگ شیخ ضیاء الدین رومی کا مرید ہو گیا، اور حضرت محبوبؒ الٰہی کی دشمنی کا کھلم کھلا اظہار کر دیا، اس وقت محبوبؒ الٰہی کے لنگر خانہ کا خرچ روزانہ دو ہزار تنکہ تھا، درویشوں اور مسکینوں کی داد و دہش اس خرچ کے علاوہ تھی، سلطان قطب الدین کے بعض مفسد امراء نے اس کے کان بھرے کہ یہ تمام اخراجات اور ان امراء کے نذرانے کی رقم سے پورے ہوتے ہیں، جو خانقاہ میں آیا جایا کرتے ہیں، اس لئے قطب الدین نے خانقاہ میں امراء کی آمد و رفت سختی سے روک دی، مگر اس سے لنگر خانہ کے اخراجات پر کسی قسم کا اثر نہیں پڑا، اور سارے اخراجات غیبی امداد سے پورے ہوتے رہے، حضرت خواجہ نصیر الدینؒ فرماتے ہیں،

''ایک بار سلطان قطبُ الدین کو کسی دشمن نے کہا کہ شیخ آپ کی فتوحات قبول نہیں کرتے، اور امراء اور سرداروں کے لائے ہوئے فتوحات قبول کر لیتے ہیں، آخر وہ سب بھی تو آپ ہی کے یہاں سے لے جاتے ہیں، سلطان قطب الدین نے صحیح جان کر حکم دیا کوئی امیر یا سردار شیخ کے یہاں نہ جائے، دیکھیں وہ اس قدر دعوت لوگوں کی کہاں سے کرتے ہیں، اور جاسوس مقرر کئے کہ دیکھتے رہیں جو امیر وہاں جاوے مجھ سے آ کر اطلاع کریں، جناب شیخ نے یہ سنا، فرمایا کھانا آج سے زیادہ پکایا جائے، ایک مدت کے بعد سلطان نے لوگوں سے دریافت کیا کہ خانقاہ شیخ کا کیا حال ہے، انھوں نے عرض کیا کہ سابق جس قدر پکتا تھا، اب اس سے دوگنا پکتا ہے، بادشاہ یہ سُن کر پشیمان ہوا، کہا میں غلطی پر تھا[2]۔''

پھر بھی قطب الدین کی پرخاش بڑھتی گئی اور اس نے محبوب الٰہی کو اپنے دربار حاضر ہونے کا حکم دیا، مگر محبوب الٰہی نے اس حکم کا جواب دیا:۔

''من مرد منزویم جائے نمی روم، نیز رسم وعادت ہر سلسلہ نوعی باشد، قاعدہ، بزرگان

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ضیاء الدین برنی ص ۳۴۶-۳۴۱، [2] خیر المجالس اردو ترجمہ ص ۳-۲ و خیر المجالس ص ۲۵۸

مانبود کہ بدایون روند، و مصاحب پادشاہاں شوند، دریں باب معذور دارید و بحال خود بگذارید۔"

لیکن مغرور بادشاہ نے اس عذر کو قبول نہیں کیا، اور حکم دیا کہ ہفتہ میں دو بار دربار میں آیا کریں، محبوب الٰہیؒ نے بادشاہ کے پیر شیخ ضیاء الدین رومیؒ کے پاس پیام کہلا بھیجا کہ وہ اپنے مرید کو سمجھائیں کہ درویشوں کو رنج پہنچانا کسی مذہب میں روا نہیں، مگر اس پیام کے پہنچنے سے پہلے شیخ ضیاء الدین رومیؒ کا انتقال ہوگیا، اور ان کی فاتحہ خوانی کے لئے ان کے مقبرہ میں بادشاہ اور اس کے اکابر امراء شریک ہوئے، محبوب الٰہیؒ نے بھی اس مجلس میں شرکت کی، جس وقت وہ تشریف لائے، تمام حاضرین تعظیم کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے، محبوب الٰہیؒ نے بادشاہ کو سلام کیا، اس نے جواب نہیں دیا، لیکن اس نے دیکھا کہ تمام حاضرین ان کو سر آنکھوں پر بٹھا رہے ہیں، اس سے اس کا حسد اور بھی بڑھ گیا، اور مجلس کے ختم ہونے کے بعد ایک محضر کے ذریعہ ہر قمری مہینہ کی پہلی تاریخ کو محبوب الٰہیؒ کو دربار میں حاضر ہونے کا حکم جاری کیا، شیخ عماد الدین طوسی، شیخ وحید الدین قندزی، مولان برہان الدین اور دوسرے اکابر یہ محضر لے کر محبوب الٰہی کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور گذارش کی کہ بادشاہ جو کچھ کہہ رہا ہے وہ اس کی ناعاقبت اندیشی ہے، پھر بھی وہ (یعنی محبوب الٰہیؒ) دربار میں تشریف لاکر ایک فتنہ کو روک دیں، محبوب الٰہیؒ نے یہ کہہ کر ان کو رخصت کیا، کہ

"بہ بینم چہ مظہور پیوندد۔"

انھوں نے واپس جاکر سلطان کو اطمینان دلایا کہ محبوب الٰہیؒ دربار میں آنے کے لئے راضی ہوگئے ہیں، وہ خوش تھا کہ شیخ نے اس کی اطاعت قبول کرلی ہے، لیکن قمری مہینہ کی پہلی تاریخ سے کچھ روز پہلے محبوب الٰہیؒ نے اپنے مریدوں سے فرمایا کہ میں اپنے مرشدوں کے خلاف دستور کوئی کام نہ کروں گا، اس سے مریدوں میں بڑی سراسیمگی اور پریشانی پیدا ہوگئی، کہ سلطان الاولیاء اور سلطان دہلی کے تصادم سے ایک بڑی مصیبت بپا ہوجائے گی مگر محبوب الٰہیؒ کو کشف ہوچکا تھا کہ وہ نہ دربار جائیں گے، اور نہ کوئی تصادم ہوگا، چنانچہ سلطان قطب الدین جس روز دربار میں محبوب الٰہی کی آمد کا منتظر تھا، اسی رز محل کے اندر شورش ہوئی اور خسرو خاں کے ہاتھوں وہ قتل ہوا۔

خسرو خاں تخت نشین ہوا، تو اس نے اپنی سیہ کاریوں پر پردہ ڈالنے کے لئے ملک میں روپے تقسیم کئے، مشائخ کرام کے پاس بھی روپے بھجوائے، محبوب الٰہیؒ کے پاس بھی پانچ لاکھ ٹنکے پہنچے انھوں نے اسی وقت ساری رقم فقراء میں تقسیم کردی، چار مہینے کے بعد غیاث الدین تغلق نے خسرو خاں کی سرکوبی کی، اور خود تخت پر بیٹھا، جن لوگوں کو خسرو نے روپئے دیئے تھے، ان سے غیاث الدین تغلق نے واپس مانگے، اس حکم پر دوسرے مشائخ نے روپے واپس کردیئے، لیکن محبوب الٰہیؒ نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔

سلطان غیاث الدین تغلق اور محضر سماع

سلطان غیاث الدین تغلق طبعاً "دیندار، دین پرور، حق گذار اور حق شناس" واقع ہوا تھا، چنانچہ ضیاء الدین برنی کا بیان ہے کہ

"از برائے جریان احکام شریعت قاضیان و مفتیان و داد بک و محتسبان عہدہ او را آبروی بس بسیار و آشنائی تمام پیدا آمدہ بود[1]"

سلطان کی اس دینداری اور شریعت کی پابندی سے فائدہ اٹھا کر علمائے ظاہر نے اس سے سماع کی ممانعت میں ایک عام شاہی حکم جاری کرا دیا، لیکن محبوب الٰہی کے یہاں محفل سماع بدستور جاری رہی، جاہ طلب علماء نے ان کے خلاف شورش کی تو سلطان غیاث الدین تغلق نے ایک محضر طلب کیا، جس میں مسئلہ سماع کی تحقیق کے لئے تمام مشائخ و علماء جمع کئے گئے، محبوب الٰہیؒ بھی اس مجلس میں شریک ہوئے، بحث شروع ہوئی تو دونوں طرف سے سماع کی اباحت اور حرمت کے دلائل پیش کئے گئے، چاشت کے وقت سے زوال آفتاب تک مناظرہ قائم رہا، مباحثہ میں بڑی گرما گرمی رہی محبوب الٰہیؒ نے نفس غنا کے جواب میں جب حدیثیں پیش کیں تو علمائے احناف نے کہا کہ تم مقلد ہو تم کو حدیث سے کیا مطلب، اگر فقہ حنفی کی روایت ہو تو پیش کرو، یہ سن کر محبوب الٰہیؒ نے فرمایا وہ ملک کیونکر آباد رہے گا، جس میں لوگوں کی رائے کو احادیث نبوی پر ترجیح دی جاتی ہو، بالآخر شیخ بہاء الدین زکریاؒ ملتانی کے نواسے علم الدین نے جو اپنے زمانہ کے جید عالم تھے، اور جن کا سلطان غیاث الدین بھی معتقد تھا، محبوب الٰہیؒ کی موافقت یعنی سماع کی اباحت میں فیصلہ دیا، جس کے بعد سلطان غیاث الدین تغلق نے محبوب الٰہیؒ کو اعزاز و اکرام کے ساتھ مجلس سے رخصت کیا، محبوب الٰہیؒ خانقاہ واپس تشریف لائے تو ظہر کی نماز کے وقت مولانا ضیاء الدین برنی، مولانا محی الدین کاشانی اور امیر خسرو سے مخاطب ہو کر فرمایا،

"دہلی کے فقہا میری عداوت اور حسد سے بھرے ہوئے تھے، انھوں نے وسیع میدان پایا، اور عداوت سے بھری ہوئی بہت سی باتیں کہیں، اور آج ایک تعجب انگیز بات دیکھی گئی کہ استدلال کے موقع پر رسول اللہ علیہ کی صحیح حدیثیں نہیں سنتے تھے، اور مجھ سے کہتے تھے کہ ہمارے شہر میں فقہی روایات پر عمل کرنا حدیث سے مقدم سمجھا جاتا ہے، اور اس قسم کی باتیں وہ لوگ کہتے ہیں جن کو رسول اللہ علیہ کی حدیث پر اعتقاد نہیں، جب رسول اللہ علیہ کی حدیث صحیح بیان کی گئی تو برہم ہوئے اور منع کیا اور کہا کہ اس حدیث سے امام شافعی استدلال کرتے ہیں اور وہ ہمارے علماء کے دشمن ہیں، ہم نہیں سنتے، اور نہیں جانتے کہ وہ عقیدہ رکھتے ہیں یا نہیں، حاکم کے سامنے وہ (یعنی شہر کے فقہاء)

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ص ۴۴۱،

مغرورانہ بحث کرتے ہیں اور صحیح احادیث کو نہیں مانتے ہیں میں نے کوئی عالم ایسا نہ دیکھا اور نہ سنا کہ اس کے سامنے حضرت مصطفےٰ علیہ السلام کی حدیثیں بیان کی جائیں اور وہ کہے کہ ہم نہیں سنتے اور نہیں جانتے، یہ کیسا زمانہ ہے، یہ شہر جس کے اندر ایسی مغرورانہ بحث ہو کیسے آباد رہ سکتا ہے، عجب نہیں کہ اس کی اینٹ سے اینٹ بج جائے، بادشاہ امراء اور عوام، قاضی شہر اور علمائے شہر یہ سُن کر کہ اس شہر میں حدیث پر عمل نہیں ہوتا، کیسے پیغمبر علیہ السلام کی حدیثوں پر راسخ اعتقاد رکھ سکتے ہیں، میں ڈرتا ہوں کہ شہر کے علماء کی اس بداعتقادی کی وجہ سے کہیں شہر پر بلا جلاء و قحط و وبا نہ آئے،" (سیر الاولیاء ص ۵۳۲-۵۳۱)

سیر الاولیاء کے مصنف سید مبارک امیر کورد کا بیان ہے کہ اس کے چار سال کے بعد شہر دہلی قحط و وبا سے واقعی تباہ ہو گیا، جبکہ سلطان محمد تغلق نے اپنا دار السلطنت دیو گیر منتقل کیا، اور اس سلسلہ میں علماء بھی طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا ہوئے[1]۔

بعض تذکرہ نگاروں نے مورخوں نے لکھا ہے کہ سلطان غیاث تغلق ۷۲۵ھ میں بنگالہ کی مہم سے واپس آ رہا تھا تو اس نے محبوب الٰہیؒ کے پاس یہ پیام لکھ بھیجا،

"وقتیکہ ما در دہلی بیائیم شما از غیاث پور بیرون روید کہ بہ سبب سکونت شما کثرت مردم از بس در آنجا می باشد جائے برائے متوسلان بادشاہی نمی ماند[2]۔"

اس پیام کو پڑھ کر محبوب الٰہی کی زبان سے صرف یہ نکلا:۔

"ہنوز دہلی دور است۔"

چنانچہ غیاث الدین تغلق شہر سے تین کوس کے فاصلہ پر ایک مقام افغان پور میں ایک نئی عمارت میں مقیم تھا کہ اچانک یہ عمارت رات کو گر گئی جس کے نیچے دب کر وہ جان بحق ہو گیا، مگر تاریخ فرشتہ، طبقات اکبری اور منتخب التواریخ کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مشہور روایت محض عوام کی ہے[3]، جس کا شاید حقیقت سے کوئی تعلق نہیں، کیونکہ مولانا ضیاء الدین برنی جو محبوبؒ الٰہی کے خلفاء میں تھے، اپنے مرشد کے ساتھ سلطان غیاث الدین تغلق کی اس ایذا رسانی اور تعدی کا ذکر اپنی تاریخ فیروز شاہی میں

---

[1] تفصیل کیلئے دیکھو سیر الاولیاء باب نہم، حضرت محبوبؒ الٰہی کے خلیفہ مولانا فخر الدین زرادی نے اباحت سماع میں ایک رسالہ تالیف کیا ہے، جس کا نام کشف المفتاح من وجودہ السماع ہے، و سیر الاولیاء ص ۵۳۰،

[2] خزینۃ الاصفیاء ص ۳۳۷، طبقات اکبری ج اوّل ص ۱۹۸ میں پیام کے الفاظ یہ ہیں، "چون من بدہلی برسم شیخ از شہر بدر رود، فرشتہ ج دوم ص ۳۹۸ میں ہے،" تا آمدن من بدہلی نباید بود، بعد ازیں از غیاث پور رود۔"
مطلوب الطالبین ورق ۴۳ میں ہے: چوں در دہلی برسم اوّل سلطان المشائخ را از شہر بدر سازم"

[3] منتخب التواریخ میں اس روایت کی ابتدا اس طرح کی گئی ہے کہ
"درمیان اہل ہند مشہور است۔" (ج ا ص ۲۲۵)

مطلق نہیں کرتے، بلکہ سلطان کی ''دین پروری، دین پناہی، حق گذاری، حق شناسی، عبادت گذاری، نیک نفسی، انصاف پرستی، اور شریعت پسندی'' کا ذکر بار بار بہت ہی والہانہ انداز میں کرتے ہیں[1]۔

غیاث الدین تغلق کا جانشین سلطان محمد تغلق محبوبؒ الٰہی کا معتقد رہا، لیکن اس کی حکومت کے پہلے ہی سال ۷۲۵ھ میں ان کا وصال ہوگیا۔

مجاہدہ وریاضت حضرت محبوبؒ الٰہی کے مرشد بابا گنج شکرؒ نے ان کو ایک موقع پر نصیحت فرمائی تھی کہ،

''ہمیشہ مجاہدہ میں مشغول رہنا، بیکار رہنا مناسب نہیں، اس راہ میں روزہ رکھنا نصف راہ ہے، نماز اور حج سے بقیہ نصف راہ طے ہوتی ہے (سیر الاولیاء ص ۱۱۲)

اور جب خلافت عطا کی تو چند تحریری ہدایتیں کیں، جن کا خلاصہ یہ ہے،

''شاگردوں کو تعلیم دیں، خطا وتصحیف سے بچتے رہیں، لغزشوں کی اصلاح اور تحقیق و تنقیح میں پوری کوشش کریں، جو کچھ مجھ سے سنا اور یاد رکھا ہے اس کی روایت کریں، ایسی مسجد میں خلوت نشین ہوں جس کے اندر جماعت ہوتی ہو، خلوت میں اپنے نفس کو کمزور، ست اور خلق کو معدوم سمجھیں، دنیا کی تمام خواہشات کو ترک کردیں، خلوت طرح طرح کی عبادات سے معمور ہو، اس خلوت میں جب نفس بڑے بڑے مجاہدات سے تھک جائے تو چھوٹے چھوٹے مجاہدات اختیار کئے جائیں، اور نفس غلبہ کرے تو تھوڑی سی نیند سے اس کو راضی کرلیں، اور خلوت سے اپنا پورا حصہ لے لیں تو حکمت کا چشمہ جاری کریں، اور جو شخص ان کے پاس پہنچے تو اس کو نعمت سے سرفراز کریں۔'' (سیر الاولیاء ص ۱۱۷)

اور حضرت محبوبؒ الٰہی نے اپنے مرشد کی ان ہدایات پر برابر عمل کیا، سیر الاولیاء کے مؤلف کا بیان ہے، کہ جوانی میں تیس سال تک بڑے سخت مجاہدے کئے، پھر جوانی کے بعد بقیہ زندگی اس سے زیادہ سخت مجاہدے میں گذاری، تمام عمر صائم الدہر رہے، دن رات میں چار پانچ سو رکعتیں نماز پڑھا کرتے تھے، اور خانقاہ میں کوٹھے پر ان کا قیام رہتا تھا، مگر اسی سال کی عمر میں بھی کوٹھے سے اتر کر نماز باجماعت ادا کرتے، روزانہ کا یہ معمول تھا کہ فجر، اشراق اور چاشت کی نمازوں کے بعد جماعت خانہ میں مسند رشد و ہدایت پر جلوہ فرماتے، اس وقت تمام علماء، صلحاء اور صوفیہ کا اجتماع ہوتا، اور وہ سلوک و معرفت کے دقائق بیان فرماتے، اس اثنا میں شہر سے غربا و مساکین آتے رہتے، ان کو پیسے، غلے، اور تحفے دیئے جاتے، حکم تھا کہ خانقاہ کی ساری چیزیں غرباء میں روز تقسیم کردی جائیں، کوئی چیز باقی نہ رہنے پائے، ظہر کی نماز سے پہلے کچھ قیلولہ فرماتے، ایک روز قیلولہ فرما رہے تھے، کہ ایک درویش آیا، خانقاہ میں کوئی چیز نہ تھی، خدام نے اس کو واپس کردیا، اسی وقت حضرت محبوبؒ الٰہی کی آنکھ لگ گئی تو خواب میں دیکھا کہ مرشد تشریف

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ص ۴۴۰، ۴۴۶،

لائے ہیں، اور کہہ رہے ہیں، ایک درویش آیا اور خستہ دل واپس گیا، اگر کچھ دینے کو نہ تھا تو کم از کم حسن رعایت تو تھا، آنکھ کھلی تو خدام سے مرشد کی تنبیہ کا ذکر کیا، اور حکم دیا، کہ آئندہ اگر کوئی درویش آئے تو قیلولہ کے وقت بھی ان کو خبر کردی جائے۔

ظہر کی نماز کے بعد پھر مجلس ہوتی، اور اس مجلس میں حضرت محبوب الہیٰؒ زیادہ تر علمی نکات بڑی گہرائی سے بیان فرماتے، حدیث کشاف اور دوسری مشہور کتابوں کا درس بھی ہوتا، حاضرین سر جھکائے بیٹھے رہتے، کسی کو سر اٹھانے کی مجال نہ ہوتی، ہر شخص سر جھکائے ستار ہتا، اور سنتے وقت محسوس کرتا کہ وہ الہامی باتیں سن رہا ہے، عصر کی نماز کے بعد حضرت محبوبؒ الٰہی کوٹھے پر تشریف لے جاتے، اور مغرب کے وقت پھر نیچے آتے، روزہ افطار فرماتے، مغرب کی نماز پڑھ کر کوٹھے پر واپس جاتے اور اُس وقت بھی ایک مجلس ہوتی، اور حاضرین کو خشک و تر میوے اور لطیف ولذیذ مشروبات پیش کئے جاتے، عشاء کی نماز پڑھنے کے لئے پھر نیچے آتے، اور نماز پڑھ کر پھر کوٹھے پر حجرے میں چلے جاتے، اس وقت صرف امیر خسرو آتے، اور کچھ حکایتیں سناتے، جن کو حضرت محبوب الٰہی لطف ولذت کے ساتھ سنتے، کبھی کبھی اعزہ واقارب کے چھوٹے چھوٹے بچے بھی آجاتے، جب امیر خسرو رخصت ہوتے تو خادم وضو کا پانی لا کر رکھتا، اس کے بعد حضرت محبوبؒ الٰہی اٹھ کر خود دروازہ بند کردیتے، پھر حجرہ کی تنہائی میں کیا ہوتا یہ کسی کو خبر نہ ہوتی، صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ وہ عبادت وریاضت میں مشغول رہتے، اور تمام رات ان پر غیر معمولی کیف ومستی اور بیخودی ووارفتگی طاری رہتی، جس کا اظہار حسب ذیل اشعار سے ہوتا ہے جو کبھی کبھی دن کے وقت ان کی زبان مبارک سے سنے جاتے۔

عشقے ز تو دارم اے شمع چہ گل
دل و اندو من دانم و من دانم و دل

بارے بتماشائے من و شمع بیا
کز من دمکے نماند و ازوے دو دے

قطعہ

تنہا منم و شب و چراغے . مونس شدہ تا پگاہ روزم
کاہش ز آہِ سرد بکشم گاہ از تفِ سینہ بر فروزم

صبح ہونے سے پہلے خادم سحری لاکر پیش کرتا، کچھ نوش جان فرمالیتے، بقیہ تقسیم کر دینے کو حکم دیتے[1] صبح ہوتی تو شغل باطن سے آنکھیں سرخ رہتیں، انہی خمار آلود آنکھوں کی کیفیت پر امیر خسرو نے یہ شعر کہا تھا،

---

[1] سیر الاولیاء ص ۱۳۰۔۱۳۲،

تو شبانہ می نمائی بہ برکہ بودی امشب
کہ ہنوز چشم مستت اثر خمار دارد[1]

عبادت و ریاضت کی کثرت کی وجہ سے محبوبؒ الٰہی "نہنگ دریائے وحدت، پلنگ بیدائے محبت و معرفت، مسند نشین سپہر صدق وصفا[2]، ملک الاتقیاء نقاوۂ مشائخ عظام اور عارف معارف ربانی" کہلاتے تھے[3]، خود فرماتے تھے کہ ہر وجود عدم کے بیچ میں ہے، یعنی وہ نہ پہلے تھا اور نہ بعد میں ہوگا، ایسا وجود گویا عدم کے برابر ہے، انسان کا وجود بھی بین العدمین ہونے کے سبب عدم کے برابر ہے، پھر انسان ایسی زندگی پر اعتماد کر کے تعطل اور غفلت میں کیوں گذارے، عمر کا بہترین مصرف یہ ہے کہ ہر وقت خدا کی یاد میں مستغرق رہے[4]۔

جس حجرہ میں عبادت کرتے اُس میں سے عود کی ایسی خوشبو آتی رہتی، ایک بار دہلی کے کوتوال مولانا ظہیر الدین حضرت خواجہ سے ملنے ان کے حجرہ کے پاس آئے تو عود کی خوشبو سونگھ کر سمجھے کہ اندر عود جل رہا ہے، لیکن حجرہ کا دروازہ کھولا گیا تو وہاں کوئی چیز جل نہیں رہی تھی، ان کی حیرت کو دیکھ کر حضرت خواجہ نے فرمایا یہ عود کی خوشبو نہیں ہے، کسی اور چیز کی ہے، اسی طرح ایک بار حضرت خواجہ نے اپنا ایک کمبل قاضی محی الدین کاشانی کو دیا، تو اس سے ایک خاص قسم کی خوشبو آتی تھی، جو بہت دنوں تک رہی، قاضی محی الدین نے اس کو دھوڈالا، تب بھی وہ خوشبو باقی رہی، قاضی محی الدین نے حضرت خواجہ سے اس کا ذکر کیا تو فرمایا "قاضی ایں بوے محبت باری تعالیٰ است۔"

ایں بوے نہ بوے بوستانست
ایں بوے زکوے دوستانست

خلق اللہ کی محبت مگر خالق کے ساتھ اس استغراق کے باوجود اس کی مخلوق کو کسی حال میں نہیں بھولتے، ایک بار بابا گنج شکرؒ کے نبیرہ شیخ شرف الدین، شیخ رکن الدین فردوسی کے پیر شیخ بدر الدین سمرقندی کے عرس میں شریک تھے، مجلس میں کسی صوفی نے کہا کہ شیخ نظام الدینؒ رات دن بے شمار دولت مخلوق خدا میں تقسیم تو ضرور کرتے ہیں، لیکن اہل وعیال کے جھگڑے سے پاک ہیں، اس لئے دنیا کا کوئی غم والم ان کو لاحق نہیں ہوتا ہوگا، یہ سن کر شیخ شرف الدین حضرت محبوبؒ الٰہی کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اس کو نقل ہی کرنا چاہتے تھے کہ محبوبؒ الٰہی نے خود ہی فرمایا،

"بابا شرف الدین جو رنج وغم میرے دل کو وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے، شاید ہی کسی دوسرے شخص کو اس سے زیادہ ہوتا ہو، جو شخص اپنا غم والم مجھ سے بیان کرتا ہے، اسے سن کر اس سے دو چند زیادہ رنج وغم مجھ کو ہوتا ہے، جس کی شرح میں نہیں کر سکتا، معلوم نہیں وہ

---

[1] اخبار الاخیار ص ۵۵، [2] سیر العارفین ص ۵۹، [3] مونس الارواح قلمی نسخہ دار المصنفین، [4] فوائد الفواد ص ۴۲،

لوگ کیسے سنگ دل ہیں جو اپنے دینی بھائیوں کا غم والم اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور آہ نہ کریں ان پر بڑا تعجب ہے[1]"

چنانچہ خدا کی مخلوق کو اس تعلق خاطر کی بناء پر ان کی ذات سے جو فیض پہنچا اس کا اندازہ مولانا ضیاء الدین برنی کے گذشتہ اقتباسات سے ہوا ہوگا، معمولی مثال یہ ہے کہ صوم دہر کے باوجود افطار میں کوئی چیز صرف چکھ لیتے ہیں، اس کے بعد سحری میں کچھ کھاتے، اور اکثر ایسا بھی ہوتا کہ اس وقت کچھ نہ کھاتے، خادم عرض کرتا کہ اگر آپ اس قدر بھی کچھ نہ تناول فرمائیں گے، تو کمزوری آجائے گی، قوت برقرار نہ رہے گی، یہ سن کر روتے اور فرماتے کہ،

"چندیں مسکیناں و درویشاں در کنج ہائے مساجد و دوکانہا گرسنہ وفاقہ زدہ افتادہ اند، ایں طعام در حلق من چہ گونہ فرو رود[2]"

اس کے بعد خادم سامنے سے کھانا اٹھا لیتا۔

جود وسخا بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ حضرت محبوب الٰہیؒ جب اپنے مرشد کی خدمت میں تھے تو ایک موقع پر اپنی دستار رہن رکھ کر مرشد کے لئے لوبیا خریدی، اور اس کو جوش دیکر ان کی خدمت میں پیش کیا، اس میں نمک ایسے مناسب انداز سے ڈالا گیا تھا کہ مرشد کو بہت پسند آیا، انھوں نے اپنے محبوب مرید کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم نے لوبیا بہت اچھی پکائی، نمک بھی خوب ڈالا، خدا کرے تمہارے باورچی خانہ میں ستر من نمک خرچ ہوا کرے[3]، مرشد کی دعا سے حضرت محبوبؒ الٰہی کا مطبخ ہمیشہ گرم رہا، کئی ہزار فقراء اور مساکین روزانہ مطبخ سے کھانا کھاتے، پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ تمام دن جو چیزیں خانقاہ میں آتیں، شام تک تقسیم کر دی جاتیں، خانقاہ میں دنیاوی ساز وسامان جمع ہو جاتے تو ان کو دیکھ کر حضرت محبوبؒ الٰہی پر گریہ طاری ہو جاتا، اگر کسی وقت کوئی قیمتی چیز بطور تحفہ آجاتی تو اور بھی زیادہ آہ وبکا کرتے اور ہدایت دیتے کہ اس کو جلد از جلد تقسیم کر دیا جائے، خدام فوراً تعمیل کرتے، اور جب سارا مال تقسیم ہو کر محتاجوں کو پہنچ جاتا تو خاطر مبارک کو اطمینان ہوتا، ہر جمعہ کے دن تجرید فرماتے، تمام حجروں اور انبار خانوں کو یہاں تک خالی کراتے کہ جھاڑو دیدی جاتی، اس کے بعد جامع مسجد تشریف لے جاتے اور اطمینان سے نماز ادا فرماتے[4]۔

پھر بھی خانقاہ میں غریب الوطن، مسافر، یا شہر کا باشندہ جو بھی آتا محروم واپس نہ جاتا، کپڑا، نقدی، تحفے تحائف جو کچھ بھی خانقاہ میں موجود ہوتا آنے جانے والوں کو دیدیا[5] جاتا۔

جوامع الکلم میں ہے کہ ہر عرس کے موقع پر تمام شہر میں کھانا تقسیم کیا جاتا، اور کچھ نقد رقم بھی بھیجی

---

[1] سیر العارفین ص ۸۰ اردو ترجمہ ص ۴۴، فرشتہ ج ۲ ص ۳۹۶، نیز دیکھو سراج المجالس ص ۴۷، [2] سیر الاولیاء ص ۱۲۸، اخبار الاخیار ص ۵۴،
[3] سیر الاولیاء ص ۱۳۱ میں اس واقعہ کی تفصیل کچھ مختلف ہے، [4] سیر الاولیاء ص ۱۳۰، [5] سیر الاولیاء ص ۱۳۰۔

جاتی، ایک روز غیاث پور میں گرمی کے موسم میں آگ لگی، مکانات کو جلتے دیکھ کر حضرت محبوب الٰہی رونے لگے، جب آگ بجھی تو خادم خاص کو بلا کر فرمایا جاؤ ان سب گھروں کو جو جل گئے گنو اور ہر گھر میں دو خوان کھانا، دو سبو پانی، دو تنکہ زر لے جاؤ، اور گھر والوں کو دلاسا دو، نفحات الانس میں ہے کہ ایک سوداگر ملتان کے قریب لٹ گیا، وہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے صاحبزادے، حضرت شیخ صدر الدین کی ایک سفارش لے کر حضرت محبوب الٰہیؒ کی خدمت میں پہنچا، حضرت محبوب الٰہی نے خادم خاص کو حکم دیا کہ صبح سے چاشت تک جو فتوح پہنچے اس سوداگر کے حوالہ کردو، چاشت تک بارہ ہزار تنکے آئے، یہ ساری رقم سوداگر کو دیدی گئی (نیز دیکھو مطلوب الطالبین ورق ۴۰)

ایک بار ایک درویش آیا، حضرت محبوب الٰہی کے افطار کا وقت تھا، دستر خوان سامنے بچھا ہوا تھا، اس پر زنبیل کے خشک ٹکڑے رکھے ہوئے تھے، درویش سمجھا کہ حضرت محبوب الٰہی افطار کر چکے ہیں، اور یہ ٹکڑے دستر خوان پر باقی رہ گئے ہیں، اس نے وہ تمام ٹکڑے دستر خوان سے چن لئے اور ہاتھ میں لے کر چلا گیا حضرت محبوب الٰہی یہ دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا،

''ہنوز در کار ما خیریت بسیار است کہ گرسنہ می دارند، این حال بعد دو فاقہ بود کہ آن درویش را از غیب رسانیدند، (سیر الاولیاء ص ۱۱۴)

روضۃ الاقطاب کے مؤلف کا بیان ہے، کہ تین ہزار اہل علم طلبہ اور مرید کو حضرت خواجہ کے یہاں سے وظیفے ملا کرتے تھے، (ص ۵۵)

استغناء اس جود و سخا کے باوجود استغنا کا یہ عالم تھا کہ اگر بادشاہوں یا شہزادوں میں سے کوئی تحفہ یا ہدیہ پیش کرتا تو ایک سرد آہ کھینچتے کہ آہ یہ لوگ درویش کو غارت کرتے ہیں[1]، ایک بار ایک عقیدت مند ملک نے دو باغ، کچھ زمین اور دوسرے قسم کا ساز و سامان باضابطہ لکھ کر نذر کرنا چاہا، لیکن حضرت محبوب الٰہیؒ نے ان کو قبول نہیں کیا، اور مسکرا کر فرمایا، کہ اگر میں ان چیزوں کو قبول کرلوں تو لوگ مجھ کو یہی کہیں گے کہ شیخ اب باغ میں جاتا ہے، اور اپنی زمین اور باغ کا تماشا دیکھتا ہے، یہ میرے لئے بالکل مناسب نہیں، پھر اشکبار ہو کر فرمایا،

''از خواجگان ما و مشایخان ما ہیچکس ازیں قبول نہ کردہ است[2]''

حضرت محبوب الٰہی کے ابتدائی زمانہ کی عسرت و تنگی کی خبر سلطان جلال الدین خلجی کو ہوئی تو ان کی خدمت میں کچھ تحائف بھیجے اور کہلایا کہ اگر حکم ہو تو ایک گاؤں خدمت گذاروں کے لئے مقرر کردوں، تاکہ وہ فارغ البالی سے آپ کی خدمت میں مصروف رہیں، لیکن حضرت محبوب الٰہی نے کہلا بھیجا کہ اس گاؤں کی ضرورت نہیں، میرا اور میرے خدمت گذاروں کا کارساز خداوند تعالیٰ ہے، لیکن جب بعض

---

[1] سیر الاولیاء ص ۱۳۰، [2] فوائد الفواد ص ۹۹

خدمت گذاروں کو اس کی خبر ہوئی تو وہ حضرت محبوب الٰہیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا، کہ آپ تو اپنی فلاح اسی میں سمجھتے ہیں کہ پانی تک نہ پئیں، لیکن ہم لوگوں کا حال فقر و فاقہ سے نازک ہے، حضرت محبوب الٰہیؒ نے اس شکایت کی طرف التفات نہیں کیا، اور طے کر لیا کہ اگر سب کے سب اسی وقت مجھ کو چھوڑ کر چلے جائیں تو مجھے کچھ افسوس اور غم نہ ہوگا، مگر جب اپنے اور دوسرے یاران طریقت کو بلایا اور سلطان جلال الدین خلجی سے گاؤں قبول کرنے کے بارہ میں مشورہ کیا، تو انھوں نے متفقہ طور پر گذارش کی کہ مولانا نظام الدین! ہم جو آپ کے یہاں وقت بے وقت روٹی کھا لیتے ہیں تو یہی بہت غنیمت ہے، لیکن اگر آپ نے گاؤں قبول کر لیا، تو اس کے بعد ہم پانی بھی نہ پئیں گے، اس جواب کو سن کر حضرت محبوبؒ الٰہی خوش ہوئے، اور فرمایا الحمدللہ دین کے کاموں میں تم ہی میرے مددگار ہو، دوستوں کو ایسا ہی ہونا چاہیے[1]۔

امیر خسرو نے ان کی شانِ استغناہی پر فرمایا ہے، (سیر الاولیاء ص ۱۳۰)

در حجرۂ فقر بادشاہی — در عالم دل جہاں پناہی
شاہنشہ بے سریر و بے تاج — شاہانش نجا کپائے محتاج

بردباری

فوائد الفواد میں ہے کہ ایک روز حضرت محبوبؒ الٰہی سجادہ پر رونق افروز تھے کہ ایک جوالقی پہنچا اور گالیاں دینے لگا، حضرت محبوبؒ الٰہی نے گالیوں کا خاموشی سے سنا اور برداشت کیا، مزید یہ کہ جوالقی نے جو کچھ مانگا عطا کیا، اور حاضرین مجلس کو مخاطب کر کے فرمایا، میرے پاس بہت سے لوگ آتے ہیں، اور چیزیں لاتے ہیں ایسے شخص کو بھی آنا چاہئے جو مجھ کو بُرا کہے، اس سلسلہ میں فرمایا کہ ایک موقع پر ایک شخص آیا، اور مجھ سے ناگفتہ بہ باتیں کیں، میں نے اس سے کہا کہ جب تک دنیا میں ہوں مجھ سے جرم سرزد ہوگا، اور تجھ سے عفو۔

فوائد الفواد ہی میں ہے کہ حاضرین مجلس میں سے کسی نے حضرت محبوبؒ الٰہی سے کہا کہ آپ کے لئے بعض لوگ نامناسب الفاظ استعمال کرتے ہیں، جن کا سننا مشکل ہے، فرمایا، جو مجھ کو برا کہتے ہیں، میں نے ان کو معاف کیا، مجھ کو بُرا کہنے والوں سے تکرار کرنے کی ضرورت نہیں۔

مخالفین سے حسن سلوک

خدا کی کسی مخلوق سے عناد رکھنا طریقت کے خلاف سمجھتے تھے، غیاث پور کے قریب کا رہنے والا ایک شخص چھجو نامی بلاوجہ حضرت محبوب الٰہیؒ کا دشمن ہو گیا تھا، اور ایذا رسانی پر کمر بستہ رہتا تھا، لیکن جب اس کی وفات کی خبر حضرت محبوب الٰہیؒ کو ملی تو اس کے جنازہ میں شریک ہوئے، اور تدفین کے بعد اس کی قبر پر دوگانہ نماز ادا کی، اور اس سے جو تکلیفیں پہنچی تھیں، اُن کو معاف کر کے ارحم الراحمین سے اس کی مغفرت کے لئے دعائیں کیں[2]۔

---

[1] سیر الاولیاء ص ۱۱۴۔۱۱۵، [2] سیر العارفین ص ۸۷

مولانا ضیاء الدین سنامیؒ اپنے وقت کے متشرع، متقی اور دیانتدار عالم تھے، احتساب پر ایک کتاب نصاب الاحتساب بھی لکھی تھی، اسی بناء پر حضرت محبوب الٰہیؒ سے سماع پر احتساب کرتے رہے، اور شدومد سے ان کی مخالفت کی، لیکن جب وہ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو حضرت محبوب الٰہی ان کی عیادت کیلئے تشریف لے گئے، مولانا ضیاء الدین سنامی نے اپنی دستار حضرت محبوب الٰہیؒ کے قدموں کے پاس بچھا دی، حضرت محبوب الٰہیؒ نے اس کو اٹھا کر اپنی آنکھوں پر رکھ لیا، جب وہ مولانا ضیاء الدین کے پاس پہنچے، تو مولانا سنامی آنکھیں چار نہ کرسکے، حضرت محبوب الٰہیؒ اٹھ کر باہر چلے آئے، لیکن اسی وقت خبر ملی کہ مولانا کی روح پرواز کرگئی، محبوبؒ الٰہی رونے لگے، اور فرمایا کہ ایک حامی شریعت تھا وہ بھی نہ رہا[1]۔

مریدوں کی محبت واصلاح

اپنے مریدوں پر بے حد شفقت فرماتے تھے، حضرت امیر خسرو سے ان کو جو شیفتگی تھی وہ آج بھی ضرب المثل ہے، مگر محبت کے ساتھ مریدوں کی تربیت میں کسی قسم کی رورعایت نہیں کرتے تھے، حضرت خواجہ برہان الدین غریبؒ کی بیعت محض اس لئے فسخ کردی کہ وہ کمبل کو دوتہ کرکے اس پر بیٹھتے تھے، اس کو ان کی تن پروری اور راحت پسندی پر محمول کیا، اس کی تفصیل آیندہ اوراق میں آئے گی، حضرت جلال الدین اودھیؒ اپنے زہد ورع، ترک اور تجرید کے لحاظ سے ممتاز مریدوں میں تھے، ان کے ساتھیوں نے ان سے درس وتدریس کی خواہش ظاہر کی، مرشد سے اس کی اجازت چاہی تو مرشد نے فرمایا کہ وہ کسی اور ہی کام کے ہیں، لیکن مریدوں کی دلجوئی کے لئے یہ بھی فرمایا کہ وہ سب مثل پیاز کے تہ بہ تہ ایک ہی ہیں، خواجہ مؤید الدین کرہ، سلطان علاء الدین کی شہزادگی کے زمانہ میں اس کے جان نثاروں میں تھے، مگر ترک دنیا کرکے حضرت محبوب الٰہیؒ کے آستانہ پر جبیں سائی کرنے لگے، علاء الدین جب بادشاہ ہوا تو ایک حاجب کو حضرت محبوب الٰہیؒ کی خدمت میں بھیج کر پیام دیا کہ خواجہ مؤید الدین کو رخصت کردیں تاکہ میرا کوئی کام بتائیں، حضرت محبوب الٰہیؒ نے فرمایا کہ ان کو ایک اور کام درپیش ہے، اور اسی میں کوشش کررہے ہیں، شاہی حاجب کو یہ جواب گراں گذرا اور اس نے کہا کہ مخدوم! آپ چاہتے ہیں کہ اپنے جیسا سب کو کرلیں، حضرت محبوب الٰہیؒ نے فرمایا، اپنا جیسا کیا میں اپنے سے بہتر کرنا چاہتا ہوں، سلطان علاء الدین کو جب اس جواب کی اطلاع دی گئی تو وہ خاموش رہا، حضرت خواجہ شمس الدین دھاری شاہی ملازمت میں دیوان کے عہدہ پر مامور تھے، مگر اس عہدہ کو چھوڑ کر حضرت محبوبؒ الٰہی کے مرید ہوگئے اور ان کے ملفوظات کو جمع کرکے ان کو مرتب بھی کیا، ایک دن مرشد سے عرض کیا، کہ اگر حکم ہو، تو آنے جانے والوں کے لئے ایک مکان بنالوں، مرشد نے فرمایا کہ یہ کام اس کام سے جس کو تم نے چھوڑا ہے کم نہیں ہے[2]۔

حضرت قطب الدین منور اور حضرت شیخ نصیر الدین محمود کو ایک ساتھ خلافت دی، پہلے خلافت

---

[1] اخبار الاخیار ص ۱۰۲ و مطلوب الطالبین قلمی نسخہ ص ۶۶، [2] اخبار الاخیار ص ۱۰۱، ۱۰۲

نامہ حضرت قطب الدین منور کے ہاتھ میں دیکر دو رکعت نماز ادا کرنے کو فرمایا، اور جب وہ جماعت خانہ میں نماز ادا کر رہے تھے، تو حضرت شیخ نصیر الدین کو خلعتِ خلافت عطا کیا، پھر حضرت شیخ قطب الدین منور کو بلا کر فرمایا شیخ نصیر الدین کو خلافت کی مبارک باد پیش کرو، اور جب وہ مبارک باد پیش کر چکے تو شیخ نصیر الدین سے فرمایا اب تم قطب الدین کو خلافت کی مبارک باد دو، شیخ نصیر الدین نے مبارک باد دی، پھر دونوں کو حکم دیا کہ ایک دوسرے سے بغل گیر ہوں اور جب وہ مل رہے تھے تو فرمایا تم دونوں بھائی بھائی ہو، خلافت کی تقدیم و تاخیر کو خاطر میں نہ لانا، دونوں نے اپنی زندگی میں ایسا ہی کیا[1]۔

حضرت محبوب الٰہیؒ اپنے مریدوں میں قاضی محی الدین کاشانی کا سب سے زیادہ لحاظ کرتے تھے، ان کو اپنے علم، حلم، زہد اور تقویٰ کی وجہ سے بڑی شہرت حاصل تھی، جب حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے تو اپنی جاگیر کا شاہی فرمان مرشد کے سامنے لا کر چاک کر دیا، اور فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرنے لگے، حضرت محبوب الٰہیؒ ان کے علمی تبحر کی وجہ سے ان کی بڑی قدر کرتے تھے، جب وہ ان کی خدمت میں آتے تو ان کی تعظیم کیلئے کھڑے ہو جاتے، جب وہ درجۂ کمال کو پہنچ گئے تو مرشد کی طرف سے خلافت ملی، خلافت کے وقت یہ تحریر بھی عطا ہوئی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

می باید کہ تارک دنیا باشی، بسوے دنیا و ارباب دنیا مائل نشوی بیہہ قبول نہ کنی وصلۂ بادشاہان نگیری و اگر مسافران بر تو رسند و بر تو چیزے نباشد ایں حال را غنیمت شمری از نعمت ہائے الٰہی فان فعلت ما امرتک فظنی بک ان تفعل کذالک فانت خلیفتی وان لم تفعل فالیہ خلیفتی علی المسلمین

چاہئے کہ تارک دنیا ہو جاؤ، دنیا اور اہلِ دنیا کی طرف مائل نہ ہو، گاؤں جاگیر قبول نہ کرو، بادشاہوں سے صلہ نہ لو، اگر تمہارے یہاں مسافر آئیں اور تمہارے پاس کوئی چیز نہ ہو تو اس حال کو غنیمت جانو اور اس کو اللہ تعالیٰ کی نعمت تصور کرو، پس اگر تم نے ایسا کیا جس کا میں تم کو حکم دیتا ہوں اور جس کی نسبت میرا گمان ہے کہ تم ایسا ہی کرو گے تو تم میرے خلیفہ ہو، ورنہ میرا خلیفہ مسلمانوں کے لئے اللہ ہے۔

ارادت کے بعد قاضی محی الدین کاشانی کے یہاں بڑی تنگی ہو گئی اور بچے فاقے سے تنگ آنے لگے، ان کے گھر کی اس عسرت کا حال کسی نے سلطان علاء الدین خلجی سے بیان کیا، سلطان علاء الدین نے کہا کہ صوبہ اودھ کا عہدۂ قضا ان کا موروثی حق ہے، میں ان کو یہ بھی دوں گا، اور انعام میں جاگیر اور

---

[1] سیر الاولیاء ص ۲۴۸-۲۴۹۔

گاؤں بھی پیش کروں گا، چنانچہ اس کے لئے ایک فرمان بھی جاری کیا، قاضی محی الدین کاشانی کو فرمان کی خبر ملی تو مرشد کی خدمت میں آئے، اور عرض کیا کہ بادشاہ نے میری رضامندی کے بغیر ایسا فرمانی جاری کیا ہے، مرشد نے یہ بات سنی تو رنجیدہ خاطر ہوئے، اور فرمایا تمہارے دل میں یہ بات آئی ہو گی تو سلطان نے یہ فرمان جاری کیا ہوگا، یہ کہہ کر حضرت محبوب الہیؒ نے قاضی محی الدین کی طرف سے اپنی توجہ اور تلطف کی نظر پھیر لی، اور ایک سال تک ملتفت نہ ہوئے، ایک سال کے بعد قاضی صاحب کو دوبارہ مرید فرمایا[1]۔

خلفاء میں حضرت بابا گنج شکر کے ایک نواسے مولانا خواجہ سید محمد امام بھی تھے، وہ نماز میں محبوب الہیؒ کی امامت کرتے تھے، جب وہ خوش الحانی سے کلام پاک پڑھتے تو حضرت محبوب الہیؒ پر رقت طاری ہو جاتی، حضرت نے نماز کے بعد کئی باران کو لباس خاص عطا فرمایا، مجلسوں میں کوئی شخص خواجہ محمد امام سے اونچی جگہ پر نہ بیٹھ سکتا تھا، جب خواجہ محمد نہ ہوتے تو ان کے بھائی خواجہ محمد موسیٰ امامت کیا کرتے تھے، دونوں حضرت کے دسترخوان پر برابر شریک رہتے، اور وہی دسترخوان کی دعا پڑھا کرتے۔

مرشد کے اعزہ اور مریدوں سے محبت

ایک روز حضرت بابا گنج شکرؒ کے چھوٹے بھائی حضرت شیخ نجیب الدین متوکل کے پوتے خواجہ عطا حضرت محبوب الہیؒ کے پاس آئے اور دوات وقلم سامنے رکھ کر کہا کہ فلاں امیر کو رقعہ لکھ دو کہ وہ مجھ کو کچھ دے، حضرت محبوب الہیؒ نے عذر فرمایا کہ اس امیر کی آمدورفت میرے یہاں نہیں ہے، تم کو اس سے جو توقع ہو بیان کرو، میں اپنے پاس سے دینے کی کوشش کروں گا، خواجہ عطا نے جواب دیا کہ جو تمہارے دل میں آئے دیدو، لیکن رقعہ بھی لکھ دو، حضرت محبوب الہی نے فرمایا، یہ درویشوں کا طریقہ نہیں، خواجہ عطا نے محبوب الہیؒ کو برا بھلا کہنا شروع کیا کہ تم میرے دادا کے مرید ہو، ہم لوگوں کے غلام ہو، ایک رقعہ لکھنے کو کہتا ہوں، اور تم نہیں لکھتے، یہ کہہ کر دوات زمین پر پٹک دی، اور غصے سے اٹھ کر جانے لگے، حضرت محبوب الہیؒ نے ہاتھ بڑھا کر دامن پکڑ لیا، اور فرمایا، ناخوش ہو کر مت جاؤ، خوش ہو کر جاؤ[2]۔

حضرت بابا گنج شکرؒ کے ایک مرید محبوب الہیؒ کے پاس آئے اور عرض کی کہ میرے پانچ چھ لڑکیاں ہیں، مجھ کو کسی کے سپرد کر دیں کہ وہ میری خبر گیری کرے، اتفاق سے اسی وقت علاء الدین خلجی کا عارض ممالک ظفر خاں حضرت محبوب الہیؒ کے پاس آیا، حضرت محبوب الہیؒ نے اس سے سفارش کی، ظفر خاں نے تعظیم بجالا کر کہا کہ گھر اور کھانا موجود ہے، آپ ان سے فرما دیں کہ وہاں چل کر رہیں، میں ہر طرح خدمت کرتا رہوں گا[3]۔

---

[1] سیر الاولیا ص ۳۲۷، [2] خیر المجالس ص ۱۰۶، سیر المجالس اردو ترجمہ خیر المجالس ص ۷۴۔۷۵، [3] سیر المجالس اردو ترجمہ خیر المجالس ص ۱۲، خیر المجالس کے فارسی متن میں ظفر خاں کے بجائے نبیسہ ظفر خان ہے ص ۱۷۸

غذا حضرت محبوب الٰہیؒ ہمیشہ صائم الدہر رہے، صرف افطار اور سحری کے وقت کچھ تناول فرماتے، افطار کے وقت آدھی یا زیادہ سے زیادہ ایک روٹی سبزی یا تلخ کریلہ کے ساتھ کھاتے، کبھی چاول بھی کھالیتے، دسترخوان پر اور لوگ بھی شریک ہوتے تھے، ان کی خاطر دیر تک کھاتے رہتے، کبھی اپنے پیالہ میں ہاتھ ڈالے رہتے، تاکہ اور لوگ ان کو کھانا ختم کرکے دیکھ کر ہاتھ نہ روک لیں، کبھی کسی پر شفقت فرماتے تو اپنے کھانے کا کچھ حصہ خوان میں رکھ کر اس کے یہاں بھجوادیتے تھے، سحری کے وقت کھانے کی چیزیں لائی جاتیں تو کچھ چکھ لیتے اور بقیہ کو تقسیم کردینے کا حکم دیدیتے، بھوکوں کو یاد کرکے ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتا، اور لقمہ فرو نہ ہوتا، جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے، دسترخوان پر کبھی ادھ چبے نوالے پائے جاتے، اس کی وجہ یہ ہوتی، کہ جو لقمہ لذیذ معلوم ہوتا، اس کو دہنِ مبارک سے نکال کر دسترخوان پر رکھ دیتے، خانقاہ میں فقراء اور مہمانوں کے لئے انواع واقسام کے کھانے پکتے، مگر خود ان کی لذت سے نا آشنا رہتے، مغرب کے بعد کی مجلس کے لئے شہر سے مختلف قسم کے کھانے پینے کی چیزیں آتیں تو حاضرین میں تقسیم کردی جاتیں، ان کی تواضع کیلئے ہر ایک سے خداوند تعالیٰ کی ان نعمتوں کی لذت پوچھتے رہتے، (سیر الاولیاء ص ۱۲۴، ۱۲۸)

لباس لباس میں بھی درویشانہ شان ہوتی تھی، مرشد کی صحبت میں جب اجودھن میں مقیم تھے، تو کپڑے میلے اور جا بجا شکستہ ہوگئے تھے، ناداری کی وجہ سے نہ صابن خرید سکتے اور نہ پیوند لگا سکتے تھے، سیر الاولیاء کے مصنف کی دادی نے ایک روز اصرار کرکے کپڑے دھودیئے، اور پیوند بھی لگادیئے، تو اس احسان کو تمام زندگی یاد کرتے رہے، (سیر الاولیاء ص ۱۱۵)

محبت رسول محبت رسول کا یہ عالم تھا کہ وصال سے کچھ دنوں پہلے خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے کہ "نظام! تم سے ملنے کا بڑا اشتیاق ہے"، اس خواب کے بعد سفر آخرت کے لئے بے چین رہے۔

وفات سے چالیس روز پہلے کھانا پینا ترک کردیا تھا، اور برابر آنکھوں سے آنسو جاری رہتا تھا، کبھی کچھ کھانے کے لئے اصرار کیا جاتا تو فرماتے۔

"وکسیکہ مشتاق حضرت رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم باشد او طعام دنیا چگونہ"

وصال مرض الموت کی شدت ہوئی تو دوا پینے کے لئے کہا گیا، لیکن فرمایا،

درد مند عشق را دارو بجز دیدار نیست

وصال کے روز لنگر خانہ اور ان کی ملکیت میں جتنی چیزیں تھیں، غربا ومساکین میں تقسیم کردیں تاکہ خداوند تعالیٰ کے یہاں کسی چیز کا مواخذہ نہ ہو، خادم خاص نے کچھ غلہ درویشوں کے لئے رکھ لیا تھا، اس کی خبر ہوئی تو ناخوش ہوکر فرمایا کہ اس کو بھی لٹادو اور ہر توشہ خانہ میں جھاڑو پھیر دو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا،

نماز کا وقت آتا تو ایک ہی وقت کی نماز کئی بار پڑھتے، پھر بھی تسکین نہ ہوتی اور فرماتے،

''می رویم و می رویم و رویم،

وفات سے کچھ پہلے بقیہ خاص سے مختلف چیزیں خلفاء کو عطا کیں اور ان کو خاص خاص مقامات پر جانے کا حکم دیا، حضرت شیخ نصیر الدین چراغ کو بابا فرید گنج شکرؒ کا عنایت کیا ہوا مصلیٰ، خرقہ، تسبیح، اور کاسہ چوبیں دیکر فرمایا،

''شمارا در دہلی باید بود، و جفائے مردم باید کشید۔''

اس کے بعد صبح کی نماز پڑھی، اور جب آفتاب طلوع ہو رہا تھا، تو یہ آفتاب دین ابد کے پردوں میں مستور ہو گیا، تاریخ وفات روز چہار شنبہ ۱۸؍ ربیع الاول ۱۳۲۴ء ۷۲۵ھ ہے۔

تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ جنازہ کے ساتھ قوال بھی تھے، جو یہ غزل گاتے جاتے تھے، یہ غزل سعدی کی ہے،

سرو سیمینا بہ صحرا می روی	نیک و بد عہدی کہ بے ما می روی
کس بدیں شوخی و عدامت برفت	چوں چنیں ما لعمداً می روی
اے تماشا گاہ عالم روے تو	تو کجا بہر تماشا می روی

مزار پُر انوار دہلی میں ہے، جہاں آج بھی خواص و عوام کا ہجوم رہتا ہے، اور زائرین کو بڑی کیفیت محسوس ہوتی ہے، وصیت یہ تھی کہ ان کو صحرا میں دفن کیا جائے، اور قبر کے لئے کوئی عمارت نہ بنائی جائے، اور ایسا ہی کیا گیا، لیکن بعد میں سلطان محمد بن تغلق نے روضہ مبارک کی عمارت بنوادی[1]۔

ساری عمر تجرد میں گذار دی، اس لئے کوئی اولاد نہیں تھی، مگر ان کی معنوی اولادوں نے ان کی تعلیمات کو جاری رکھا۔

محبوب الٰہیؒ کے ملفوظات

محبوب الٰہیؒ کے ملفوظات کی حیثیت گویا ان کی تصانیف کی ہے ان میں سے کچھ یہ ہیں،

(۱) فوائد الفواد (۲) افضل الفوائد (۳) راحت المحبین (۴) سیر الاولیاء[2]۔

اوّل الذکر کو خواجہ حسن سنجری نے مرتب کیا ہے، جو محبوب الٰہیؒ کے محبوب خلفاء میں تھے، سیر العارفین کے مؤلف کا بیان ہے کہ ایک روز حضرت شیخ نظام الدینؒ، حضرت شیخ بختیار کاکی قدس سرہٗ کے مزار پر تشریف لے گئے، وہاں سے حوض شمسی کے پاس بعض بزرگانِ دین کی فاتحہ خوانی کے لئے پہنچے تو

---

[1] اوپر کی تفصیل سیر الاولیاء ص ۱۵۵-۱۵۴، خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۳۳۷، اور مونس الارواح قلمی نسخہ دار المصنفین و مطلوب الطالبین قلمی نسخہ ورق ۹۶ میں ملے گی۔

[2] خواجہ شمس الدین دھاری نے بھی حضرت محبوب الٰہیؒ کے ملفوظات جمع کئے تھے، مگر اس کا نام نہ معلوم ہو سکا۔

دیکھا کہ خواجہ حسن سنجری اپنے دوستوں کے ساتھ رندانہ مشاغل میں مشغول ہیں، خواجہ حسن بچپن میں حضرت محبوب الٰہیؒ کے ساتھ بدایوں میں رہ چکے تھے، ان کو بچپن کی صحبت یاد آ گئی، اور محبوب الٰہیؒ کو دیکھ کر مستانہ وار یہ دو بیت زبان پر لائے۔

سالہا باشد کہ ماہم صحبتیم   گر ز صحبتہا اثر باشد کجاست
زہد تاں ایں فسق ما را کم نکرد   فسقِ ما محکم تر از زہد شماست

محبوب الٰہیؒ نے یہ سن کر فرمایا کہ اثر صحبت بھی اپنا محل و موقع چاہتا ہے، تاثیر صحبت کی صورتیں مختلف ہیں، خواجہ حسن پر ان الفاظ نے سحر کا کام کیا، اسی وقت ان کا دل جاری ہو گیا، قدموں پر گر پڑے، اور تمام افعال قبیحہ سے تائب ہو کر محبوب الٰہیؒ کے مرید ہو گئے اس وقت ان کی عمر تہتر سال کی تھی[1]، مرشد کی صحبت میں برابر رہنے لگے، اور ۷۰۷ھ سے ۷۱۹ھ تک جو کچھ مرشد کی زبان مبارک سے سنتے ان کو قلمبند کر لیتے، چنانچہ ان کے مرتب کردہ ملفوظات فوائد الفواد کو ہر زمانہ میں جو مقبولیت حاصل رہی، وہ چشتیہ سلسلہ کے اور مشائخ کے ملفوظات کو شاید حاصل نہیں ہوئی، امیر خسرو کہا کرتے تھے کہ

''اے کاش میری تمام تصنیفات خواجہ حسن سے نامزد ہو جاتیں، اور ان کے بدلے میں کتاب فوائد الفواد کا حسن قبول میرے لئے نامزد ہو جاتا[2]۔

حضرت محبوب الٰہیؒ کے خلیفہ مولانا علاء الدین نیلی ہمیشہ اسی کو پڑھا کرتے تھے، اور جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ کوئی اور کتاب کیوں نہیں پڑھتے تو فرمایا، میری نجات اسی میں ہے۔

مرا نسیم تو باید صبا کجا است کہ نیست
کجاست زلفِ تو مشک خطا کجا ست کہ نیست

(سیر الاولیاء ص ۲۷۸)

ضیاء الدین برنی نے اپنے زمانہ کا حال لکھا ہے کہ

''دریں ایام فوائد الفواد دستور صادقان ارادت شدہ است[3]''

عہد ہمایوں کے مصنف صاحب سیر العارفین کا بیان ہے، (ص ۸۷)

''فوائد الفواد اہل اللہ کے لئے مونس جان اور ہادی راہ ہے،

فرشتہ رقم طراز ہے:۔

''کتاب الفواد، بشرف قبول و تحسین سرفراز گشت[4]''

---

[1] سیر العارفین ص ۸۷ و فرشتہ جلد دوم ص ۳۹۴، [2] فرشتہ جلد دوم ص ۸۷، فرشتہ کے الفاظ یہ ہیں، ''امیر خسرو بر اں رشک...... بر وہ گفت کاش تشریف قبول و تحسین آں نسخہ و تصنیف آں بمن منسوب گشتی و تمام تصانیف من بنام خواجہ حسن گردیدی، [3] تاریخ فیروز شاہی ص ۲۶۰، [4] فرشتہ جلد دوم ص ۳۹۴،

مرأۃ الاسرار کے مؤلف مولانا عبدالرحمٰن چشتی لکھتے ہیں:۔

''امروز آں فوائد الفواد مقبول اہلِ دلانِ عالم شدہ است و دستور عاشقاں گشتہ و شرق وغرب عالم گرفتہ۔''

بعد کے تذکرہ نگاروں میں خزینۃ الاصفیاء کے مؤلف نے لکھا ہے کہ

''کتاب فوائد الفواد از ملفوظاتِ حضرت شیخ تالیف کردہ دی (خواجہ حسن) است و بغایت مقبول افتادہ[1]۔''

امیر خسرو نے بھی اپنے مرشد کے ملفوظات افضل الفوائد اور راحت المحبین کے نام سے مرتب کئے ہیں[2] مگر ان کو وہ مقبولیت حاصل نہیں ہوئی، برٹش میوزیم کے فارسی مخطوطات میں حضرت محبوب الہیٰؒ کے ملفوظات میں ایک کتاب راحت المحبین بھی ہے اس میں امیر خسرو نے ۶۸۹ھ سے ۶۹۰ھ تک کے ملفوظات درج کئے ہیں[3]۔

خواجہ سید محمد مبارک امیر خورد بھی حضرت محبوب الہیٰؒ کے مرید تھے، انھوں نے بھی سیر الاولیاء میں ان کے ملفوظات جمع کئے ہیں، اس کتاب میں خواجگانِ چشت کے حالات بھی ہیں، اور آخر میں محبوب الہیٰؒ کے ملفوظات بھی ہیں۔

ان تمام ملفوظات میں ایک سالک کو توبہ، استقامتِ توبہ، ایمان، استغراق، نماز، تلاوتِ قرآن، اوراد و وظائف، فقر و فاقہ، ترک دنیا، جہد و طاعت، مشغولی حق، مجاہدہ، صبر و رضا، توکل، احترام پیر، حلم و بردباری، اور جود و سخا وغیرہ کی وہی تعلیمات دی گئی ہیں، جو چشتیہ سلسلہ کے پیشتر و مشائخ نے دی تھیں، جن کا ذکر گذشتہ صفحات میں آچکا ہے، کچھ مزید تعلیمات ملاحظہ ہوں:۔

رہروانِ سلوک کی قسمیں

حضرت محبوب الہیٰؒ نے راہ سلوک کے رہروؤں کی تین قسمیں بتائی ہیں، (۱) سالک (۲) واقف (۳) راجع، اس راہ کے مسلسل چلنے والے سالک ہیں، اور جن کو طاعت و عبادت میں وقفہ حاصل ہو، وہ واقف ہیں، اور جو وقفہ میں پھر راہ سلوک کی طرف رجوع نہ کریں، وہ راجع ہیں، (فوائد الفواد ص ۱۶)

راہ سلوک کی لغزشیں

اس راہ میں مندرجہء ذیل لغزشیں ہیں، (۱) اعراض (۲) حجاب (۳) تفاصل (۴) سلب مزید، (۵) سلب قدیم، (۶) تسلی، (۷) عداوت۔

ان کی تفصیل یہ بتائی ہے، کہ عاشق سے جب کوئی فعل یا حرکت ایسی سرزد ہو جائے جو معشوق کے

---

[1] خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۳۳۶، [2] برٹش میوزیم کیٹلاگ جلد سوم ص ۱۵۸، [3] ایضاً ص ۹۷۳ بعض اور مریدوں نے حضرت محبوب الہیٰؒ کے ملفوظات جمع کئے، لیکن یہ مشہور نہ ہو سکے افضل الفوائد اور راحت المحبین پر تفصیلی بحث کے لئے دیکھئے صوفی امیر خسرو از خاکسار مرتب ص ۱۰۔۱۴۱،

لئے پسندیدہ خاطر نہ ہو تو وہ یعنی معشوق منہ پھیر لیتا ہے، اس کو اعراض کہتے ہیں، عاشق کو چاہئے کہ وہ استغفار اور معذرت کرے، اور جب اس کی معذرت قبول نہیں ہوتی تو دونوں کے درمیان حجاب پیدا ہو جاتا ہے، اس حجاب کو دور کرنے کے لئے عاشق خضوع وخشوع کیساتھ توبہ کرے، اور اگر توبہ قبول نہیں ہوتی ہے، تو تفاصل یعنی جدائی ہو جاتی ہے، اور اس کے بعد بھی اگر استغفار قبول نہیں ہوتا، تو عاشق سے طاعت وعبادت کا ذوق سلب کرلیا جاتا ہے، اور اس کے ساتھ وہ اپنی قدیم عبادت کا ثواب بھی کھو بیٹھتا ہے، اور معشوق عاشق کے دل میں جدائی کی تمام صورتیں پیدا کر دیتا ہے، جسکو تسلی کہتے ہیں، اس سے عاشق اہمال کی طرف مائل ہو جاتا ہے، اور اس کی محبت عداوت میں منتقل ہو جاتی ہے۔

(فوائد الفواد ص ۱۶۔۱۷)

عزیمت سالک کو ہر خطرہ کے حال میں خداوند تعالیٰ کی پناہ کا جویاں ہونا چاہئے، اس کا نام عزیمت ہے، اور پھر اس عزیمت کو عمل میں منتقل کر دینا چاہئے (فوائد الفواد ص ۱۸) جب سالک عبادت اور ریاضت کا آغاز کرتا ہے، تو اس کو نفس پر گرانی محسوس ہوتی ہے، لیکن جب وہ صدق دل سے اس کو جاری رکھتا ہے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس کو توفیق عطا ہوتی ہے، اور اس کی مشکل آسان ہو جاتی ہے، (فوائد الفواد ص ۲۷۔۲۸) اس کے بعد وہ مجاہدہ وریاضت میں ذوق وشوق محسوس کرتا ہے، رفتہ رفتہ اس کو ایسا استغراق ہو جاتا ہے کہ وہ یاد حق کے سوا ہر چیز اس راہ میں مناع ہو جاتی ہے،

(فوائد الفواد ص ۹۱)

فراغت قلب اس راہ میں عاشق وہی ہے جو حضور اور غیبت کی حالت میں یکساں معشوق کی محبت کا دم بھرتا ہو، اور اس کے وصال کا ہمیشہ طالب رہتا ہو، محبت کی دو قسمیں ہیں، ایک محبتِ ذات، دوسری محبت صفات، اوّل الذکر محبتِ الٰہی ہے، اور آخر الذکر کسب سے حاصل ہوتی ہے، موہبتِ الٰہی کا تعلق بندہ کے عمل سے نہیں، مگر محبتِ صفات کو کسب سے حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ماسوئی اللہ سے قلب کو فارغ کر کے اس کو ذکر دوام میں مصروف رکھنا چاہئے، فراغِ قلب کو روکنے والی چار چیزیں ہیں، (۱) خلق (۲) دنیا (۳) نفس اور (۴) شیطان، مگر دفع خلق کے لئے عزلت، دفع دنیا کے لئے قناعت اور دفع نفس وشیطان کے لئے اللہ جل شانہ سے التجا، فریاد وگریہ وزاری ہو تو فراغتِ قلب حاصل ہو جاتی ہے۔

عشق ومحبت درویش اہلِ عشق ہوتے ہیں، اور علماء اہلِ عقل، جب تک اللہ جل شانہ کی محبت قلب کے غلاف میں ہوتی ہے، گناہ کا صادر ہونا ممکن ہے، لیکن محبت جب قلب کے گرد ونواح میں آجاتی ہے، تو پھر گناہ صادر نہیں ہوتا، اہلِ محبت کے دل میں نماز کے وقت دنیا کا خیال آجاتا ہے، تو وہ پھر سے نماز پڑھتے ہیں، اور اگر عاقبت کا خیال آجاتا ہے، تو سجدۂ سہو بجالاتے ہیں، (افضل الفوائد)

صبر، رضا، توکل اس راہ میں صبر، رضا اور توکل لازمی چیزیں ہیں، بلا اور مصیبت کے وقت شکایت نہ کرنا صبر ہے، اور بلا اور مصیبت کے وقت اپنی کراہت کا اظہار نہ ہونے دینا رضا ہے، جو بظاہر ناممکن العمل معلوم ہوتا ہے، لیکن حقیقۃً ایسا نہیں، مثلاً تیز روز مسافر کے پاؤں میں کانٹا چبھ جاتا ہے، تو وہ کانٹے کا خیال کئے بغیر اپنی راہ طے کرتا چلا جاتا ہے، یا ایک سپاہی جنگ میں مشغول ہوتا ہے، تو پھر اس کو اپنے زخم کا خیال مطلق نہیں ہوتا، (فوائد الفواد ص ۵۳) توکل کی تین قسمیں بتائی ہیں، ایک یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو اپنے حال کا عالم ودانا سمجھ کر اس سے سوال کرے، دوسرا توکل بچوں کا ہے، کہ وہ ماں سے دودھ نہیں مانگتا ہے، لیکن پھر بھی اس کو دودھ مل جاتا ہے، تیسرا توکل مردوں کا ہوتا ہے وہ اپنے غسالوں کے ہاتھوں میں ہوتے ہیں جس طرح غسال چاہتے ہیں، ان کو غسل دیتے ہیں، محبوب الہیٰؒ کے نزدیک سب سے اعلیٰ توکل یہی ہے، (فوائد الفواد ص ۵۴) فرمایا کہ ایک شخص کا ایمان مکمل اسی وقت ہوتا ہے جب وہ دنیا اور اس کی تمام چیزوں کو اونٹ کی مینگنی کے برابر سمجھتا ہو، اور خدا کے سوا کسی اور پر اعتماد نہ کرتا ہو، (فوائد الفواد ص ۱۰۱) جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی دوستی کا دعویٰ کرتا ہے، اور اسی کے ساتھ دنیا کی دوستی بھی رکھتا ہے، وہ کاذب ہے (فوائد الفواد ص ۵۸) عارف کے ستر مقامات ہیں ان میں سے ایک اس دنیا کی مرادوں سے محرومی ہے، لیکن اگر وہ اپنے کو نیک اور اچھا انسان سمجھنے لگے، اور اس میں رعونت پیدا ہو جائے، تو وہ بدترین آدمی ہے، (فوائد الفواد ص ۲۱۶)

بنیاد حق سالک کے لئے یاد حق کی بنیاد چھ چیزوں پر ہے:-

(۱) وہ خلوت نشین ہو کہ اس سے اس کا نفس مغلوب ہوگا، (۲) وہ ہمیشہ باوضو رہتا ہو، اگر اس کو نیند آ جائے، تو جاگنے کے بعد پھر وضو کر لے، (۳) صوم دوام رکھنے کی کوشش کرتا ہو، اگر یہ ممکن نہ ہو تو غذا میں تقلیل کرے (۴) غیر حق سے ہمیشہ سکوت اختیار کرتا ہو، (۵) شیخ سے قلبی لگاؤ اور محبت رکھتا ہو، (۶) حق کی خاطر تمام خواطر کی نفی کر دیتا ہو۔

سالک کا پرہیز ایک دوسرے موقع پر فرمایا، کہ سالک کے لئے چار چیزوں سے پرہیز کرنا ضروری ہے، (۱) دنیا خصوصاً صحبتِ اغنیاء (۲) ماسویٰ اللہ کا تذکرہ (۳) غیر کی طرف التفات وتوجہ، (۴) دل کا میل یعنی دل میں دنیا کی کسی قسم کی محبت نہ ہو، (افضل الفوائد نسخہ قلمی ص ۶)

توبہ ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا کہ سالک جب کسی چیز سے توبہ کرے تو اس کی نیت خالص ہو (فوائد الفواد ص ۲۵) اور ہر حال میں اس پر ثابت قدم رہے، (فوائد الفواد ص ۷۵-۱۳۹-۱۰۵) گناہ سے ایک مرتبہ توبہ کی جاتی ہے، مگر طاعت سے ہزار مرتبہ، جس طاعت میں ریا کی آمیزش ہو، وہ گناہ سے بھی بدتر ہے۔

ظاہری اخلاق حضرت محبوب الہیٰؒ نے سالک کے ظاہری اخلاق پر بھی پورا زور دیا ہے، فرماتے ہیں کہ سالک میں چار چیزوں سے کمال پیدا ہوتا ہے، (۱) کم کھانا (۲) کم بولنا (۳) کم سونا، اور (۴) لوگوں سے میل جول کم رکھنا،

حقوق العباد مخالطت خلق سے پرہیز کی تاکید جابجا ہے، مگر اسی کے ساتھ خلق اللہ کے حقوق کی بھی تعلیم ہے، فرمایا کہ مومن کے دل کو ستانا اللہ تبارک وتعالیٰ کو تکلیف پہنچانا ہے، مومن وہ شخص ہے کہ اگر وہ مشرق میں ہے اور مغرب میں ایک مومن کے پاؤں میں کانٹا چبھے تو اس کو یہاں درد محسوس ہو، (افضل الفوائد قلمی نسخہ)

عیب پوشی درویش کو جب کسی سے تکلیف پہنچے تو اس کے دل سے کسی حال میں بھی بددعا نہ نکلے، اور درویش کو پردہ پوش ہونا چاہئے، پردہ پوشی تمام عبادتوں میں افضل ہے۔

(افضل الفوائد قلمی نسخہ)

حقوق ہمسایہ ہمسایہ کے حقوق کے سلسلہ میں فرمایا، وہ قرض مانگے تو اس کو قرض دو، اس کو کوئی ضرورت ہو تو پوری کرو، بیماری میں اس کی عیادت کرو، مصیبت میں غمخواری کرو، اس کا انتقال ہو جائے تو اس کی میت کے ساتھ جاؤ، اور اس کے جنازہ کی نماز پڑھو

(افضل الفوائد قلمی نسخہ دار المصنفین ص ۲۹)

پابندی شریعت شریعت کی پابندی ہر حال میں ضروری بتائی ہے، اپنے خواجگان ہی کی طرح فرماتے ہیں، کہ اگر کوئی شخص کسی مقام سے گرے تو شروع میں گرے اور اگر یہاں سے گر گیا تو پھر اس کا کوئی ٹھکانہ نہیں، ایک اور موقع پر فرمایا کہ انچہ نامشروع ست ناپسندیدہ است، یعنی جو شے شرعاً ناجائز ہے، وہ بری ہے (فوائد الفواد ص ۲۴۷) وجد و حال، ذوق وکیف اور استغراق وتحیر سے شریعت ساقط ہو جاتی ہے تو اس کو کسی حال میں گوارا نہیں فرماتے ارشادات عالیہ میں ہے کہ وہی لوگ مشائخ ہیں، جن کے ظاہر و باطن دونوں آراستہ ہیں، (فوائد الفواد ص ۱۳۴) اسی لئے ملفوظات میں ذوق وکیف اور استغراق وتحیر کے ساتھ نماز، روزہ، سنن ونوافل، تلاوت قرآن پاک، تراویح، احترام شریعت، اور اتباع سنت کی جابجا تاکیدیں ہیں، خصوصاً نماز باجماعت کی بڑی تاکید کی ہے، فرمایا کہ

"اگر دو کس باشند ہم جماعت باید کرد چہ از دو کس جماعت نباشد، اما ثواب جماعت آں دو تن را باید کہ بر بار ایستد۔" (فوائد الفواد ص ۱۰۶)

خود بھی جماعت کا بڑا اہتمام رکھتے تھے، ضعیفی اور کبرسنی کے باوجود آخر وقت تک نماز باجماعت کے لئے خانقاہ کے کوٹھے پر سے نیچے تشریف لاتے، جمعہ کی نماز کے متعلق ارشاد ہے کہ مسافر اور مریض کے علاوہ اگر کوئی شخص ایک جمعہ کی نماز میں شرکت نہیں کرتا، تو اس کے دل میں ایک سیاہ نقطہ پیدا ہو جاتا

ہے، اگر دو جمعہ ناغہ کرتا ہے تو دو سیاہ نقطے پیدا ہو جاتے ہیں، اور تین جمعہ کی عدم شرکت سے اس کا تمام قلب سیاہ ہو جاتا ہے، (فوائد الفواد ص ۱۳۱)

پہلے ذکر آ چکا ہے کہ حضرت بابا گنج شکرؒ نے حضرت محبوب الٰہیؒ کو نصیحت فرمائی تھی کہ راہ سلوک میں روزہ رکھنا نصف راہ ہے، اور بقیہ نصف راہ نماز اور حج سے طے ہو جاتی ہے، حضرت محبوب الٰہیؒ نے اسی کی تعلیم اپنے مریدوں کو دی، اس کے علاوہ اپنی مجلسوں میں احکامِ الٰہی کی تلقین زیادہ تر کلام الٰہی کی تفسیر کی تحت فرماتے، احادیث نبوی ﷺ کی بھی بڑی تعظیم کرتے، ایک موقع پر فرمایا کہ وہ ملک کیونکر آباد رہے گا، جس میں لوگوں کی رائے کو احادیث نبوی ﷺ پر ترجیح دی جاتی ہو۔

اظہار کرامت کرامت کے اظہار کی ممانعت سختی سے کی ہے، فرمایا کہ۔

''کرامت پیدا کردن کارے نیست مسلمانے روی راستی گدائے بیچارہ می باید بود۔''

اسی کے ساتھ یہ حکایت بیان کی کہ ایک بار خواجہ ابوالحسن نوائی دجلہ کے کنارے پہنچے تو دیکھا کہ ایک ماہی گیر دریا میں جال ڈال رہا ہے، خواجہ ابوالحسن نوائی نے ماہی گیر کو مخاطب کر کے فرمایا، کہ اگر میں صاحب ولایت وکرامت ہوں گا، تو تمہارے جال میں میرے کہنے سے ڈھائی من وزن کی ایک مچھلی پھنسے گی، اور مچھلی ٹھیک اسی وزن کی ہوگی، نہ کم ہوگی، نہ زیادہ، ان کے ارشاد کے مطابق واقعی اس وزن کی مچھلی پھنس گئی، اس کی خبر حضرت شیخ جنید قدس سرہ' کو ملی، تو انھوں نے فرمایا کاش اس جال میں ایک مار سیاہ پھنستا، اور ابوالحسن کو کاٹ لیتا کہ وہ ہلاک ہو جاتے، لوگوں نے پوچھا کہ آپ ایسا کیوں فرماتے ہیں، جواب دیا کہ اگر سانپ ان کو کاٹ لیتا تو وہ شہید ہو جاتے، لیکن اپنی کرامت کے بعد زندہ رہے تو یہ دیکھنا پڑیگا کہ ان کا خاتمہ کس طرح ہوا، (فوائد الفواد ص ۱۷۳)

سماع سلسلہء چشتیہ میں سماع جائز ہے، فوائد الفواد میں کثرت سے اس کا ذکر آیا ہے، محبوب الٰہیؒ نے فرمایا کہ سماع ایک صورت موزوں ہے، اس لئے حرام نہیں، اس سے تحریکِ قلب ہوتی ہے، اگر یہ تحریک یادِ حق کے لئے ہے تو مستحب ہے، لیکن فساد کی طرف مائل ہے تو حرام ہے، (ص ۲۴۶)

سماع سے تین سعادتیں حاصل ہوتی ہیں:۔

(۱) انوار

(۲) احوال

(۳) آثار

اور یہ تین چیزیں عالم سے نازل ہوتی ہیں:۔

(۱) ملک

(۲) جبروت

(۳) ملکوت

اور تین چیزوں پر نازل ہوتی ہیں،

(۱) ارواح

(۲) قلوب

(۳) جوارح

انوار عالمِ ملکوت سے ارواح پر، احوال عالم جبروت سے قلوب پر اور آثار عالم ملک سے جوارح پر نازل ہوتے ہیں، انوار، پھر احوال اور آخر میں آثار ظاہر ہوتے ہیں، آثار کے نزول سے جسم میں حرکت اور جنبش پیدا ہوتی ہے، (ص ۳۶) دفعتہً جنبش اور ہیجان پیدا کرنیوالے سماع کو ہاجم کہتے ہیں، لیکن سماع کے اثر کرنے کے بعد کسی شعر کو خدا یا اپنے پیر یا ایسی چیز کی طرف منسوب کرے جو اس کے دل میں پیدا ہو تو وہ غیر ہاجم ہے۔ (فوائد الفواد ص ۱۱۴)

سماع کے لئے حسب ذیل شرطیں لازمی ہیں:۔

(۱) مسمع یعنی سنانے والا، لڑکا اور عورت نہ ہو۔

(۲) مسموع یعنی جو چیز سنی جائے، وہ ہرلیات اور فواحش سے پاک ہو۔

(۳) مستمع یعنی جو سنے وہ صرف خدا کے لئے سنے۔

(۴) آلاتِ سماع مثلاً چنگ رباب اور دوسرے مزامیر نہ ہوں (ص ۲۴۶) محفل سماع میں عورتیں نہ ہوں، (فوائد الفواد ص ۹۵)

ایک مجلس میں مریدوں نے عرض کی کہ آج کل مخدوم کی خدمت کی خاطر ہر وقت سماع سننا جائز کر دیا گیا ہے، محبوب الٰہیؒ نے فرمایا کہ جو چیز حرام ہے وہ کسی کے کہنے سے حلال نہیں ہو سکتا، اور جو چیز حلال ہے وہ کسی کے حکم سے حرام نہیں ہو سکتی، مثلاً امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں سماع دف اور چغانہ کے ساتھ جائز ہے، لیکن ہمارے علماء احناف اس کے خلاف ہیں، لیکن اب اس اختلاف میں حاکم وقت کا جو حکم ہو گا وہی صحیح ہو گا، مریدوں میں سے ایک نے گذارش کی کہ آج کل بعض خانقاہوں میں درویش چنگ و رباب و مزامیر کی محفلِ سماع میں رقص کرتے ہیں، محبوب الٰہیؒ نے فرمایا کہ وہ اچھا نہیں کرتے، کیونکہ جو فعل نامشروع ہے، وہ پسندیدہ ہے، ایک مرید نے عرض کی کہ یہ درویش جب محفل سے باہر آتے ہیں اور ان سے کہا جاتا ہے کہ ایسی محفل میں کیوں شریک ہوئے جہاں مزامیر تھے، اور وہاں کیوں رقص کیا، تو جواب دیتے ہیں کہ ہم سماع میں اس قدر مستغرق ہو جاتے ہیں کہ ہم کو خبر نہیں ہوتی، کہ اس جگہ مزامیر بھی

ہیں، محبوب الٰہیؒ نے فرمایا کہ یہ جواب درست نہیں، اور یہ تمام باتیں معصیت کی ہیں (فوائد الفواد ص ۲۲۷)

افضل الفوائد میں ہے کہ حضرت محبوب الٰہیؒ فرماتے کہ سماع کے وقت نعرہ لگانا، آہ، آہ کی آواز بلند کرنا، فریاد کرنا وغیرہ ناقصوں کا کام ہے، اور فعل شیطانی ہے، وہ یہ بھی فرماتے کہ مجلس سماع میں شرکاء باوضو رہیں، صاف اور تازہ کپڑے پہن کر شریک ہوں، مجلس میں عود اور اگر کی خوشبو ہو۔

خلفاء حضرت محبوب الٰہیؒ کے خلفاء کی فہرست بڑی لمبی ہے، بعض کے اسمائے گرامی یہ ہیں، حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ (دہلی) حضرت شیخ قطب الدین منور (ہانسی) حضرت شیخ حسان الدین ملتانی (پاک پٹن) حضرت شیخ برہان الدین غریب (دیوگیری) شیخ اخی سراج الدین (مالدہ۔ بنگال) مولانا علاء الدین نیلی مولانا فخر الدین زرداری، قاضی محی الدین کاشانی، مولانا شمس الدین یحلی، بعض تذکروں مثلاً خزینۃ الاصفیاء جلد ا ص ۳۳۸ میں امیر خسرو کو بھی ان کا خلیفہ بتایا گیا ہے۔

تبلیغ واشاعت اسلام ان خلفاء میں حضرت خواجہ نصیر الدین چراغؒ دہلی نے دہلی، اودھ، پنجاب اور گجرات میں مذہبی روحانی اثرات پیدا کیے، حضرت شیخ اخی سراج الدین نے بنگال اور اس کے اطراف بہار اور آسام میں اسلامی تعلیمات پھیلائیں، حضرت خواجہ برہان الدین غریب نے دکن کو اپنے مرشد کی برکات سے مستفیض کیا، جناب خواجہ حسن نظامی کا بیان ہے کہ چین میں بھی حضرت محبوب الٰہیؒ کے ایک خلیفہ تھے ان کا اسم گرامی خواجہ سالار بن ین تھا، انھوں نے چین میں سلسلہ نظامیہ قائم کر کے اسلام کی تبلیغ کی۔

حضرت شیخ بوعلی قلندر پانی پتیؒ

نام ونسب نام شیخ شرف الدین اور لقب بوعلی قلندر تھا، امام اعظم ابوحنیفہؒ کی اولاد سے تھے، سلسلہء نسب یہ ہے، شیخ شرف الدین بوعلی قلندر بن سالار فخر الدین بن سالار حسن بن سالار عزیز بن ابوبکر غازی بن فارس بن عبدالرحمٰن بن عبدالرحیم بن محمد ابن دانک بن امام اعظم ابوحنیفہ،

والد ماجد ۶۰۰ھ میں عراق سے ہندوستان آئے، وہ بڑے متبحر اور جید عالم تھے، ان کی پہلی شادی حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کی دختر نیک اختر سے ہوئی، لیکن وہ لاولد فوت ہوگئیں، ان کے بعد مولانا سید نعمت اللہ صاحب ہمدانی کرمانی کی ہمشیرہ بی بی حافظہ جمال سے عقد ہوا، جو حضرت شیخ شرف الدین بوعلی قلندر کی ماں تھیں۔

شیخ بوعلی قلندر ۶۰۵ھ میں پانی پت میں پیدا ہوئے، کمسنی میں تمام علوم ظاہری حاصل کئے، اور بیس برس تک دہلی میں قطب مینار کے پاس ان کے درس وتدریس کا فیض جاری رہا، دہلی کے اکابر علماء مولانا قطب الدین مولانا وجیہ الدین پائلی قاضی ظہور الدین بجواری، قاضی حمید الدین، صدر شریعت مولانا فخر الدین پائلی وغیرہ ان کے علمی تبحر اور فضیلت کے معترف تھے۔

جذب وسکر لیکن جب تصوف کے کوچہ میں قدم رکھا، اور ریاضت ومجاہدہ میں مشغول ہوئے، تو جذب وسکر کی حالت میں علوم وفنون کی تمام کتابوں کو دریا میں ڈال کر جنگل کی راہ لی، اور پانی پت کے مضافات باگھونی اور کرنال کے نواح بڈھا کھیڑہ میں آخر وقت تک مقیم رہے[1]۔

خزینۃ الاصفیاء میں ہے، کہ معارج الولایت کے مؤلف نے شیخ بوعلی قلندرؒ کو حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کا خلیفہ لکھا ہے[2]، لیکن ان کی ارادت اور خلافت حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی طرف بھی منسوب ہے، اخبار الاخیار میں ہے،

> ''بعضے گویند کہ بخواجہ بختیار کاکی ارادت داشت وبعضے گویند بشیخ نظام الدین اولیاء و
> ہیچ یکے ازیں دونقل بصحت نرسیدہ است[3]۔''

سکر اور مستی کی حالت میں ایک بار مونچھیں شرعی حدود سے بہت بڑھ گئی تھیں کسی کو تراشنے کی ہمت نہ ہوتی تھی، ان کے ہمعصر بزرگ مولانا ضیاء الدین سنامی کو شریعت کی پابندی کا بڑا جوش تھا، انھوں نے

---

[1] خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل ص ۳۲۸، [2] ایضاً ص ۳۲۲، [3] اخبار الاخیار ص ۱۲۱

شیخ کی ریش مبارک کو پکڑ کر مونچھوں کو شرعی حد کے مطابق تراش دیا، جب وہ تراش کر تشریف لے گئے تو شیخ بوعلی قلندرؒ اپنی داڑھی کو پکڑ کر بار بار فرماتے، یہ ریش کیسی مبارک ریش ہے کہ شرع محمدی کی راہ میں پکڑی گئی[1]۔

خواجہ شمس الدین ترک

شیخ بوعلی قلندرؒ کے قیام پانی پت کے زمانہ میں شمس الاولیاء حضرت خواجہ شمس الدین ترک اپنے خلیفہ تاج الاولیاء حضرت خواجہ علاء الدین صابر رحمتہ اللہ علیہ کے حکم سے یہاں آ کر قیام پذیر ہوئے۔

حضرت خواجہ شمس الدینؒ ترکستان کے سادات میں اور حضرت خواجہ احمد یسوئی کے فرزند تھے، جن کا سلسلہء نسب حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے ملتا ہے، خواجہ شمس الدین علوم نقلی و عقلی کی تعلیم پانے کے بعد علم سلوک کی طرف مائل ہوئے اور ماوراء النہر کے بہت سے بزرگوں کی صحبت میں رہے، مگر جب کہیں تشنگی نہ بجھی، تو مرشد کامل کی طلب میں ہندوستان کی طرف چل کھڑے ہوئے، ملتان پہنچ کر بابا فرید گنج شکرؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور تربیت پانے کے بعد وہاں سے بابا صاحب کی ہدایت کے مطابق کلیر شریف پہنچے، جہاں حضرت شیخ علاء الدین صابرؒ نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ

"شمس الدین تو مرا فرزندی، از حق سبحانہ تعالیٰ خواستہ ام کہ ایں سلسلہء ما از تو جاری باشد و تا قیامت بر پا ماند[2]"

اور اپنی چہار ترکی کلاہ ان کے سر پر رکھ دی، وہ گیارہ سال تک پیر دست گیر کی خدمت میں رہے، مرشد کو اپنے ہاتھوں سے نہلاتے، وضو کراتے، ان کے لئے جنگلوں سے لکڑیاں لاکر کھانا پکاتے، اور خود فقر و فاقہ سے مجاہدہ و ریاضت میں مشغول رہتے، مرشد سے علوم سینہ کی تحصیل کے بعد پانی پت میں قیام کرنے کا حکم ملا، لیکن روحانی طور سے اس مقام کا بار اٹھانے کی اپنے میں صلاحیت نہیں پائی، اس لئے مرشد کی اجازت سے مزدوری کی طرف متوجہ ہو گئے، اس وقت سلطان غیاث الدین بلبن کا دور حکومت تھا، دہلی آ کر اس کی فوج میں سواروں کے زمرہ میں شامل ہو گئے[3]، کچھ دنوں میں ان کے پاس کافی دولت ہو گئی لیکن امارت کی کسی چیز سے ان کو کوئی تعلق نہ تھا، شب و روز ذکر الٰہی میں مشغول رہتے۔

سیر الاقطاب کے مؤلف کا بیان ہے:۔

"ایک مرتبہ سلطان غیاث الدین بلبن نے ایک قلعہ کا محاصرہ کیا، ایک زمانہ اسی حالت میں گذر گیا، اور قلعہ فتح نہ ہو سکا، اسی دوران میں ایک رات ایسی سخت آندھی آئی، اور بارش ہوئی کہ سپاہیوں اور امرائے اسلام کے خیمے گر پڑے، بارش تیزی سے جاری

---

[1] ایضاً خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل ص ۳۲۶، [2] مراۃ الاسرار (قلمی نسخہ دار المصنفین) و سیر الاقطاب ص ۱۸۶،
[3] خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل ص ۳۳۱

رہی، سخت سردی پڑنے لگی، اور کسی جگہ آگ باقی نہیں رہی، شاہی سقہ بادشاہ کے وضو کا پانی گرم کرنے کے لئے آگ کی تلاش میں نکلا، اس نے دفعتہً دور سے دیکھا کہ ایک خیمہ میں چراغ جل رہا ہے، وہ خیمہ حضرت (یعنی خواجہ شمس الدین ترک) کا تھا، سقہ دوڑا ہوا خیمہ کے پاس گیا، دیکھا کہ ایک فقیر کلام مجید کی تلاوت کر رہا ہے، حضرت کے خوف سے وہ آگ مانگ نہ سکا، حضرت نے سر اٹھایا، اور فرمایا کہ اے بھائی آؤ، اور جتنی آگ چاہتے ہو لیجاؤ، وہ سامنے آیا، اور ایک لکڑی آگ سے جلائی، اور لوٹا لے کر لوٹ گیا، اس واقعہ سے سقہ کو بے قراری تھی، صبح کے وقت مشک لے کر اس خیمہ کی طرف چلا، اور جب اس کے پاس پہنچا، تو حضرت کو اس میں نہ پا کر حیران ہوا، اور وہاں سے واپس آ کر ایک تالاب پر جو لشکر گاہ کے پاس تھا گیا، دیکھا کہ ایک نیک بزرگ وضو کر رہے ہیں، غور کیا تو وہی پاک صورت نظر آئی، جن کے چراغ سے رات کو آگ جلانے گیا تھا، یہ دیکھ کر ایک گوشہ میں کھڑا رہا، یہاں تک کہ وہ بزرگ وضو کے بعد نماز ادا کر کے اپنے خیمہ کی طرف تشریف لے گئے، سقہ نے اسی جگہ سے مشک میں پانی بھرا، اور باوجودیکہ جاڑے کا زمانہ تھا، اور ہر جگہ پانی جم گیا تھا، لیکن جس جگہ حضرت نے وضو کیا تھا وہاں کا پانی اس قدر گرم تھا، گویا کسی نے اس کو ابھی گرم کیا ہے، اس کو لیکر اپنے کارخانہ میں گیا، اور اپنی عقل سے معلوم کیا کہ یہ سب کچھ اسی مرد خدا کی عظمت و برکت کے سبب ہوا ہے، لیکن اس راز کو کسی سے ظاہر نہیں کیا، دوسرے دن حضرت کے پہنچنے سے پہلے جب دو چار گھڑی رات رہ گئی تھی تالاب پر پہنچا، اور پانی کو دیکھا کہ جما ہوا ہے، قریب ہی ایک درخت تھا، اس کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا، یہانتک کہ حضرت تشریف لائے، ان کے پہنچنے کے ساتھ ہی تالاب کے پانی نے جوش مارا، حضرت نے وضو کیا، اور نماز ادا کر کے اپنے خیمہ کی طرف روانہ ہو گئے، سقہ نے گرم پانی کو مشک میں بھرا، اور سلطان غیاث الدین بلبن کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اس وقت جب سلطان دربار عام میں بیٹھا تھا، سقہ نے فریاد کی، سلطان نے اس کو بلا کر استفسار کیا، اس نے عرض کیا، اگر جہاں پناہ میرے راز کو خلوت میں سنیں تو گذارش کروں، سلطان نے اس کا موقع دیا، سقہ نے حضرت کو تمام حال بیان کیا، سلطان سن کر متحیر ہوا، اور اپنی خوابگاہ میں اس کو ٹھہرنے کا حکم دیا، جب رات ہوئی تو سلطان خیمہ کے اندر چلا گیا، اور دروازہ کی کنجی سقہ کے حوالہ کر دی، جب تین چار گھڑی رات باقی رہ گئی تو سقہ نے دروازہ کھول کر سلطان کو جگا دیا، سلطان مسلح ہو کر باہر نکلا، اور سقہ کے ساتھ پا پیادہ تالاب پر پہنچا، پانی کو دیکھا تو بالکل سرد تھا، وہ چھپ کر وہیں بیٹھ گیا، یہاں تک کہ

حضرت تشریف لائے، ان کے پہنچتے ہی حسب معمول پانی میں جوش آ گیا، جس کو سلطان نے خود دیکھا، حضرت نے وضو کر کے نماز ادا کی، اور اپنے خیمہ کی طرف تشریف لے چلے، سلطان نے پانی کو دیکھا تو گرم تھا، وہ متحیر ہوا، اور حضرت کے پیچھے پیچھے چلا، حضرت خیمہ میں پہنچ کر قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول ہو گئے، سلطان دست بستہ وہیں کھڑا رہا، جب وہ تلاوت سے فارغ ہو چکے تو بادشاہ کو دیکھ کر تعظیم کے لئے کھڑے ہوئے اور سلام کیا، سلطان نے اظہار ادب کر کے عرض کی، کہ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ جیسے دوست میرے عہد میں موجود ہیں، لیکن اس کے باوجود ہزار افسوس ہے کہ ابھی تک یہ قلعہ فتح نہیں ہوسکا، حضرت نے ہر چند انے کو چھپانے کی کوشش کی، لیکن بے سود تھا، مجبوراً دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور فاتحہ پڑھ کر فرمایا کہ اسی وقت حملہ کیا جائے، انشاء اللہ فتح ہوگی، سلطان خوش خوش رخصت ہوا، اور لشکر میں پہنچ کر اسی وقت حملہ کیا، قلعہ فتح ہو گیا، سلطان جب مسرت سے معمور اپنے فتح مند لشکر میں پہنچا تو دوسرے دن برہنہ پا حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا، اور حضرت نے اپنے نور باطن سے اس کا ارادہ معلوم کر لیا...... اپنا تمام اسباب و مال و متاع فقراء کو دیدیا، اور کمبل اوڑھ کر لشکر سے چل کھڑے ہوئے، اور اپنے پیر دستگیر کی خدمت میں پہنچے، کچھ دنوں وہاں رہ چکے تو پانی پت میں مامور ہو گئے[1]۔"

بلبن پر بزرگان دین کے اثرات گو ہم اپنے موضوع سے الگ ضرور ہو رہے ہیں، لیکن یہ اس لئے کہ ناظرین کو اندازہ ہو جائے کہ سلطان بلبن کو اولیاء اللہ سے کیسی عقیدت تھی، پہلے ذکر آ چکا ہے کہ اس کی ایک لڑکی حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ سے حبالہء عقد میں تھی، ایک موقع پر بابا صاحب نے اس کے لئے دعا بھی کیں، بادشاہت کے زمانہ میں وہ علماء و مشائخ کی صحبت سے برابر مستفیض ہوتا رہا، تاریخوں میں اس کی دینداری، خدا ترسی اور عبادت گذاری کی بڑی تعریف کی گئی ہے، مولانا ضیاء الدین برنی اس کے متعلق رقمطراز ہیں:۔

"وہ (یعنی سلطان بلبن) عبادت، ریاضت، روزے، نفل اور شب بیداری میں غیر معمولی اہتمام کرتا، جمعہ کی نماز، نماز باجماعت، اشراق و چاشت اوابین اور تہجد کی نماز کی بھی پابندی کرتا، خواہ کوئی موسم ہو، رات کو جاگتا، سفر و حضر میں بھی اوراد و وظائف کو نہ چھوڑتا، کبھی بے وضو نہ رہتا، علماء کے بغیر کھانا نہ کھاتا، کھانے کے وقت علماء سے دینی مسائل پوچھتا، اور اس وقت بحث و مباحثہ بھی ہوتا، ہر قسم کے علماء و مشائخ کی بیحد تعظیم

---

[1] سیر الاقطاب ص ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹

کرتا، بزرگانِ دین کی ملاقات کے لئے ان کے گھروں پر جاتا، جمعہ کی نماز کی بعد اپنی سواری کی حشمت وشوکت کے ساتھ مولانا برہان الدین خلجی کے گھر پر اترتا، اور اس عالم ربانی سے بہت ہی تعظیم وتوقیر سے پیش آتا، قاضی شریف الدین مارالجی، مولانا سراج الدین سنجری، مولانا نجم الدین دمشقی کی بھی جو اس زمانہ کے ممتاز علماء تھے، بڑی عزت کرتا، جمعہ کی نماز کے بعد بزرگانِ دین کے مزاروں کی زیارت کو بھی جاتا، شہر کے سادات مشائخ وعلماء میں سے کسی کا انتقال ہو جاتا، تو ان کے جنازہ میں شریک ہوتا، پھر ان کے سیویم میں حاضر ہو کر ان کے لڑکوں اور بھائیوں کو خلعت دیتا، جاگیر اور وظیفہ مقرر کرتا، اگر اپنے دبدبہ وحشمت کے ساتھ کہیں سے گذرتا ہوتا، اور اس کو معلوم ہو جاتا کہ پاس ہی مسجد میں وعظ ہو رہا ہے، تو اتر جاتا اور عام لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر وعظ سنتا، وعظ سنتے وقت اس پر رقت اور گریہ بھی طاری ہو جاتا، وہ اپنے لشکر کے قاضیوں کی بھی بڑی عزت کرتا، جو اپنے تقویٰ اور دینداری کے لئے ممتاز ہوتے، اور وہ سلطان سے جس بات کی سفارش کرتے، اس کو وہ ضرور قبول کرتا[1]"

لیکن اس زہد وعبادت اور سلامت روی کے باوجود وہ ایک مسلمان حکمراں کے فرائض سے غافل نہیں رہنا چاہتا تھا، چنانچہ اپنے لڑکوں اور خاص خاص لوگوں سے مولانا سید نورالدین کے اس وعظ کا ذکر بار بار کرتا جو انھوں نے سلطان شمس الدین التمش کے سامنے کہا تھا، یہ وعظ طویل ہے، لیکن اس کا ایک حصہ یہ ہے، کہ اگر ایک بادشاہ روزانہ ہزار رکعتیں نماز پڑھتا رہے، تمام عمر روزے رکھتا رہے، گناہوں سے بچتا رہے، خزانے کو راہ حق میں خرچ کرتا رہے، لیکن وہ دین کی حمایت نہ کرتا ہو، اپنی سطوت کو خدا اور رسول کے دشمنوں کے قلع قمع کرنے میں صرف نہ کرتا ہو، شریعت کے احکام کو جاری نہ کراتا ہو، اپنے ملک میں امر معروف کو جاری کرانے اور منکر کو مٹانے میں کوشاں نہ رہتا ہو، اور عدل وانصاف سے کام نہ لیتا ہو، تو اس کی جگہ دوزخ کے سوا اور کوئی نہ ہوگی، مولانا ضیاء الدین برنی کا بیان ہے کہ بلبن جب وعظ کے اس حصے کو بیان کرتا تو زار زار رونے لگتا[2]۔

حضرت شمس الدین ترک اور حضرت بوعلی قلندر

جب حضرت شمس الدین ترکؒ کا نزول اجلال پانی پت میں ہوا، تو دودھ سے بھرا ہوا ایک پیالہ اپنے خادم کے ہاتھ شیخ بوعلی قلندرؒ کی خدمت میں بھیجا، شیخ بوعلی قلندرؒ خادم کو دیکھ کر مسکرائے، گلاب کے چند پھول ان کے سامنے پڑے تھے، ان کی پنکھڑیاں دودھ میں ڈال کر اسے حضرت شمس الدین ترکؒ کے پاس واپس کردیا، وہ پیالے میں گلاب کی پتیاں دیکھ کر متبسم ہوئے، حاضرین مجلس نے

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ص ۴۶۔۴۷، نیز دیکھو فوائد الفواد ص ۳۲۔۲۳۱، [2] تاریخ فیروز شاہی از ضیاء الدین برنی ص ۴۴۔

تبسم کی وجہ پوچھی، فرمایا شیخ بوعلی قلندرؒ کے پاس دودھ سے بھرا ہوا پیالہ بھیجنے سے مراد یہ تھی کہ یہ ملک میرے شیخ نے مجھ کو عطا کیا ہے، جو مجھ سے پُر ہو گیا ہے، شیخ بوعلی قلندرؒ نے گلاب کی پنکھڑیاں ڈال کر دودھ کا پیالہ جو واپس کر دیا تو اس سے مراد یہ ہے کہ وہ میرے ملک سے کوئی تعلق نہیں رکھیں گے، اور یہیں اسی طرح رہیں گے، جس طرح دودھ میں گلاب کی پنکھڑیاں ہیں، شیخ بوعلی قلندر سے پوچھا گیا، تو انھوں نے بھی یہی فرمایا، چنانچہ دونوں میں آخر وقت تک اخلاص و محبت قائم رہی[1]۔

شیخ بوعلی قلندر کا فیض

کبیر الاولیاء حضرت شیخ جلال الدین محمود پانی پتی، شیخ بوعلی قلندرؒ ہی کے فیض نظر سے راہ طریقت پر گامزن ہوئے، ایک دن شیخ بوعلی قلندرؒ سر راہ بیٹھے ہوئے تھے کہ کمسنی کے زمانہ میں شیخ جلال الدین گھوڑے پر سوار ادھر سے گذرے، ان کو دیکھ کر شیخ بوعلی قلندر نے فرمایا،

زہے اسپ وزہے سوار

کانوں میں یہ آواز پڑتے ہی شیخ جلال الدین بے خود ہو گئے، گھوڑے سے اتر پڑے، اور اسی وقت گریبان چاک کر کے جنگل کی راہ لی، اور چالیس سال تک جنگل میں پھرتے رہے، اور اس درمیان میں مختلف درویشوں اور فقیروں کی صحبت اختیار کی، پھر جب وطن واپس آئے، تو شیخ بوعلی قلندرؒ سے بیعت کے لئے مصر ہوئے، شیخ نے فرمایا:۔

''اے فرزند عزیز! کشایش تو موقوف بر مرد دیگر است۔''

چنانچہ جب حضرت شمس الدین ترکؒ پانی پتی کا ورود مسعود پانی پت میں ہوا تو شیخ بوعلی قلندرؒ نے شیخ جلال الدین رحمتہ اللہ علیہ کو ان کے پاس ارادت کے لئے بھیجا، جو آگے چل کر ان کے خلیفہ ہوئے[2]۔

سلطان جلال الدین خلجی کی عقیدت

سلطان جلال الدین خلجی کو حضرت خواجہ بوعلی قلندرؒ سے بڑی عقیدت تھی، وہ ان کے حلقہء ارادت میں بھی شامل ہو گیا تھا، اور بزرگانِ دین ہی کی صحبت کا شاید یہ اثر تھا کہ اس میں حلم، نرمی اور خدا ترسی کے اوصاف بدرجہء اتم موجود تھے، مولانا ضیاء الدین برنی لکھتے ہیں:۔

''ایں چنیں بادشاہ حلیم و کریم و ایں چنیں فرمان روایان و کارگذاران مہربان و خدا ترس بر بندگان خدا نتواند دید۔''

حضرت سیدی مولہ

مگر ان خوبیوں کے باوجود حضرت سیدی مولہ کا خون اس کے سر پر ہے، گو اس واقعہ کی تفصیل ہمارے موضوع سے متعلق نہیں، لیکن ناظرین کو اس سے دلچسپی ہوگی، اس لئے اس کو مجملاً مولانا ضیاء الدین برنی کی زبانی ہم بیان کرتے ہیں:۔

---

[1] سیر الاقطاب ص ۱۸۹، [2] ایضاً ص ۲۰۱، ۲۰۶

''سیدی مولہ ایک درویش تھے جو سلطان بلبن کے عہد میں ولایت ملک بالا سے شہر (یعنی دہلی) میں آئے، وہ عجیب طریقے رکھتے تھے، خرچ کرنے اور کھانا کھلانے میں بے نظیر تھے، لیکن جامع مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھنے نہیں آتے تھے، گو وہ نماز کے پابند تھے، مگر جماعت کے ساتھ نماز ادا نہیں کرتے تھے جس کی پابندی تمام بزرگانِ دین نے کی ہے، وہ مجاہدہ وریاضت بہت کرتے تھے، جامہ اور چادر پہنتے، اور چاول کی روٹی معمولی سالن سے کھاتے تھے، ان کے پاس کوئی عورت، کنیز اور خدمت گار نہ تھا، اور نہ وہ کسی نفسانی خواہش میں مبتلا تھے، کوئی کچھ دیتا تو اس کو قبول نہ کرتے، لیکن ان کے اخراجات اتنے تھے کہ لوگوں کو حیرت ہوتی تھی، اور ان کا خیال تھا کہ وہ علم کیمیا جانتے تھے، اپنے دروازہ کے سامنے میدان میں انھوں نے ایک خانقاہ بنوائی تھی، اس کی تعمیر میں ہزاروں روپئے خرچ کئے تھے، اس خانقاہ میں بڑی مقدار میں کھانا پکتا تھا، بری و بحری سفر کرنے والے مسافر یہاں آکر مقیم ہوتے تھے، اور ان کو دو وقت کھانا ملتا تھا، اور کھانا ایسا ہوتا تھا کہ اس زمانہ کے خوانین و ملوک کو میسر نہ تھا، خانقاہ میں ہزاروں من میدہ خرچ ہوتا تھا، پانچ سو جانور ذبح کیے جاتے تھے، دو تین سو من شکر اور سو دو سو من بنات خریدی جاتی تھی، خانقاہ کے سامنے آدمیوں کا ایک ہجوم رہتا تھا، ان کے پاس (یعنی حضرت سیدی مولہ) نہ کوئی گاؤں تھا اور نہ ان کو شاہی وظیفہ ملتا تھا، اور نہ وہ کسی سے فتح قبول کرتے تھے، جب کسی سے کوئی چیز خریدتے، یا کسی کو کچھ رقم دینا چاہتے تو کہتے کہ جاؤ، فلاں پتھر یا اینٹ کے نیچے جا کر اتنے نقرئی ٹنکے لے لو، وہ جاتا، تو واقعی اینٹ یا پتھر کے نیچے یا طاق میں طلائی اور نقرئی سکے مل جاتے، یہ سکے ایسے ہوتے، جیسے دارالضرب سے بالکل نئے نئے نکلے ہوں۔''

آگے چل کر مولانا ضیاء الدین برنی لکھتے ہیں:۔

''حضرت سیدی مولہ کی خانقاہ کے اخراجات سلطان جلال الدین خلجی کے عہد میں اور بھی زیادہ بڑھ گئے تھے، سلطان جلال الدین کا بڑا لڑکا خانخاناں ان کا معتقد ہو گیا تھا، اور اپنے کو حضرت سیدی مولہ کا بیٹا کہتا تھا، امراء و حکام کی آمد و رفت ان کے پاس بڑھ گئی تھی، قاضی جلال کاشانی نے جو اس زمانہ کا قاضی القضاۃ تھا، لیکن فتنہ انگیز تھا، سیدی مولہ سے تعلقات پیدا کئے، وہ دو دو تین تین راتیں خانقاہ میں بسر کرتا، اور وہاں کے لوگوں سے گفتگو کرتا، بلبن کے عہد کے مولا زادے جو امراء اور ملوک کی اولاد سے تھے اس گفتگو میں شریک رہتے، یہ سب عہد جلالی میں بالکل بے برو سامان، بے اقطاع اور بے حشم ہو گئے

تھے، برنج تن اور ہتھیا پایک کے کوتوال جو آزادوں اور پہلوانوں کے گروہ میں تھے، اور
بلبنی عہد میں ایک لاکھ چیتل وظیفہ پاتے تھے، بے وظیفہ ہو گئے تھے، اور بعض دوسرے
اکابر جو عہدوں سے معزول کر دیئے گئے تھے، سیدی مولہ کی خانقاہ میں آکر رات کو سوتے
اور ان سے کچھ چیزیں پاتے، لوگ سمجھتے کہ ان اکابر کی آمد و رفت محض حصول برکت کے
لئے ہوتی ہے، لیکن معلوم ہوا کہ قاضی جلال کاشانی، خانزادے، ملک زادے، برنج تن
اور ہتھیا پایک کے کوتوال نے رات کو سیدی کے پاس بیٹھ کر فتنہ انگیزی کا مشورہ کرتے
ہیں، چنانچہ برنج تن اور ہتھیا پایک کے کوتوال نے ارادہ کیا کہ جمعہ کے دن جب نماز کے
لئے سلطان جلال الدین کی سواری نکلے تو اس پر حملہ کر دیا جائے، اور سیدی کو خلیفہ بنا کر ان
کا نکاح سلطان ناصر الدین کی لڑکی سے کر دیا جائے، اور قاضی جلال کو قاضی خان کا عہدہ
اور ملتان کا اقطاع دار مقرر کیا جائے، اسی طرح اور اقطاعات ملک زادوں اور خان زادوں
میں تقسیم کر دیجائیں، ان بے کار لوگوں میں سے ایک شخص نے جو مشورے میں شریک تھا،
ان سے منحرف ہو کر یہ تمام خبریں سلطان جلال الدین تک پہنچا دیں، سیدی اور ان کے
ساتھی مہتمم کر کے سلطان کے سامنے لائے گئے، سلطان نے تفتیش کرنی چاہی تو سب نے
انکار کر دیا، اس زمانہ میں یہ رواج نہ تھا، کہ انکار کرنے والوں سے لات اور ڈنڈے کے
ذریعہ اقرار کرایا جاتا، چنانچہ دب کے لئے کم جاری کیا گیا، سلطان اور دوسرے لوگوں کو
سازش کا پورا یقین تھا، لیکن سازش کرنے والے منکر تھے، دوسرا کوئی ثبوت نہ تھا اور ان پر
کوئی حکم نافذ نہ کیا جا سکتا تھا، اس لئے بہار پور کے میدان میں آگ روشن کی گئی، سلطان
ملوک اور خوانین کے ساتھ وہاں پہنچا، ایک کوشک خاص نصب کیا گیا، سلطان نے شہر کے
تمام اکابر علماء و مشائخ کا محضر طلب کیا، اس میدان میں شہر کے خواص و عوام جمع ہوئے،
سلطان نے حکم دیا کہ سازش کرنے والوں کو آگ میں ڈال دیا جائے تا کہ جھوٹ اور سچ
روشن ہو جائے، لیکن اس بارے میں جب علماء سے استفتاء کیا گیا تو متدین علماء نے کہا
کہ دب نا مشروع ہے، اور آگ کے ذریعہ سے جھوٹ اور سچ کی تمیز نہیں کی جا سکتی،
سازش کی خبر صرف ایک شخص نے دی ہے، اور ایسے جرم میں صرف ایک شخص کی شہادت
قابلِ سماعت نہیں، اس لئے سلطان نے دب کا ارادہ ترک کر دیا، اور قاضی جلال کو جو فتنہ کا
سرغنہ تھا، بدایوں کا قاضی بنا کر وہاں بھیج دیا۔ خان زادوں اور ملک زادوں کو جلا وطن کر
دیا، اور ان کی املاک ضبط کر لی، برنج تن اور ہتھیا پایک کے کوتوال کو سزا دی، اس کے بعد
سیدی مولا کو باندھ کر سلطان کے کوشک کے پاس لایا گیا، سلطان نے ان سے خود مباحثہ

کیا، اس مجمع میں شیخ ابوبکر طوسی حیدری بھی اپنی حیدری جماعت کے ساتھ موجود تھے، سلطان نے ان سے خطاب کر کے کہا اے درویشاں! ''انصاف من ازیں مولہ بستانید بحری نامی ایک حیدر نے بڑھ کر سیدی کو استرے سے زخمی کر دیا، ارکلی خان نے کونتک کے اوپر سے فلیبانوں کو اشارہ کیا، ایک ہاتھی سیدی کی طرف دوڑا، اور ان کو پاؤں تلے مسل ڈالا۔''

اس کے بعد مولانا ضیاء الدین برنی اپنے تاثرات کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:۔

''ایسا حلیم اور بردبار بادشاہ اس معاملہ میں مشوروں کو سننے کی طاقت نہ پیدا کر سکا، اور ایسا حکم صادر کر دیا، جس سے درویشی کی عزت جاری رہی، مجھ کو یاد ہے کہ جس روز سیدی مولا کا قتل ہوا، ایک سیاہ طوفان آیا، اور تاریکی چھا گئی سیدی مولا کے قتل کے بعد ملک میں طرح طرح کے فتور پیدا ہو گئے، بزرگوں نے کہا ہے کہ کسی درویش کو قتل کرنا نحس ہے، اور کسی بادشاہ کو راس نہیں آتا، سیدی مولا کے قتل کے بعد اس سال بارش نہیں ہوئی، دہلی میں قحط پڑ گیا، اور غلہ ایک چیتل میں ایک سیر ملنے لگا، سوالک کے علاقہ میں ایک قطرہ بھی بارش نہیں ہوئی، اس سرزمین کے ہندو عورتوں اور بچوں کے ساتھ دہلی چلے آئے، بیس بیس اور تیس تیس آدمی ایک جگہ رہتے، اور بھوک سے بے تاب ہو کر اپنے کو جمنا میں غرق کر دیتے تھے، ادنیٰ لوگ سلطان اور امراء کے صدقات پر زندگی بسر کرتے تھے[1]۔''

اخبار الاخیار کے مصنف کا بیان ہے:۔

''جس روز سیدی مولہ کا قتل ہوا، بے انداز باد و غبار فضا میں اٹھا، دنیا تاریک ہو گئی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قیامت آ گئی ہے، سلطان جلال الدین نے یہ حال دیکھا تو سیدی مولا سے اس کو اعتقاد پیدا ہو گیا جو پہلے نہ تھا[2]۔''

شیخ بوعلی قلندر سے علاء الدین خلجی کی عقیدت

علاء الدین خلجی بھی حضرت شیخ بوعلی قلندرؒ کے حلقہء ارادت میں تھا، خزینۃ الاصفیاء میں ہے:۔

''جلال الدین و علاء الدین بادشاہانِ دہلی ہم حلقہء ارادت آنحضرت بگردن خود داشتند۔'' (ج ا ص ۳۲۷)

ایک بار سلطان علاء الدین خلجی نے حضرت بوعلی قلندرؒ کے پاس کچھ نذر بھیجنی چاہی، لیکن یہ معلوم تھا کہ وہ کوئی نذر قبول نہیں کرتے ہیں، امراء نے رائے دی کہ اگر تحفہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ص ۲۱۲، ۲۰۸۔ [2] اخبار الاخیار ص ۲۹،

وساطت سے بھیجا جائے تو وہ ضرور قبول کرلیں گے، سلطان علاء الدین نے امیر خسرو کو حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے پاس اپنی خواہش کا اظہار کرنے کے لئے بھیجا، حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے پہلے تو تامل فرمایا، پھر اپنے محبوب مرید کو نذر لے جانے کی اجازت دے دی، لیکن یہ بھی نصیحت فرمائی، کہ جو کچھ قلندر عاشق اللہ کہیں اس کو تسلیم کرنا، معترض نہ ہونا، حضرت امیر خسرو دہلی سے پانی پت تین روز میں پہنچے، اور جب وہ حضرت بو علی قلندرؒ کی قیام گاہ پر آئے تو خدام سے کہلا بھیجا کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کا بھیجا ہوا خسرو خدمت میں حاضر ہوا ہے، حضرت بو علی قلندرؒ نے ان کو اپنے پاس بلایا، اور جب وہ جا کر بیٹھے تو فرمایا کہ کچھ سناؤ[1]، امیر خسرو نے اپنی ایک غزل شروع کی، جو حسب ذیل ہے:۔

اے کہ گوئی ہیچ سختی چوں فراق یار نیست	گر امید وصل باشد آنچناں دشوار نیست
عاشقاں را در جہاں یکساں نباشد روزگار	زانکہ ایں انگشتہا بر دستِ من ہموار نیست
خلق را بیدار باید بود از آب چشم من	ایں عجب کان وقت میگریم کہ کس بیدار نیست
یک قدم بر نقش خود نہ وآں دگر در کوے دوست	ہر چہ بینی دوست بین با این و آنت کار نیست
چندمی گوئی بروز نار بند اے بت پرست	بر تنِ خسرو کدامی رگ کہ آں زنار نیست

غزل سن کر حضرت بو علی قلندرؒ خوش ہوئے اور امیر خسرو کو مخاطب کر کے فرمایا کہ خسرو! خوش رہو گے اور خوش جاؤ گے، پھر خود ہی یہ غزل پڑھی،

دیہیم خسرواں بر لعل اشتراست	خسرو کسے کہ حلقہء تجرید بر سراست
گفتم بعلم و عقل بملکِ دگر شدم	ملکم زعقل و دیں چو دیم فزوں تراست
سیمرغ دار ردی نہفتم بقافِ عشق	کو عارفی کہ منظر او عرشِ اکبر است
عقل کل است علم لدنی بعارفاں	ایں عقل و علم جسمے و رسمے مختصر است
درس شرف نبود زا لواحِ ابجدی	لوحِ جمالِ دوست مرا در ابر براست

امیر خسرو حضرت بو علی کی زبانی اس غزل کو سن کر بہت روئے، حضرت بو علیؒ نے پوچھا کہ کچھ سمجھے بھی، عرض کیا رونا اسی کا ہے کہ کچھ نہ سمجھا، اس جواب سے حضرتؒ بو علی خوش ہوئے، اور بادشاہ کی بھی نذر قبول کرلی، نذر قبول کرتے وقت فرمایا، اگر حضرت خواجہ نظام الدین کا قدم درمیان میں نہ ہوتا تو میں ہر گز قبول نہ کرتا، پھر خدام کو حکم دیا کہ خسرو کو اعزاز و اکرام سے خانقاہ میں رکھو، تین دن ٹھہر کر امیر خسرو نے واپس ہونے کی اجازت مانگی، رخصت کرتے وقت حضرت بو علیؒ نے ایک خط تو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی خدمت میں تحریر فرمایا، اور ایک خط بادشاہ کو اس طرح لکھا،

''علاء الدین فوطہ دار دہلی مصر روانند کہ با بندگانِ خدائے تعالیٰ نیکو کنند۔''

---

[1] اصلی الفاظ یہ ہیں ''از ہیرے بابے خود چیزے بگو۔''

جب یہ خط سلطان علاء الدین خلجی کو ملا تو امراء نے کہا کہ بادشاہ کو اس طرح خط لکھنا ادب ہے، لیکن سلطان نے کہا غنیمت ہے کہ اس ذرہ بے قدر کو فوطہ دار لکھا ہے، ایک بار تو شحنہ دہلی تحریر فرمایا تھا، اب فوطہ دار جو فرمایا اس کے لئے میں بہت شکر ادا کرتا ہوں[1]، یہ شاید اس واقعہ کی طرف اشارہ تھا، جو حضرت بوعلیؒ نے ملک نائب کے خلاف سلطان علاء الدین کو لکھا تھا، ملک نائب نے ایک درویش کو ایذا پہنچائی تھی حضرت بوعلیؒ نے سلطان کی توجہ اس کی طرف دلائی اور ایک رقعہ میں تحریر فرمایا،

''علاء الدین شحنہ[2] دہلی را اعلان آنکہ خواجہ سرائے ... یکی از درویشاں را رنجا یندہ عرش الرحمٰن را بلرزہ آورد، اگر اورا بہ سزا رسانیدی بہتر والا بجائے تو شحنہ دیگر بدالی فشایند خواہد شد۔''

سلطان غیاث الدین تغلق بھی حضرت شیخ بوعلی قلندرؒ کا معتقد تھا، ایک بار اپنے لڑکے شہزادہ جونا خاں اور اپنے پوتے شہزادہ کمال الدین کے ساتھ خدمت میں حاضر ہوا، حضرت نے شیخ کے خادموں کو حکم دیا کہ تینوں کے لئے کھانا لائیں، خدام ایک پیالہ میں کھانا لائے، بادشاہ اور شہزادوں نے ایک ہی پیالہ میں کھانا شروع کیا، اس وقت حضرت شیخ نے فرمایا تین بادشاہ ایک ساتھ کھا رہے ہیں، یہ گویا شہزادہ جونا خاں اور شہزادہ کمال الدین کے لئے بشارت تھی[3]، دونوں آگے چل کر سلطان محمد تغلق اور سلطان فیروز شاہ کے نام سے ہندوستان کے بادشاہ ہوئے۔

وصال ۱۳ر رمضان المبارک ۷۲۴ھ میں شیخ بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا تاریخ وفات ''یا شرف الدین ابدال'' سے نکلتی ہے، کرنال میں مدفون ہوئے، لیکن کہا جاتا ہے کہ اعزہ واقربا نے ایک رات پوشیدہ طور پر نعش مبارک پانی پت میں لے جا کر دفن کیا[4]، چنانچہ کرنال، پانی پت، بڈھا کھیڑہ اور باگھوتی میں آج بھی ان کے معتقدین کا ہجوم رہتا ہے۔

اشاعت اسلام پانی پت کے علاقے میں جو مسلمان راجپوت ہیں وہ حضرت بوعلیؒ قلندر ہی کے رشد وہدایت سے مشرف بہ اسلام ہوئے، ایک ممتاز راجپوت امیر سنگھ ان کے ہاتھوں پر ایمان لایا، اسی کے خاندان سے مسلمان راجپوت پھیل کر اسلام کی قوت بازو بنے[5]۔

تصانیف حضرت بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے حسب ذیل تصانیف منسوب ہیں:۔

(۱) مکتوبات بنام اختیار الدین (۲) حکم نامہ شرف الدین، (۳) مثنوی کنز الاسرار (۴) رسالہ عشقیہ،

---

[1] بحوالہ مراۃ الکونین نولکشور پریس ص ۳۸۔۳۳۷ و تذکرہ اولیائے ہند مولفہ مرزا محمد اختر ص ۱۲۲، [2] مراۃ الکونین میں ''فوطہ دہلی'' مرقوم ہے، جو صحیح نہیں معلوم ہوتا (ص ۳۳۸)، [3] تاریخ فیروز شاہی از شمس سراج عفیف ص ۲۸، [4] خزینۃ الاصفیاء ج ا ص ۳۲۸، [5] دعوت اسلام، ترجمہ جناب عنایت اللہ صاحب، ص ۳۰۱،

مکتوبات کے بارے میں مولانا عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:۔

''او را مکتوب است بزبان عشق ومحبت مشتمل بر معارف وحقائق توحید وترک دنیا و طلب آخرت ومحبت مولے جملہ بنام اختیار الدین می گوید[1]''

خزینۃ الاصفیاء میں ہے:۔

''مکتوبات وی کہ بنام اختیار الدین مرید خود تحریر کردہ است کتابے است جامع علوم توحید[2]''

سلطان شمس الدین التمش کے شاہی حاجب کا نام بھی اختیار الدین تھا، لیکن خلجی امراء میں بھی شائد کوئی اختیار الدین ہو، یہ مکتوبات غالباً اسی کے نام ہیں، بعض مکتوبات کے نمونے ملاحظہ ہوں:۔

''اے برادر! جب تم پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی عنایت شروع ہو جائے، تم میں جذبہ پیدا ہونے لگے، اور تم کو تم سے دور کیا جائے، تو گویا تم میں عشق کا آغاز اور تم پر حسن کا جلوہ ظاہر ہو گیا، اور جب تم پر حسن کا مشاہدہ ہو جائے تو معشوق کو پہچانو، اور عاشق بن کر معشوق ہو جاؤ، اور جب عاشق بن کر معشوق ہو گئے، تو اسی طرح کام کرو، معشوق کی سنت اور عاشق کے فریضہ کو قائم رکھو، اس وقت معشوق کو عاشق کے ذریعہ سے پہچان لو گے، اے برادر! معشوق کو تمہاری ہی صورت میں پیدا کر کے تمہارے درمیان بھیجا گیا ہے، تا کہ براہ راست تم کو وہ دعوت دے، اے برادر! خدائے عزوجل نے بہشت دوزخ پیدا کیا، اور اس کا حکم ہے کہ دونوں پُر کئے جائیں گے، معشوق کو عاشقوں کے ساتھ بہشت میں جگہ دی جائیگی، اور شیطان اپنے ساتھیوں کے ساتھ دوزخ کو پُر کرے گا، بہشت و دوزخ میں عاشقوں کے سوا کوئی نہیں ہو گا، دونوں عاشق ہی کے حسن سے پیدا ہوئے ہیں، اور دونوں مقامِ غیر نہ ہوں گے، بہشت دوستوں سے وصال کا مقام ہے، دوزخ دشمنوں کی لئے جائے فراق ہے، یہ فراق کافروں اور منافقوں کو حاصل ہو گا، اور وصال محمد رسول اللہ ﷺ کے عاشقوں اور دوستوں کو نصیب ہو گا، اے برادر! چشم دل کو کھولو، اور اچھی طرح سے دیکھو اور یہ جا لو کہ عاشق نے اپنے عشق سے تمہارے لئے کیا کیا چیزیں اور کیا کیا تماشے پیدا کئے ہیں، اپنا حسن ایک درخت میں منتقل کر دیا ہے، اور گونا گوں میوے پیدا کئے، ہر میوہ میں علیحدہ مزہ رکھا، اور اس درخت کو نہ اپنی ذات کی خبر اور نہ اپنے پھول کی خبر، اور نہ اپنے میوہ کی خبر ہے، گنا تمہارے لئے پیدا کیا، اور اس کو شکر کی خبر نہیں، مشک کو ہرن کی ناف میں رکھا، جو تمہارے لئے ہے، ہرن کو مشک کی کوئی خبر نہیں، گائے سے عنبر کو تمہارے

---

[1] اخبار الاخیار ص ۱۲۱، [2] خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۳۲۷،

لئے پیدا کیا، اور گائے کو عنبر کی خبر نہیں، زباد کو بلی سے تمہارے لئے پیدا کیا، اور بلی کو زباد کی خبر نہیں، کافور کو تمہارے لئے درخت سے پیدا کیا، اور درخت کو کافور کی خبر نہیں، صندل کو تمہارے لئے پیدا کیا اور صندل کو اپنی خبر نہیں، اے برادر! عاشق ہو جاؤ، اور دونوں عالم کو معشوق کا حسن جانو، اور اپنے آپ کو معشوق کا حسن کہو............

عاشق نے اپنے عشق سے تمہارے وجود کا ملک بنایا، تا کہ اپنے حسن و جمال کو تمہارے آئینہ میں دیکھے، اور تم کو محرم اسرار جانے اور الانسان سری (انسان میرا بھید ہے) تمہاری شان میں آیا ہے، عاشق ہو جاؤ تا کہ حسن کو ہمیشہ دیکھو، اور دنیا و عقبیٰ کو پہچانو عقبیٰ محمد ﷺ کی ملک ہے، اور دنیا شیطان کی ملکیت ہے، دونوں میں معلوم کرو کہ تمہارے لئے کس کو پیدا کیا ہے، اے برادر! نفس کو اچھی طرح پہچانو، جب تم نفس کو پہچان لو گے تو دنیا کو بھی پہچان سکو گے اور اگر روح کو پہچان لو گے تو عقبیٰ کو بھی پہچان لو گے، اے برادر دنیا! کفر میں جو حسن رکھا گیا ہے، عاشق جانتے ہیں کہ اس نے (یعنی حسن نے) کفر کو اپنے عاشقوں کے سامنے کس قدر آراستہ کر دیا ہے، جو دنیا کا عاشق اس کا معشوق کفر کا حسن ہے، اے برادر! تم جانتے ہو، حسن کا جو غمزہ کفر میں رکھا گیا ہے، اس نے کس قدر پر لطف تیر دنیا والوں پر مارا ہے، اور ان کو اپنا عاشق بنا لیا ہے، اے برادر! اپنی جستجو میں رہو، اور اپنے کو پہچانو، جب تم اپنے نفس کو پہچان لو گے، تو عشق کو بھی جان سکو گے، اور جب عشق کو اپنے حسن پر دیکھو گے تو کل اللسان کی کیفیت اپنے میں پاؤ گے، عاشق ہو جاؤ، اور معشوق کو اپنی گود میں دیکھو، اور حسن کو اپنے دل کے آئینہ میں معائنہ کرو،

آں شاہد معنی کہ ہمہ طالب اویند   ہم اوست کہ از چادر تو ساختہ سر پوش
دربا دیہء ہجر چرا بندہ بما نیم   در عین وصالیم نگار است در آغوش

اے برادر! قند کا ایک گولہ لاؤ اور اس سے سو گولے بنا لو، اور ہر گولہ سے ایک صورت بناؤ، اور ہر صورت کا نام رکھو، بعض کو گھوڑا اور بعض کو ہاتھی کہو تو قند کا نام جاتا رہے گا، اور صرف وہ صورت باقی رہے گی، جب کل صورتوں کو توڑ کر قند کا گولہ بنا لو تو قند کا نام پھر ظاہر ہو جائے گا۔"

ایک دوسرے مکتوب میں فرماتے ہیں:۔

"اے برادر! یہ نہیں معلوم کہ ہم لوگوں کو کس لئے پیدا کیا گیا، اور ہم لوگوں کے ساتھ کیا ہو گا، لیکن خیال ہمیشہ فکر کے ساتھ وابستہ رہتا ہے، کبھی فکر ہمارے دل کے آئینہ کو آراستہ کر دیتی ہے، اور عاشق کے سامنے معشوق کو ظاہر کرتی ہے، اور عاشق کا وہ حکم جس کو

معشوق نے پہنچایا ہے، عاشق کے فرض اور معشوق کی سنت کی مطالعہ میں بجالاتی ہے، عاشق کے عشق اور معشوق کے حسن سے باطن کو معمور رکھتی ہے، اور حسن کے تماشہ سے عاشق اپنے ظاہر کو بھلا دیتا ہے، اور اپنے باطن کے تماشہ میں مصروف ہو جاتا ہے، تاکہ عاشق کا حکم جس کو معشوق نے پہنچایا ہے، نافذ ہو جائے، اے برادر! کبھی خیال نفس کا دوست ہو جاتا ہے اور حال خیال کے ساتھ متحد ہو کر دنیا کی روزی کی طرف لے آتا ہے، خیال دنیا کی آرائش نفس کو دکھلاتا ہے، اور اس کے شوق میں اس کو پریشان کرتا ہے، اور اس کو یعنی نفس کو معشوق کے دروازے پر پھراتا ہے، ہر دروازہ پر ذلیل کرتا ہے، اور (نفس) شوق و آرائش کی آسائش کی وجہ سے اس ذلت سے واقف نہیں ہوتا، اور باز نہیں آتا، اور یہ نہیں سوچتا کہ دنیا نے کسی کے ساتھ نہ وفا کی، اور نہ وفا کرے گی، نہ اس کو (نفس کو) موت کی فکر ہوتی ہے، کہ دفعتہً آ کر اس کو فنا کر دے گی، دنیا کی آرائش کا حسن دنیا کے عاشقوں کو اپنے عشق میں ایسا بے خبر کر دیتا ہے، کہ نہ اس کو اس دنیا کی خبر ہوتی ہے، جس کو انھوں نے معشوق بنایا ہے، اس کی بھی ان کو خبر نہیں ہوتی کہ اگر دنیا ختم ہو جائے گی تو کیا واقعات ظہور پذیر ہوں گے اور نہ عقبیٰ کی خبر ان کو ہوتی کہ ان کے سامنے کیا مہم درپیش ہے اے برادر، سوچو کہ تمہارے سامنے ایک مہم درپیش ہے اور تم نے خیال اور فکر کو اپنا مونس بنایا ہے، خیال کی نسبت ہوش رکھو، کہ وہ نفس کا دوست ہو گیا ہے، اے برادر کچھ معلوم نہیں کہ خیال اور فکر کیا حال پیدا کریں، جب وہ (حال) تم کو نظر آئے گا، اس وقت تم کو معلوم ہوگا، کہ یہ قسمت میں لکھا تھا کہ تمہارے سامنے آیا، اے برادر! میں نہیں جانتا ہوں کہ میں کیا کروں، اور مجھ سے کون سا کام بن پڑیگا، اور کیا میری زبان سے نکلے گا، زبان خدا کی قدرت میں ہے، اگر تم پر خدا کا فضل ہوا تو تمہاری زبان سے وہ بات نکلے گی، جو دونوں جہان کو پسند ہوگی، اے برادر! اس قدر معلوم ہوا کہ خدا نے اپنی مشیت سے تم کو پیدا کیا، اور اپنی مشیت سے باقی رکھتا ہے، **یفعل اللہ ما یشاء و یحکم ما یرید** (یعنی جو کچھ اس نے چاہا اس کو کیا، اور جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے) کسی کو اس کی مشیت میں دخل نہیں[1]۔

حکم نامہ شرف الدین کے بارے میں مولانا عبدالحق محدث دہلویؒ رقمطراز ہیں:۔

”در رسالہ دیگر در عوام الناس شہرت دارد کہ اورا حکم نامہ شیخ شرف الدین می گویند، ظاہر آنست کہ آں از مخترعات عوام است[2]“

---

[1] یہ دونوں مکتوب اخبار الاخیار سے لئے گئے ہیں، ص ۱۲۱ و ۱۲۲، [2] اخبار الاخیار ص ۱۲۱،

اس کا ایک نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی میں ہے (دیکھو کیٹلاگ فارسی مخطوطات ص ۵۷۰ نمبر ۱۱۹۶)

حضرت شیخ بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے دو مثنویاں منسوب ہیں، مثنوی کنز الاسرار اور رسالہ عشقیہ، خزینۃ الاصفیاء کے مؤلف نے صرف اتنا لکھا ہے:۔

''دسوائے ازیں مثنوی است، مختصر کہ مخزن رموز توحید و معارف است۔'' (ج ا ص ۳۲۷)

۱۸۹۱ء ۱۳۰۹ھ میں مطبع نامی لکھنو سے ایک منظوم رسالہ مثنوی شاہ بوعلی قلندرؒ کے نام سے شائع ہوا تھا، اگر یہ رسالہ واقعی حضرت شاہ بوعلی قلندرؒ کا ہے، اس کو رسالہ عشقیہ کہہ سکتے ہیں، کیونکہ اس میں عشق پر بہت سے اشعار ہیں، مثلاً

عشق کو بے بال و پر طیراں کند	عشق کو در لا مکاں جولاں کند
عشق کو تا تاجِ سلطانی نہد	عشق کو ملکِ سُلیمانی دہد
عشق کو تا چشم دل بینا کند	عشق کو تا عقل را حاصل کند
عشق کو تا جامِ مدہوشی دہد	عشق باید تا فراموشی دہد
عشق دہ تا بے خبر ساز دمرا	بادہ کو بے پا و سر ساز دمرا
عشق باید تا دہد جامِ شراب	عشق ساز و ساغر مے آفتاب

اس میں قریب ۳۶۲ اشعار ہیں، مثنوی کا آغاز ان اشعار سے کیا گیا ہے:۔

مرحبا اے بلبل باغ کہن	از گلِ رعنا بگو با ما سخن
مرحبا اے قاصدِ طیّارما	می وہی ہر دم خبر از یارِ ما
مرحبا اے ہد ہد فرخندہ فال	مرحبا اے طوطیِ شکر مقال
در زمان ہفت آسماں را طے کنی	مرکب حرص و ہوا را پے کنی
و مبدم روشن کنی در دل چراغ	ہر نفس از عشق سازی سینہ داغ
از تو روشن گشت فانوس تنم	از تو حاصل شد مرا وصلِ صنم
مرحبا اے رہنمائے راہِ دیں	از تو روشن شد مرا چشمِ یقیں
یافت قالب طینتِ پاکی زتو	شد پریشاں آدمِ خاکی زتو
مرحبا اے فیض بخشِ کائنات	یافت ترکیب از وجود تو حیات

آگے چل کر ایک شیخ کے زہد و تقوی کی تصریح کی گئی ہے،

زہد و تقویٰ چیست اے مرد فقیر	لا طمع بودن ز سلطان و امیر

زہد و تقویٰ نیست ایں کز بہر خلق — صوفی باشی و پوشی کہنہ دلق
شانہ و مسواک و تسبیح ریا — جبہ و دستار و قلبِ بے صفا
پیش و پس گردد مرید نا خلف — چوں خرابلہ پے آب و علف
چوں بہ بینی چند کس بیہودہ گرد — خویش را گوئی منم مردانہ مرد
دام اندازی برائے مرد و زن — خویش را گوئی منم شیخ زمن
وعظ گوئی خود نیاری در عمل — چشم پوشی ہمچو شیطان دغل
مکر و تلبیس و ریا کارت بود — ہر نفس شیطان ترا یارت بود
چوں شوی استادہ از بہر نماز — دل بود درگاو و خر اے حیلہ ساز
آں نماز تو شود آخر تباہ — فکر باطل ہاکند رویت سیاہ
چوں در ایمانت فتد آخر قصور — ہاں چرا خوانی نماز بے قصور
برمصلا چوں نشینی قبلہ رو — چشم پوشی دل بود جائے گرد
خادمان گویند ایں شیخِ زماں — چشم پوشیدہ ست از خلق و جہاں
شیخ را لاہوت باشد منزلش — شد فنا ذاتِ بقا شد حاصلش
ایں خوشامد گوی چندیں ابلہاں — رہزِ نانند رہزِ نانند رہزناں
از ستایش خویشتن را گم مکن — عیب خود بیں عیب بر مردم مکن
اے گرفتار آمدی در بند نفس — نفس کافر رابکش بشکن قفس
تاکنی پرواز سوے اصل خویش — جا کنی در آشیانِ وصلِ خویش

اس کے بعد دنیا کی حرص و ہوا سے پرہیز کی تعلیم ہے:۔

دل چو آلودست از حرص و ہوا — کے شود مکشوف اسرارِ خدا
صد تمنا دردلست اے بوالفضول — کے کند نور خدا دردل نزول
دین و دنیا ہردو کے آید بدست — ایں فضولیہا بکن اے خود پرست
برتو قسمت مبر سد اے بے خبر — پس چرا قانع نہ بر خشک و تر
حرصِ تو دلق قناعت پارہ کرد — نفسِ امارہ ترا آوارہ کرد
ہست دنیا پیر زال و پُر فریب — می کند پیر و جواں را بے شکیب
عارفاں دادند اوراصد طلاق — ہر کہ عاشق شد بردا وگشت عاق
ایں سخن در گوش داری اے جواں — مولوی گفتہ ززوے امتحاں
''ہم خدا خواہی وہم دنیاے دون — ایں خیال است ومحال است وجنوں''

نفس کشی کی تلقین اس طرح کی گئی ہے:۔

مرد باید تانہد بر نفس پا	بگذرد از شہوت و حرص و ہوا
دست ہمت را بر افرازد بلند	نفس را چوں صید آرد در کمند
دست را کوتاہ ساز داز ہوس	بشکند با چنگِ ہمت ایں قفس
گر خوری یک لقمہ از وجہ حلال	نور تابد بردل از مہر کمال
گرشوی از لقمہء شبہ نفیر	نفس را سازی بفضلِ حق اسیر
دل شود روشن زنور آئینہ دار	برتو اندازد در آئینہ نگار
چوں کشائی چشم ما اہل یقیں	ہر طرف تاباں جمالِ یار بیں

اسی کے بعد توحید و معرفت کی مصوری کی گئی ہے:۔

یار رامی بیں تو در ہر آئینہ	سوزو سازِ اوست در ہر طنطنہ
ہر چہ آید در نظر از خیر و شر	جملہ ذاتِ حق بود اے بے خبر
اوست در ارض و سماؤ لا مکاں	اوست در ہر ذرہ پیدا و نہاں
پاس دار انفاس اے اہلِ خرد	تا ترا ایں فاصلہ منزل برد
اوست پیداؤ نہان و آشکار	جلوہ ہا کر دست در ہر شے نگار
ہوش دردم دار اے مردِ خدا	یک نفس یک دم معاش از حق جدا
نفی گرداں از دلِ خود ما سوا	تانہ گنجد دردلت غیر از خدا
زنگِ دل از صیقلِ لا پاک کن	سینہ با تیغِ محبت چاک کن
اسم ذاتِ اوچو بر دل نقش بست	سکہء ضرب محبت خوش نشست
گشت چوں برنقشِ دل نقشِ الہ	غیر نقش اللہ را اے دلِ مخواہ
چوں شوی فانی تو از ذکرِ خدا	راہ یابی در حریم کبریا
چوں بمانی با خدا یابی وصال	خویش را گم ساز اے صاحب کمال
ہر کہ شد در بحر عرفاں آشنا	ذرہ ذرہ قطرہ د انداز خدا

عرفان کے لئے چشم بینا اور دلِ مصفا ضروری ہے:۔

چشم دل بکشا جمالِ یار بیں	ہر طرف ہر سو رخ دلدار بیں
چشم باید تا بہ بیند روے یار	جلوۂ کر دست در ہر شے نگار
نیست پوشیدہ رخِ دلدار تو	لیک ایں نقص ست در ابصار تو

عشقِ الٰہی میں جو مدہوشی اور خود فراموشی ہونی چاہئے، اس کی تصویر ان اشعار سے نمایاں ہو جاتی

ہے جو شروع میں نقل کئے گئے ہیں، اس سلسلہ کے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں:

ہیچ میدانی کہ اصلِ عشق چیست　　عشق را از حسنِ جاناں زندگیست
عشق چوں جبرئیل در معراج حسن　　بر سر عاشق نہد صد تاج حسن
عاشق و معشوق گردند ر دو یک　　ہم توئی معشوق و عاشق نیست شک
اے کہ گشتی واقف از اسرارِ عشق　　نہ قدم مردانہ اندر کارِ عشق
سر بر آدر زیر پائے عشق نہ　　بعد ازاں سر در ہوائے عشق نہ
عشقبازی نیست کار بو الہوس　　خام طبعاں حاضرا مذبچوں مگس
گر کنی جاں را تو بر جاناں نثار　　در عوض یک جاں و ہد صد جاں نگار
کشتگانِ عشق را جانِ دگر　　ہر زماں از غیب احسانِ دگر

مثنوی کا خاتمہ حسب ذیل طریقہ پر ہوتا ہے:۔

یا الٰہی چشم بینائی بدہ　　در سرم از عشق سودائی بدہ
آتش افگن در دلم مانند طور　　شعلہ برخیز دو گرد و زنگ دور
سالہا شد از تو می خواہم ترا　　حاجتم را چوں نمی سازی روا
از لسان الغیب ایں گردد نوید　　از در تو کس نہ گشتہ نا امید
ہر کہ باشد ہمت امید وار　　شاہد مقصود باید در کنار
اے خدائے من بہ حقِ مصطفےٰ　　از طفیلِ حرمتِ آلِ عبا،
روزِ محشر دار ما آلِ رسول　　از طفیلِ بتلاں گردد قبول

حضرت شیخ ابوالفتح رُکنُ الدینؒ

خاندان حضرت شیخ ابوالفتح رکن الدین حضرت شیخ صدرالدین کے لڑکے اور حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے پوتے تھے، والدہ ماجدہ کا نام بی بی راستی تھا، جو اپنے زہد وتقویٰ کی وجہ سے رابعہء عصر کہلاتی تھیں، انھوں نے اپنے خسر حضرت شیخ بہاءالدین زکریاؒ کے زیرسایہ باطنی وروحانی تعلیم وتربیت حاصل کی، ان کو کلام مجید کی تلاوت سے خاص شغف تھا، روزانہ ایک بار کلام مجید ختم کرتی تھیں۔

حضرت شیخ رکن الدین کی ولادت سے پہلے حضرت بہاءالدین زکریا ملتانی نے یہ بشارت دی تھی کہ ان کی وجہ سے خاندان کا چراغ روشن ہوگا، ایک دن جب کہ شیخ رکن الدین چار سال کے تھے، حضرت شیخ بہاءالدین زکریا چارپائی کے پایہ پر رکھ دی تھی، حضرت شیخ صدرالدین بھی پاس ہی مودب بیٹھے تھے کہ شیخ رکن الدین کھیلتے ہوئے آئے اور دادا کی دستار مبارک اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لی، والد ماجد نے ڈانٹا کہ یہ بےادبی ہے، مگر دادا نے فرمایا کہ صدرالدین پگڑی پہننے سے اس کو نہ روکو، وہ اس کا مستحق ہے، اور میں یہ پگڑی اس کو عطا کرتا ہوں چنانچہ وہ پگڑی محفوظ کردی گئی، اور جب حضرت شیخ رکن الدین اپنے والد بزرگوار کے بعد مسند خلافت پر متمکن ہوئے، تو وہ ان کے سر پر رکھی گئی[1]۔

تعلیم ظاہری تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی اور روحانی تعلیم تربیت میں جدامجد سے فیض یاب ہوئے، دونوں ان کو بہت محبوب رکھتے تھے، شیخ رکن الدین بزرگوں کا اتنا احترام کرتے تھے کہ کبھی ان سے آنکھیں چار نہ کرتے، اور نہ ان کے سامنے بلند آواز سے بولتے، اس خوردسالی میں ان کے اس ادب سے متاثر ہوکر حضرت خواجہ شمس الدین تبریزیؒ نے ان کو رکن الدین عالم کو قلب عطا فرمایا، اور وہ "رکن عالم" کے نام سے مشہور ہوئے[2]، انہی دونوں بزرگوں کی صحبت میں انھوں نے صوری و معنوی کمالات حاصل کیے، علم، تواضع، شفقت، حلم، موافقت، بشاشت ومروت، عفو وحیا، وقار، حسن ظن، اور تصغیر نفس جملہ صفات اُن میں بدرجہء اتم پائی جاتی تھیں، اور انھوں نے مکاشفہ ومحاسبہ سے اتنے مدارج طے کرلئے تھے کہ ان کو مخزن مشہود الٰہی، منبع جود نامتناہی، ادریس خلوت وحدت، برجیس برج معرفت، گوہر معدن صفات لاریب، لولوے سبحہء دریائے غیب، زبدۃ المشائخ، مفتاح قفل حق الیقین[3] کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے، سیر العارفین کے مؤلف نے ان کے روحانی مرتبہ کی مدح ان الفاظ میں کی ہے،

---

[1] سیر العارفین وفرشتہ ج و مراۃ الاسرار قلمی نسخہ، [2] مراۃ الاسرار قلمی، [3] سیر العارفین ص ۱۴۰،

جہانِ معرفت سلطانِ معنی ۔ وجودش آیتے در شانِ معنی
دلش از طلعتِ اسرار مسرور ۔ ہمیشہ جانش از انوار معمور
بباطن در حقیقت رفتہ بے باک ۔ بہ ظاہر در شریعت چشت و چالاک
بریدہ گردن شیطانِ خناس ۔ خرید انش ز تیغ پاسِ انفاس
بملک فقر از کشف و کرامات ۔ دہ بر عرش کوسِ استقامات
کلامش پاک از طامات و از شطح ۔ یگانہ شیخ رکن الدین ابوالفتح
بملک فقر جز نعمت بنودش ۔ جمالی ریزہ چین خوانِ جودش

ریاضت حضرت شیخ رکن الدین کے خلیفہ حضرت جہانیاں جہاں گشت اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں کہ جب شیخ رکن الدین قدس سرہ کا کام کمال کو پہنچ گیا تھا تو بھی وہ تہجد کے وقت سے دوپہر تک ریاضت وعبادت میں مشغول رہتے[1]۔

خلافت چھتیس سال کی عمر میں جب اپنے والد بزرگوار کی مسند خلافت پر بیٹھے تو ہر گوشہ سے لوگ خدمت میں حاضر ہو کر فیض یاب ہوئے، جو بھی اہل حاجت حاضر ہو جاتا اس کی حاجت روائی ضرور فرماتے، اسی لئے "قبلہ حاجات" بھی کہلاتے تھے مجلس میں جس کے دل میں کوئی بات آتی تو اس کا ان کو کشف حاصل ہو جاتا، اور اس کی دلجوئی کرتے۔

سلاطین ومشائخ سے تعلقات سلطان ومشائخ دونوں سے ملتے، مگر ان کے مراتب کے حدود کو ملحوظ رکھ کر تعلقات قائم کرتے۔ سلطان علاء الدین خلجی کے زمانہ میں ایک بار ملتان سے دہلی تشریف لائے، تو سلطان نے شاہی کروفر کے ساتھ دہلی سے باہر ان کا استقبال کیا، اور بڑے اعزاز واکرام کے ساتھ ان کو دہلی لایا، اور دو لاکھ ٹنکے نذر پیش کئے، پھر رخصت کے وقت پانچ لاکھ نذر کئے، حضرت شیخ رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ نے دہلی چھوڑنے سے پہلے یہ کل رقم فقراء ومساکین میں تقسیم کر دی، اور اپنے ساتھ ایک حبہ بھی نہ لے گئے، سلطان وقت کی طرف سے اس اعزاز واکرام کے باوجود فرماتے کہ میں ملتان سے دہلی صرف حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی محبت اور شوق ملاقات میں آتا ہوں، حضرت نظام الدین اولیاءؒ کو بھی ان سے قلبی لگاؤ تھا، چنانچہ جب وہ سلطان علاء الدین کی دعوت پر دہلی آئے تو اگر ایک طرف ان کے استقبال کے لئے سلطان وقت اپنے خدم وحشم کے ساتھ تھا، تو دوسری طرف حوض علائی کے پاس سلطان الاولیاءؒ بھی اپنی جلالت وعظمت کے ساتھ ان کے لئے چشم براہ تھے۔

حضرت محبوب الٰہیؒ سے محبت حضرت شیخ رکن الدین گو دہلی میں شاہی مہمان ہوتے تھے، مگر

[1] المنظوم ملفوظ المخدوم اردو ترجمہ ۴۴۵۔

زیادہ وقت حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء ہی کی صحبت میں بسر کرتے تھے، دونوں ایک دوسرے کا غیر معمولی احترام کرتے، ایک مرتبہ جب حضرت شیخ رکن الدین دہلی آئے تو جمعہ کی نماز ادا کرنے جامع مسجد تشریف لائے، حضرت محبوب الٰہیؒ پہلے سے موجود تھے، جمعہ کی نماز ہو چکی تو حضرت محبوب الٰہیؒ اپنی جگہ سے اٹھے اور ایک وسیع صحن طے کر کے حضرت رکن الدینؒ کے پاس آئے جو اس وقت تک نماز سے فارغ نہ ہوئے تھے، حضرت محبوب الٰہی ان کی پیٹھ کے پیچھے بیٹھ گئے، اور جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو دونوں نے اٹھ کر بڑی گرم جوشی سے معانقہ کیا، اور پھر حضرت رکن الدین حضرت محبوب الٰہیؒ کا دست مبارک پکڑے ہوئے اس جگہ پر آئے جہاں وہ (یعنی حضرت محبوب الٰہی) پہلے سے بیٹھے ہوئے تھے، اور جب دونوں مسجد سے روانہ ہو کر اپنے اپنے ڈولے کے پاس پہنچے تو دونوں ایک دوسرے سے اصرار کرنے لگے کہ پہلے وہ اپنے ڈولے پر جلوہ فرما ہوں، بالآخر حضرت محبوب الٰہیؒ کا اصرار غالب رہا اور حضرت رکنؒ الدین پہلے اپنے ڈولے میں سوار ہوئے[1]۔

اسی قیام کے زمانہ میں حضرت شیخ رکن الدین حضرت محبوب الٰہیؒ کی زیارت کے لئے ان کی خانقاہ میں بھی تشریف لائے، ان کے پاؤں میں کچھ تکلیف تھی، ڈولے سے باہر نکلنے کی کوشش کی تو حضرت محبوبؒ الٰہی نے بضد ہو کر روک دیا، اور خود اور درویشوں کے ساتھ ڈولے ہی کے پاس بیٹھے رہے، اس قرآن السعدین کے وقت حضرت شیخ رکن الدین کے بھائی شیخ عماد الدین اسمٰعیل کے دل میں بعض علمی نکات حل کرنے کا خیال پیدا ہوا، اور دونوں بزرگوں سے اجازت لے کر عرض کیا کہ ہجرت نبوی ﷺ میں کیا مصلحت تھی، حضرت شیخ رکن الدین نے فرمایا کہ جناب رسول مقبول ﷺ کے بعض کمالات کی تکمیل مدینہ منورہ کی ہجرت ہی پر موقوف و منحصر تھی، اس لئے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی جانب جلوہ فرما ہوئے، حضرت محبوب الٰہی نے ارشاد فرمایا کہ اس مسئلہ میں میری سمجھ میں یہ بات آتی ہے کہ اللہ جل شانہ نے اپنے محبوب کو مدینہ طیبہ اس لئے بھیجا کہ وہ اصحاب مدینہ جو اپنی بے بضاعتی کی وجہ سے مکہ معظمہ حاضر ہونے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے، وہ بھی رسول کریم ﷺ کی ذات بابرکات سے مستفیض و مستفید ہو کر ظاہری و باطنی کمالات میں مکمل ہو جائیں، اس گفتگو کے بعد حضرت محبوبؒ الٰہی نے ڈولے ہی کے پاس کھانا منگوایا اور کھانے کے بعد اعلیٰ درجہ کا کپڑا اور سو اشرفیاں حضرت شیخ رکن الدین کی خدمت میں بطور نذر پیش کیں، اشرفیوں کو دیکھ کر حضرت رکن الدینؒ نے حضرت نظام الدین اولیاءؒ کو مخاطب کر کے فرمایا، استر ذھبک[2] لیکن حضرت محبوبؒ الٰہی نے برجستہ جواب دیا، استر ذَھَبَکَ وَ ذِھَابَکَ وَ مَذْھَبَکَ[3] حضرت شیخ رکن الدینؒ نے ان نذرانوں کو قبول کرنے میں تامل کیا تو

---

[1] سیر الاولیاء ص ۱۳۶، ۱۳۷، [2] یعنی آپ اپنا سونا چھپایئے، [3] یعنی اپنے سونے کو اور جانے کو (مراد راہ سلوک) اور جانے کی جگہ کو چھپایئے، اس میں تجنیس لفظی بھی قابل غور ہے،

حضرت محبوب الٰہیؒ نے ان کے بھائی شیخ عماد الدین اسمٰعیل کے حوالہ کر دیا[1]۔

غالباً حضرت شیخ رکن الدینؒ دہلی کے پہلے ہی قیام کے زمانہ میں حضرت بابا گنج شکرؒ کے عرس کا زمانہ آ گیا، چنانچہ پاک پٹن کی طرح دہلی میں بھی عرس کی تقریب منائی گئی، عرس کی محفل میں حضرت شیخ رکن الدینؒ بھی شریک ہوئے، مجلس سماع میں حضرت محبوب الٰہیؒ پر وجد طاری ہو گیا، اور غایت اضطراب میں کھڑا ہو جانا چاہا، لیکن شیخ رکن الدین نے انکا دامن پکڑ کر بٹھا دیا، تھوڑی دیر کے بعد پھر وجد کی کیفیت شروع ہوئی، تو پھر کھڑے ہو گئے، اس مرتبہ شیخ رکن الدین نے ان کو بٹھانے کی کوشش نہیں کی، بلکہ اور مشائخ کی طرح خود دست بستہ مودب کھڑے ہو گئے، مجلس ختم ہوئی تو مولانا علم الدین نے حضرت شیخ رکن الدینؒ سے پوچھا کہ اس کا کیا سبب تھا کہ پہلی بار تو آپ نے محبوب الٰہی کو کھڑے ہونے نہ دیا، لیکن دوسری بار نہیں روکا، حضرت شیخ نے ارشاد فرمایا، کہ پہلی بار شیخ نظام الدینؒ کی رسائی عالم ملکوت تک ہوئی تھی، وہاں تک میری گذر ممکن تھی، اس لئے میرا ہاتھ پہنچ گیا، اور ان کو بٹھا دیا، اور دوسری بار ان کی رسائی عالم جبروت میں ہوئی، وہاں تک میں نہیں پہنچ سکتا تھا، اس لئے مزاحم نہ ہوا[2]۔

سیر الاولیاء (ص ۱۴۰) میں ہے کہ ایک اور موقع پر حضرت رکن الدینؒ ملتان سے دہلی تشریف لائے تو حضرت محبوب الٰہیؒ سے بھی ملنے آئے، یہ زمانہ عشرہ ذی الحجہ کا تھا، اسلئے جب حضرت رکن الدینؒ سلطان المشائخ سے ملے تو فرمایا یہ زمانہ حج کا ہے، میں حج کی سعادت نہ کر سکا، لیکن آپ کی زیارت سے مجھے حج کا ثواب ضرور مل جائے گا، یہ سن کر حضرت محبوب الٰہیؒ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں، اور اظہار شرمندگی کیا۔

دونوں بزرگ غائبانہ طور پر بھی ایک دوسرے کا بڑا احترام کرتے تھے، ایک مرتبہ، ایک خراسانی عالم نے حضرت محبوب الٰہیؒ سے کہا کہ میں آپ کی پاس آتا ہوں تو ہر بار مجھ کو کچھ نہ کچھ کھلاتے ہیں، لیکن میں شیخ رکن الدین کے پاس کئی بار گیا، انھوں نے مجھ کو کوئی چیز نہیں کھلائی، حضرت محبوب الٰہیؒ نے جواب دیا کہ میں اس حدیث پر عمل کرتا ہوں من زاد حیا ولم یذق منه شیئا فکا نما زار میتا، یعنی جو شخص زندہ کی زیارت کرے اور اس کے یہاں کچھ نہ چکھے تو گویا اس نے مردے کی زیارت کی، خراسانی عالم نے پوچھا کیا شیخ رکن الدین تک یہ حدیث نہیں پہنچی، حضرت محبوب الٰہیؒ نے فرمایا شیخ رکن الدین عمل معنوی کرتے ہیں، اور وہ ذوق روحانی چکھاتے ہیں، خراسانی عالم نے کسی موقع پر حضرت شیخ رکن الدین سے یہ عرض کیا کہ شیخ نظام الدین کہتے ہیں کہ شیخ رکن الدینؒ ذوق روحانی دیتے ہیں، اور میں ذوق جسمانی دیتا ہوں، شیخ رکن الدین نے فرمایا برادرم نظام نے تواضع کی ہے ان میں دونوں وصف ہیں، وہ ذوق روحانی بھی عطا کرتے ہیں، اور ذوق جسمانی بھی[3]۔

---

[1] سیر الاولیاء ص ۱۴۰۔ ۱۳۹، [2] سیر العارفین ص ۴۳ و فرشتہ جلد دوم ص ۴۱۲،

[3] الدر المنظوم فی ترجمہ ملفوظ المخدوم، یعنی ملفوظات حضرت جہانیاں جہاں گشت اردو ترجمہ مطبوعہ مطبع انصاری دہلی ص ۲۸۔ ۲۹

حضرت محبوب الٰہی سے حضرت شیخ رکن الدین کی محبت وعقیدت کا اظہار اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے محبوب خلیفہ حضرت شیخ وجیہ الدین عثمان سیاح سنامی کو محبوب الٰہی کی قربت کی خاطر دہلی میں قیام کرنے کا حکم دیا، شیخ عثمان جن کا مزار شریف دہلی میں ہے، جب سنام سے سیر وسیاحت کرتے ہوئے دہلی پہنچے تو ایک دن کیلوگیری میں نہر کے پاس حضرت شیخ رکن الدینؒ کو نماز پڑھتے دیکھا، چہرۂ اقدس پر نظر پڑی تو دل انوار روحانی سے منور ہوگیا، اور وہیں باضابطہ ارادت حاصل کرلی، حضرت شیخ رکن الدینؒ ان کو اپنے ساتھ ملتان لے گئے، اور دو سال تک اپنی معیت میں رکھا، اسی مدت میں کلام پاک حفظ کیا، اور مرشدت حضرت شیخ شہاب الدین کی تصنیف عوارف پڑھتے رہے، خود حضرت شیخ رکن الدین کا بیان ہے کہ جس دن سے حضرت شیخ عثمان مرید ہوئے، ترک دنیا اور تجرد کلی اختیار کرلیا، ایک تہ بند کے علاوہ ان کے پاس کوئی چیز نہیں رہتی تھی، اسی بے سروسامانی کی حالت میں حج کے لئے تشریف لے گئے، مدینہ منورہ میں ایک سال رہ کر دو مرتبہ حج بیت اللہ کا شرف حاصل کیا، طواف کے دوران میں چشم بینا سے دیکھا کہ حضرت خضر علیہ السلام ان کے سر پر سایہ کئے ہوئے ہیں، یہ دیکھ کر بےچین ہوگئے، اور اسی وقت دوسرے ممالک کی سیاحت کو روانہ ہوگئے، سات برس کے بعد ملتان لوٹے تو مرشد نے گلے سے لگالیا، اور سر کو بوسہ دیکر فرمایا، تم نے یہ بہت اچھا کیا کہ جس روز اپنے سر پر حضرت خضر علیہ السلام کا سایہ دیکھا، اسی وقتِ مسافرت اختیار کرلی، ورنہ مخلوق کے فتنہ میں پڑ جاتے، یہ کہہ کر اپنا پیراہن محبوب مرید کو پہنایا، اور اپنی دستار ان کے سر پر باندھی، اور پھر چند روز اپنے ساتھ ٹھہرا کر دہلی روانہ کردیا، رخصت کرتے وقت فرمایا تم وہیں قیام کرنا جہاں حضرت شیخ نظام الدین مقیم ہیں، وہاں جاکر پہلے حضرت شیخ نظام الدین کو میرا اسلام پہنچانا، اور وہ جہاں رہنے کا حکم دیں، وہیں سکونت اختیار کرلینا، چنانچہ حضرت عثمان نے دہلی پہنچ کر محبوب الٰہی کی خدمت میں مرشد کا سلام پہنچایا، انھوں نے کھڑے ہوکر علیک وعلیہ السلام فرمایا، حضرت شیخ عثمان کو محبوب الٰہی کی صحبت میں ان سے ایسی محبت وشیفتگی پیدا ہوگئی کہ ہر جگہ اس کا چرچا پھیل گیا، حضرت شیخ عثمان کو سماع کا ذوق پہلے سے تھا، محبوب الٰہی کی مجلسوں میں شرکت سے یہ ذوق اور بھی بڑھ گیا ایک بار پانی قیامگاہ پر ہم جلیسوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، کہ سامنے سے امیر حسن قوال اپنے ساتھیوں سمیت گذرا، امیر حسن کو حضرت محبوب الٰہی بہت عزیز رکھتے تھے، وراس کے گانے پر بہت فریفتہ تھے، امیر حسن بھی حضرت محبوب الٰہی اور شیخ عثمان کے گہرے مراسم سے واقف تھا، ان کو دیکھ کر ان کی خدمت میں حاضر ہوا حضرت شیخ عثمان محبوب الٰہی کے ہمدم مجلس اور محرم صحبت قوال کے ساتھ بڑی محبت سے پیش آئے، اور اس سے کچھ سنانے کی فرمائش کی، اس زمانہ میں سلطان غیاث الدین تغلق کی طرف سے محفل سماع پر قدغن تھی، اس لئے امیر حسن کو اس فرمائش کی تعمیل میں تامل ہوا، حضرت شیخ عثمان کواڑ میں زنجیر لگا کر گانے کے لئے مصر ہوئے، امیر حسن نے سلطانِ وقت کے خوف

سے دھیمی آواز میں یہ بیت گانی شروع کی:۔

زاہد زدین برآمد و صوفی ز اعتقاد
ترسا محمدی شدو عاشق ہماں کہ ہت

امیر حسن نے جب تکرار کے ساتھ اس کو گایا تو حضرت شیخ عثمانؒ بے خود اور بے قابو ہو گئے، اور امیر حسن سے زور سے گانے کو فرمایا، وہ بھی شیخ کے جذب وبیخودی کو دیکھ کر بے اختیار ہو گیا، اور دل کھول کر گانے لگا، حضرت شیخ عثمانؒ نے اس بیخودی میں دروازہ کھول دینے کا حکم دیا، بائیس قوال اور آگئے، اور یہ محفل سماع جذب وکیف کی ایسی مجلس بن گئی کہ شہر کے تمام صوفیہ آ کر جمع ہو گئے، اور کئی ہزار تماشائیوں پر وجد طاری ہو گیا اور حضرت شیخ عثمان مذکورۂ بالا شعر پڑھتے ہوئے بے خودی کی حالت میں جماعت خانہ سے نکل آئے، اور ایک سمت چل کھڑے ہوئے، قوال بھی ساتھ ساتھ گاتے جاتے تھے، پیچھے لوگوں کا مجمع تھا، اور سب کے سب شیخ کے جذب وبیخودی کے اثر سے سرشار تھے، اسی حال میں شیخ شاہی محل کے پاس پہنچے، سلطان غیاث الدین تغلق نے کہا کہ کوئی فتنہ اٹھا ہے، ملک شادی خاں کو تحقیقات کے لئے بھیجا، اس نے واپس آ کر اطلاع دی کہ حضرت شیخ عثمان صوفیوں اور قوالوں کی ایک کھلی ہوئی محفل سماع منعقد کئے ہوئے ہیں، سلطان پر برہمی کے آثار ظاہر ہوئے، مگر پھر اس نے فہرست کو منگا کر دیکھا، جس میں ان درویشوں اور فقراء کے نام درج تھے، جنھوں نے اس کے حریف اور شاہی تخت کے دعویدار خسرو خاں سے رشوتیں قبول کی تھیں، مگر اس میں حضرت شیخ عثمان کا نام نہ تھا، اس لئے سلطان کی برہمی نرمی میں بدل گئی، اور وہ حضرت شیخ عثمان کو مست الست دیکھ کر خود بہت متاثر ہوا، اور حکم دیا کہ ان کو اور ان کے ساتھیوں کو لا کر محل کے اندر ٹھہرایا جائے، اور شاہی باورچیخانہ سے ان کی ضیافت کا سامان کیا جائے چنانچہ پوری جماعت تین روز تک شاہی باورچی خانہ کے الوان نعمت سے متمتع ہوتی رہی، اور جب حضرت شیخ عثمان رخصت ہونے لگے، تو سلطان نے نذر پیش کی مگر انھوں نے اس کو قبول نہیں کیا، اور غیاث پوری کی طرف چل کھڑے ہوئے[1]، یہ واقعہ اس محضر سے پہلے کا ہے جس کا ذکر حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے حال میں آچکا ہے۔

خدمت خلق اللہ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت شیخ رکن الدینؒ کے تعلقات سلاطین وقت سے بھی تھے، مگر یہ تعلقات محض خدمت خلق اللہ کی خاطر تھے، علاء الدین خلجی کے بعد جب اس کا لڑکا قطب الدین خلجی تخت نشین ہوا، تو اس کو محبوبؒ الٰہی سے ذاتی مخاصمت پیدا ہو گئی، جس کی تفصیل پہلے بیان کی جا چکی ہے، اس مخالفت اور عناد کی وجہ سے سلطان نے دوسرے مشائخ سے مراسم پیدا کئے، اس سلسلہ میں اس نے حضرت شیخ رکن الدین سے بھی اپنی گرویدگی اور شیفتگی کا اظہار کیا اور ان کو ملتان

---

[1] سیر العارفین ص ۱۴۶۔۱۴۵۔

دہلی آنے کی دعوت دی، جب وہ دلی تشریف لائے، اور سلطان سے ملنے گئے، تو اس نے پوچھا کہ دلی میں سب سے پہلے کس شخص نے آپ کا استقبال کیا تھا، گو ان کو حضرت محبوب الٰہیؒ سے سلطان کے عناد کا حال معلوم تھا، تاہم انھوں نے جواب دیا کہ اس نے جو اس شہر کا سب سے اچھا آدمی ہے، یعنی حضرت نظام الدین اولیاء نے[1]،

حضرت شیخ رکن الدینؒ کا معمول تھا کہ جب وہ سلطان قطب الدین کے پاس تشریف لے جاتے، تو راستہ میں اپنی سواری تخت رواں کو ٹھہراتے چلتے تا کہ اہلِ ضرورت اپنی درخواستیں سلطان کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے ان کی سواری میں ڈال دیں، بعض ضرورت مندوں کی معروضات زبانی بھی سنتے تھے، شاہی محل کے پاس پہنچ کر دو دروازوں تک تخت رواں پر سوار رہتے، تیسرے دروازہ کے قریب جہاں سلطان ان کی تعظیم و استقبال کے لئے کھڑا نظر آتا، وہ اتر جاتے، سلطان بڑے ادب و تکریم سے دربار میں لے جا کر بٹھاتا، اور خود مودب دو زانو ہو کر ان کے سامنے بیٹھتا، اس کے بعد حضرت شیخ رکن الدینؒ شہر کے لوگوں کی درخواستیں سلطان کے سامنے پیش کرتے، وہ ہر ایک درخواست کو بہ غور پڑھتا، اور اس کی پشت پر اسی وقت حکم صادر کر دیتا، حضرت شیخ رکن الدینؒ واپسی کے وقت تمام درخواستوں کو ساتھ لیتے آتے[2]،

سلطان غیاث الدین تغلق سے بھی حضرت رکن الدینؒ کے مراسم خوشگوار رہے، ۷۲۵ھ میں جب وہ بنگالہ کی مہم سے دہلی واپس آ رہا تھا، تو حضرت شیخ رکن الدینؒ دہلی سے افغان پور تک اس کے استقبال کو گئے تھے، شب کو سلطان کے ساتھ ماحضر تناول فرمارہے تھے کہ نور باطن سے کشف ہوا کہ جس عمارت میں وہ بیٹھے کھانا کھا رہے ہیں، وہ اچانک گر جائیگی، اس لئے کھانا چھوڑ کر باہر چلے آئے، اور سلطان کو بھی باہر نکلنے کے لئے فرمایا، مگر اس نے نکلنے میں دیر کی، اتنے میں عمارت گر پڑی اور سلطان اس کے نیچے دب کر ختم ہو گیا[3]،

حضرت محبوب الٰہیؒ سے آخری ملاقات غیاث الدین تغلق کے بعد سلطان محمد تغلق سریر آرائے سلطنت ہوا، اس سے بھی حضرت رکن الدینؒ کے تعلقات قائم رہے، اور اس کے یہاں آ کر مہمان ہوئے، یہ زمانہ حضرت محبوب الٰہیؒ کے مرض الموت کا تھا، حضرت شیخ رکن الدینؒ ان کی عیادت کے لئے آئے، تو وہ عالم تحیر میں تھے، مریدین پریشان ہوئے کہ اس عالم تحیر میں دونوں کی ملاقات کیسے ہوگی، لیکن حضرت محبوب الٰہیؒ کا تحیر جاتا رہا، حضرت شیخ رکن الدینؒ کو دیکھ کر تعظیم کے لئے چارپائی سے نیچے اترنا چاہتے تھے، مگر غایت ضعف کی وجہ سے نیچے نہ اتر سکے، اس لئے حضرت شیخ رکن الدینؒ کو چارپائی ہی پر بیٹھنے کو کہا، لیکن شیخ رکن الدینؒ

---

[1] سیر الاولیاء ص ۱۳۶، اخبار الاخیار ص ۶۳۔ [2] سیر العارفین ص ۱۴۳، [3] فرشتہ ج ۲ ص ۴۱، ۷۳۔

نے تعظیماً چارپائی پر بیٹھنا پسند نہیں فرمایا، ایک کرسی لائی گئی، تو وہ اسی پر بیٹھے، حضرت شیخ رکن الدینؒ نے سلسلۂ کلام شروع کرتے ہوئے فرمایا کہ انبیاء کو موت اور زندگی کا اختیار دیا جاتا ہے، اولیاء انبیاء کے جانشین ہوتے ہیں، اس لئے ان کو بھی موت اور زندگی کا اختیار ملتا ہے، آپ کی حیات کچھ دنوں اور ہوتی کہ ناقصوں کو آپ کمال تک پہنچا سکتے، محبوبؒ الٰہی نے یہ سنا تو ان کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں، اور فرمایا، میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے فرمارہے ہیں، کہ نظام! تم سے ملنے کا بڑا اشتیاق ہے، حضرت شیخ رکن الدین نے یہ سنا تو ان پر گریہ طاری ہوگیا، اور ان کے ساتھ اور حاضرین بھی رونے لگے[1]۔

اس ملاقات کے بعد حضرت محبوبؒ الٰہی نے رحلت فرمائی، ان کے جنازہ کی نماز حضرت شیخ رکن الدین نے پڑھائی، اور اس سعادت پر وہ ہمیشہ فخر کرتے تھے[2]۔

وصال حضرت محبوبؒ الٰہی کی وفات کے دس سال بعد حضرت شیخ رکن الدینؒ اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے، وفات سے تین مہینے پہلے لوگوں سے ملنا جلنا اور بولنا چالنا بالکل ترک کردیا تھا، صرف نماز جماعت کے لئے حجرہ سے باہر آتے تھے، اور پھر لوٹ جاتے تھے، ۷۳۵ھ کے رجب کی سولہویں تاریخ، جمعرات کے دن، نماز مغرب کے بعد اوابین پڑھ رہے تھے، کہ اسی حالت میں سجدہ میں جان جان آفرین کے سپرد کردی[3]، مرقد مبارک ملتان میں ان کے جد امجد اور والد ماجد کے مزار کے پاس ہی ہے۔

نور باطن حضرت شیخ رکن الدین کا ایک بڑا وصف یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ ان کو نور باطن سے اپنے ملنے والوں اور مریدوں کے دلوں کی باتوں کا کشف ہوجاتا تھا، اسی لئے ابوالفتح کے لقب سے ملقب تھے، ان کے ایک مرید نے اس سلسلہ میں اپنی تصنیف مجمع[4] الاخیار میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک بار سلطان غیاث الدین تغلق نے مولانا ظہیر الدین بیگ سے پوچھا کہ شیخ رکن الدین کی کوئی کرامت آپ نے دیکھی ہے، مولانا نے فرمایا کہ ایک مرتبہ جمعہ کے دن جب لوگ ان کی قدمبوسی کے لئے جمع تھے، میں نے دل میں خیال کیا کہ شیخ کے پاس تسخیر کا کوئی عمل ہے، میں بھی عالم ہوں، لیکن میری طرف کوئی توجہ نہیں کرتا، میں نے سوچا کہ دوسرے دن صبح کو شیخ کی خدمت میں حاضر ہوکر پوچھوں گا، کہ وضو میں کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کی کیا حکمت ہے، رات کو جب سویا تو خواب میں دیکھا کہ شیخ مجھ کو حلوہ کھلا رہے ہیں، جس کی شیرینی دن تک زبان پر قائم رہی، میں نے خیال کیا کہ اگر یہی کرامت ہے تو شیطان بھی عوام کو اسی طرح گمراہ کرتا ہے، صبح کو جب میں شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو مجھ کو

---

[1] سیر الاولیاء ص ۱۴۱، مطلوب الطالبین ورق ۹۴۔۹۷، [2] ایضاً، [3] سیر العارفین ص ۱۴۷، فرشتہ جلد ۲ ص ۴۱۲، مراۃ الاسرار قلمی نسخہ دارالمصنفین، [4] اس تصنیف کا ذکر اخبار الاخیار ص ۲۲ پر ہے،

دیکھتے ہی فرمایا، میں تمہارا ہی منتظر تھا، پھر گفتگو شروع کی، اور فرمایا، جنابت دو قسم کی ہوتی ہے، جنابِ جسم اور جنابتِ دل، جنابت جسم کا سبب تو بالکل ظاہر ہے، مگر دل کی جنابت ناہموار اور آدمیوں کی صحبت سے پیدا ہوتی ہے، جسم تو پانی سے پاک ہو جاتا ہے، مگر دل کی جنابت آنکھوں کے پانی سے دور ہوتی ہے، اس کے بعد فرمایا کہ پانی میں تین صفتیں ہیں، رنگ مزہ اور بو، اسی لئے شریعت نے وضو میں کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کو مقدم رکھا ہے، کلی سے مزہ معلوم ہوتا ہے، اور ناک میں پانی ڈالنے سے اس کی بو معلوم ہوتی ہے، پھر فرمایا کہ جس طرح نبی کی صورت میں شیطان ظاہر نہیں ہوسکتا، اسی طرح شیخ حقیقی کی صورت میں بھی شیطان نمودار نہیں ہوسکتا، کیونکہ شیخ حقیقی کو نبی کی کامل متابعت حاصل ہوتی ہے، مولانا ظہیر الدین کا بیان ہے کہ جس وقت حضرت شیخ رکن الدینؒ کی زبان مبارک سے یہ باتیں نکل رہی تھیں، اس وقت میرے تمام جسم سے پسینہ جاری تھا[1]۔

تواضع ایک بار ایک غریب درویش خانقاہ میں فروکش ہوا، حضرت شیخ رکن الدین نے خادم خاص سے اس کے پاس کھانا بھجوایا، خادم نے درویش سے پوچھا تم حضرت شیخ کو دیکھو گے درویش نے کہا میری کیا مجال ہے کہ میں شیخ کو دیکھوں، خادم نے لوٹ کر یہ واقعہ حضرت شیخ رکن الدین سے بیان کیا، تو انھوں نے فرمایا، میں خود اس کے پاس جاؤں گا، جب معلوم ہوا کہ درویش اوراد سے فارغ ہو چکا ہے، تو اس کے پاس تشریف لے گئے، اور اس کو اس کے مقصود تک پہنچا کر سرفراز فرمایا[2]۔

تعظیم اولاد استاد ایک بار ایک شخص حضرت رکن الدینؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور کہنے لگا کہ میں آپ کے استاد کے لڑکوں میں سے ایک لڑکا ہوں، دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اس کے باپ سے سورہ اخلاص پڑھی تھی، فرمایا تم میرے خداوندزادہ ہو، مجھ کو اسی طرح حکم دو، جس طرح ایک آقا اپنے غلام کو دیتا ہے، اس نے کہا مجھ کو دنیا کا مال و متاع چاہیے، حضرت شیخ رکن الدینؒ نے اس کو اسی وقت دس ہزار ٹنکے مرحمت فرمائے[3]۔

غذا غذا بہت ہی قلیل تھی، ایک پیالہ دودھ میں کچھ میوے ڈال دیئے جاتے، اسی سے چند لقمے تناول فرما لیتے، گھر والوں نے ایک طبیب سے قلت غذا کی شکایت کی، طبیب نے غذا منگوا کر دیکھی، اور اس میں سے چند لقمے خود کھائے، کھانے کے بعد اس نے گرانی محسوس کی اور کہا کہ اب سات دن کھانے کی حاجت نہ ہوگی، کیونکہ بزرگوں کے کھانے میں کمیت سے زیادہ کیفیت ہوتی ہے[4]۔

خیال دنیا و آخرت وضو فرماتے تو اس کے بعد کی دعا پڑھتے، ایک روز وضو سے فارغ ہوئے تو دعا نہیں پڑھی، بلکہ صرف الحمد للہ کہا، خادم خاص نے ان کے نانا سے جا کر عرض

---

[1] بحوالہ اخبار الاخیار ص ۶۲، [2] الدر المنظوم اردو ترجمہ ص ۴۴۴، [3] سراج الہدایہ ملفوظات حضرت جلال الدین بخاری، قلمی نسخہ کتب خانہ ریاست رام پور، [4] الدر المنظوم ص ۲۰-۵۱۹،

کیا کہ آج حضرت نے صرف الحمد للہ کہا، اور کوئی دعا نہیں پڑھی، وہ حضرت شیخ رکن الدینؒ کے پاس آئے، اور واقعہ دریافت کیا، حضرت شیخ رکن الدینؒ نے فرمایا، آج وضو میں دنیا و آخرت کا خیال دل میں نہیں گذرا تو میں سمجھا کہ آج میرا وصال ہے، اسی لئے صرف الحمد للہ کہا[1]۔

وصایا حضرت شیخ رکن الدینؒ کی کسی تصنیف کا کہیں کوئی ذکر نہیں، مگر مجمع الاخبار میں ان کے وصایا و ملفوظات درج ہیں، جن کے کچھ اقتباسات اخبار الاخیار میں نقل کئے گئے ہیں، موخر الذکر کتاب کی مدد سے حضرت شیخ رکن الدین کی صوفیانہ تعلیمات ہدیہء ناظرین کی جاتی ہیں، اپنے ایک مرید کو لکھتے ہیں کہ،

آدمی دو چیزوں سے عبارت ہے، صورت اور صفت، ان میں سے قابلِ اعتنا آدمی کی صفت ہے، خدائے عز و جل صورتوں کو نہیں، بلکہ قلوب کو دیکھتا ہے، اگر کسی کا قلب اوصاف ذمیمہ سے پر ہے، تو اس کا شمار بہائم میں ہی اوصاف ذمیمہ کو دور کرنے کیلئے تزکیہ نفس کی ضرورت ہے، اور تزکیہ نفس اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا، جب تک بندہ خدائے عز و جل سے التجا و استعانت نہ کرے، یعنی اس کی بارگاہ میں گڑگڑائے، اور اس سے مدد طلب کرے، التجا و استعانت سے اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے فضل و رحمت حاصل ہوتی ہے، فضل و رحمت کے ظہور کی علامت یہ ہے کہ بندہ کی چشم بینا میں اس کے عیوب ظاہر ہو جاتے ہیں، اور عظمت الٰہی کے انوار کے پرتو سے ساری کائنات اس کی نظر میں ہیچ ہو جاتی ہے، دنیا کے بھیدوں میں پھنسے رہنے والوں کی وقعت اس کے دل سے بالکل جاتی رہتی ہے، اور جب اس کے قلب پر یہ کیفیت مستولی ہو جاتی ہے، تو اس کے اوصاف فرشتوں کے اوصاف میں تبدیل ہو جاتے ہیں، اور اس میں ظلم کے بجائے عفو، غضب کے بجائے حلم کبر کے بجائے تواضع، بخل کے بجائے سخاوت، اور حرص کے بجائے ایثار کی خوبیاں پیدا ہو جاتی ہیں، مگر یہ خوبیاں عقبیٰ کے طلب کرنے والوں کے لئے ہیں، طالبانِ حق کے اوصاف اور بھی بلند تر ہیں، وہاں تک پہنچنے کے لئے ہر شخص کی عقل کام نہیں دیتی۔

عہدیست مر مرا کہ نگیرم بجز تو دوست
شرطیست مر مرا کہ نخواہم بجز تو ہیچ

ایک دوسرے موقع پر اپنے ایک مرید کو تحریر فرماتے ہیں، کہ ایک مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے آج تک کسی کے ساتھ نہ نیکی کی اور نہ بدی، حاضرین نے استعجاب سے پوچھا کہ امیر المومنین! بدی تو خیر آپ سے نہیں ہو سکتی، مگر نیکی کے متعلق آپ کیا فرما رہے ہیں، ارشاد فرمایا کہ حق جل وعلا کا قول ہے کہ جس نے اچھے کام کئے، اپنے نفس کے لئے کئے، اور برے کام کئے وہ بھی اپنے نفس کے لئے کئے، پس جو کچھ نیکی یا بدی مجھ سے صادر ہوئی، وہ درحقیقت میرے لئے تھی، نہ کہ دوسروں

---

[1] ایضاً ص ۳۱۰-۳۰۹،

کے لئے ،اس کے بعد حضرت شیخ رکن الدینؒ لکھتے ہیں کہ

''ایک عاقل کو دنیا و آخرت کے لئے اتنی نصیحت کافی ہے، بزرگوں نے کہا

سلاح این کس صلاح اوّلین است

یعنی ایک شخص کا ہتھیار اس کی نیکی ہے،

چومی دانی ہر انچہ کاری دردے

آخر ہمہ حال نکو کاری بہ

فرماتے تھے کہ اعضا و جوارح کو شرعی ممنوعات سے قولاً و عملاً باز رکھنا چاہئے، لایعنی مجلس سے بھی پرہیز لازم ہے، اس سے مراد ایسی مجلس ہے، جو حق تعالیٰ سے برگشتہ کر کے دنیا کی طرف مائل کرتی ہے، بطالوں سے بھی احتراز ضروری ہے، بطال وہ لوگ ہیں جو طالبِ حق نہیں[1]۔

---

[1] اخبار الاخیار ص ۶۱ ۔ ۶۲،

حضرت شیخ برہان الدین غریبؒ

نام ونسب اسم گرامی برہان الدین تھا، اور عام طور پر شیخ برہان الدین غریب کہلاتے تھے، سلسلہء نسب یہ ہے:-

برہان الدین غریب بن شیخ محمد محمود بن ناصر ہانسوی بن سلطان مظفر بن سلطان ابراہیم بن شیخ ابوبکر بن شیخ عبداللہ بن شیخ عبدالرشید بن شیخ عبدالصمد بن شیخ عبدالسلام ابن امام اعظم حضرت ابوحنیفہ کوفی[1]۔

وطن خاندان شہر ہانسی میں آباد تھا، اسی جگہ ۶۵۴ھ میں شیخ برہان الدین کی ولادت باسعادت ہوئی۔

خاندان حضرت برہان الدین غریبؒ کا خاندان مذہبی اور روحانی حیثیت سے ممتاز تھا، والد بزرگوار مقبول خاص وعام تھے، وہ جس مجلس میں ہوتے لوگوں کی خواہش ہوتی کہ وہ تمام دن باتیں کرتے رہیں، حضرت برہان الدین نے اپنے والد ماجد کی اس مقبولیت کی وجہ یہ بتائی ہے کہ وہ ہر قبرستان پر روزانہ سو بار فاتحہ پڑھا کرتے تھے، حضرت شیخ کے حقیقی بھائی حضرت شیخ منتخبؒ الدین بھی حضرت محبوبؒ الٰہی یعنی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے ممتاز خلفاء میں تھے، اہلِ دکن ان کے فیوض و برکات سے متمتع ہوئے، ان کا مزار اقدس خلد آباد میں ہے، جہاں ہر سال بڑے تزک واحتشام سے ان کا عرس ہوتا ہے، حضرت خواجہ فرید الدینؒ گنج شکر کے جلیل القدر خلیفہ حضرت خواجہ جمال الدین ہانسویؒ جن سے جمالیہ سلسلہ جاری ہوا، حضرت شیخ کے ماموں تھے، اور حضرت محبوب الٰہیؒ کے عظیم المرتبت خلیفہ مولانا قطب الدین منورؒ ماموں زاد بھائی تھے۔

تعلیم والد بزرگوار کی نگرانی میں اپنے چچا سے قدوری پڑھی، مولانا غلام علی آزاد بلگرامی کے روضۃ الاولیاء میں ہے کہ حضرت شیخ نے فقہ نافع کو حفظ کرلیا تھا، فقہ، معانی، تفسیر، حدیث کی بھی تعلیم پائی، ہم عصروں میں ایک جید عالم کا مرتبہ رکھتے تھے، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ جب مخاطب فرماتے

---

[1] مولانا غلام علی آزاد بلگرامی نے روضۃ الاولیاء میں حضرت شیخ برہان الدین غریبؒ کے حالات لکھے ہیں، اس کا اردو ترجمہ جناب عبدالمجید صاحب خلد آبادی نے کیا ہے، اردو ترجمہ میں جابجا مفید حواشی ہیں جو حضرت شیخ برہان الدین کے ملفوظات سے مرتب کئے گئے ہیں، ہم نے ان حواشی سے بھی استفادہ کیا ہے، روضۃ الاولیاء کا جابجا حوالہ دیا جائیگا، اس سے مراد یہی اردو ترجمہ ہے۔

تو مولانا برہان الدینؒ کہتے۔

عبادت ایام طفلی ہی میں عبادت کا ذوق و شوق پیدا ہوا، جب عمر شریف چھ سات سال کی تھی تو تنہائی میں جا کر کلمہء طیبہ کے ذکر پر مواظبت کرتے، تیرہ سال کی عمر میں ازدواجی علائق سے آزاد رہنے کا خیال پیدا ہوا، چنانچہ تمام زندگی تجرد میں گذاری، کچھ دنوں کیمیا بنانے کا شوق رہا، لیکن محبوبؒ الٰہی کی صحبت کیمیا اثر میں یہ شوق زائل ہو گیا۔

قیام دہلی اس زمانہ میں حضرت محبوبؒ الٰہی کے فیوض و برکات کے سرچشمہ سے تمام ہندوستان سیراب ہو رہا تھا، اس لئے حضرت شیخ برہان الدینؒ نے بھی دہلی میں یہ کشش پائی، اور ہانسی سے دہلی کھنچ کر چلے آئے، دہلی آ کر ایک مسجد میں قیام فرمایا، وہاں کے لوگوں نے حضرت شیخ میں بڑی جاذبیت پائی، اور مسجد میں ہجوم رہنے لگا، لیکن لوگوں کے اس میلان کے باوجود حضرت شیخ اس مسجد میں اس طرح رہتے، جیسے کوئی اجنبی اور غریب الوطن رہتا ہے۔

ارادت ایک رات خواب میں دیکھا کہ وہ ایک خندق میں گر پڑے ہیں، اور اس سے باہر نکلنا چاہتے ہیں، لیکن نکل نہیں سکتے، یکایک حضرت محبوبؒ الٰہی نے اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دیکر باہر نکالا، اس خواب کے بعد حضرت محبوبؒ الٰہی کی خانقاہ میں تشریف لے گئے، حضرت محبوب الٰہی کے خادم خاص اقبال نے خدمت میں جا کر عرض کیا کہ برہان الدین غریبؒ آئے ہیں، محبوبؒ الٰہی نے فرمایا، اب تو ان سے تمام لوگ آشنا ہو گئے ہیں، ابھی تک وہ غریب (اجنبی) ہیں اسی کے بعد سے وہ غریب کے لقب سے مشہور ہوئے، ارادت کے بعد حضرت محبوبؒ الٰہی کی خدمت میں بڑا تقرب حاصل کیا، اور باورچی خانہ کے نگراں مقرر ہوئے[1]۔

مقبولیت تھوڑے ہی عرصہ میں حضرت شیخ کو اپنے ہم چشموں میں بھی بڑی مقبولیت حاصل ہو گئی، حضرت محبوبؒ الٰہی کے مریدوں میں امیر خسرو، امیر حسن سنجری، مولانا ابراہیم طشت روا، سید خاموش، خواجہ مبشر، سید حسین، اقبال خادم برابر ان کی صحبت میں رہتے، اور ان کی شیریں اور بذلہ سنجی سے بہت لطف و حظ اٹھاتے، لطائف اشرفی میں ہے:۔

> ''درو ادبیہ ء خلت از ہمہ سبقت کردند، درظرافت و لطافت طبع آیتی بود کہ درشانِ او نزول یافتہ، چنانکہ میر حسن امیر خسرو و خوش طبعانِ دیگر بوسیلہء لطافت طبع او فریفتہ بودند۔'' (ص ۳۵۷)

حضرت شیخ نصیر الدین محمودؒ جب اودھ سے دہلی تشریف لاتے تو حضرت شیخ ہی کے ساتھ قیام فرماتے اور کبھی کبھی درس بھی لیتے[2]۔

---

[1] روضۃ الاولیاء اردو ترجمہ ص ۱۰۔۷، [2] سیر الاولیاء ص ۲۷۹۔۲۷۸،

عتابِ مرشد

ایک موقع پر مرشد کو کچھ باتیں ناگوار گذریں، جس سے شیخ کو ابتلاء و آزمائش کی کٹھن گھڑیاں گذارنی پڑیں، علی زنبیلی اور ملک نصرت نے جو سلطان علاء الدین خلجی کے رشتہ دار تھے، حضرت محبوبؒ الٰہی کی خدمت میں حاضر ہو کر اثنائے گفتگو میں یہ بیان کیا کہ مولانا برہان الدین مشائخ کی طرح سجادے پر بیٹھتے ہیں، وہ جسمانی حیثیت سے نحیف و منحنی تھے، کبرسنی کی وجہ سے دونوں زانوؤں میں درد رہا کرتا تھا، اس لئے کمبل کو دوتہ کر کے اس پر بیٹھتے تھے، اسی کی طرف علی زنبیلی اور ملک نصرت نے اشارہ کیا، لیکن نشست کا یہ طریقہ حضرت محبوبؒ الٰہی کو ناگوار گذرا، اس لئے جب حضرت شیخ خدمت میں حاضر ہوئے، تو ان سے مخاطب ہونا پسند نہیں فرمایا، اور جب جماعت خانہ میں تشریف لائے، تو اپنے خادم اقبال سے ان کو یہ کہلا بھیجا کہ وہ جماعت خانہ میں نہ بیٹھیں، حضرت شیخ یہ سن کر پریشان اور سراسیمہ ہوئے، گھر جا کر سوگ میں بیٹھ گئے اور برابر روتے رہتے، لوگ ان کو دیکھنے کے لئے آتے، اور ان کو روتا دیکھ کر خود بھی رونے لگتے، چند روز کے بعد حضرت امیر خسرو اپنی دستار گردن میں لٹکا کر حضرت محبوبؒ الٰہی کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت محبوب الٰہی نے ان کو اس طرح دیکھ کر پوچھا، ''ترک! کیا ہے'' عرض کیا ''مولانا برہان الدین کی معافی چاہتا ہوں۔'' متبسم ہو کر پوچھا ''وہ کہاں ہیں۔'' مولانا برہان الدینؒ بھی اپنی دستار گردن میں ڈال کر حاضر ہوئے، اور صفِ نعال میں کھڑے ہو گئے، حضرت محبوبؒ الٰہی نے تقصیر معاف کی اور تجدید بیعت سے مشرف کیا[1]۔

خلافت

رفتہ رفتہ حضرت شیخ درجہء کمال کو پہنچے تو مرشد کی طرف سے خلافت ملی[2]، خلافت کے بعد مرشد نے کئی بار اپنے بلند مرتبہ مرید کے کمالات کا اظہار کیا۔

ایک موقع پر حضرت محبوبؒ الٰہی کی مجلس میں حضرت بایزید بسطامیؒ کی بزرگی کا ذکر آیا، محبوبؒ الٰہی نے فرمایا ہم بھی ایک بایزید رکھتے ہیں، کسی نے پوچھا وہ کہاں ہیں، فرمایا ''جماعت خانہ میں۔'' اقبال خادم نے جماعت خانہ میں جا کر دیکھا تو وہاں اس وقت حضرت شیخ برہان الدین بیٹھے تھے۔

ایک اور موقع پر حضرت محبوبؒ الٰہی نے حضرت شیخ کو اپنا فرزند شائستہ بتایا، اور فرمایا جو شخص مولانا برہان الدین کے ساتھ رہے گا، وہ بھی صاحب حشمت ہوگا، ایک دوسرے موقع پر ارشاد فرمایا، مولانا برہان الدین اخلاق، نعمتوں اور علوم لدنی کے مجموعہ ہیں[3]۔

احترامِ مرشد

حضرت شیخ کو بھی اپنے مرشد سے بڑی محبت و عقیدت رہی، مرشد کی وفات کے بعد کبھی اپنی پشت غیاث پور کی طرف نہیں کی، جہاں ان کا مرقد مبارک ہے، سیر الاولیاء میں ہے کہ

---

[1] سیر الاولیاء ص ۲۸۱۔۲۸۰۔۲۷۹، [2] جس طرح سے خلافت ملی، اس کی روایتیں سیر الاولیاء، تاریخ فرشتہ اور دوسرے تذکروں میں مختلف ہیں، جن کی تفصیل لکھنا تحصیل حاصل ہے، [3] روضۃ الاولیاء ص ۱۱، و حواشی

"دراعتقاد و محبت پیر راہ نمونے بہتر از دکشے نمود۔" (ص ۲۷۹)

دکن کو روانگی حضرت شیخ کے بھائی حضرت منتخب الدین کی وفات کے بعد حضرت محبوب الٰہی نے اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور مسلمانوں کے رشد و ہدایت کی غرض سے حضرت شیخ کو دکن جانے کا حکم دیا، حضرت شیخ کو مرشد کی مفارقت پسند نہ تھی، اس لئے یہ حکم سن کر عرض کیا، کہ نعلین مبارک سے جدا ہو جاؤں گا، حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا، نعلین بھی ہمراہ لے جاؤ، پھر عرض کیا، مجلس سے دور ہو جاؤں گا، مرشد نے فرمایا، اس وقت مجلس میں جتنے لوگ بیٹھے ہیں، ان کو بھی ساتھ لے جاؤ، کہا جاتا ہے کہ مجلس میں سات سو مریدین بیٹھتے تھے، ان میں حضرت امیر حسن سنجری، شیخ کمال خجندی، شیخ جام اور شیخ فخر الدین وغیرہ بھی تھے، حضرت شیخ کو مرشد کا حکم بجالانا پڑا، اور سات سو ہمراہیوں کے ساتھ دولت آباد روانہ ہو گئے، یہ گویا دکن میں روحانی سپاہیوں کی فوج کشی تھی، رخصت کرتے وقت مرشد نے کچھ نصیحتیں کیں، جن میں دو یہ تھیں کہ جمعہ کی نماز ترک نہ کرنا، اور اپنی والدہ کی خوشی ہر کام پر مقدم رکھنے کو رحمتِ حق تصور کرنا۔

دولت آباد پہنچ کر یہاں تقریباً اٹھائیس انتیس سال قیام فرمایا، اور یہیں واصل بحق ہوئے، اس مدت میں اپنے عادات و اطوار، معاملات و عبادات، اور کشف، و کرامات کی بناء پر عوام و خواص، امراء و سلاطین کے قلوب پر فرمانروائی کرتے رہے۔

اشاعت اسلام حضرت شیخ اور ان کے ہمراہیوں کی مساعیِ جمیلہ سے بہت سے غیر مسلم مشرف بہ اسلام ہوئے، حضرت شیخ کے ذکر میں سفینۃ الاولیاء میں ہے۔

"از مریدان سلطان المشائخ اند و حضرت شیخ ایشاں را بہ طرف برہان پور دولت آباد بجہت رواج اسلام و ارشاد ساکنان اںحد و فرستادند و شیخ حسن دہلی را با بعضی از مریدان خود بایشاں ہمراہ کردند، واز برکت قدم ایشاں اکثرے ازاں جماعہ بشرف اسلام مشرف گشتہ و مرید و معتقد گشتند۔" (ص ۱۷۲)

رشد و ہدایت عام مسلمانوں نے بھی ہر طرح کا استفادہ کیا، اور جوق در جوق حلقہء ارادت میں داخل ہوئے، صرف حضرت رکن الدین کاشانی کی وساطت سے ایک ہزار آدمیوں نے بیعت کی، ان مریدوں کو جو مذہبی اور روحانی تعلیمات دیں، ان کی تفصیل تو آگے آئیگی، جب ہم حضرت شیخ کے مریدوں کی ایسی تصانیف کا ذکر کریں گے، جو خاص ان کی فرمائش سے لکھی گئیں، یہاں پر اجمالی طور سے ہم ان تعلیمات کو پیش کرتے ہیں، جن سے حضرت شیخ نے اپنے مریدوں کی اخلاقی اور معاشرتی حالت سنوارنے کی کوشش کی۔

طلب حق ایک مسافر حضرت شیخ کی خدمت میں آیا، اور عرض کیا کہ آپ کے پاس دو چیزوں کے،

واسطے آیا ہوں، ایک تو دین حاصل کرنے کے لئے کیونکہ آپ پیشوائے دین، سر ولایت اور صاحب کشف وکرامت ہیں دوسرے دنیا حاصل کرنے کے لئے کیونکہ سلاطین اور امراء آپ کے مطیع وفرماں بردار ہیں، حضرت شیخ نے فرمایا، ایک خدا تم کو دونوں چیزیں پہنچا دیگا، خدا کو حاصل کرلو، ساری چیزیں خود بخود حاصل ہو جائیں گی۔

کمال انسان
مولانا وجیہ الدین یوسف نے حضرت شیخ کی خدمت میں عرض کیا، کہ میں جس قدر نفس کے عیوب کو دور کرتا ہوں اسی قدر زیادہ عیوب نظر آتے ہیں، حضرت شیخ نے فرمایا، یہ ایک انسان کا کمال ہے، کیونکہ انسان جب کمال کو پہنچتا ہے تو اس کی نظر اپنے عیوب پر زیادہ پڑتی ہے۔

دنیا کی حقیقت
ایک موقع پر مریدوں کو مخاطب کر کے فرمایا، دنیا سایہ کے مانند ہے، جب آدمی سایہ کی طرف منہ کرتا ہے تو وہ آگے آگے چلتا ہے، اور جب پیٹھ پھیرتا ہے، تو پیچھے آتا ہے، ایک اور موقع پر فرمایا کہ مجھ کو شرق سے غرب تک تمام عالم ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ہتھیلی پر مرغی کا انڈا ہو۔

فضیلت محبت
دل کی ماہیت یہ بتائی کہ یہ ایک ظرف کے مانند ہے، جب تک ظرف خالی ہے، ہوا سے پُر رہتا ہے، اور جب اس میں کوئی چیز رکھ دی جاتی ہے تو ہوا سے خالی ہو جاتا ہے، اسی طرح دل دنیا کی خواہش سے پُر ہوتا ہے، لیکن جب اس میں محبت بھر جاتی ہے، تو خواہش نفسانی دور ہو جاتی ہے، اور پھر اللہ کی محبت بھر جاتی ہے۔

راحت رسانی
معتقدوں کو تلقین کی کہ لوگوں کی راحت رسانی میں کوشاں رہیں، اس سلسلہ میں فرمایا، ایک درخت خود تو دھوپ میں کھڑا رہتا ہے، لیکن دوسروں کو سایہ دیتا ہے، لکڑی خود تو جلتی ہے، لیکن اوروں کو آرام پہنچاتی ہے، اسی طرح انسان خود تکلیف اٹھائے، اور اپنی تکلیف کا خیال نہ کرے، لیکن دوسروں کو فائدہ اور آرام پہنچائے۔

عیب جوئی
لوگوں کی عیب جوئی کے سلسلہ میں مریدوں کو بتایا کہ اگر تمہارا کوئی عیب ظاہر کرے تو یہ دیکھو کہ تم میں وہ عیب ہے یا نہیں، اگر ہے تو اس سے باز آؤ، اور عیب ظاہر کرنے والے سے کہو تم نے مجھ پر کرم کیا، کہ میرا عیب مجھ کو بتا دیا، اور اگر تم میں یہ عیب نہیں ہے، تو دعا کرو کہ الٰہی اس عیب ظاہر کرنے والے کو عیب جوئی سے بچائے، اور مجھ کو بھی بد کلامی سے محفوظ رکھے۔

بخل وسخاوت
فرمایا ایک سخی ہوتا ہے، اور ایک بخیل، سخی وہ ہے جو مہمان کو دوست رکھتا ہے، اور بخیل وہ ہے، جو دولت کو مہمان رکھتا ہے۔

مہمان نوازی
مہمان نوازی کے متعلق یہ تعلیم دی کہ جب کوئی مسافر مقیم کے پاس پہنچے تو مقیم کو مسافر

کے سامنے دو قسم کا گرم پانی پیش کرنا چاہئے، ایک گرم پانی ہاتھ اور منہ دھونے کے لئے اور دوسرا گرم شوربا۔

عدل واحسان عدل واحسان کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا کہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ساتھ عدل بھی کرنا چاہئے، اور احسان بھی، عدل تو یہ ہے کہ کھانے کے وقت ہم پیالہ کے ساتھ لقمہ کا انصاف کرے، یعنی برابر برابر کھائے، اور احسان یہ ہے، کہ ہم پیالہ کے ساتھ اپنا لقمہ چھوٹا اٹھائے، اور جو چیز لذیذ اور اچھی ہو، اس سے ایثار کرے۔

طہارت باطن ایک موقع پر مریدوں کو بتایا کہ جس گھر میں کتا یا تصویر ہوتی ہے، وہاں فرشتہ، رحمت داخل نہیں ہوتا، اسی سلسلہ میں صوفیانہ نکتہ بتایا کہ نفس کتا ہے، اور خدا کے علاوہ کسی اور کی محبت گویا تصویر ہے، ایسے آدمی کے دل میں خدا کی محبت نہیں ہو سکتی، خدا کی محبت کے لئے نفس کو پاک اور دل کو ماسوا اللہ کی محبت سے دور رکھنا ضروری ہے۔

اہل وعیال کے حقوق بیوی اور بچوں کے حقوق کے بجالانے کی بھی تاکید کی، اور فرمایا بیوی بچے باغ اور بوستان ہیں، جب خداوند تعالیٰ کی عبادت سے کوئی ملول ہو تو اس کو اپنا دل بیوی بچوں ہی سے بہلانا چاہئے، کیونکہ یہ بھی عبادت ہے[1]۔

شیخ کے اقوال کی مقبولیت حضرت شیخ کی زبان مبارک سے جو کوئی بات نکل جاتی، اس کو عام طور سے لوگ بہت ہی حسن عقیدت سے سنتے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتے، ایک نوجوان سپاہی میدانِ جنگ میں گیا، تو وہ بالکل نڈر ہو کر معرکہ کارزار میں پیش پیش رہتا، لوگوں نے اس سے احتیاط کرنے کو کہا تو اس نے کہا، میں جوانی میں مر نہیں سکتا، کیونکہ حضرت شیخ بُرہان الدین نے فرمایا ہے، کہ جب تک تو بڈھا نہ ہوگا نہ مریگا[2]۔

شیخ کی شیریں کلامی حضرت شیخ اپنی مجلسوں میں تعلیم و تربیت کے سلسلے میں جو کچھ فرماتے اس میں بڑی شیرینی، فصاحت، بلاغت اور تاثیر ہوتی، اس لئے سامعین مجلسوں سے اٹھتے تو اپنے قلب کو پاکیزہ اور ذہن کو مصفا پاتے، سیر الاولیاء میں ہے:۔

> "ہر کہ یک ساعت بخدمت ایں بزرگ بودے از ذوق کلام عشق آمیز وصفائی محاورۂ دلفریب او عاشق جمال ولایت گشتے۔" (ص ۲۷۹)

مستفیدین حضرت شیخ کی صحبتِ کیمیا اثر سے جن بزرگوں نے روحانی کمالات حاصل کئے ان میں بعض کے مختصر حالات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ حضرت سیّد زین الدین، نام سیّد داؤد حسین، لقب سیّد زین الدین اور وطن شیراز تھا، شیراز سے

---

[1] یہ تعلیمات روضۃ الاولیاء اور نفائس الانفاس کے ملفوظات سے جمع کی گئی ہیں۔ [2] روضۃ الاولیاء ص ۱۰۸۔

دہلی آئے، اور دہلی سے دولت آباد منتقل ہوئے، بڑے جید عالم تھے، اس لئے دولت آباد میں علماء اور طلبہ کا ہجوم ان کے گرد رہتا تھا، ایک مسجد میں تفسیر اور حدیث کا درس دیتے تھے، اپنے علم کے غرور میں صوفیہ اور مشائخ کے قائل نہ تھے، اور ان پر طنز و تشنیع کیا کرتے، ایک روز ان کا ایک شاگرد حضرت شیخ برہان الدین کے پاس مشکوٰۃ المصابیح پڑھنے گیا، درس کے بعد محفل سماع تھی، اس میں بھی شریک ہو گیا، مولانا سیّد زین الدین کو معلوم ہوا تو اس پر برہم ہوئے، کہ ناچ گانے کی محفل میں کیوں شرکت کی، اسی برہمی میں شاگرد سے کہا کہ اگر شیخ برہان الدینؒ صاحب فضیلت اور صاحب علم ہیں تو ان سے میرے چند سوالوں کو حل کرا کے لاؤ، اس کے بعد ان سوالوں کو کاغذ پر لکھ کر شاگرد کے حوالہ کیا، یہ بعض علمی سوالات تھے، جن کا جواب مولانا کے اساتذہ بھی نہ دے سکتے تھے، اور اپنی غیر معمولی قابلیت کے باوجود خود ان کے حل کرنے سے قاصر اور معذور تھے، ان کو لکھ رکھا تھا، کہ بیت اللہ جا کر حرمین کے علماء سے حل کرائیں گے، جب شاگرد یہ سوالات لے کر حضرت شیخ برہان الدین کے پاس پہنچا تو شیخ نے ان کے کئی کئی جوابات لکھے، اور جب ان کو مولانا زین الدین نے پڑھا تو ان کے علم کا سارا غرور جاتا رہا، ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، اور حضرت شیخ کی طرف غیر معمولی کشش محسوس کی، مولانا رکن الدین کاشانی کو لے کر حضرت شیخ کی قیامگاہ پر پہنچے، اور جب سامنا ہوا، تو دوڑ کر پیشانی قدموں پر جھکا دی، شیخ نے فرمایا، ہاں ہاں داؤد حسین یہ رسم شریعت میں جائز نہیں مولانا نے کہا، جب تک میں اس رسم کو شریعت کے خلاف جانتا تھا نعمتِ باطنی سے محروم تھا، پھر یہ شعر پڑھا:-

دست از طلب ندارم تا کار من برآید

یا جان رسد بجاناں یا جاں زتن برآید

اور اسی وقت بیعت کی، اس کے بعد درس و تدریس کا سلسلہ ختم کر دیا، اور مرشد کی صحبتِ بابرکت میں رہنے لگے، ایک روز مرشد نے کہا، داؤد صلاحیت پیدا کرنے کے لئے کوئی کتاب پڑھو، عرض کیا، جس کتاب کا حکم ہو وہی پڑھوں، مرشد نے فرمایا مرصاد العباد پڑھو، مولانا زین الدین مرصاد العباد پڑھ چکے تھے، اور شاگردوں کو بھی پڑھا چکے تھے، لیکن مرشد کے حکم سے اس کو از سر نو پڑھنا شروع کیا، تین بار اس کو ختم کیا، اور ہر بار کہتے، واللہ یہ وہ مرصاد نہیں جو میں نے پہلے پڑھی تھی[1]، رفتہ رفتہ مولانا زین الدین نے درویش میں بڑی فضیلت حاصل کی، خواص و عوام و سلاطین ان کے بہت معتقد رہے، سلطان محمد شاہ بہمنی، ان ہی کے ہاتھوں پر اپنے اعمالِ قبیحہ سے تائب ہوا، اور ان ہی کے رشد و ہدایت سے اپنی مملکت میں شریعت کو رواج دیا شراب فروشی کی دوکانیں بند کرائیں، چوروں اور رہزنوں کا استیصال کیا[2]،

---

[1] روضۃ الاولیاء مؤلفہ مولانا غلام علی آزاد بلگرامی اور روضۃ الاقطاب مؤلفہ محمد رونق علی میں مولانا زین الدین کے مفصل حالات ملیں گے، [2] روضۃ الاولیاء ص ۱۰۵، ۱۰۶

خاندیس کے والی نصیر خاں فاروقی نے بھی حضرت سید زین الدین سے فیوض و برکات حاصل کئے اور ان کے نام پر ایک شہر زین آباد کیا۔

ایک بار حضرت شیخ زین الدین دہلی تشریف لے گئے، تو سلطان فیروز شاہ تغلق نے دہلی میں مستقل اقامت کے لئے اصرار کیا، لیکن ارشاد فرمایا، کہ میں اپنے شیخ کے آستانہ ہی پر مرنا چاہتا ہوں[1]، مزار اقدس خلد آباد میں ہے، جہاں ہر سال عرس ہوتا ہے، اور اہل دکن ان کو جلیل القدر اولیاء میں شمار کرتے ہیں، حضرت شیخ برہان الدین نے ان کو زین الدین کا لقب عطا کیا تھا۔

حضرت شیخ برہان الدینؒ کی صحبت میں حضرت فرید الدین ادیب بھی روحانی طور پر درجہء کمال کو پہنچے، جب اٹھارہ سال کے تھے تو بیعت کی، اور رفتہ رفتہ مرشد کی نظر عنایت سے تمام ظاہری و باطنی نعمتوں سے مالا مال ہوئے، مشہور تھا کہ ان کا گھر انوار الٰہی سے منور رہتا ہے، جب نماز پڑھتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ ان کی گردن کی ہر رگ سے اللہ اللہ کی صدا بلند ہو رہی ہے حضرت شیخ برہان الدینؒ فرماتے، اگر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ کیا لائے تو کہوں گا کہ فرید کو لایا ہوں، حضرت فرید الدینؒ بھی مرشد کا بڑا ادب کرتے، اور اسی ادب کے لئے فرید الدین ادیب مشہور ہوئے، وفات سے کچھ دنوں پہلے ایک روز روتے دکھائی دیئے، رونے کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا، شیخ نے ارشاد فرمایا ہے، کہ میری وفات کے بعد فرید میری جگہ پر بیٹھے گا، لیکن یہ کس کی طاقت ہے کہ شیخ کی جگہ پر بیٹھے، اس لئے میں نے اللہ تعالیٰ سے التجا کی ہے کہ شیخ سے پہلے مجھے دنیا سے اٹھا لے، آخر ایسا ہی ہوا، اپنے مرشد سے تیرہ دن پہلے ۲۹ر محرم ۷۳۸ھ میں وفات پائی[2]، مزار شریف خلد آباد میں ہے۔

حضرت فخر الدین دولت آباد کے جلیل القدر امراء میں تھے، حضرت شیخ دولت آباد تشریف لائے تو کچھ دنوں ان ہی کے یہاں قیام فرمایا، حضرت فخر الدین نے حلقہء ارادت میں داخل ہو کر امارت میں درویشی کی شان پیدا کی، اور عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے، شاہی دربار کی طلب پر دہلی گئے، اور وہاں سے مرشد کے حکم سے حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے، وہاں سے واپسی کے بعد حضرت شیخ نے ان کو خرقہء خلافت اور ارادت کا اجازت نامہ بھیجا، لیکن قاصد اس وقت دہلی پہنچا جب حضرت شیخ کا وصال ہو چکا تھا، حضرت فخر الدین اجازت نامہ پڑھ کر روتے اور کہتے کہ افسوس میری عمر دنیاداروں میں گذری، اب یہ شب ہجر کیسے تمام ہوگی، اور صبح مراد کیونکر حاصل ہوگی، اسی وقت تمام املاک چھوڑ کر دولت آباد آئے، اور بقیہ عمر شیخ کے طریقہ پر گذاری، حضرت فخر الدین پہلے خلیفہ ہیں، جن کو حضرت شیخ نے مرید کرنے کی اجازت دی، شیخ کے حکم کے بموجب بہت سے سالکان طریقت کو داخل بیعت کیا[3]۔

---

[1] روضۃ الاولیاء ص ۱۰۰، ۱۰۶، [2] تفصیل کے لئے دیکھو روضۃ الاولیاء ص ۶۲-۶۱،

[3] تفصیل کے لئے دیکھو روضۃ الاقطاب ص ۶۷-۶۵

حضرت کا کا سعد بخت (یا شاد بخت) شیراز کے رہنے والے تھے، وطن مالوف سے دہلی اور وہاں سے دولت آباد آئے، حضرت شیخ جب دولت آباد پہنچے تو انہی کے دولت کدہ پر قیام فرمایا، اس کے بعد حضرت فخر الدین کے یہاں منتقل ہو گئے، حضرت کا کا ارادت کے بعد اپنی تمام زندگی مرشد کی خدمت گذاری اور غمخواری میں گذار دی، حضرت شیخ کے باورچیخانہ کے وہی نگراں رہے، حضرت شیخ بھی ان سے بہت خوش رہتے، اور فرماتے کہ کا کا نیک اور پاک لوگوں میں ہیں، اس لئے وہ منظور الاولیاء اور مقبول الاتقیاء کہلائے، مرشد کی وفات کے بعد بھی نو سال تک مزار مبارک کی تولیت کی، شیخ کے پائیں میں مدفون ہیں[1]۔

حضرت رکن الدین کاشانی، حضرت حماد کاشانی اور حضرت مجد الدین تینوں بھائی تھے، حضرت شیخ کی نظر کیمیا اثر سے سلوک کے اعلیٰ مدارج کو پہنچے، اور ممتاز خلیفہ ہوئے ان کی تصانیف کا ذکر آگے آئے گا۔

قتلغ خاں دبیر اور رفیع الدین دولت آباد کے یکے بعد دیگرے صوبہ دار ہوئے، اور دونوں حضرت شیخ کی صحبت سے فیض یاب ہوا کرتے تھے۔

حضرت شیخ سے سلاطین کی عقیدت

نصیر الدین فاروقی کے دریائے تاپتی کے کنارے حضرت شیخ ہی کے اسم مبارک پر ایک شہر برہان پور آباد کیا[2]، روضۃ الاولیاء میں ہے کہ ملوکِ زمانہ میں سے کسی نے حضرت شیخ سے درخواست کی کہ اس کے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس کو فرزند عطا فرمائے، حضرت شیخ نے فرمایا کہ اس کو ایک نہیں چار فرزند عطا ہوں گے، لیکن وہ چاروں اس کے کام کے نہ ہوں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، اس کے چار لڑکے، خواجہ خیر الدین، خواجہ قبول، خواجہ عبدالرحمٰن اور خواجہ جلدک ہوئے، اور چاروں نے حضرت شیخ کی خدمت میں زندگی گزاری، حضرت شیخ فرماتے یہ میرے غلام بھی ہیں اور فرزند بھی[3]۔

سلطان محمد تغلق کو بھی حضرت شیخ سے عقیدت تھی، ایک روز دولت آباد میں جامع قطبی میں جمعہ کی نماز پڑھ کر ان کی ملاقات کے لئے روانہ ہوا، حضرت شیخ اپنے مرشد کی طرح بادشاہوں کی ملاقات وصحبت کو پسند نہیں کرتے تھے، جب اپنی قیامگاہ کی طرف شاہی سواری کے آنے کی خبر سنی تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے لگے کہ بادشاہ سے ملاقات نہ ہو، معلوم نہیں سلطان کے دل میں کیا بات آئی کہ راستہ سے واپس چلا گیا، سلطان نے ایک موقع پر تین ہزار سونے کے ٹنکے حضرت شیخ کی خدمت میں بھیجے، ملک نائب باربک یہ رقم لے کر پہنچا تو انہوں نے اس رقم کے لینے سے انکار کیا کہ اس کی ضرورت نہیں، لیکن سلطان نے ملک نائب باربک کو یہ کہہ کر پھر بھیجا کہ یہ رقم ان کے لئے نہیں، بلکہ ان کے خدمت گزاروں کے لئے

---

[1] روضۃ الاولیاء ص ۴۳-۴۲، [2] روضۃ الاولیاء ص ۱۰۸، [3] ایضاً ص ۴۴

ہے، حضرت شیخ نے یہ رقم لے لی، اور خادم خاص کو بلایا کہ گھر میں جو کچھ موجود ہو لاؤ، خادم نے ٹنکے لاکر پیش کئے، فرمایا ان کو سلطان کے تین ہزار ٹنکے میں ملا کر فقراء میں تقسیم کردو، اور ایسا ہی کیا گیا[1]۔

ذوق سماع سماع سے بڑا شغف رکھتے تھے، اور جب وجد میں آتے تو ان پر غیر معمولی کیفیت طاری ہو جاتی، سیر الاولیاء میں ہے:۔

"در سماع غلو تمام بود و ذوق بسیار داورادیاران اور ادر رقص طرزے علیحدہ بود، چنانکہ اصحان ایں بزرگ رامیان یاراں برہانی گفتندے۔" (ص ۲۷۹)

ریاضت رشد و ہدایت کی مشغولیت کے باوجود عبارت و مجاہدہ میں کسی قسم کی کمی نہیں کی، تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ عشاء کے وضو سے صبح کی نماز ادا فرماتے، اور یہ معمول پچیس سال تک رہا، مصلیٰ ہی اوڑھنا بچھونا ہوتا، تیس سال تک داؤدی روزے رکھے، صبح کی نماز کے بعد اوراد و وظائف میں مشغول رہتے، اشراق کی نماز کی بعد صلوٰۃ التحفہ اور اس کے بعد چاشت کی نماز پڑھتے، پھر کلام پاک کے تین پاروں کی تلاوت فرماتے، جس کے بعد قبرستان کی زیارت کے لئے تشریف لے جاتے، وہاں کبھی پانچ سو اور کبھی ہزار بار سورۂ اخلاص پڑھتے، زیارت کے بعد قیلولہ کرتے، اس ریاضت کے باوجود فرماتے یہ کیا نماز اور سجدہ ہے، جو ہم کرتے ہیں، سجدہ وہ ہے جو نباتات کرتے ہیں، کہ جب سے اگتے ہیں، ان کا سر سجدہ میں ہوتا ہے، یہاں تک کہ خشک ہو جاتے ہیں، کبھی فرماتے، اے نفس میں کہتا تھا کہ تجھ کو خوب پامال کروں گا، ایک مدت ہوگئی، لیکن کچھ نہ کر سکا[2]۔

غذا اوپر ذکر آیا ہے کہ تیس سال تک داؤدی روزے رکھے، افطار کبھی صرف پانی، کبھی صرف سرکہ اور کبھی صرف دہی سے فرماتے ہفتہ میں صرف دو دن آدھا پیٹ کھاتے تھے، لوبیا اور نانِ جو پسند تھی، ایک دفعہ حضرت کا کا سعد بخت نے مغز بادام اور مصری پیش کی، چند دانے کھا کر فرمایا، کا کا اس میں کسی قسم کی لذت محسوس نہیں ہوتی، حضرت کا کا بولے، ایک وہ وقت تھا کہ شوق سے لوبیا اور جو کی روٹی تناول فرماتے، اب مصری کے ساتھ مغز بادام پسند نہیں، فرمایا سچ کہتا ہوں، جو لذت و حلاوت جو کی روٹی اور لوبیا میں پاتا تھا، اب کسی کھانے میں نہیں پاتا، وہ مجاہدے کا وقت اور محبوب سے فراق کا دور تھا، اب وصالِ الٰہی کا زمانہ ہے، اس بادام اور مصری میں کیا لذت مل سکتی ہے[3]۔

لباس و اسباب عمامہ، کرتا، عبا اور تہ بند زیب تن فرماتے، وفات کے وقت ذاتی ملک میں کوئی چیز نہیں چھوڑی، گھر میں جو کچھ ہوتا راہ خدا میں دیدیتے، ایک مصلے پر چھ سال نماز پڑھی، کبھی اس پر سو رہتے، اور کبھی اسی کو اوڑھ لیتے[4]۔

علالت وفات سے پہلے تین سال تک مسلسل علیل رہے، لیکن علالت کے زمانے میں بھی رشد و ہدایت

---

[1] روضۃ الاولیاء ص ۲۷، [2] روضۃ الاولیاء ص ۱۰، [3] روضۃ الاولیاء ص ۲۵، [4] ایضاً ص ۱۰ نیز دیکھو روضۃ الاقطاب ص ۱۱۹، ۱۶۷۔

اور عبادت و ریاضت کا سلسلہ جاری رکھا، علاج کرنے کے قائل نہ تھے، فرماتے طبیبی ذکر حبیبی، یعنی میرے دوست کی یاد میرا طبیب ہے، کبھی رویا کرتے، لیکن مریدوں سے کہتے کہ یہ نہ سمجھنا کہ میں بیماری کی تکلیف سے روتا ہوں، ایک لمحہ بھی خدا کی یاد سے باز رہتا ہوں تو روتا ہوں، آخر زمانہ میں مریدوں نے دہلی لے جانا چاہا لیکن جہاں مرقد مبارک ہے، اس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا، میں اس مقام سے جا نہیں سکتا۔

وفات آخر وقت میں ایک روز مریدوں کو بلا کر نصیحتیں کیں، اور ان میں سے ہر ایک کو دستِ مبارک سے کچھ کپڑے عنایت کئے، وفات کے روز اپنے مرشد حضرت خواجہ نظام الدینؒ اولیاءؒ کی تسبیح منگوائی، اس کو سامنے رکھا، اور اپنی دستار گلے میں ڈال کر کہنے لگے، مسلمان ہوں، امت رسول ہوں، شیخ کا مرید ہوں میں نیک نہ تھا، نیک زندگی بھی بسر نہیں کی، اپنا انصاف خود کرتا ہوں، پھر مرشد کی تسبیح سے تجدید بیعت کی اور زار زار رونے لگے، چاشت کے وقت خادم خاص سے کہا کہ باورچی خانہ میں دوستوں کو لے جا کر کھانا کھلا دو، وہاں کچھ باقی نہ رہے، اور جب یارانِ طریقت کھانا کھا رہے تھے تو حضرت شیخ نے مرشد کا خرقہ اور تبرکات لانے کو کہا، اور اسی وقت روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی[1]، نفائس الانفاس میں وفات کی تاریخ صفر ۳۸ے ھ لکھی ہوئی ہے، مرقد مبارک خلد آباد میں ہے۔

درجہ و مقام تذکروں میں حضرت شیخ کے اسم مبارک کے ساتھ اسد الاولیاء والعارفین، قطب عالم، مظہر الوہیت، طیر لامکان، قطب المدار، بایزید ثانی وغیرہ القاب لکھے جاتے ہیں۔

ملفوظات حضرت شیخ برہان الدین غریب کے ملفوظات کے تین مجموعوں کے نام معلوم ہو سکتے ہیں۔

(۱) حصول الوصول، اس کو حضرت شیخ کے مرید خواجہ حماد کاشانی نے جمع کیا،

(۲) ہدایت القلوب، اس کو ایک دوسرے مرید شیخ حسین نے قلمبند کیا،

(۳) نفائس الانفاس، اس کو ایک تیسرے مرید خواجہ رکن الدین بن عماد الدین کاشانی نے مرتب کیا،

(۴) مولانا حمید شاعر قلندر نے بھی غالباً ملفوظات کا کوئی مجموعہ تیار کیا تھا،

راقم کو ان ملفوظات میں صرف نفائس الانفاس کا ایک خرم خوردہ اور بدخط قلمی نسخہ ندوۃ العلماء لکھنو کے کتب خانہ سے دستیاب ہوا ہے، اس کی ابتداء رمضان المبارک ۳۲ے ھ سے کی گئی ہے، اور صفر ۳۸ے ھ تک کے ملفوظات درج کر کے ختم کر دیا گیا ہے، یہی تاریخ حضرت شیخ برہان الدین کی وفات کی ہے، ان ملفوظات کو فوائد الفواد کے طرز پر جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

مرتب خواجہ رکن عماد کاشانی کو اپنے مرشد سے بڑی عقیدت تھی، اس لئے نفائس الانفاس کے دیباچہ میں مرشد کے لئے یہ القاب استعمال کرتے ہیں:۔ (ص ۳)

---

[1] روضۃ الاولیاء ص ۲۹۔ ۲۸،

"ختم المشائخ والعاشقین، ملجاء الاوتاد والمجتہدین، برہان الحق والشرع والدین، حجۃ الاسلام والدین، زبدۃ الاتقیاء زین الاولیاء، کاشف اسرار المعانی، شارح رموز السبع المثانی، علم الہدیٰ، علامت الوریٰ غوث الثقلین...... الخافصین الجنید فی زمانہ والفضل فی اوانہ الشبلی فی عبادتہ، والنوری فی زہادتہ، کہف الصدق والیقین، ملاذ الاقطاب والمحققین محمد محمود ناصر الدین المدعو بالغریب بیت

غریب است ایں محبت حق بدنیا
حبیب اللہ فی الدنیا غریب

نفائس الانفاس کا پیش نظر قلمی نسخہ ۱۲۸ صفحے پر مشتمل ہے، اس میں تصوف کی تمام تر وہی تعلیمات ہیں جن کو ہم گذشتہ صفحات میں بزرگانِ چشت کے ملفوظات سے پیش کر چکے ہیں، اور جستہ جستہ حضرت شیخ برہان الدین غریب کے رشد وہدایت کے سلسلہ میں بھی ہدیہ ناظرین کیا جا چکا ہے، لیکن یہاں پر ہم حضرت شیخ کی کچھ روحانی تعلیمات کو ان کے خلفاء کی تصانیف کی مدد سے پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

شمائل الاتقیاء نفائس الانفاس کی مرتب خواجہ رکن الدین بن عماد الدین دبیر کاشانی نے اپنے مرشد کی فرمائش سے شمائل الاتقیاء لکھی، جو اب تک فن تصوف میں ایک اہم تصنیف سمجھی جاتی ہے، یہ کتاب چار قسموں میں تقسیم ہے، پہلی قسم اصحاب طریقت کے افعال، دوسری قسم ارباب حقیقت کے احوال، تیسری قسم وجود باری تعالیٰ کے اوصاف اور چوتھی قسم بندوں کے فضائل پر ہے، کل ۹۱ بیانات (یعنی ابواب) ہیں، اس کتاب کی تالیف میں فاضل مؤلف نے تقریباً دو سو کتابوں اسے استفادہ کیا ہے جس سے ان کے علمی تبحر اور وسعتِ نظر کا اندازہ ہوتا ہے، دیباچہ میں ان تمام کتابوں کے نام درج ہیں، تصوف کا کوئی ایسا مسئلہ نہیں جو اس کتاب میں موجود نہ ہو، لیکن مؤلف نے ان مسائل پر کوئی مرتب اور مدلل بحث نہیں کی ہے، بلکہ ہر مسئلہ پر شروع میں اپنی رائے کا اظہار کر کے کلام پاک کی آیات، تفاسیر کی تشریحات، احادیث نبوی ﷺ، صحابہ کرام، تابعین عظام بزرگان علم طریقت وحقیقت کے اقوال اور مختلف ارباب تصانیف کی رائیں نقل کر دی ہیں، اس کا سبب خود بتایا ہے کہ

"اگر کسے را در روایتے نزاع افتد در مقدمہ وکلمہ شبہہ بر خاطر گذرد در کتب ونسخ مذکور نظر فرماید تا بہ تحقق وتیقن انجامد۔"

شمائل الاتقیاء کے اس طرز تالیف سے رہروانِ سلوک کو تصوف کے تمام مسائل کو مختلف مصنفوں کے خیالات کی روشنی میں علمی نقطہ نظر سے مطالعہ کرنے میں بڑی آسانی اور سہولت پیدا ہو جاتی ہے، اہلِ نظر نے اس کو جامع مفصل اور دلچسپ تصنیف بتایا ہے[1]۔

---

[1] کیٹلاگ انڈیا آفس ص ۱۰۰۴ و فہرست کتب خانہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ۔

خواجہ رکن الدین بن عماد الدین کاشانی کی کچھ اور تصانیف اور رسائل کے نام یہ ہے، رسالہ غریب، رموز الوالہین، اذکار المذکور، تفسیر رموز، لیکن یہ سب ناپید ہیں، البتہ ان کے اقتباسات کثرت سے شمائل الاتقیاء میں ملتے ہیں۔

رسالہ غریب رسالہ غریب جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، حضرت خواجہ برہان الدین غریبؒ کے نام سے موسوم ہے، اس میں وہی تعلیمات دی گئی ہیں، جو حضرت خواجہ غریب نے بزرگانِ چشت سے پائی تھیں، ان تعلیمات کو خاص خاص عنوانات کے تحت ہم قلمبند کرتے ہیں۔

نماز ظاہری نماز کا تعلق شریعت کے مطابق اعضاء سے ہے، اور باطن کی نماز طریقہ کے رو سے دل کا تفکر ہے، اور قلب و روح کی نماز فیض سے حاصل ہوتی ہے، اور وہ حقیقت کی نماز ہے، خواص ظاہر میں تو کعبہ کی طرف رخ کرتے ہیں، لیکن ان کی توجہ رب کعبہ کی طرف ہوتی ہے، سجدۂ جسم تو خضوع ہے، اور سجدۂ دل خشوع، سجدہ میں پیشانی اگر زمین پر ہے، اور دل ہر طرف دوڑ رہا ہے تو ایسا سجدہ مسجود تک نہیں پہنچتا، بلکہ مردود ہو جاتا ہے، حضور دل کے ساتھ تھوڑی سی نماز بے حضوری کی بہت سی نمازوں سے افضل ہے، نماز پڑھنے والے، اگر اپنی نماز کی بربادی سے واقف ہو جاتے ہیں، یعنی ان کو معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کی نماز قبول نہیں ہوئی، تو پھر ان کو دعا مانگنے میں شرمندگی محسوس ہوتی ہے[1]۔

تلاوتِ قرآن پاک تلاوتِ قرآن مجید کے وقت اگر عذاب و رحمت کی آیت آئے تو اس وقت تلاوت کرنے والے تامل اور تفکر کریں، اگر حق تعالیٰ کی صفات کی آیات آئیں تو وہ تواضع و عزت کریں، اور جب حق تعالیٰ اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ کفار کی جسارت کا ذکر ہو، تو اس کو آہستہ اور شرم کے ساتھ پڑھیں، تلاوت کے وقت یہ خیال رہے، کہ خود خداوند تعالیٰ ان سے کچھ کہہ رہا ہے، خداوند تعالیٰ کی تجلی کلام پاک کے حروف میں تبدیل کر دی گئی ہے، اسی وجہ سے آنکھ اور دل اس تجلی کی تاب لا سکتے ہیں، ورنہ زمین اور آسمان بھی اس کی تجلی کے متحمل نہیں ہو سکتے[2]۔

روزہ روزہ حق تعالیٰ کی صفت ہے، روزے سے حیوانی صفات دور ہوتی ہیں، اور خداوند تعالیٰ کی صفتیں پیدا ہوتی ہیں، ہر عبادت و اطاعت کی جزاء تو بہشت ہے، لیکن روزے کی جزا خود حق تعالیٰ ہے، روزہ داروں کی مخصوص جگہ ریان میں ہے[3]۔

زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کی زکوٰۃ یہ ہے کہ وہ اپنے خاص و عام بندوں کو سفر میں چار رکعت کے بجائے دو ہی رکعت پڑھنے کو کہتا ہے، وہ اپنی غفاری سے بخش دیتا ہے، اور اپنی رحمانی سے رحمت نازل کرتا

---

[1] رسائل غریب در شمائل الاتقیا ص ۹۷۔۱۰۷، [2] یہ باتیں رسالہ غریب اور رموز الوالہین دونوں سے لی گئی ہیں، دیکھو شمائل الاتقیاء ص ۹۶۔۹۵، [3] ایضاً ص ۸۳،

ہے، انبیاء کی زکوٰۃ یہ ہے کہ وہ اپنی نعمت نبوت کی وجہ سے خلق اللہ کو اوامر ونواہی سے آگاہ کرتے ہیں، برگزیدہ اولیاء اللہ کی زکوٰۃ یہ ہے کہ وہ تصفیہء دل وتجلیہء روح کے ذریعہ سے عشق، محبت اور معرفت حاصل کرتے ہیں، مشائخ کی زکوٰۃ یہ ہے کہ وہ اپنے مریدوں کو علم سلوک کی تلقین کرتے ہیں، علماء کی زکوٰۃ یہ ہے کہ کلام پاک، احادیث نبوی ﷺ، اور فقہ کی تعلیم دیتے ہیں، اور اغنیاء کی زکوٰۃ یہ ہے کہ دوسو دینار میں پانچ دینار غربا کو دیدیتے ہیں[1]۔

حج عام حاجیوں کا حج دینی ودنیاوی مقاصد کے لئے ہوتا ہے، وہ خانہ کعبہ کا طواف اس لئے کرتے ہیں کہ ان کے گناہ معاف کردیئے جائیں، لیکن عاشقانِ خدا کا حج رب کعبہ سے قربت حاصل کرنے کے لئے ہوتا ہے، وہ احرام اس لئے باندھتے ہیں کہ اسرار الوہیت معلوم کریں، ایک حاجی حج میں اپنی مغفرت کے خیال سے خوش ہوتا ہے، لیکن ایک عاشق خدا حج میں اپنی جان نذر کرنے میں فرحت ومسرت محسوس کرتا ہے، کیونکہ کعبہ ہی میں اس کو مقصود اصلی ومطلوب کلی نظر آتا ہے[2]۔

عبادت بلا عذر عبادت کا ترک کرنا فسق ہے، اور عبادت سے منہ موڑنا کفر ہے[3]۔

شریعت، طریقت وحقیقت اوامر ونواہی کا پابند ہونا شریعت ہے، دل کی صفائی کرنا اور برائیوں کو اچھائیوں سے بدل دینا طریقت ہے، اور ماسواء اللہ کی باتوں کو دفع کرکے روح میں تجلی پیدا کرنا۔'' حقیقت ہے، (رسالہ غریب درشمائل الاتقیاء ص ۹۸)

سلوک ملکوتی سلوک ملکوتی یہ ہے کہ اخلاق نبوی اور افعال نبوی ﷺ کی متابعت کی جائے، اخلاد اعمال نبوی کے اتباع کی بعد احوال مصطفوی ﷺ کی متابعت ضروری ہے، اور اسی سے انوار الٰہی ظاہر ہوتے ہیں، جس کے بعد سالک عالمِ جبروت میں پہنچ کر صفات خداوندی سے حظ اٹھاتا ہے، (ایضاً ص ۱۱۳، ۱۱۶)

ذکر ذکر چار قسم کا ہوتا ہے، (۱) لسانی جس سے دل پر اثر ہوتا ہے، (۲) قلبی، جس سے تمام اعضاء متاثر ہوتے ہیں، (۳) طبعی یعنی اٹھنے، بیٹھنے، چلنے پھرنے میں بھی ہر عضو سے ذکر ہو، اور کان میں جو آواز پڑے وہ بھی ذکر ہو (۴) مستولی، یعنی ذکر کا ایسا استیلاء ہو کہ نہ ذکر رہے، نہ ذاکر، بلکہ صرف مذکور ہے۔

جمع وتفرقہ تفرقہ فصل پیدا کرتا ہی، اور جمع سے وصل ہوتا ہے، مجنون کے باطن کی جمعیت لیلیٰ سے تھی، اس لئے وہ جملہ موجودات کو لیلیٰ کی صورت میں دیکھتا تھا، اسی طرح جو دل حق تعالیٰ میں جمع ہے، وہ تمام مخلوقات کے اندیشہ سے متفرق یعنی علیحدہ رہتا ہے، اور جب وہ تمام تکوینی قوتوں سے رخ پھیرلیا ہے، تو اس کا رخ حق کی طرف ہوجاتا ہے، تفرقہ کسب سے حاصل ہوتا ہے، اور جمع عطیہء الٰہی

---

[1] رموز الواکہین درشمائل الاتقیاء ص ۹۲، [2] ایضاً ص ۸۸، [3] رسالہ غریب درشمائل الاتقیاء ص ۱۶۲،

ہے، اولیاءاللہ اسرار باطن کو جمع رکھتے ہیں، اور معاملات ظاہر سے متفرق یعنی علیحدہ رہتے ہیں۔

علم الیقین وعین الیقین دنیا میں علم الیقین کی تمیز حضور قلب کی حالت میں ہوتی ہے، اور جب ایک سالک حضور سے غیبت میں ہوتا ہے، تو حالت تمیز سکر میں بدل جاتی ہے اور عین الیقین ظاہر ہوتا ہے، ایک سالک کو پہلے علم الیقین حاصل ہوتا ہے، علم الیقین سے عین الیقین اور عین الیقین سے حق الیقین حاصل ہوتا ہے، اہلِ یقین دوزخ کی آگ سے محفوظ رہتے ہیں، اور اسی یقین کی بدولت پانی کو زمین، زمین کو پانی، سرد کو گرم اور گرم کو سرد بنا سکتے ہیں[1]۔

موت موت تین قسم کی ہوتی ہے، صوری، معنوی، اور حقیقی، صوری تو یہ ہے کہ جسم سے روح نکل جاتی ہے، اور یہ شرعی موت ہے، جس کو موت صغریٰ کہتے ہیں، معنوی یہ کہ ایک مرید کسی غیر شیخ سے کچھ التجا کرے، یہ موت طریقت اور موت کبریٰ ہے، اور موت حقیقی یہ ہے کہ کوئی غیر حق سے کچھ التجا کرے، اور یہ موت اکبر ہے[2]۔

رضا وصبر رضا یہ ہے کہ جب کوئی مصیبت آئے تو اس سے کراہت پیدا نہ ہو، لیکن اگر اس سے کراہت پیدا ہو، اور اس کا اظہار نہ کرے، تو یہ صبر ہے، یعنی مصیبت کو شوق سے برداشت کرنا رضا ہے، اور کراہت کے ساتھ برداشت کرنا صبر ہے[3]۔

حضور حضور سے مراد حق تعالیٰ کو دیکھنا ہے، نہ کہ اس سے گفتگو کرنا ہے، حضور میں گفتگو کرنا بے ادبی ہے، اور بے ادب اس مقام تک پہنچ نہیں سکتا، اگر گفتگو ہو تو صرف سننے کے لئے ہو، اور سننا صرف جاننے کے لئے ہو، اور جاننا تمام چیزوں سے فارغ ہونے کے لئے ہو، اس کا طالب اگر سو سال تک مشغول رہے، اور ایک لحظہ کے لئے بھی غائب ہو جائے، تو اس سے جو چیز کھو جاتی ہے وہ پھر واپس نہیں ہو سکتی۔ حضور دل کے لئے مراقبہ لازمی ہے اور مراقبہ بغیر حضور کے ممکن نہیں، اسی طرح مراقبہ کے بغیر مشاہدہ نہیں ہو سکتا[4]۔

رویت رویت خدا تین قسم کی ہوتی ہے، یقینی، مشاہدہ ور عیانی، یقین تو یہ ہے کہ عوام میں سے ہر مومن یہ یقین رکھتا ہے، کہ حق تعالیٰ کی ایک حقیقت ہے، جو نظر آئے گی، خواص کا مشاہدہ یہ ہے کہ وہ دنیا میں دل کی آنکھ سے حق تعالیٰ کو دیکھ لیتے ہیں، اور عیانی یہ ہے کہ قیامت کے روز آنکھوں سے دیکھیں گے[5]۔

رموز الوالہین حضرت خواجہ رکن الدین کی ایک تصنیف رموز الوالہین بھی ہے، اس کی تعلیمات یہ ہیں:۔

---

[1] رسالہ غریب در شمائل الاتقیاء ص ۱۷۹، اور رموز الوالہین ص ۱۸۰، [2] رسالہ غریب در شمائل الاتقیاء ص ۱۸۲، [3] ایضاً ص ۲۱۰، [4] ایضاً ص ۱۷۷-۱۷۹، [5] رسالہ غریب در شمائل الاتقیاء ص ۴۲۶

فقر فقر عشق ہے، فقیر راہ طریقت وحقیقت کا عاشق یعنی عاشق لقاء اللہ ہے، اس عشق میں اس کو کسی اور چیز کی آرزو نہیں ہوتی، اور جب لقاء اللہ میں اس کو استغراق ہو جاتا ہے، تو صفت بقا سے موصوف ہوتا ہے، اور وہ جمال اللہ کے انوار کی تجلی پاتا ہے، اور "ہویت" کی صفت سے مخصوص ہو جاتا ہے، اسی کے بعد فقر کا درجہ ختم ہو جاتا ہے[1]۔

صحو وسکر ہر صحو میں سکر اور ہر سکر میں صحو ہے، جب سالک صحو میں ہوتا ہے تو ایک ایسے مقام میں پہنچتا ہے، جہاں وہ حیران رہتا ہے اسی کے بعد وہ سکر میں آجاتا ہے، اور جب اس مقام میں اس کی حیرانی دور ہو جاتی ہے تو صحو میں چلا آتا ہے، اس کے بعد پھر کوئی بلند تر مقام پر اس کی نظر پڑتی ہے، تو پھر سکر میں ہو جاتا ہے، اس مقام خاص میں کبھی سکر میں اور کبھی صحو میں ہوتا ہے، یہ احوال ذوق سے پیدا ہوتے ہیں[2]۔

تلوین و تمکین سالک جب فکر کرتا ہے تو دو مقام آتے ہیں، تلوین اور تمکین، مقام تلوین میں صفات سلبی اور مقام تمکین میں صفاتِ ثبوتی پیدا ہوتی ہے، جس کے بعد نفسانی خواہشات بالکل نہیں رہتی ہیں[3]۔

جلال و جمال حق تعالیٰ جب کسی پر عنایت کرتا ہے، تو پہلے اس پر اپنے جلال کا قہر نازل کرتا ہے، اگر وہ اس جلال کا متحمل ہوتا ہے، اور اس جلال میں لطف محسوس کر کے اس کی زیادتی کے لئے دعا کرتا ہے، تو گویا اس میں اصلی محبت وحقیقی عشق کا جذبہ پیدا ہونے لگتا ہے، اور جب جلال میں اس کو لذت محسوس ہوتی رہتی ہے، تو وہ جمال حق تعالیٰ سے سرفراز کیا جاتا ہے، انبیاء جمال سے جلال کی طرف آتے ہیں، لیکن اولیاء جلال سے جمال کی طرف جاتے ہیں[4]۔

حضرت غریب کے مریدوں کی تصانیف خواجہ رکن الدین کے دو بھائی، خواجہ حماد الدین اور خواجہ مجد الدین بھی صاحب تصنیف تھے، اول الذکر کی تصنیفات کے نام یہ ہیں۔

(۱) حصول الوصول (۲) اسرار الطریقت (۳) احسان الاقوال (ملفوظات حضرت خواجہ برہان الدین غریب)

موخر الذکر کی دو کتابوں کے نام معلوم ہو سکے ہیں، غرائب الکرامات وبقیۃ الغرائب ان دونوں میں حضرت برہان الغریب کے خوارق عادات وکرامات کا ذکر ہے۔

---

[1] رموز الوالہین در شمائل الاتقیاء ص ۱۷، [2] ایضاً ص ۱۵۵، [3] ایضاً ص ۲۷۳، [4] رموز الوالہین در شمائل الاتقیاء ص ۳۷۶، در مذہب محققان جلال جمال واحد وصمد نیز از صفات ذاتی است وزائد بر ذات اسما لا تاثیرا۔

حضرت مولانا ضیاء الدین نخشبیؒ

نام ووطن اسم گرامی ضیاء الدین تھا، بدایوں کے رہنے والے تھے، اصلی وطن نخشب (بخارا) تھا، اسی مناسبت سے اپنی شاعری میں نخشبی تخلص کرتے تھے، گوزندگی گوشۂ تنہائی میں گذاری لیکن اپنی استعداد کی وجہ سے بڑی شہرت حاصل کی۔

ارادت اخبار الاخبار اور خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ مولانا ضیاء الدین نخشبی کی ارادت سلطان التارکین شیخ حمید الدین ناگوری کے پوتے حضرت شیخ فرید سے تھی[1]، اخبار الاخیار میں ہے:۔

''چنیں شنیدہ شدہ است کہ دی مرید شیخ فرید است کہ نبیرہ وخلیفہ سلطان التارکین شیخ حمید الدین ناگوری است واللہ اعلم۔''

خزینۃ الاصفیاء میں ہے،

''از عظمائے مشائخ وکبرئ خلفائے شیخ فرید الدین نبیرہ حضرت سلطان التارکین حمید الدین صوفی است، از مشاہیر اولیائے ہندوستان است در شہر بداوٗں بزاویۂ خمول بکار خود مشغول ادی واز صحبت خلق تنفر دبا عتقاد وانکار کسے کارے ندارد۔''

بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ وہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے مرید تھے، لیکن اخبار الاخیار میں ہے:۔

''حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے زمانہ میں تین شخص ضیاء نام کے تھے (۱) ضیاء سنامی جو منکر شیخ تھے (۲) ضیاء برنی جو شیخ کے معتقد اور مرید تھے، (۳) ضیاء نخشبی جو شیخ کے نہ منکر تھے اور نہ معتقد (ص ۹۸)

عزلت نشینی حضرت ضیاء الدین نخشبی نے خواص وعوام دونوں سے الگ تھلگ رہ کر اپنی فقیرانہ زندگی زاویۂ خمول میں گذاری، اور اس گوشۂ عافیت میں زیادہ تر تصنیف وتالیف کا مشغلہ رکھا، اس لئے ان کے حالات زندگی کی کوئی زیادہ تفصیل نہیں ملتی۔

سال وفات اخبار الاخیار اور خزینۃ الاصفیاء میں سال وفات ۷۵۱ھ درج ہے، مرقد بدایوں ہی میں ہے۔

---

[1] اخبار الاخیار ص ۹۸، خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۳۵۱،

تصانیف متعدد تصانیف چھوڑیں، خزینۃ الاصفیاء میں ان کے نام یہ ہیں (۱) سلک السلوک (۲) عشرہ مبشرہ (۳) کلیات وجزئیات (۴) شرح دعائے سریانی (۵) طوطی نامہ[1] ان تمام تصانیف پر خزینۃ الاصفیاء کے مصنف اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:۔

"ایں ہمہ کتب مملواز قطعات رنگین ودلچسپ کہ بیک طریق ویک طرز واقع شدہ اند" (ص ۲۸۱)

ان میں سے سلک السلوک اور طوطی نامہ بہت مقبول ہوئیں

سلک السلوک پر ایک نظر سلک السلوک فن معرفت وسلوک میں ایک اہم تصنیف ہے، اس میں تصوف کے مختلف مسائل کو الگ الگ عنوانات میں بیان کیا گیا ہے، ہر مسئلہ ایک علیحدہ سلک یعنی باب میں ہے، کل ۱۵۱ سلک ہیں، شروع میں تصوف کی اصطلاحات کی تشریح ہے، پھر صوفیانہ رموز ونکات کی تصریح وتوضیح حکایتوں کے پیرایہ میں کی گئی ہیں، مثلاً یہ بتانا چاہتے ہیں کہ رات کے وقت یاد حق ضرور کرنی چاہئے، تو لکھتے ہیں:۔

"ایک دن ایک خواجہ نے ایک لونڈی خریدی، جب رات ہوئی، لونڈی سے کہا اے کینزک، میرا بچھونا درست کردے کہ میں سورہوں، لونڈی نے کہا اے مولیٰ! کیا تمہارے بھی مولیٰ ہے، خواجہ نے کہا ہاں، لونڈی نے پوچھا، کیا وہ بھی سوتا ہے، خواجہ نے کہا نہیں، لونڈی نے کہا تمہیں شرم نہیں آتی تمہارا مولیٰ تو جاگے اور تم سو رہو"

اسی طرح یہ تلقین کرنی چاہتے ہیں کہ کسی کا محکوم ہونا نفس کے محکوم ہونے سے بہتر ہے، تو رقمطراز ہیں:۔

"ایک سجادہ نشین ہر جمعہ کو اپنی خانقاہ سے مسجد جانے کے لئے باہر نکلتے تھے، جس کسی کو دیکھتے پوچھتے کہ مسجد کا راستہ کون سا ہے، ایک بار ایک شخص نے کہا تم کو برسوں مسجد جاتے ہوگئے، لیکن راستہ یاد نہیں، انھوں نے کہا میں جانتا ہوں، مگر محکوم ہو کے چلنا حاکم ہونے سے بہتر ہے، چاہئے کہ اپنی ذات کو دوسروں کے طفیل میں رکھے"

یہ انداز بیان اور بھی دلپذیر اور موثر ہو جاتا ہے جب ناصحانہ طریقہ پر ایک ایک حکایت بشنو بشنو سے شروع کی جاتی ہے، مثلاً

"سنو سنو ایک دفعہ موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ تمہاری قوم میں جتنے نیک ہیں ان کو بدوں سے الگ کرو، موسیٰ علیہ السلام نے آواز دی، بہت سے لوگ باہر آئے، حکم ہوا، ان میں سے نیکوں کو چن لو، موسیٰ علیہ السلام نے ان میں سے ستر آدمی نکالے، فرمان ہوا، موسیٰ

---

[1] خزینۃ الاصفیا ص ۳۵۱

ان میں سے بھی چنو، چنانچہ ستر میں سے سات چنے، پھر حکم ہوا کہ ان میں سے چنو، تب ان میں سے تین چنے، حکم آیا، اے موسیٰ میرے نزدیک یہ تینوں سب سے برے ہیں، کیونکہ جب انھوں نے سنا کہ تم نیکوں کو پکارتے ہو تو یہ اپنے کو نیک سمجھ کر باہر آئے۔ اے عزیزو! اگر کوئی عبادت نہ کرے تو اس سے بہتر ہے، کہ عبادت کرے اور فخر کرے، شریعت میں مدعا علیہ کو قید کرتے ہیں، لیکن طریقت میں مدعی کو قید خانہ بھیجا جاتا ہے۔''

ایک حکایت اور ملاحظہ ہو:۔

''سنو سنو، ایک بقال نے ایک شخص کو شیر پر سوار، اور سانپ کو کوڑا بنائے ہوئے دیکھا، دیکھ کر کہا، یہ آسان ہے، لیکن ترازو کے دونوں پلڑوں میں بیٹھنا مشکل ہے۔''

ایک اور حکایت ہدیہء ناظرین ہے:۔

''سنو سنو، ایک بزرگ نے چاہا کہ بازار جا کر کچھ خریدیں، دینار کو گھر میں تولا، جب بازار لے گئے تو دینار گھر کے وزن سے کم نکلا، رونے لگے، لوگوں نے پوچھا کیوں روتے ہیں، فرمایا جب گھر کی چیز یہاں ٹھیک نہیں ہوئی تو قیامت میں دنیا کی باتوں کا کیا حال ہوگا''

ان دلچسپ حکایتوں میں اور بھی زیادہ تاثیر پیدا کرنے کے لئے جا بجا ان کو اپنے قطعات سے بھی مزین کرتے ہیں، مثلاً

''سنو سنو وہب بن منبہ کہتے ہیں، کہ کعب احبار مسجد میں سب صفوں کے پیچھے کھڑے ہوتے ان سے پوچھا گیا کہ اس میں کیا بھید ہے، فرمایا میں نے توریت میں دیکھا ہے کہ امت محمد ﷺ میں ایسے لوگ ہونگے، کہ جب وہ مسجد میں سجدے کریں گے اور انھوں نے سر بھی نہ اٹھایا ہوگا کہ ان سے پیچھے والوں کو خدا بخش دیگا اسی سبب سے سب کے پیچھے کھڑا ہوتا ہوں تا کہ ان کے سجدے سے میرا کام بن جائے، قطعہ

کشتی درمیان بہ بیں خودرا قطرہ راچہ میلے می خوانی
ہمہ کس در طفیل تو گردد گر تو خودرا طفیل کس دانی

''ایک بار ایک خلیفہ نے ایک بوڑھی عورت کے لڑکے کو قید کر دیا، بوڑھی عورت نے خلیفہ کے پاس پہنچ کر فریاد کی، اور کہا کہ میرے لڑکے کو رہا کر دیجئے، خلیفہ نے کہا کہ میں نے حکم دیا ہے کہ جب تک میں خلیفہ ہوں تیرا لڑکا قید سے رہا نہیں کیا جائے گا، بوڑھی عورت نے یہ سن کر آسمان کی طرف دیکھا اور درد بھری آواز سے بولی اے سلطان عالم! دنیا کی قید و رہائی تیرے قدرت میں ہے، لیکن تیرے خلیفہ نے جو حکم دیا ہے، کیا تو نے

اس کو سنانہیں معلوم کہ اب تو کیا حکم دیگا، بوڑھی عورت کی یہ بات خلیفہ نے سنی تو اس کے دل میں بڑی نرمی پیدا ہوئی، اور اس کے لڑکے کو قید خانہ سے باہر لانے کا حکم دیا، اس کو ایک خلعت دیا، اور گھوڑے پر سوار کر کے بغداد کی گلیوں میں پھرایا، اور ساتھ ساتھ یہ منادی کی جاتی تھی کہ **ھٰذا عطاء اللّٰہ تعالیٰ علی رغم خلیفہ و مقامہ و محلّہ** (یہ خلیفہ اس کے درجے اور مرتبے کے علی الرغم اللہ تعالیٰ کی عطا رہے) قطعہ

نخشی حکم خلق چیزے نیست مرد ایں رہ کجاست در عالم
در جہاں گفت ہیچ کس نشود حکم حکم خداست در عالم

''سنو سنو! بنی اسرائیل میں ایک زاہد تھا، ستر سال عبادت کی، ایک دن کسی حاجت روائی کی لئے دعا مانگی، لیکن دعا قبول نہیں ہوئی، اپنے نفس سے برہم ہوا، کہ اے نفس! اگر تیری عبادت میں اخلاص ہوتا تو میری دعا ضرور قبول ہوتی، حق تعالیٰ کے یہاں سے اس زمانہ کے پیغمبر کے پاس فرمان آیا کہ اس زاہد سے کہو نفس پر ایک ساعت کا عتاب ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے'' قطعہ

نخشی در عتابِ خودی باش ورنہ خود باطن تو خوں گردد
ہر کہ با نفس خود عتابے کردد از عتاب ہمہ مصؤن گردد[1]

مولانا عبدالحق محدث دہلویؒ سلک السلوک کو بڑی شیریں ورنگین کتاب بتاتے ہیں، اخبار الاخیار میں رقم طراز ہیں:۔

''سلک السلوک او بغایت کتاب شیریں ورنگین است بزبانی لطیف موثر مشتمل بر حکایات مشائخ وکلماتِ ایشاں و اکثر تصنیفاتِ دی مملوست بقطعہائے کہ ہمہ بیک طریقہ یک نہج واقعند۔'' (ص ۹۸۔۹۷)

نخشی کے قطعات کے کچھ اور نمونے یہ ہیں، اُن میں ہر قسم کی اخلاقی اور روحانی تعلیمات ہیں۔

نخشی تا نظر بہ خود نہ کنی، مثل ایں کار مرد رہ نکند
ہر کر اسوے خود نگہ باشد ہیچ کس سوے او نگہ نکند

نخشی تا تواں حلال طلب کہ رہِ شبہ فارہا دارد
نان بے شبہ را کجا یابند لقمہء پاک کارہا دارد

نخشی ہاں بفقر خوش می باش گرچہ کس در غنا نباشد خوش

---

[1] یہ تمام حکایتیں دار المصنفین اعظم گڈھ کے قلمی نسخہ سلک السلوک سے لی گئی ہیں، اخبار الاخیار ص ۱۰۰۔۹۸ میں ان حکایتوں کے بہت سے اقتباسات ملیں گے۔

نقرا آں چناں خوش انداز فقر　که کسے در غنا نباشد خوش

نخشی علم با عمل نیکوست　بر تو باد که کار چند کنی
ہم چنیں داں که تو نمی دانی　ہم بدانستن از بسند کنی

نخشی مفلس است در دنیا　مفلس از مال شاں باشد
ہر که بنی تونگر عقبیٰ　او بدنیا چو مفلساں باشد

نخشی از ہمه ہمه مطلب　آب حیوان نه ہر سبو دارد
ہمه ازاں کس طلب که او ہمه وقت　ہرچه خواہی ہمه ہمو دارد

جزئیات وکلیات اس میں صوفیانہ طرز پر جسم کے چالیس اعضاء اوران کے متعلقات مثلاً مو، سر، دماغ، پیشانی، ابرو، پلک، مژہ، چشم، اشک، بینی، رخسار، گوش، زلف، خط، لب، وہان، دنداں، زبان، زنخ رو، خال، گلو، گردن، پشت، استخواں، بازو، رگ، خون، دست، انگشت، ناخن، سینہ، دل، روح، پہلو، شکم، کمر، زانو، ساق، پائے وغیرہ کے اوصاف بتائے گئے ہیں، اسی مناسبت سے اس کتاب کا نام چہل ناموس بھی ہے، اور ناموس اکبر سے بھی موسوم ہے، اس کا ایک قلمی نسخہ دارالمصنفین کے کتب خانے میں ہے، ہر عضو کے ذکر کے ساتھ اشعار اور غزلیں درج ہیں جو معیاری نہیں کہی جاسکتی ہیں مثلاً زلف پر ایک غزل یہ ہے:۔

اے بت مشک بوے عنبر زلف　که بود چوں رو زلف تو ہر زلف
تا که از شانه ات زبانے یافت　روز زاں روز باد بر سر زلف
اندراں عارض چو خرشیدت　خود چه گویم که ہست در خور زلف
ہمچو مریم ترک دہ از زلف　ہر چه تہمت ہمی نہی بر زلف
دل پریشاں شدہ برفت از من　مردمی کن یکے بہ بیں در زلف
نخشی را بکشت از غم خود　یکے کز خال خوب دیگر زلف

شرح دعائے سریانی یہ زبور کی ایک سورہ کی شرح ہے، اس سورہ کو حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے عربی میں نظم کیا، اسی عربی نظم کی شرح نخشی نے فارسی میں لکھی ہے۔

گلریز یہ ایک عشقیہ کہانی ہے جو مقفی عبارت میں لکھی گئی ہے، یہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ سے شائع ہوگئی ہے۔

طوطی نامہ سنسکرت میں میں قصوں کی ایک مشہور کتاب کوکا سپتی ہے، نخشی نے اس کتاب کو سامنے

رکھ کر فارسی میں اس کے سارے قصے لکھے ۱۷۹۲ء میں ام جرانس نے اس کا ترجمہ انگریزی میں کیا، ترکی زبان میں بھی اس کا ترجمہ ہوا، اس کے خلاصے بھی لکھے گئے، جن کے ترجمے مختلف زبانوں میں ہوتے رہے۔

عشرہ مبشرہ اس کے متعلق کچھ معلومات حاصل نہ ہوسکیں، لیکن نام سے اس کی نوعیت ظاہر ہے[1]۔

---

[1] مولانا ضیاء الدین نخشبی سے متعلق مزید تفصیلات کے لئے تاریخی مقالات از پروفیسر خلیق احمد نظامی ص ۱۱۴-۷۹، دیکھئے۔

حضرت شیخ خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلیؒ

نام ونسب اسم مبارک محمود، نصیر الدین محمود گنج اور چراغ دہلی القاب تھے، جد بزرگوار شیخ عبداللطیف یزدی خراسان سے لاہور آئے، والد ماجد شیخ محمود یحیٰی اسی شہر میں پیدا ہوئے اور سن شعور میں اودھ منتقل ہو گئے تھے[1]، یہاں وہ پشمینہ کی تجارت کرتے تھے، جس میں ان کو بڑا فروغ حاصل ہوا، ان کے پاس بہت سے غلام تھے[2]۔

حضرت نصیر الدین محمود کی ولادت باسعادت اسی خطہ میں ہوئی، بعض تذکرہ نگاروں نے مقامِ پیدائش اجودھیاء، اور بعض نے بارہ نبکی لکھا ہے، اسی لئے نام کے ساتھ اودھی لکھا جاتا ہے، خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ نسباً سادات حسنی میں سے تھے[3]۔

ابتدائی تعلیم نو سال کے تھے کہ والد بزرگوار کا سایہ سر سے اٹھ گیا، تعلیم وتربیت کا فرض والدہ ماجدہ نے انجام دیا، ان کے زہد وتقویٰ کے اثر سے بچپن ہی میں نماز باجماعت کے پابند ہو گئے تھے، جو کسی حال میں بھی فوت نہیں ہوتی تھی، خیر المجالس کے ایک ملفوظ میں ہے، کہ فقہ کی مشہور کتاب بزودی قاضی محی الدین کاشانی سے پڑھی[4] لیکن سیر العارفین میں ہے کہ ابتدا میں مولانا عبدالکریم شیروانی علامہ زمان سے ہدایہ اور بزودی کو پڑھا، بعد وفات مولانا افتخار الدین محمد گیلانی سے جمیع علوم حاصل کئے۔'' (جلد۲ص۴۰)

ترک تجرید پچیس سال کی عمر میں ترک وتجرید اختیار فرمائی، اور محاسبۂ نفس میں مشغول ہوئے، گردو نواح کے جنگل وبیابان میں ایک درویش کے ہمراہ آٹھ سال تک گھومتے رہے، اس

---

[1] سیر العارفین ص۹۲، [2] سیر الاولیاء ص۲۳۸، [3] خزینۃ الاصفیاء ص۳۵۲،

[4] مجلس چہل وششم میں ہے، (اردو ترجمہ ص۱۰۹)

''جناب خواجہ ذکرہ اللہ تعالیٰ بالخیر قاضی محی الدین کاشانی کے ذکر میں تھے، فرمایا میں نے بزودی انہی سے پڑھی ہے، پھر ان کے طبع رسا اور دقت نظر کا بیان کیا کہ بڑے محقق تھے، اس مجلس میں ایک مرید جناب سلطان المشائخ کا حاضر تھا، اس نے یہ قصہ بیان کیا کہ ایک بار قاضی محی الدین کاشانی سخت بیمار ہوئے، کہ یاروں نے ان کی صحت دشوار جانی، حضرت سلطان الاولیاءؒ سن کر ان کی عیادت کو تشریف لائے، وہ دیکھ کر اٹھے اور اپنے آپ کو سنبھال کر شیخ کی تعظیم کی، اسی وقت سے مرض میں تخفیف ہو گئی، جب حضرت شیخ لوٹ گئے تو کہا شیخ بظاہر میری عیادت کو آئے تھے، مگر دیکھو کس طرح در پردہ سلب مرض کر گئے،

(خیر المجالس فارسی علی گڑھ اڈیشن ص۱۵۱۔۱۵۰)

صحرانوردی میں بھی نماز باجماعت کے پابند رہے، روزے بھی ترک نہیں ہوئے، برگ سنبھالو سے افطار کیا کرتے تھے۔ (سیر العارفین جلد دوم ص ۴۰)

بیعت سیر العارفین اور مراۃ الاسرار میں ہے کہ ۴۳ سال کی عمر میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر شرف بیعت حاصل کیا بیعت کے ابتدائی زمانہ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت شیخ محمود حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی قیامگاہ کے پاس ایک درخت کے نیچے متحیر کھڑے تھے، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ بالا خانہ سے نیچے اتر رہے تھے، کہ شیخ محمود پر ان کی نظر پڑی، خادم خاص کے ذریعہ خلوت میں بلا کر دل کی کیفیت پوچھی، عرض کی بزرگوں کی جوتیاں سیدھی کرنے آیا ہوں، اس جواب سے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے شیخ محمود میں سچی طلب محسوس کر کے ان کی جانب توجہ فرمائی، اثنائے گفتگو میں فرمایا جب میں اپنے مرشد کی خدمت میں رہتا تھا، تو اجودھن میں میرے ایک ہم سبق نے میرے پھٹے کپڑے دیکھ کر کہا تمہارا یہ کیا حال ہے؟ اگر تم اس شہر میں لڑکوں ہی کو پڑھایا کرتے تو بھی تمہیں فارغ البالی ہو جاتی، میں نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا، اور مرشد کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے دیکھ کر فرمایا نظام الدین! اگر تمہارا کوئی دوست تمہارا یہ حال دیکھ کر تم سے پوچھے کہ آخر یہ کیا حالت ہے؟ تعلیم دینے سے تم کو فارغ البالی حاصل ہو جاتی، اس کو کیوں ترک کر دیا، اس کو کیا جواب دو گے، میں نے عرض کیا جو ارشاد ہو، فرمایا یہ شعر جواب میں پڑھ دینا،

نہ ہمرہی تو مرا راہ خویش گیرد برو
ترا سعادتے باد امرانگوں ساری

اس کے بعد ایک خوان طلب فرمایا، اور مجھ سے کہا کہ اس کو سر پر رکھ کر جہاں تمہارا دوست ہے وہاں لے جاؤ، میں نے ایسا ہی کیا، دوست نے میرا یہ حال دیکھ کر کہا تمہیں یہ صحبت اور یہ حالت مبارک ہو[1]۔

حضرت شیخ محمود نے یہ واقعہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی زبانی سنا تو دل میں عشق الٰہی کی آگ شعلہ زن ہونے کے ساتھ مرشد کی محبت بھی پیوست ہوگئی، اور بیعت کے بعد بڑی دل سوزی سے مرشد کی خدمت شب و روز کرتے رہے، اسی لئے تمام درویش ان کو نصیر الدین محمود گنج کہا کرتے، اور محبوب رکھتے تھے[2]۔

حضرت نصیر الدین محمود کو اپنے مرشد سے جو والہانہ شیفتگی تھی، اس کا ایک واقعہ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت محبوبؒ الٰہی کی خانقاہ میں حضرت خواجہ بہاء الدین زکریا ملتانی کے ایک مرید خواجہ محمد گاذرونی آکر مقیم ہوئے، وہ تہجد کی نماز کے لئے اٹھے، تو جماعت خانہ میں کپڑے رکھ کر وضو کرنے لگے، واپس ہوئے تو کپڑے غائب تھے تلاش میں شور و شغب کرنے لگے، حضرت شیخ نصیر الدین محمود

---

[1] سیر الاولیاء ص ۴۰۔۲۳۸، [2] سیر العارفین ص ۹۲۔

خانقاہ کے ایک گوشہ میں عبادت میں مشغول تھے، خیال ہوا کہ اس شور وشغب سے مرشد کی عبادت میں خلل پڑے گا اس لئے خواجہ محمد گاذرونی کے پاس پہنچے اور کپڑے اتار کر ان کو دیدیے، صبح کو جب یہ واقعہ حضرت محبوبِ الٰہیؒ کو معلوم ہوا تو حضرت نصیر الدین محمود کو بالاخانہ پر طلب کر کے اپنی خاص پوشاک عطا کی، اور ان کے لئے دعائے خیر کی[1]۔

ریاضت

بیعت کے بعد مرشد کی ہدایت کے بموجب ریاضت ومجاہدہ جاری رکھا، دس دس روز گذر جاتے اور کچھ نہ تناول فرماتے، اور جب خواہشات کا غلبہ ہوتا تو لیموں کا عرق پی لیتے[2]۔

سیر العارفین میں ہے کہ کچھ دنوں مرشد کی خدمت میں رہنے کے بعد والدہ ماجدہ کے پاس چلے گئے[3] لیکن یہاں خلق اللہ کے ہجوم سے یادالٰہی میں سکون میسر نہیں ہوتا، اس لئے حضرت امیر خسرو کے ذریعہ مرشد کی خدمت میں عرض حال کر کے جنگل میں جا کر عبادت کرنے کی اجازت مانگی، حکم ملا کہ وہ خلق اللہ کے درمیان ہی میں رہیں، اور خلق کی جفاؤں کو برداشت کریں، اس ایثار کا بدلہ ان کو ملے گا، اسی سلسلہ میں حضرت محبوب الٰہی نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ مختلف افراد مختلف کاموں کے لئے موزوں ہوتے ہیں، اسی لئے میں کسی سے تو یہ کہتا ہوں کہ اپنے لب کو بھی بند رکھے، اور اپنے دروازے کو بھی، کسی سے ہدایت کرتا ہوں کہ وہ مریدوں کی تعداد بڑھائے اور کسی کو حکم یہ دیتا ہوں کہ خلق اللہ کے درمیان ہی میں رہے، اور ان کی جفاؤں کو برداشت کرتے ہوئے ان سے حسن سلوک سے پیش آئے، یہی مقام انبیاء و اولیاء کا ہے[4]۔

حضرت شیخ نصیر الدین نے مرشد کے حکم کی تعمیل کی، اور آبادی میں رہ کر عبادت وریاضت کو جاری رکھا، ملفوظات خیر المجالس (مرتبہ حمید شاعر معروف بہ قلندر) میں ہے۔

> ''سالہا سال مجھ کو یہ آرزو رہی کہ ایک تہ بند اور کرتہ پہن کر، کلاہ سر پر رکھ کر کوہ و بیابان یا کسی مسجد ومزار میں جا بیٹھوں، پھر شہر کو یاد کر کے فرمایا کہ وہاں بہت حظیرے دل پسند ہیں، وہاں مجھ کو خلوت سے بہت راحت وتسکین ہوتی تھی، ان دنوں وہ مزار اور حظیرے نہیں رہے، سنتا ہوں کہ وہ سب مقاماتِ دلکش خراب وبرباد ہوگئے ہیں، پھر فرمایا کہ خواجہ محمود والد معین الدین جو بھانجا مولانا کمال الدین کا ہے، میرے ہمراہ ہوا کرتا، ہمیشہ نماز صبح مسجد میں پڑھ کر ہم نکلتے اور وظیفہ پڑھتے جاتے، راہ میں جب کسی مزار پر پہنچتے، تو میں محمود سے کہتا اب تم چاہو مکان جاؤ، چاہو اور کسی مزار پر تنہا مشغول ہو، وہ میرا

---

1. سیر الاولیاء ص ۲۳۶، بعض تذکروں میں یہ روایت کسی اور موقع پر درج ہے، لیکن سیر الاولیاء میں یہ روایت ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے، ''در ابتدائے بہ نظر خاص سلطان المشائخ ملحوظ گشتہ بود '' اور روایتوں میں بھی کہیں کہیں تقدیم وتاخیر ہوگئی ہے، اگر عاجز راقم سے بھی روایتوں کی ترتیب میں تقدیم وتاخیر ہوگئی ہو تو وہ ناظرین سے معذرت کا خواہاں ہے۔
2. سیر الاولیاء ص ۱۲۴۱ اخبار الاخیار ص ۷۵، 3. سیر العارفین ص ۴۰، 4. سیر الاولیاء ص ۲۳۸،

کہنا قبول کر کے جدا کسی مزار پر ظہر تک جا کر مشغول ہو جاتا، پھر ہم نماز کی وقت طہارت کو نکلتے، اذان کہتے، دس بارہ درویش اپنے مقام مشغولی سے آ کر جمع ہو جاتے، نماز باجماعت پڑھتے، اور مجھ کو امام بناتے، پھر باقی روز ذکر و شغل میں گذرتا، یہاں تک کہ نماز مغرب و عشاء زمین صحرا میں ہوتی، پھر وظیفہ پڑھتے ہوئے گھر آتے، اور جب جنگل میں دن کو قیلولہ کرتے، تو گرد چند درختوں کے رسی گھیر دیتے، اور درمیان میں سو رہتے، نہ درندے کا ڈر ہوتا، نہ چور کا کہ بدھنا یا لوٹہ لے جاویگا، شب کو گھروں میں ایک جگہ مقرر تھی، وہاں مشغول رہتے، اسی راحت و آرام میں چند سال گذر گئے، جناب خواجہ رحمتہ اللہ علیہ اس وقت کا ذکر بڑے ذوق و شوق سے بیان فرماتے تھے، پھر کہا کہ اگر حکم حضرت پیر و مرشد کا نہ ہوتا تو مخلوق کے درمیان رہنا، جفا و قفائے خلق گوارا کرنا، تو کہاں میں تھا، اور کہاں یہ شہر، کسی کوہ و بیابان میں روپوش رہتا، میں نے عرض کی کہ حق وہی ہے جو حضور ارشاد فرماتے ہیں، مگر آپ کو یہاں رہنے کی تاکید اس واسطے فرمایا کہ ہم لوگ سعادت حاصل کریں[1]۔"

حضرت شیخ نصیر الدینؒ مرشد سے فیض و برکات حاصل کرنے کے لئے وقتاً فوقتاً وطن سے دہلی آتے رہتے تھے، یہاں ہر جگہ ان کی بڑی پذیرائی ہوتی، یارانِ طریقت جس لطف و کرم سے ان کے ساتھ پیش آتے، اس کو اپنی زندگی کے آخری ایام میں بڑے ذوق و لذت سے یاد فرماتے ہیں۔

"جب میں اودھ سے آیا کرتا، تو اکثر یار میری دعوت کیا کرتے، مولانا برہان الدین غریب طاب ثراہ اور امیر خسرو اور امیر حسن وغیرہ احباب جب میرا آنا سنتے تو دعا گو کی چند روز تک متواتر دعوت کیا کرتے، اور شیخ سے استدعا کرتے، فلانے کی اجازت دعوت کھانے کی ہو، اور ایک دن پہلے مجھ سے کہہ دیتے کہ کل ہمارے یہاں دعوت ہے، کہ اگر اسی دن غیاث پور سے شہر کو جاؤں تو تھک جاؤں تو اس روز مولانا برہان الدین کے گھر میں رہا کرتا، دوسرے دن ان کے ہمراہ جاتا، اور دعوت ظہر تک ہوا کرتی، کبھی عصر تک بھی رہنا ہوتا، جب لوٹتا تو بے وقت ہو جاتا تھا، غیاث پور تک پہنچنا نہ ہوتا، اس رات بھی مولانا برہان الدین کے گھر میں رہنا ہوتا، کبھی تیسرے دن بھی صبح کو کوئی یار آ جاتا اور کہتا ذرا توقف کرو ناشتہ لاتا ہوں، غرض چاشت تک ٹھہرنا ہوتا، غرض دوپہر کو غیاث پور

---

[1] دیکھو مجلس پنجاہ خیر المجالس کا اردو ترجمہ سراج المجالس کے نام سے مولانا احمد علی صاحب ٹونکی نے کیا ہے، جو مسلم پریس دہلی میں چھپا تھا، یہ ترجمہ اگرچہ پرانے طرز کا ہے، لیکن عاجز راقم کو اس میں بڑی کیفیت و تاثیر نظر آئی، اس لئے اس کو بغیر کسی ترمیم کے ہر جگہ نقل کر دیا ہے، خیر المجالس فارسی علی گڑھ اڈیشن ص ۱۷۱، ۱۷۰ کے اردو ترجمہ میں کہیں کہیں بعض جملے ایسے ہیں جو فارسی اڈیشن میں نہیں ہیں سو وہ چھوڑ دیئے گئے ہیں، جس نسخہ سے اردو ترجمہ کیا گیا ہو اس میں شاید ہوں۔

پہنچتا، پھر اس دن بھی شیخ کی زیارت کو نہ جا سکتا۔"
جب مرشد کی زیارت نہ ہوتی، تو بڑی تکلیف محسوس کرتے، فرماتے ہیں،

"ان دنوں میں ایسا ہی ہوا کہ متواتر تین دعوتیں ہوئیں، اور ہر دعوت میں تین تین دن شہروں میں رہنا پڑتا، اور نُو روز تک زیارت شیخ میسر نہ ہوئی، ہر جگہ سے پیام دعوت آتا اور شیخ سے واسطے اجازت کے عرض کرتا، شاید ان دنوں یاد ہوتا ہے کہ خادم نصیر نامی تھا، فرمان شیخ پہنچا کہ فلاں جا دعوت میں جا، میں نے عرض کی کہ مجھ کو کچھ خدمت میں عرض ہے، اس پر مجھ کو طلب فرمایا، میں خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا کیا کہتا ہے، میں نے عرض داشت کی کہ غلام اودھ سے اس اشتیاق میں آتا ہے، کہ چند روز زیر قدم خواجہ رہے، اور ہر روز آپ کو دیکھوں، یہاں ہر کوئی دعوت کرتا ہے، اور حضرت شیخ کی خدمت میں عرض کرتا ہے، مجھ کو حکم آتا ہے، کہ دعوت میں جا، صبح سے جاتا ہوں اور مولانا برہان الدین غریب کی گھر میں شب بھر رہتا ہوں اور دوسرا دن دعوت کا ہوتا ہے اس دن بھی حضرت کی خدمت میں آ نہیں سکتا، تیسرے دن بھی لوگ روکتے ہیں، کہ ذرا ٹھہرو ناشتہ کر لو، دوپہر کو یہاں آنا ہوتا ہے، اس دن بھی زیارت نصیب نہیں ہوتی، میں دن مفت دن جاتے ہیں، یہ سن کر شیخ نے خادم سے فرمایا کہ جو کوئی مولانا کو بلانے آیا ہے، اسے لوٹا دو، اور کہہ دو کہ یاران شہر کی دعوت کریں، اور ان کو معذور رکھیں[1]۔"

خود مرشد کو اپنے مرید کی راحت اور خاطر داری کا بہت خیال رہتا تھا، فرماتے ہیں۔

"ایک بار میں اودھ سے آیا تھا، اور بھائی یعنی پدر خواجہ یوسف بھی ہمراہ تھے، اور ان دنوں میں نے تقلیل طعام کی تھی، بھائی نے مبشر سے کہہ دیا کہ فلانے نے کھانا چھوڑ دیا ہے، اور معرض تلف میں پڑا ہے، خدمت شیخ میں عرض کر دے، مبشر نے خدمت شیخ میں اور بڑھ کر عرض کی کہ جب رکابی بھر کر فلانے کے واسطے لے جاتا ہوں تو بلا کم و کاست ویسی ہی لوٹ آتی ہے، جناب شیخ نے افطار کے وقت ایک قرص قریب دو سیر کے مجھے دیا، اور بہت سا حلوا اس پر رکھا تھا، جن یاروں کا صوم دوام ہوتا، ان کو حضرت شیخ کے یہاں سے سوائے رمضان شریف سحری ملا کرتی، چنانچہ مولانا فخر الدین غریب زرادی اور مولانا حسام الدین ملتانی اور مولانا شہاب الدین کو یہ ہمیشہ روزدار ہوتے تھے، مگر مولانا برہان الدین غریب کہ بسبب ضعف جسم روزے سے معذور تھے، ان کو ماہ رمضان میں سحری ملتی اور سحری کو کھچڑی روغن پڑی ہوئی آیا کرتی، یار جمع ہوتے اور ہاتھ دھو کر کھچڑی

---

[1] مجلس پنجاہ و پنجم ص ۱۳۱۔۱۳۲، اردو ترجمہ و خیر المجالس فارسی ص ۱۸۷،

کھاتے، غرض جب شیخ نے مجھ کو وہ قرص دیا تو میں حیران ہوا کہ اس کو کس طرح کھاؤنگا، بیمار نہ ہو جاؤں، یہ قرص تو میرے بیس دن بلکہ زائد کو کافی ہے، بعد عشا وہ قرص میں نے روبرو رکھا اور کچھ کچھ کھانا شروع کیا، بعد آدھی رات کے تھوڑی آنکھ لگی تھی کہ فی الفور اٹھ کر وضو کیا، اور تہجد کی نماز پڑھی، پھر وہ قرص لیکر کھانے بیٹھا، برکت ولایت شیخ سے صبح تک سب کھالیا اور کوئی زحمت نہیں ہوئی[1]۔"

قیام دہلی والدہ ماجدہ کی وفات کے بعد وطن چھوڑ کر مستقل طور پر دہلی تشریف لے آئے اور مرشد کے خاص حجرہ میں سکونت اختیار فرمائی، یہ حجرہ جماعت خانہ میں تھا[2]، مرشد کی صحبت میں فقر، صبر، تسلیم و رضا کی تمام درویشانہ صفتیں پایہ تکمیل کو پہنچ گئیں، چنانچہ جیسا کہ سیر العارفین کے مولف کا بیان ہے۔

"حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے خلفاء اپنے مرشد اور شیخ نصیر الدین کی ذات پر فخر کیا کرتے تھے۔" (ص ۹۵)

مرشد کی جانشینی جب حضرت محبوب الٰہیؒ نے حضرت شیخ نصیر الدین میں وہ تمام باتیں بدرجہ کمال پائیں جو جانشینی کے لئے موزوں تھیں، تو ان کو دہلی میں اپنا جانشین مقرر فرمایا اور وفات کے وقت ان کو خواجگان سے جو خرقہ، عصاء، کاسہ اور نعلین ملی تھیں، ان کو عطا کر کے دہلی کے لوگوں کی جفاؤں کو صبر و سکون سے تحمل کرنے کی تلقین فرمائی، حضرت محبوب الٰہیؒ کی وفات کے بعد جماعت خانہ ان کی بہن کی اولاد کو ترکہ میں ملا، اس لئے حضرت نصیر الدین نے اپنی قیامگاہ کے لئے وہ جگہ منتخب کی جہاں ان کی ابدی خوابگاہ ہے۔

تنگی معاش جانشینی کا ابتدائی زمانہ بہت ہی تکلیف اور عسرت میں گذرا، اپنے ملفوظات میں ان ایام کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے ایک بار روزہ رکھا، دو دن گذر گئے، لیکن کچھ کھانے کو نہ ملا، میرا ایک آشنا نتھو نامی تھا، وہ دو روٹیاں اور ترکاری دسترخوان میں لپیٹ کر میرے پاس لایا، اس حال میں اس کھانے نے وہ مزہ دیا کہ بیان نہیں ہوسکتا، اکثر راتوں کو میرے گھر میں چراغ روشن نہ ہوتا چند دن متواتر چولہا نہ سلگتا، میرے اعزہ سامان معاش کرنا چاہتے لیکن میں ان کو کرنے نہ دیتا، وہ میرا مزاج پہچان گئے تھے، کہ میں مشقت اور بے سروسامانی ہی میں خوش رہتا ہوں، اس لئے میرا خیال چھوڑ دیا، اگر کوئی دنیا دار مجھ سے ملنے آتا تو میں شیخ کا جبہ پہن کر بیٹھ جاتا، جب وہ چلا جاتا، تو کھاروے کا لباس پہن لیتا، جامہ شیخ پہن کر وضو کرنا پسند نہ کرتا، لیکن اس کو پہن کر لوگوں سے اپنا فقر پوشیدہ رکھتا تھا[3]۔

---

[1] خیر المجالس مجلس پنجاہ و پنجم اردو ص ۱۴۲-۱۴۱ فارسی ص ۱۸۷-۱۸۶، [2] سیر العارفین ص ۹۴، [3] خیر المجالس شصت و سوئم فارسی ص ۲۱۴-۲۱۳

فارغ البالی کچھ دنوں کے بعد یہ تنگی جاتی رہی، اور اچھے دن آئے، مگر حضرت خواجہ نصیر الدین ان عسرت بھرے دنوں کو برابر یاد کیا کرتے تھے، دو دن کے فاقہ کے بعد ان کو جو کی روٹی اور ترکاری ملی تھی، اس کے مزے کو یاد کر کے سر ہلاتے، اور فرماتے سبحان اللہ یہ فقر بھی کیا نعمت ہے، اس کے اوّل اور آخر دونوں خوب ہیں، وہ کیا عمدہ دن اور پر ذوق زمانہ تھا، یہ کہہ کر روتے گویا وہ ذوق پھر حاصل کر لیتے[1]۔

فارغ البالی کے زمانہ میں مہمان اور مریدوں کیلئے دستر خوان پر اچھے اچھے کھانے ہوتے، خود تو صائم الدہر ہوتے، لیکن مہمانوں کو بڑے لطف و کرم سے لذیذ کھانے کھلاتے، کبھی کبھی کسی مہمان کی خاطر افطار کر لیتے، ایک بار دستر خوان پر حلوے کی کئی قسمیں تھیں، ایک حاجی نے عرب کے کھانے بھی اس موقع پر پیش کئے، حاضرین میں ایک صاحب نفل روزہ رکھے ہوئے تھے، حضرت خواجہ نصیر الدین ان کی خاطر افطار کر لیا، اور یاروں کو خوب کھانے کی تاکید فرمائی[2]۔

تلقین مہمانوں کو لذیذ کھانا کھلاتے وقت پند و نصیحت کا سلسلہ جاری رکھتے، ایک بار دستر خوان پر عمدہ پلاؤ تھا، حاضرین کو بڑی شفقت و محبت سے کھلا رہے تھے، دست مبارک سے پلاؤ برتنوں میں ڈالتے جاتے اور تاکید فرماتے، یارو خوب کھاؤ، جب لوگ کھا چکے تو فرمایا طعام حلال و طیب وہ ہے کہ کھانا کھاتے وقت یہ خیال رہے کہ خدائے تعالیٰ دیکھتا ہے، خدا کے واسطے کھائے، اور نیت کرے کہ جو قوت اس سے پیدا ہوگی، وہ طاعت و عبادت میں صرف ہوگی، تو وہ شخص عین عبادت و نماز میں ہوگا، فرمایا ایک دن صحابہ کرامؓ رضوان اللہ علیہم نے خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم کھانا کھاتے ہیں، مگر ہمارا پیٹ نہیں بھرتا، آپ نے فرمایا شاید تم تنہا کھاتے ہو، عرض کیا، ہاں، ہر شخص الگ الگ کھاتا ہے، آپ نے فرمایا، اب اکٹھا ہو کر کھایا کرو، پہلے بسم اللہ کہا کرو، اللہ تعالیٰ برکت دے گا[3]۔

ایک بار عید اضحیٰ کے دن بہت سے لوگ ملنے آئے، ان کی خاطر دستر خوان بچھایا گیا، جس پر اچھے کھانے اور اچھے حلوے تھے، حضرت خواجہ نصیر الدین نے اس موقع پر یہ حکایت سنائی کہ ایک بار ایک درویش شیخ ابو سعید رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا، ان کے سامان امارت میں بارگاہ شاہی، طنا بہائے ریشمی اور میخہائے زریں دیکھ کر سوچنے لگا، کہ یہ کیسی درویشی ہے، یہ تو کسی بادشاہ کو بھی میسر نہیں، حضرت ابو سعیدؒ نے اس کے خیال کو نور باطن سے معلوم کر لیا، اور اس سے مخاطب ہو کر فرمایا اے درویش ہم نے خیمہ کی میخ دل میں نہیں نصب کی ہے، زمین میں گاڑی ہے، یہ بھی فرمایا کہ دنیا کی مثال تیرے سایہ کی ہے، اگر اس کی طرف تو رخ کرے تو تیرے پیچھے ہوگا، اور اس کی طرف پشت کرے تو تیرے

---

[1] خیر المجالس مجلس شصت و سوئم فارسی ص ۲۱۳، [2] ایضاً مجلس ہفتاد و یکم فارسی ص ۲۲۳، [3] خیر المجالس پنجاہ و ہشتم فارسی ص ۱۹۹۔

آگے ہوگا، (مجلس ۶۳ فارسی ص ۲۱۳)

ایک اور موقع پر کچھ معتقدین حضرت خواجہ نصیر الدین کے سامنے پالودہ (فالودہ) نوش کر رہے تھے، حسب دستور پند و موعظت شروع کی، اور فرمایا، ایک بار حضرت خواجہ ابراہیم بن ادہم قدس سرہ العزیز ایک بادشاہ کے حضور میں پیش کیے گئے[1]، بادشاہ نے ان کے لئے کھانا منگوایا، ایک آراستہ دستر خوان پر پہلے ان کے سامنے پالودہ کا پیالہ رکھا گیا، حضرت خواجہ ابراہیم نے پیالہ کو غور سے دیکھا، مگر اس میں سے کچھ کھانا پسند نہ کیا، بادشاہ نے پوچھا پالودہ کو آپ دیکھتے ہیں، لیکن کھاتے نہیں ہیں، حضرت خواجہ ابراہیم نے فرمایا، پالودے سے قیامت یاد آتی ہے، بادشاہ نے پوچھا کس طرح، فرمایا اس دن دو گروہ ہوں گے ایک پالودہ اور ایک آلودہ "فریق فی الجنۃ وفریق فی السعیر۔" کا اشارہ اسی طرف ہے، جس نے اپنے آپ کو دنیا میں مجاہدہ، طاعت و عبادت میں پالودہ کیا، تو وہ بہشت میں جائیں گے اور جو آلودہ معصیت ہیں، ان کو آتش دوزخ میں پاک وصاف کر کے بہشت لیجائیں گے، بادشاہ نے یہ سن کر کہا کہ اے درویش آپ کی باتوں سے میرا دل ہل گیا[2]۔

چراغ دہلی کا لقب رفتہ رفتہ حضرت خواجہ نصیر الدین کے رشد و ہدایت کی شہرت چار دانگ عالم میں پھیلی، جب حضرت مخدوم جہانیاں سید جلال الدین بخاریؒ مکہ معظمہ تشریف لے گئے تو وہاں کے شیخ امام عبداللہ یافعی سے ایک عرصہ تک تعلیم و تربیت حاصل کرتے رہے، ایک موقع پر شیخ مکہ نے حضرت جلال الدین سے فرمایا، اگرچہ شہر دہلی کے بڑے بڑے مشائخ اٹھ گئے، تاہم ان کی برکت کا اثر شیخ نصیر الدین محمود کے اندر موجود ہے ان کی ذات بابرکات بہت غنیمت ہے، وہ چراغ دہلی ہیں، اور مشائخ کی رسموں کو زندہ کرنے والے ہیں، حضرت سیدّ جلال الدین بخاری نے جب یہ سنا تو ان کو حضرت خواجہ نصیر الدین محمود سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوا، اور وہ مکہ معظمہ سے دہلی آئے، اور حضرت خواجہ نصیر الدین کی قدمبوسی کر کے شیخ مکہ نے جو کچھ کہا تھا، اس کو بیان کیا، اس کے بعد حضرت خواجہ نصیر الدین محمود کا لقب چراغ دہلی بھی ہو گیا، اور اسی لقب سے مشہور ہوئے[3]۔

رشد و ہدایت مذہبی و روحانی استفادہ کے لئے ہند و بیرون ہند کے مختلف مقامات سے ہر طبقہ کے افراد آتے اور حضرت چراغ دہلیؒ حسب مراتب ان کی تربیت فرماتے۔

ایک مرتبہ ایک صاحب علم بیعت کے لئے آئے، یہ ہدایہ، بزدوی اور کشاف پڑھ چکے تھے، بیعت کے وقت حضرت چراغ دہلیؒ نے ارشاد فرمایا، جب کوئی طریقت میں داخل ہو تو اس کو چاہیے کہ اپنی آستین چھوٹی کرے، دامن اونچا رکھے، اور سر منڈائے آستین چھوٹی کرنے سے یہ مراد ہے کہ اس نے اپنا ہاتھ

---

[1] حضرت ابراہیم بن ادہم ایک شہر کی مسجد میں مقیم تھے، رات کو دروازہ کھول کر باہر نکلے، چوکیدار نے چور سمجھ کر پکڑ لیا، اور کوتوال نے بادشاہ کے حضور میں پیش کیا۔ [2] مجلس ہشتادم فارسی ص ۲۳۱۔ [3] سیر العارفین جلد دوم ص ۱۵۹

کاٹ ڈالا ہے، تا کہ اس کو مخلوق کے سامنے نہ پھیلا سکے، دامن اونچا کرنے سے یہ مطلب ہے کہ اس نے اپنا پاؤں قطع کر لیا ہے، تا کہ کسی ایسی جگہ نہ جا سکے جو بری ہو، اور جہاں معصیت ہوتی ہو سر منڈانے کے یہ معنی ہیں کہ راہ حق میں اس نے اپنا سر کاٹ لیا ہے، اور اس سے کوئی بات خلاف شرعی ظہور میں نہ آئے[1]۔

ایک بزرگ بیعت کے لئے آئے، جو نسبتاً سید اور جوہری بازار کے داروغہ تھے، حضرت چراغ دہلیؒ نے کلاہ منگائی، دست مبارک بیعت کے لئے آگے بڑھایا، اقرار لیا، دوگانہ نماز پڑھوائی، نماز کی بعد مخاطب کر کے فرمایا، ہر بات میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کرنی چاہئے، اور تمہارے لئے اور ضروری ہے کہ تم آل رسول سے ہو، رسول کی متابعت دو چیزوں میں ہے، جو کچھ خدا اور رسول نے کہا، اس کو کرنا، اور جس سے خدا اور رسول ﷺ نے منع کیا، اس سے بچنا، پھر فرمایا خرید و فروخت میں ہرگز جھوٹی بات زبان پر نہ آنی چاہئے، مثلاً ایک چیز پانچ درم کی خریدی ہوئی ہے، جب کسی خریدار کو اس کے لینے پر آمادہ دیکھے تو یہ نہ کہے کہ میں نے چھ درم میں لی ہے، سات درم میں دوں گا، اس سے کچھ برکت نہیں ہوتی، بلکہ نقصان ہوتا ہے، ہاں اگر یہ کہے کہ پانچ درم ایک دانگ میں دوں گا تو اس کے ایک دام میں برکت ہوگی، اور اس کا مال اس طرح بڑھے گا کہ اس کو خود خبر نہ ہوگی، کہ کہاں سے بڑھا[2]۔

ایک مرتبہ ایک عالم موضع سہانی سے آئے، حضرت چراغ دہلیؒ نے پوچھا کہ کہاں سے آتے ہو، عالم نے کہا سہانے سے، جہاں کے اکثر لوگ آپ کے مرید ہیں، اور وہاں کی عورتیں بھی یہیں سے بیعت رکھتی ہیں، اور وہ مردوں سے زیادہ صالح ہیں، پھر پوچھا، کیا شغل رکھتے ہو، عالم نے کہا لڑکوں کو پڑھاتا ہوں، فرمایا یہ عمدہ کام ہے، مطالعہ کتب میں مشغول رہنا، دوسروں کو قرآن مجید پڑھانا اچھی بات ہے، لیکن جو دوسروں کو کلام پاک پڑھائے، اس کو ہمیشہ باوضو رہنا چاہئے[3]۔

ایک درویش یمن سے آیا، حضرت چراغ دہلیؒ نے اس کو اپنا پیراہن عطا کیا، اور اپنے پاس بٹھایا، درویش نے کہا، آج میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ کوئی مجھ کو پیراہن پہناتا ہے، اور کہتا ہے، یہ جامہ شیخ محمود کا ہے، اسی موقع پر چراغ دہلیؒ نے مریدوں کو مہمان نوازی کی تلقین کی، اور فرمایا، مہمانوں کی تعظیم و تکریم سے ان کے دلوں میں یگانگت اور محبت پیدا ہوتی ہے[4]۔

ایک مرتبہ ایک خاتون آئیں اور ایک شخص کی معرفت مرید ہونے کا پیام کہلا بھیجا، حضرت چراغ دہلیؒ نے پانی کا ایک کوزہ منگوایا، اس کو اپنے سامنے رکھ کر کچھ پڑھا، پھر اس میں اپنی انگشت شہادت ڈبوئی اور اس شخص کو کوزہ دیکر کہا کہ اس کو خاتون کے پاس لیجاؤ، ان سے سلام کہنا، اور کہنا کہ اپنی شہادت

---

[1] خیر المجالس مجلس پانزدہم فارسی ص ۶۶۔۶۵، [2] خیر المجالس بست وہشتم فارسی ص ۹۵،
[3] مجلس سی و دوم اردو ص ۵۷، فارسی ص ۱۰۷، [4] مجلس سی و ہفتم اردو ص ۸۶، فارسی ص ۱۲۵

کی انگلی پانی میں ڈال کر کہیں کہ میں فلاں کی مرید ہوئی، اسی کے ساتھ خاتون کو یہ بھی کہلا بھیجا کہ وہ برابر نماز پڑھتی رہیں، اور ایام بیض کے روزے رکھیں، غلام اور لونڈی کو نہ ستائیں، مار پیٹ نہ کریں، اور اپنوں اور بیگانوں سے اخلاق سے ملتی رہیں[1]۔

ایک مرتبہ ایک کاشت کار آیا، تو اس سے پوچھا کیا کرتے ہو، اس نے عرض کیا زراعت کرتا ہوں، فرمایا لقمہ، زراعت اچھا لقمہ ہے، اور بہت سے کاشت کار صاحب حال گذرے ہیں، اس کے بعد ایک کاشت کار کی حکایت بیان فرمائی، جس میں یہ نصیحت تھی کہ تخم ریزی کے وقت دل شاکر اور زبان ذاکر ہونی چاہئے، اسی سلسلہ میں فرمایا کوئی کام بغیر نیک نیت کے کرنا درست نہیں، اگر کوئی اس نیت سے نماز پڑھے کہ لوگ اس کو دیکھ کر نمازی کہیں تو اس کی نماز روا نہیں، اور بعض کے نزدیک وہ کفر ہو جاتا ہے، کہ اس نے عبادت خدا میں اور کو بھی شریک کیا[2]۔

ایک مرتبہ شاہ پور سے ایک بزرگ آئے، حال پوچھنے پر عرض کیا، کہ قناعت و توکل کی زندگی بسر کرتے ہیں، حضرت چراغ دہلیؒ نے فرمایا ایک درویش کو چاہئے کہ اگر اس پر فاقہ گذرے تو بھی اپنی حاجت غیروں سے نہ بیان کرے، اور اگر کوئی اس کے پاس آئے تو اپنے منہ پر طمانچہ مار کر گالوں کو سرخ کر لے، کہ دیکھنے والا اس کے فقر و فاقہ سے مطلع نہ ہو، پھر بیان کیا کہ ایک بار آنحضرت ﷺ صحابہء کرام کے ساتھ بیٹھے تھے فرمایا ہے کوئی جو ایک بات کی ذمہ داری لے، تاکہ میں اس کے لئے جنت کی ذمہ داری لوں ثوبان رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! وہ میں ہوں، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کسی سے کچھ سوال نہ کرنا، ثوبانؓ نے اس حکم کو قبول کر کے کسی سے کوئی سوال نہ کرنے کا عہد کر لیا، ایک روز وہ گھوڑے پر سوار جا رہے تھے کہ چابک ہاتھ سے گر پڑا، دوسرے سے اٹھا کر نہ مانگا خود اتر کر اٹھایا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے کسی سے سوال کرنے سے منع فرمایا تھا، اس موقع پر حضرت چراغ دہلیؒ کی مجلس میں ایک درویش نے پوچھا، جس چیز سے آنحضرت ﷺ نے ایک کو منع کیا ہو، وہ امر کیا اوروں کیلئے بھی لازم ہو جاتا ہے، حضرت چراغ دہلیؒ نے فرمایا، ہاں سب کے حق میں حکم ممانعت ہوتا ہے[3]۔

ایک درویش آیا، اور کسی کے ظلم کی شکایت کی، حضرت چراغ دہلیؒ نے فرمایا: تحمل سے کام لو، اگر اور جفا کرے تو بھی معاف کر دو، کیونکہ ایک درویش کا یہی شیوہ ہوتا ہے[4]۔

ایک جوان عرب آیا، اس نے ایک کنگھی نذر کی، حضرت چراغ دہلیؒ نے دست مبارک سے شانہ دان اٹھا کر پرانی کنگھی نکالی، اور اس میں نئی رکھی، اور جب رکھ لی، تو حاضرین سے پوچھا کہ کنگھی پہلے کس طرف سے رکھی، پھر خود ہی فرمایا، دندانوں کی طرف سے پہلے رکھنا چاہئے، کیونکہ وہ بالوں کی تفریق

---

[1] مجلس چہلم فارسی ص ۱۴۴، [2] مجلس چہل وہشتم فارسی ص ۱۵۶، [3] مجلس چہل ونہم فارسی ص ۱۶۳،
[4] مجلس پنجاہ و دوم فارسی ص ۱۷۷

کا باعث ہے، پس جو چیز باعثِ تفریق ہو اس کو دور رکھنا مناسب ہے[1]۔

ایک مرتبہ عرب سے ایک عالم آئے، حضرت چراغ دہلیؒ نے پوچھا کیا کام کرتے ہو، عرض کیا مقنع بافی کرتا ہوں، حضرت چراغ دہلیؒ نے فرمایا، شیخ احمد نہر والہ رحمتہ اللہ علیہ بھی نور بافی کیا کرتے تھے، کبھی کبھی کرگہ پر کام کرتے ہوئے ان پر ایسا حال طاری ہو جاتا کہ غائب ہو جاتے، اور جب موجود ہوتے تو کپڑا بنا ہوا تیار پاتے، اس کے بعد کچھ حکایتیں بیان کیں، اور فرمایا، کسب و ہنر کا لقمہ پاکیزہ ہے، ابدال اللہ جو کوہستان میں رہتے ہیں، پہاڑ سے لکڑی، گھاس، جنگلی جوائن، پہاڑی میوے وغیرہ لا کر شہر میں بیچتے ہیں اور کھانا مول لیکر واپس جاتے ہیں[2]۔

حضرت چراغ دہلی اپنی مجلسوں میں زیادہ تر کلام پاک اور احادیث نبوی کی تعلیمات پر گفتگو فرماتے، ایک موقع پر فرمایا کہ لوگوں نے قرآن و حدیث کو چھوڑ دیا ہے، اس پر عمل نہیں کرتے، اس لئے خراب و پریشان ہیں[3]، اور اس کا اعادہ بار بار کیا کہ حضرت رسول اللہ ﷺ سے جو قول اور فعل صادر ہوا، وہ سزا دار متابعت ہے، فرمایا ایک مسلمان کے ایمان کی بنیاد صرف دو چیزوں پر ہے، جو خدا اور رسول نے فرمایا ہے، اس کی متابعت کرے اور جس سے ممانعت کی، اس کو ترک کر دے[4]۔

تارکِ نماز کے متعلق مریدوں کو ہدایت کی کہ اگر وہ محفل میں آ کر بیٹھے تو اس کی تعظیم نہ کریں، اور سلام کے جواب میں علیک نہ کہیں تا کہ اس کی اہانت ہو، اور وہ شرمائے۔

نہ صرف نماز بلکہ نماز با جماعت کی بھی سخت تاکید فرماتے تھے، خود بھی تمام عمر نماز با جماعت کے پابند رہے، ایک مجلس میں یہ حکایت بیان کی کہ ایک بزرگ بڑے اچھے واعظ تھے، ان کے وعظ سے لوگ بکثرت تائب ہوتے، اور کپڑے پھاڑ کر بیہوش ہو جاتے، وہ بزرگ زیارت کعبہ کو تشریف لے گئے، وہاں سے واپسی پر ان کا وعظ سننے کے لئے لوگ اور بھی ذوق و شوق سے جمع ہوئے، لیکن ان کے وعظ میں پہلی سی تاثیر مطلق نہ تھی، لوگوں نے ان سے کہا کہ زیارت کعبہ کے بعد ہم تو متوقع تھے کہ وعظ میں صد گونہ تاثیر اور بھی بڑھ گئی ہوگی، وہ بولے سفر حج میں مجھ سے ایک قصور ہو گیا تھا، اسی وقت میں نے جان لیا تھا کہ مجھ سے یہ نعمت چھین لی جائیگی، وہ قصور یہ تھا کہ راستے میں مجھ سے ایک بار نماز با جماعت فوت ہو گئی، یہ محرومی اسی شامت کی بناء پر ہے، اس حکایت کو بیان کر کے حضرت چراغ دہلیؒ اس قدر روئے کہ حاضرین بھی رونے لگے، اور جب آنسو رکے تو فرمایا، جو لوگ جماعت میں بالکل نہیں جاتے، ان کا کیا حال ہوگا، وہ کتنی نعمتوں سے محروم رہتے ہوں گے، اور پھر ایک اور حکایت بیان کی کہ ایک بزرگ کے پاس لوگوں کا ہجوم رہا کرتا تھا، بزرگ نے دل میں خیال کیا کہ خداوندا! مجھ میں نہ کچھ طاعت ہے اور نہ

---

[1] مجلس پنجاہ و دوم، [2] مجلس نود و نہم فارسی ص ۲۷۹، [3] مجلس سی و نہم فارسی ص ۱۳۲، [4] مجلس ہشتاد و یکم فارسی ص ۲۴۶، نیز دیکھو مجلس ہشتاد و ہفتم فارسی ص ۲۵۸،

عبادت ہے، پھر میرے پاس لوگوں کا ازدحام کیوں رہتا ہے، آواز آئی کہ اس کا یہ سبب ہے کہ تو جماعت میں شریک ہونے کی کوشش کرتا ہے، اور اس خیال سے پریشان رہتا ہے کہ مبادا فوت نہ ہو جائے، یہ بات ہم کو پسند آئی، اور اسی لئے تجھ کو یہ مقبولیت عطا کی[1]۔

نماز کے متعلق فرمایا، یہ حضور قلب کے ساتھ پڑھی جائے، نماز کے وقت اعضاء کا قبلہ کعبہ شریف ہوتا ہے، اگر اعضا اس طرف نہ ہوں تو نماز درست نہیں ہوتی، اس طرح دل کا کعبہ ذاتِ پاک حق تعالیٰ ہے، اگر دل اپنے قبلہ سے پھر جائے، تو پھر یہ کیسی نماز ہوگی[2]۔

شاہی ملازمین کی اصلاح

حضرت چراغ دہلیؒ شاہی ملازمت کو روحانیت کے منافی سمجھتے تھے، لیکن شاہی ملازمتوں میں سے جس کسی کی سچی طلب ہوتی، اس کی اخلاقی، مذہبی اور روحانی حالت سنوارنے میں دریغ بھی نہ کرتے تھے۔

خیر المجالس مجلس ہفتاد و ہشتم فارسی (ص ۲۴۲) میں ہے کہ ایک سید مرید ہونے آیا، وہ شاہی اہل قلم کی زمرہ میں شامل تھا، حضرت چراغ دہلیؒ نے اس کو مرید کیا، اور فرمایا نماز با جماعت پڑھا کرو، جمعہ کی نماز فوت نہ ہو، ایام بیض کے روزوں کو لازم جانو، جو شخص ایام بیض کے روزے رکھتا ہے، اس کی روزی بڑھتی ہے، میرے اور مریدوں کو بھی یہ وصیت ہے کہ جو کام خدا اور رسول نے منع کیا ہے وہ نہ کریں، پھر فرمایا دنیا کی دولت میں بے ثباتی ہے، تم یہ خیال کر لو کہ تمہارے پائگاہ کے گھوڑے، تمہارے خدمتگار، تمہارے دینار و درم، یہ ساری چیزیں ایک روز تم سے چھوٹ جائیں گی، پھر چھوٹنے والی چیزوں کا فکر اور غم کرنا بے فائدہ ہے، فکر اور غم اس چیز کے لئے کرنا چاہئے، جو ہمیشہ باقی رہے گی، غور سے دیکھو، ہمارے سامنے کتنے تھے، اور کتنے چلے گئے، آخر ہم سے پہلے تھے اور ہم سے پہلے چل دیئے، پھر اس سید سے پوچھا کہ کیا کرتے ہو، جواب دیا قرآن مجید پڑھاتا ہوں، سید کے ایک ہمراہی نے کہا یہ حافظ ہیں، اور ان کے والد بھی حافظ اور صالح بزرگ تھے، حضرت چراغ دہلیؒ نے فرمایا، اگر کوئی گھریا راہ میں شب و روز قرآن پڑھتا رہے اور ذکر خدا میں مشغول رہے، تو اس کے لئے نوکری حجاب نہیں، وہ صوفی ہے، اور اسی کے بعد حضرت سعدیؒ کا یہ شعر پڑھا،

د اہلِ طریقت لباس میں ظاہر نیست
کمر بخدمتِ سلطاں بہ بند صوفی باش

ایک بار ایک عالم نے آ کر عرض کیا، کہ فلاں شاہی سردار (ملک) نے سلام عرض کیا ہے، حضرت چراغ دہلیؒ نے پوچھا، اس کا کیا حال ہے، عالم نے کہا کہ زرِ سرکاری کے مطالبہ میں اس کو قید کر دیا گیا ہے، اور اس کو زدو کوب کیا جاتا ہے، حضرت چراغ دہلیؒ نے فرمایا، شغل دنیا یہی پھل دیتا ہے، اگلے زمانہ

---

[1] مجلس ششم فارسی ص ۳۳-۳۲، [2] مجلس ہشتاد و ششم فارسی ص ۲۵۵،

میں کام کرنے والے صرف خدائے تعالیٰ کے لئے کام انجام دیا کرتے تھے، اور وہ معاملات میں جنید و شبلی ہوتے تھے[1]۔

ایک لشکری آیا تو اس کو مخاطب کر کے فرمایا، اگر طلب دنیا میں نیت اچھی ہو تو فی الحقیقت طلب آخرت ہے[2]۔

سیر الاولیاء (ص ۲۲۴) میں ہے کہ خواجہ قوام الدین حضرت شیخ نصیر الدینؒ کے مرید صادق تھے، شاہی ملازمت میں داخل ہوئے تو کچھ دنوں کے بعد کسی الزام میں موقوف کر دیئے گئے، ان پر سخت وقت پڑا، عزیزوں اور دوستوں کی نظریں ان سے بدل گئیں، ضرورت کے وقت اپنی کوئی چیز فروخت کرنے کے لئے بازار جاتے، تو کوئی خریدنے کے لئے تیار نہ ہوتا، اسی پریشانی میں مرشد یاد آئے، چنانچہ وہ حضرت چراغ دہلیؒ کی خدمت میں پہنچے، لیکن وہ اپنا مدعا کہنے بھی نہ پائے تھے کہ حضرت چراغ دہلی نے یہ قطعا پڑھا،

دنیا چو مقدرست، نخروشی بہ — رزقے تو رسد بوقت کم کوشی بہ
چیزے نمی خرند، نہ فروشی بہ — گفت تو نمی کنند خاموشی بہ

خواجہ قوام الدین کا بیان ہے کہ میرے دل میں جو بات تھی، اس کو حضرت خواجہ نے اپنے نور باطن سے اس قطعہ میں ظاہر کر دیا، اور میں نے سر جھکا کر عرض کیا کہ حضرت مخدومؒ نے جو کچھ فرمایا ہے، وہی بندہ کے دل میں ہے، خواجہ قوام الدین کا بھی بیان ہے کہ حضرت مخدوم کی اس کرامت سے میرے دل کو بڑی تقویت پہنچی۔

رجوع خلق سے ریاضت میں خلل

رشد و ہدایت کا سلسلہ اتنا بڑھتا گیا کہ حضرت چراغ دہلی کو ریاضت و مجاہدہ میں اگلی سے محنت شاقہ کرنے کے لئے وقت نہ ملتا تھا، خیر المجالس کے مرتب مولانا حمید شاعر کو ایک روز مخاطب کر کے فرمایا، اب مجھ کو خلوت میں عبادت کرنے کی فرصت نہیں ملتی، دن بھر اللہ کی مخلوق کے ساتھ رہتا ہوں، اکثر قیلولہ بھی میسر نہیں آتا، قیلولہ کرنا چاہتا ہوں تو لوگ آ کر جگا دیتے ہیں، کہ فلاں آیا ہے، تم لوگوں کو فرصت ہے، عبادت میں مشغول رہو، مولانا حمید شاعر نے یہ سن کر عرض کیا کہ ہر چند جناب کا ظاہر خلق اللہ سے مشغول معلوم ہوتا ہے، لیکن باطن شریف ہمیشہ حق سے مشغول رہتا ہے، حضرت چراغ دہلیؒ نے فرمایا رات کو البتہ کچھ ذکر یا وظیفہ ہو جاتا ہے، لیکن دن میں کچھ نہیں ہوتا، پھر بھی عنایت ربانی سے ناامید نہیں ہوں، مولانا حمید شاعر کا بیان ہے کہ یہ بات فرما کر حضرت خواجہ نہایت شکستہ دلی سے رونے لگے، اور پھر یہ شعر پڑھا،

ایں دلو تہی کہ در چہ انداختہ ام — نو امید نیم کہ پر بر آید روزے[3]

---

[1] مجلس بست و پنجم فارسی ص ۱۸۶، [2] مجلس ہشتاد و پنجم، فارسی ص ۲۵۴، [3] خیر المجالس دوازدہم فارسی ص ۶۰

حضرت چراغ دہلیؒ کی ذاتِ اقدس سے فیوض و برکات کا چشمہ برابر بہتا رہا، پھر بھی وہ فرماتے ہیں کہ میں کس لائق ہوں کہ شیخ بنوں، اب یہ کام بچوں کا کھیل ہوگیا ہے، اور اسی کے ساتھ حضرت ثنائی کا یہ شعر پڑھتے۔

مسلمانان مسلمانان مسلمانی مسلمانی
ازیں آئین بے دینا پشیمانی پشیمانی[1]

شاہی دربار سے تعلقات معاصر تاریخوں میں تو نہیں، لیکن بعض تذکروں میں ہے کہ سلطان محمد تغلق نے حضرت چراغ دہلیؒ کو ایذا پہنچانے کی کوشش کی، سیر العارفین میں ہے[2]:

''ایک روز سلطان محمد تغلق نے ابتدائے زمانہ سلطنت میں حضرت شیخ نصیر الدین محمودؒ کو اپنے گھر بلا کر اپنی داہنی جانب بٹھلایا، اور التماس کیا، میں خراسان کی طرف جانے والا ہوں، مجھے منظور ہے کہ تم بھی میرے ہمراہ چلو، یہ سن کر شیخ نے فرمایا انشاء اللہ تعالیٰ، تب بادشاہ نے کہا یہ لفظ انشاء اللہ تعالیٰ کا واسطے تبعید کے واقع ہوا ہے، شیخ نے فرمایا، ہرگز یہ کلمہ کہنے سے کسی کام میں تبعید واقع نہیں ہوتی، بلکہ یہ لفظ واسطے تاکید کے ہے، اس درمیان میں سلطان نے طعام طلب فرمایا، یہ قصد کیا کہ اگر شیخ نہ کھاویں گے، تو ان کو ایذا پہنچاؤں، جب دسترخوان بچھایا گیا، حضرت شیخ بکراہت تمام کھانا شروع کیا، اس کے بعد سلطان نے کہا یا شیخ مجھے کوئی نصیحت ایسی کیجئے، جس پر میں عمل کروں، شیخ نے فرمایا کہ یہ درندوں کا سا غصہ جو تمہاری عادت اور طبیعت میں داخل ہے، اس کو چھوڑو، بعد اس کے سلطان نے ایک بدرہ زرِ سفید کا اور دو قطعہ صوف سبز اور سیاہ کے شیخ کے پیش نظر کئے، مقصود اس کا یہ تھا کہ شیخ یہ عطیہ خود اٹھائیں، لیکن شیخ بالکل متوجہ نہ ہوئے، اسی اثناء میں خواجہ نظام الدین دبیر مقرب خاص سلطانی جو حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ قدس سرہٗ کا مرید تھا، اس نے حضرت شیخ کے آگے سے وہ صوف اور زرنقد اٹھالیا، اور کفش شیخ درست کر کے سامنے رکھ دیں، حضرت شیخ سلطان کی مسجد سے باہر آئے، مقرب سلطانی نے وہ صوف اور زرنقد خادم کے سپرد کیا، اور پیشانی اپنی شیخ کے خاک پا پر مل کر رخصت حاصل کی، بادشاہ مقرب نظام الدین پر از حدِ غیض و غضب میں ہوا، یہاں تک نوبت پہنچی کہ تلوار پر ہاتھ لے گیا، اور لال ہو کر کہا، اے پستک[3] تیری کیا مجال اور قدرت تھی جو تو نے بدرہ اور صوف شیخ کے سامنے اٹھا کر ان کی کفشیں میرے سامنے لا کر درست کر کے رکھ

---

[1] اخبار الاخیار ص ۷۷، [2] یہ عبارت سیر العارفین کے ترجمہ کی نقل ہے، جلد ۳ فارسی ص ۹۶۔۹۵، [3] فارسی۔ اے دیرک کوتاہ،

دیں، خواجہ نظام الدین مزکور میانہ قد تھا، اور حضرت شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ کا منظور نظر تھا، اور شعر گوئی میں حضرت خواجہ امیر خسرو علیہ الرحمتہ کا شاگرد تھا، فی الفور بادشاہ کو جواب دیا کہ اگر میں اس صوف اور زر نقد کو نہ اٹھاتا تو وہ آپ کے ڈولچہ ہی میں پڑا رہتا، اور شیخ ہرگز اپنا ہاتھ اس پر نہ بڑھاتے، اور کفشوں کا درست کر کے رکھنا یہ میرا عین فخر تھا، واللہ اگر اس وقت سلطان عالم مجھ کو قتل بھی فرما دیں گے تو میں نہایت خوشنود اور راضی ہوں گا، اس واسطے کہ آپ کی تنگ صحبت سے مجھ کو قیامت تک کے واسطے خلاصی ہو جائے گی، یہ سب کچھ کہہ گیا اور شیخ کی برکت سے بادشاہ اس کا کچھ نہ کر سکا۔''

حضرت خواجہ نصیر الدینؒ کی طبیعت بڑی نرم اور میٹھی تھی، اس لئے سلطان کو ان کا جواب جو اوپر نقل کیا گیا ہے، ان کی طبیعت اور فطرت کے خلاف معلوم ہوتا ہے، یہ روایت اس لئے بھی مشکوک معلوم ہوتی ہے، کہ یہ تمام باتیں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے ایک دوسرے خلیفہ حضرت مولانا فخر الدین زرادی کے حالات میں بھی بیان کی جاتی ہیں، اخبار الاخیار میں ہے،

''جب محمد تغلق نے دہلی کے لوگوں کو دیو گیر بھیجا، تو انہی دنوں یہ چاہا کہ ملک ترکستان اور خراسان کی تسخیر کر کے وہاں سے چنگیز خانیوں کو نکال دے، شہر کے صدر وا کابر کو حکم دیا کہ جمع ہوں، اور ایک بڑا خیمہ نصب کر کے اس کے نیچے اپنے بیٹھنے کے لئے ایک منبر رکھا، تا کہ اس منبر پر لوگوں کو جہاد کی ترغیب دے، اسی دن مولانا فخر الدین زرادی، شیخ شمس الدین یحییٰ اور شیخ نصیر الدین محمود کو بھی بلایا، خواجہ قطب الدین دبیر جو شیخ نظام الدین اولیاء کے مریدوں میں اور مولانا فخر الدین زرادی کے شاگرد تھے، مولانا کو سب سے آگے سلطان کے دربار میں لے گئے، مولانا بارہا فرماتے تھے، میں اپنے سر کو اس مرد کے سامنے پڑا ہوا دیکھتا ہوں، میں اس کی موافقت کرنی نہیں چاہتا، جب سلطان سے مولانا کی ملاقات ہوئی تو خواجہ قطب الدین دبیر نے مولانا کی جوتیاں اٹھا کر بغل میں لے لیں، اور کھڑے ہو گئے، سلطان نے یہ دیکھ کر کچھ نہ کہا اور مولانا فخر الدین زرداری سے باتوں میں مشغول ہوا، اس نے کہا میں یہ چاہتا ہوں کہ چنگیز خانیوں کو نکال دوں، آپ اس کام میں میرا ساتھ دیں گے، مولانا نے فرمایا، انشاء اللہ تعالیٰ، سلطان نے کہا یہ کلمہ تو کلمہ شک ہے، مولانا نے کہا آنے والی بات کے لئے یہی کہا جاتا ہے، سلطان نے پیچ وتاب کھایا، اور کہا آپ مجھ کو نصیحت کیجئے، تا کہ میں اس پر عمل کروں، مولانا نے فرمایا اپنا غیظ وغضب روکو، سلطان نے کہا کون سا غیظ وغضب، مولانا نے کہا وحشیانہ، سلطان کو بڑا غصہ آیا، لیکن اس نے حکم دیا کہ کھانا لاؤ جب کھانا لایا گیا تو مولانا نے کراہت کے

ساتھ تھوڑا سا کھانا کھایا، جب کھانا ختم ہو چکا تو ان بزرگوں کو جو وہاں موجود تھے، ایک ایک جامہ صوف اور ایک ایک بدرہ سیم پیش کیا گیا، شیخ نصیر الدین محمود اور مولانا شمس الدین یحییٰ اور دوسرے بزرگ جیسا کہ مشہور ہے ان چیزوں کو ہاتھوں میں لے کر باہر نکلے لیکن مولانا فخر الدین کے جامہ و بدرہ سیم کو خواجہ قطب الدین دبیر نے خود لے لیا، وہ جانتے تھے کہ مولانا نہیں لیں گے، اور ان کی ہتک ہوگی، جب یہ تمام بزرگ واپس گئے تو سلطان محمد نے خواجہ قطب الدین دبیر سے کہا "اے فریبی بدبخت! تو نے یہ کیا حرکت کی، کہ فخر الدین زرادی کو میری تلوار سے خلاصی دلادی، خواجہ قطب الدین نے کہا، وہ میرے استاد ہیں، اور میرے مرشد کے خلیفہ ہیں، مجھ پر لازم تھا کہ میں ان کا ادب کرتا، سلطان نے کہا، ایسے کفر آمیز عقیدوں کو چھوڑ دو، ورنہ تجھ کو مار ڈالوں گا، خواجہ قطب الدین نے کہا زہے نصیب کہ میں اپنے مخدوم کی خاطر مارا جاؤں۔" (ص ۸۶-۸۵)

اسی اخبار الاخیار میں محمد تغلق اور حضرت خواجہ نصیر الدین کے ناخوشگوار تعلقات کا جو ذکر ہے، وہ سیر العارفین کے بیانات سے مختلف ہے، ملاحظہ ہو:۔

"بیان کیا جاتا ہے کہ سلطان محمد تغلق حضرت شیخ نصیر الدین محمود کو ان کے کمالات کے باوجود ایذائیں دیتا، اور اپنے ساتھ سفر میں لے جاتا، کہتے ہیں کہ سلطان نے ان کا اپنا جامہ دار مقرر کیا تھا، وہ ان تمام باتوں کو اپنے پیر کی وصیت کے مطابق برداشت کرتے، اور دم نہ مارتے تھے، ایک دفعہ سلطان محمد تغلق نے حضرت شیخ نصیر الدین محمودؒ کے لئے سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا بھیجا، مقصد صرف تکلیف پہنچانا تھا، کہ اگر وہ کھانا نہ کھائیں گے تو ان سے پوچھا جائے گا کہ کیوں نہیں کھایا، اور اگر کھالیا تو سوال کیا جائیگا، کہ سونے چاندی کے برتنوں میں کھا کر خلاف شرع کام کیوں کیا، جب کھانا شیخ کے سامنے پیش کیا گیا تو کچھ نہ بولے، لیکن سونے کے پیالے سے کچھ یخنی نکال کر اپنی ہتھیلی پر رکھی، اور پھر اس کو چکھا، دشمن ناکام واپس ہوئے۔" (ص ۷۵)

تاریخ فرشتہ میں بعض عجیب و غریب باتیں ہیں، جو اور تذکروں میں نہیں ملیں، چنانچہ وہ لکھتا ہے:۔

"بادشاہ محمد تغلق شاہ اپنے قتل وخون کی وجہ سے خونی کہلاتا تھا، اس کو درویشوں سے بھی سوٗ ظن تھا، چنانچہ اس نے حکم دیا کہ تمام درویش خدمت گاروں کی طرح اس کی خدمت کریں، ایک اس کو پان کھلائیں، ایک اس کی دستار باندھیں، اسی طرح بہت سے مشائخ کو مختلف کاموں کے لئے مقرر کیا، شیخ نصیر الدین اودھیؒ المشہور بہ چراغ دہلی کو کپڑا

پہنانے پر مامور کیا، لیکن انھوں نے اس خدمت کو انجام دینے سے انکار کیا، سلطان کو غصہ آیا، اور ان کو قید کر دیا، شیخ کو اپنے پیر شیخ نظام الدین اولیاءؒ کی بات یاد آئی، اور وہ مجبوراً سلطان کی خدمت کرنے پر راضی ہو گئے، قید سے ان کو نجات ملی، اسی مدت میں سلطان کو طرح طرح کے جھگڑے پیش آئے اور اس کی موت جلد ہو گئی، جس سے خدا کے بندوں کو نجات ہوئی۔'' (تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۳۹۹)

حضرت چراغ دہلیؒ کے پیر بھائی خواجہ سیّد مبارک امیر خورد اپنی تصنیف سیر الاولیاء میں حضرت چراغ دہلیؒ اور سلطان کے تعلقات کا ذکر ان مختصر طریقہ پر کرتے ہیں :۔

'' سلطان محمد تغلق نے جس نے مملکت ہندوستان کے طول وعرض کو اپنے قبضہ میں لیا تھا، شیخ نصیر الدین محمود رحمہ اللہ کو جن کو تمام عالم بالاتفاق شیخ عصر تسلیم کرتا تھا، اور جن کے بہت سے لوگ مرید تھے، ایذائیں پہنچائیں، لیکن شیخ نصیر الدین محمود نے اپنے پیروؤں کے اتباع میں تمام باتوں کو برداشت کیا، اور بدلہ لینے کی کوشش نہیں کی، بادشاہ اپنی عمر کے آخری زمانہ میں ٹھٹھ کی مہم پر گیا، جو شہر دہلی سے ہزار کروہ پر واقع تھا، وہاں پہنچ کر شیخ نصیر الدین محمودؒ کو علماء اور بزرگان دین کے ساتھ طلب کیا، اور بجا طور پر ان کا احترام نہیں کیا، ان لوگوں نے تحمل سے کام لیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کو تخت سلطنت سے اتار کر تختہ تابوت پر شہر لائے، شیخ نصیر الدین محمود رحمتہ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ آپ کو اس بادشاہ نے ایذا کیوں پہنچائی، تو انھوں نے فرمایا کہ یہ معاملہ میرے اور حق جل علی کے درمیان تھا، اس کو اسی طرح میں نے برداشت کیا، (ص ۲۴۶۔۲۴۵)

تعجب ہے کہ سلطان محمد تغلق نے حضرت شیخ نصیر الدین محمودؒ کو ایذائیں دیں کیونکہ اس کو خود سلسلہء چشتیہ میں حضرت شیخ علاءالدینؒ نبیرہ حضرت شیخ فرید الدینؒ سے ارادت تھی، اس کے علاوہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کا بھی معتقد تھا، ایک روایت کے مطابق ان کے جنازہ کو کاندھا بھی دیا، ان کے روضہء مبارک کی عمارت اسی نے بنوائی، (سیر الاولیاء ص ۱۵۴) ایسی حالت میں ان کے جانشین کو ایذا دینا، موجب حیرت ہے، اس کو اولیاء اللہ سے عقیدت بھی تھی، چنانچہ حضرت شرف الدین یحییٰ منیریؒ کے لئے زبردست خانقاہ بنوائی، اور ان کو جاگیر دی، اسی طرح حضرت شیخ رکن الدینؒ کی وفات کے بعد ان کے مزار کے پاس ایک خانقاہ تعمیر کی، اور اس کے لئے کچھ گاؤں وقف کئے[1]۔

اوپر کے اقتباسات سے بھی ظاہر ہو گا کہ دربار میں بزرگانِ دین آتے تو ان کو خلعت اور نذرانے بھی دیتا، حضرت برہان الدین غریبؒ سے اس کی خوش عقیدگی کا ذکر گذر چکا ہے، اسی طرح اس نے

---

[1] الدر المنظوم ملفوظات حضرت جہانیاں جہاں گشت اردو ترجمہ ص ۵۲۵۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے ایک دوسرے خلیفہ شیخ قطب الدین منورؒ سے بھی اپنی عقیدت کا اظہار کیا، ان کے پاس چند گاؤں کا فرمان قاضی کمال الدین صدر جہاں کے معرفت بھیجا، لیکن انھوں نے اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور فرمایا، میرے خواجگان ایسی چیزوں کو قبول نہیں کرتے تھے، ان گاؤں کے جو طالب ہوں، ان ہی کو دو، سلطان محمد تغلق ایک موقع پر ہانسی گیا، یہاں حضرت قطب الدین کی خانقاہ تھی، لیکن سلطان ان سے نہ مل سکا تو ان کو دہلی آنے کی دعوت دی، چنانچہ وہ بادل ناخواستہ دہلی تشریف لے گئے، اور جب دربار میں پہنچے، تو اخبار الاخیار کے مصنف کا بیان ہے:۔

''چوں سلطان شیخ را دید طاقت نیاورد بہ تعظیم تمام پیش آمد و مصافحہ کرد۔''

سلطان پر شیخ کا ایسا رعب طاری ہوا کہ وہ ان کا بیحد معتقد ہو گیا، اور عرض کی کہ میں جب آپ کے شہر میں حاضر ہوا تو آپ نے کچھ تربیت نہیں فرمائی، اور نہ ملاقات کا شرف بخشا، شیخ نے فرمایا، پہلے ہانسی کو دیکھو، پھر درویش بچہ، ہانسی کو، یہ درویش اپنے کو اس لائق نہیں سمجھتا ہے کہ بادشاہوں سے ملاقات کرے، ایک گوشہ میں بیٹھا بادشاہوں اور تمام مسلمانوں کے لئے دعائیں کرتا رہتا ہے، اس کو معذور رکھنا چاہئے، سلطان اس بات سے متاثر ہوا، اور شہزادہ فیروز سے جو اس وقت موجود تھا، کہا:۔

''آنچناں کہ مقصود شیخ است ہمچناں کیند۔''

شیخ نے فرمایا مقصود فقر اور باپ دادا کا گوشہ ہے، جب شیخ سلطان کے یہاں سے واپس تشریف لے گئے تو اس نے شہزادہ فیروز اور مولانا ضیاء الدین برنی کو ایک لاکھ تنکہ دیکر ان کے پاس بھیجا، شیخ نے اتنی بڑی رقم دیکھ کر فرمایا، یہ درویش ایک لاکھ تنکے لے کر کیا کریگا، شہزادہ فیروز اور مولانا ضیاء الدین برنی سلطان کے پاس واپس گئے، سلطان نے پچاس ہزار تنکے دیکر پھر دونوں کو بھیجا، شیخ نے ان کو بھی قبول نہیں کیا، بالآخر دو ہزار تنکے بھیجے گئے، لیکن ان کو بھی قبول نہیں کیا، اور فرمایا، درویش کے لئے دو سیر کھچڑی اور ایک سیر روغن کافی ہے، لیکن جب شہزادہ فیروز اور مولانا ضیاء الدین برنی نے بہت اصرار کیا، تو دو ہزار کی رقم لے لی، کچھ تو مرشد کے مزار کے لئے محفوظ رکھی، اور بقیہ فقراء میں تقسیم کر دی۔

مذکورۂ بالا واقعات کا ذکر کرتے ہوئے تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ سلطان نے یہ تمام باتیں حضرت شیخ قطب الدین منورؒ کو ایذا دینے کے لئے کیں[1]، جو بظاہر قرین قیاس نہیں ہے، عام طور پر تذکرہ نگار جب بوریا نشینوں اور تخت نشینوں کا تعلقات کا ذکر کرتے ہیں، تو کچھ نہ کچھ ایسی باتیں ضرور قلمبند کر دیتے ہیں، جن سے ان کے خیال میں درویشی کی شان عظمت و جلالت بڑھ جاتی ہے، اس لئے کیا عجب ہے کہ حضرت خواجہ نصیر الدین محمود اور سلطان محمد تغلق کے تعلقات کے دکھانے میں بھی یہی صورت اختیار کی ہو، اس قسم کے واقعات مغلیہ دور کی تصانیف میں زیادہ پائے جاتے ہیں، جن کے مصنفین کو تیموریوں سے

---

[1] اخبار الاخیار ص ۸۰۔۸۱

پہلے کے سلاطین کو کسی نہ کسی حیثیت سے مجروح کرنے میں لطف حاصل ہوتا تھا۔
شمس سراج عفیف کی تاریخ فیروز شاہی سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ سلطان محمد تغلق نے حضرت نصیر الدین کو ایذا دینے کے لئے ٹھٹھ نہیں بلایا تھا، بلکہ وہاں اپنے ساتھ لے گیا تھا۔

''چوں سلطان محمد دبنال طغی در ٹھٹھ رفت خدمت شیخ نصیر الدین را برابر خود برد[1]''

آگے چل کر مقدمہ، دوازدہم میں ہے،

''خدمت شیخ نصیر الدین محمود علیہ الرحمہ والغفر ان را سلطان محمد در ٹھٹھ برابر خود بردہ بود و اندراں ایام کہ سلطان محمد در زمین ٹھٹھ بحضرت الہ پیوست و حضرت فیروز شاہ بعون اللہ بر بادشاہی نشست خدمت شیخ نصیر الدین محمود برابر سلطان فیروز گشت[2]۔''

حضرت چراغ دہلیؒ اور سلطان فیروز شاہ

مولانا ضیاء الدین برنای کی تاریخ فیروز شاہی (ص ۵۳۵) سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ حضرت شیخ نصیر الدین محمودؒ ان علماء و مشائخ و اکابر کے ساتھ شریک تھے، جنھوں نے ٹھٹھ میں بالاتفاق فیروز شاہ کو سلطان محمد کا جانشین بنایا، لیکن شمس سراج عفیف کی تاریخ فیروز شاہی کے بیانات نسبتاً زیادہ واضح ہیں، فیروز شاہ کی تخت نشینی کے سلسلہ میں ہے:۔

''جب سلطان محمد تغلق طغی کی بغاوت کو فرو کرنے کے لئے ٹھٹھ گیا تو وہ حضرت شیخ نصیر الدین کو اپنے ساتھ لے گیا، سلطان محمد نے ٹھٹھ میں وفات پائی، اور سلطان فیروز شاہ بادشاہ ہوا، حضرت شیخ نصیر الدین نے سلطان فیروز شاہ کو پیغام دیا کہ آپ وعدہ کریں کہ خلق کے ساتھ عدل و انصاف کریں گے، ورنہ ان بیکس بندوں کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ سے دوسرا فرمان روا طلب کیا جائے، سلطان فیروز نے جواب کہلا بھیجا کہ خداوند تعالیٰ کے بندوں سے حلم و بردباری کے ساتھ پیش آؤں گا، اور ان پر انصاف و محبت سے حکومت کروں گا، حضرت شیخ نے یہ جواب سنا تو کہلا بھیجا آپ خلق کے ساتھ خلق و مروت سے پیش آئیں گے تو ہم بھی اللہ تبارک و تعالیٰ سے آپ کے لئے چالیس سال کی حکومت کے لئے دعا کریں گے اور آخر کار وہی ہوا، جو حضرت نے فرمایا تھا، سلطان فیروز کے چالیس سال تک حکومت کی، ایک روایت یہ بھی ہے کہ شیخ نصیر الدین محمودؒ نے سلطان فیروز شاہ کو انتالیس خرمے بھیجے، جو بشارت پر بشارت خیال کی گئی۔ (ص ۲۹)

حضرت چراغ دہلیؒ اور خانجہاں

سلطان فیروز شاہ کا لائق وزیر خانجہاں حضرت چراغ دہلی کا مرید تھا، یہ نسباً تلنگی ہندو تھا، سلطان محمد تغلق کے پاس حاضر

[1] تاریخ فیروز شاہی ص ۲۹، [2] ایضاً ص ۸۲،

ہو کر ایمان لایا، اور اپنی غیر معمولی استعداد اور صلاحیت کی بناء پر ترقی کر کے محمد تغلق ہی کے زمانہ میں وزارت کے عہدہ پر مامور ہوا، فیروز شاہ کے عہد میں بھی وزارت کی باگ اسی کے ہاتھ میں رہی، جب وہ حضرت چراغ دہلیؒ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوا تو مرشد سے اپنے لئے عبادت و ریاضت کی تفصیل پوچھی، حضرت چراغ دہلیؒ نے فرمایا تم وزیر مملکت ہو، تمہاری عبادت یہی ہے کہ حاجت مندوں کی حاجت برآری میں انتہائی کوشش کرو، خانجہاں نے اوراد و وظائف کے لئے اصرار کیا، تو فرمایا اگر تم ہمیشہ باوضور ہو تو تمہارے لئے یہی بہتر ہے، خانجہاں مرشد کی ہدایت کے مطابق ہمیشہ باوضو رہنے لگا، شمس سراج عفیف مصنف تاریخ فیروز شاہی کا بیان ہے کہ اس امر میں خانجہاں اتنی احتیاط کرتا تھا کہ اگر دربار میں مسند وزارت پر اس کو وضو کی حاجت ہو جاتی تو فوراً اٹھ کر وضو کر لیتا، اور رات کو جب اپنے بستر حریر پر سونے کے لئے جاتا تو پلنگ کے پاس آفتابہ اور ایک طشت رکھوا لیتا، اور جب آنکھ کھلتی فوراً پلنگ سے اتر کر وضو کر لیتا، وفات کے بعد حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے قریب دفن ہوا، تمام خلقتِ خدا نے اس کے لئے ماتم کیا، اور جیسا کہ شمس سراج عفیف کا بیان ہے کہ ہر شخص تعزیت میں مسجدوں اور مقبروں میں جا بیٹھا، یہ کہنا غالباً صحیح ہوگا کہ خانجہاں کی خدا ترسی اور عدل پروری کی جلا حضرت چراغ دہلیؒ ہی کی صحبت میں ہوئی، اس کے اوصاف کا ذکر کرتے ہوئے شمس سراج عفیف رقمطراز ہے،

> ''خانجہاں وزیر صاحب تدبیر اور خدا ترس تھا، ہر وقت رعایا کی بہتری و فلاح کی کوشش میں لگا رہتا، کسی شخص پر ذرہ برابر بھی ظلم روا نہ رکھتا، اگر کوئی ظلم کرتا، اور مال لیکر آتا، تو خانجہاں مال کے اس اضافہ کو پسند نہ کرتا، ہر وقت رعیت کی راحت رسانی میں سرگرم رہتا، کام کرنے والے گروہ کی حمایت کرتا، اور دل و جان سے اس کے قصور کی پردہ پوشی کرتا، اور اگر کسی عامل سے کوئی جرم سرزد ہو جاتا تو نہایت عمدہ طریقہ پر اس کا حال بادشاہ سے عرض کر کے اس کو شاہی باز پرس سے بری کرا دیتا، خانجہاں کی وفات پر تمام خلقت خدا نے ماتم کیا، حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام آثار اس کی مغفرت کی دلیل ہیں[1]۔

حضرت چراغ دہلیؒ اور حضرت قطب الدین منورؒ کی ملاقات

جب حضرت چراغ دہلیؒ سلطان فیروز کے ساتھ ٹھٹھہ سے واپس ہو رہے تھے، تو انھوں نے حضرت قطب الدین منورؒ کی ملاقات کے لئے ہانسی کا رخ کیا، حضرت قطب الدین منور کو جب معلوم ہوا کہ حضرت چراغ ان کی خانقاہ کے قریب پہنچ گئے ہیں، تو برہنہ پا دوڑے، اور دونوں ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئے، حضرت منورؒ نے حضرت چراغ کے قدموں کی جانب ہاتھ بڑھایا، اور حضرت چراغ نے شیخ منورؒ کے قدم لینے کا ارادہ کیا، اس تواضع کے بعد دونوں

[1] تاریخ فیروز شاہی از شمس سراج عفیف ص ۴۲۳-۴۲۲۔

بڑی محبت و یگانگت کے ساتھ ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے ہوئے خانقاہ تشریف لائے، اور اپنے پیرو مرشد کو یاد کر کے بہت روئے، اس کے بعد محفلِ سماع منعقد ہوئی، جس نے دونوں بزرگوں پر سکر کا عالم طاری ہوا، سماع کے بعد عصر کی نماز کا وقت آیا، تو حضرت شیخ منورؒ نے حضرت چراغ دہلیؒ کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ آپ امامت کریں، حضرت چراغؒ نے حضرت منورؒ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا، امامت آپ کے لئے زیبا ہے، یہ بھی فرمایا کہ اگرچہ پیرو مرشد نے ہم دونوں بھائیوں کو ایک ہی روز خرقہ ءخلافت عطا کیا تھا، لیکن آپ کو چاشت کے وقت خلافت ملی اور مجھ کو ظہر کی نماز کے وقت اس سے مشرف فرمایا، اس لئے امامت کے لئے بھی آپ ہی کا حق مقدم ہے، مرشد کے ذکر پر حضرت شیخ منور امامت کے لئے آگے بڑھے، شمس سراج عفیف کا بیان ہے کہ جب دونوں عارفانِ حق نماز ادا کر رہے تھے، تو معلوم ہوتا تھا کہ فرش زمین پر قرآن السعدین ہے[1]۔

دونوں بزرگانِ دیں میں شروع سے آخر تک غیر معمولی محبت رہی، حضرت شیخ منورؒ کے یہاں جب حضرت چراغ دہلیؒ کا کوئی مرید آتا، تو فرماتے، آؤ میرے قریب بیٹھو، تم میرے برادرزادہ ہو، پھر اس پر بیحد کرم فرماتے، اسی طرح اگر کوئی شخص ہانسی سے حضرت چراغ دہلیؒ کی قدمبوسی کے لئے آتا تو آپ اس کو اپنی آغوش شفقت میں لیتے، اور اپنی خانقاہ میں اعزاز و اکرام کے ساتھ مہمان رکھتے[2]۔

ذوق سماع خواجگانِ چشت کی طرح چراغ بھی سماع کا ذوق رکھتے تھے، ایک مرتبہ خانقاہ کی ایک مجلس میں حسب ذیل شعر پر وجد آیا،

جفا بر عاشقان گفتی نخواہم کرد ہم کردی
قلم بر بے دلاں گفتی نہ خواہم راند ہم راندی

مولانا مغیث شاعر نے ایک رسالہ میں اس محفل کا پورا حال بیان کر کے یہ اعتراض کیا کہ اس شعر میں کوئی بات نہیں ہے، اگر جور و جفا کی نسبت خداوند تعالیٰ کی جانب کی جائے تو یہ کفر ہے، اس قسم کی اور اعتراضات بھی تھے، مولانا مغیث نے یہ رسالہ مولانا معین الدین عمرانی کو دیا، انھوں نے حضرت چراغ دہلیؒ کی خدمت میں پیش کیا، حضرت نے اس کو پڑھا، لیکن کچھ ارشاد نہیں فرمایا، اور رسالہ واپس کر دیا، کچھ دنوں کے بعد ایک اور مجلس میں حضرت چراغ کو ان شعروں پر بڑی بے قراری ہوئی،

ما طبل مغانہ دوش بے باک زدیم   عالی علمش بر سر افلاک زدیم
از بہر یکے مغ بچہء می خوارہ   صد بار کلاہ توبہ بر خاک زدیم

اور اسی بے قراری کے عالم میں چھت پر تشریف لے گئے، اور مولانا مغیث کو بلایا، جب وہ سامنے آئے تو فرمایا:۔

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ص ۸۷۔۸۱، [2] ایضاً ص ۸۴،

"ہاں مولانا نبویسی ایں جا چہ جہل بود[1]۔"

جب کبھی سماع کی وجہ سے سکر کا عالم طاری ہوتا تو بھی نماز قضا نہ ہونے پاتی، ایک بار ظہر کے وقت وجد آیا، جو تہجد کی نماز تک قائم رہا، لیکن اس اثنا میں جب نماز کا وقت آتا تو ہر بار وضو کر کے نماز ادا فرماتے[2]۔

سماع کے ساتھ مزامیر پسند نہیں فرماتے تھے، ایک روز حضرت محبوب الٰہیؒ کے مریدوں نے مجلس سماع منعقد کی قوالوں نے دف کے ساتھ گانا شروع کیا، تو حضرت چراغ اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے، لوگوں نے بیٹھنے کی درخواست کی تو فرمایا، یہ خلافِ سنت ہے، حضرت محبوب الٰہیؒ کو یہ واقعہ سنایا گیا، تو آپ نے فرمایا وہ سچ کہتے ہیں، اور حق وہی ہے جو وہ کہتے ہیں[3]۔

ایک بار کسی نے مجلس سماع میں حضرت چراغ دہلیؒ سے مزامیر، دف، رباب اور رقص کے متعلق استفسار کیا، تو فرمایا، مزامیر بالاجماع مباح نہیں ہیں، اگر کوئی طریقت سے گرے، تو کم از کم شریعت میں رہے، اور اگر شریعت کا بھی نہ ہوگا، تو پھر کہاں کا رہے گا، اور نجات کی کیا صورت ہوگی اوّل تو سماع ہی میں علماء کا اختلاف ہے، اگرچہ کچھ شرائط کے ساتھ اس کو مباح کہا گیا ہے، لیکن مزامیر تو بالاتفاق حرام ہیں[4]۔

سماع کے متعلق فرمایا:۔

"داروے دردمنداں است۔"

اور سماع میں ذوق دردِ دل سے ہوتا ہے، نہ کہ مزامیر سے[5]۔

قاتلانہ حملہ ایک روز حضرت چراغ دہلیؒ نماز ظہر کے بعد جماعت خانہ سے آ کر اپنے حجرۂ خاص میں مراقبہ میں مشغول تھے کہ ایک قلندر مسمی تراب وہاں پہنچا، اور چھری سے پے در پے حملے کئے، خون حجرے کے باہر بہنے لگا، لیکن ان کے استغراق میں فرق نہیں آیا، خون دیکھ کر مریدین حجرے میں گئے، اور قلندر کو سزا دینی چاہی، لیکن حضرت چراغؒ نے روکا، اور اپنے مریدین خاص عبد المقتدر، شیخ صدر الدین طبیب اور شیخ زین الدین علی کو پاس بلا کر قسم دی، کہ کوئی شخص قلندر کو ایذا نہ پہنچائے، پھر قلندر سے معذرت کی کہ اگر چھریاں مارتے وقت تمہارے ہاتھ کو تکلیف پہنچی ہو تو معاف کرنا، اور بیس تنکہ زر دے کر اس کو رخصت کیا[6]، ان ہی اوصاف کی بناء پر کہا جاتا ہے کہ چشتیہ سلسلہ میں صبر، رضا، و تسلیم کا خاتمہ انؒ پر ہو گیا۔

وصال اس قاتلانہ حملہ کے بعد تین سال تک اور خلق اللہ کے رشد و ہدایت میں مشغول رہے، ۱۸ر

---

[1] جوامع الکلم ملفوظات حضرت گیسو دراز، واخبار الاخیار ص ۵۶، [2] مفتاح العاشقین ص ۲۵، [3] اخبار الاخیار ص ۷۶، [4] خیر المجالس مجلس ہشتم فارسی ص ۴۲، واخبار الاخیار ص ۷۶، [5] پوری بحث کے لئے دیکھو مفتاح العاشقین مجلس ہشتم، [6] سیر العارفین ص ۹۶،

رمضان المبارک شب جمعہ ۷۵۷ھ میں رحلت فرمائی۔

وفات سے پہلے مولانا زین الدین علی نے عرض کیا کہ آپ کے اکثر مرید اہل کمال ہیں، کسی کو سجادہ نشین مقرر فرمادیں تاکہ سلسلہ جاری رہے، فرمایا ان درویشوں کے نام لکھ کر لاؤ، جن کو تم اس لائق سمجھتے ہو، مولانا زین الدین نے تین قسم کے درویشوں کا انتخاب کیا، اعلیٰ، اوسط اور ادنیٰ، حضرت خواجہ نے ان کے نام دیکھ کر فرمایا، یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے دین کا غم کھائیں گے، لیکن دوسروں کا بار نہ اٹھا سکیں گے، اس کے بعد وصیت فرمائی، کہ دفن کرتے وقت حضرت شیخ نظام الدین قدس سرہٗ کا خرقہ مبارک میرے سینہ پر، ان کا عصا میرے پہلو میں، ان کی تسبیح میری شہادت کی انگلی میں، ان کا کاسہ، خشت کے بجائے میرے سر کے نیچے اور ان کی چوبیں نعلین میرے بغل میں رکھ دی جائیں، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، حضرت خواجہ سید محمد گیسو دراز نے غسل دیا اور جس پلنگ پر غسل دیا گیا اس کی ڈوریاں پلنگ سے جدا کر کے اپنی گردن میں ڈالیں کہ میرے لئے یہی خرقہ ہے، اور یہی کافی ہے[1] مزار اقدس دہلی میں ہے۔

لطافت طبع طبیعت میں بہت پاکیزگی اور مزاج میں بڑی لطافت تھی حضرت سید گیسو دراز اپنے ملفوظات جوامع الکلم (ص ۱۱۲) میں فرماتے ہیں کہ جس جگہ آپ بیٹھتے وہ بہت ہی پاک صاف اور روشن ہوتی، وہاں ایک تنکا بھی دکھائی نہیں دیتا، کسی وقت یہ نہیں معلوم ہوتا کہ جسم مبارک پر جو کپڑا ہے، وہ کل زیب تن فرمایا ہے، یا آج پہنا ہے، دامن اور آستینوں کی شکن سے کچھ اندازہ ہوتا کہ دو دن کا پہنا ہوا ہے، دائیں بائیں پھولوں کا انبار لگا رہتا تھا۔

تجرد مرشد کی سنت کی پیروی میں تمام عمر ازدواجی تعلق سے آزاد رہے۔

بزرگی خیر المجالس کے مرتب مولانا حمید قلندر رقمطراز ہیں کہ حضرت خواجہ نصیر الدین محمود علم میں ابوحنیفہ وقت اور زہد و ورع میں حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کی جگہ پر تھے[2]، مفتاح العاشقین کے مرتب مولانا محب اللہ حضرت خواجہ کو عمدۃ الابرار، قدوۃ الاخیار، ملک السالکین، برہان العاشقین، ختم المشائخ کے القاب سے یاد کیا ہے[3]۔

لطائف اشرفی میں ہے:۔ (ص ۳۶۲ ج ۱)

"حضرت قدوۃ الکبریٰ می فرمودند کہ ہر چند کہ خلفاء حضرت سلطان المشائخ ہمہ برمسند شیخوخیت وارشاد بر جادۂ شریعت وانقیاد بودند، اما حضرت شیخ نصیر الدین محمود را حق تعالیٰ ولایتے کرامت کردہ بود کہ بداں رتبہ ہیچ کس از خلفاء نتوانند رسید، وآں مقدار آثار ولایت وکرامت وانوار ہدایت وعظامت کہ از حضرت شیخ نصیر الدین ظہور پیوست، از ہیچ کس ظاہر نہ شد، بلکہ در ہمہ ہندوستان ہیچ صاحب ولایتے مقاومت ایشاں نتوانست۔"

---

[1] سیر العارفین ص ۹۷، [2] خیر المجالس مجلس دوم فارسی ص ۱۲، [3] مفتاح العاشقین، تمہید

سیر العارفین میں ہے کہ

''وہ مبارز نبرد جہاد اکبر، وہ شاہد شہود اطہر اظہر، وصنوبر ریاض ریاضت، وہ نیلوفر فیوض افادت، وہ مثال تنزیہ، تشبیہ، وہ عامل تنقیح وتوضیح وبرگزیدہ معبود تھے، وہ مشائخ کبار میں ممتاز ومستثنیٰ اور مجردانِ روزگار میں اولی الابصار[1] تھے۔

مولانا عبدالحق نے اخبار الاخیار میں حضرت خواجہ کو مستغرق بہ بحر شہود کے لقب سے یاد کیا ہے، اور لکھا ہے کہ وہ اپنے شیخ کا بہت اتباع کرتے تھے، ان کا طریقہ فقر، صبر، رضا اور تسلیم تھا[2]۔

سفینۃ الاولیاء (ص ۱۷۱) میں ہے کہ خواجہ سے اتنی کرامتیں صادر ہوئیں کہ سلطان المشائخ کے کسی مرید سے اتنی ظاہر نہ ہوئی ہوں گی، خزینۃ الاصفیاء میں ہے:۔

''صاحب الاسرار زبدۃ الابرار وعابد عظمیٰ، وزاہد کریم بود۔'' (ص ۳۵۲)

ملفوظات حضرت چراغ کے ملفوظات کے دو مجموعے مشہور ہوئے: (۱) خیر المجالس مرتبہ مولانا حمید قلندر شاعر (۲) مفتاح العاشقین مرتبہ مولانا محب اللہ، ان دونوں میں خیر المجالس زیادہ مقبول ہوئی، اس میں ۷۵۵ھ سے ۷۵۶ھ تک کی سو مجلسوں کے ملفوظات ہیں، تمام صوفیانہ رموز ونکات لذیذ حکایتوں کے پیرایہ میں واضح کئے گئے ہیں، اس لئے پوری کتاب شروع سے آخر تک دلچسپ ہے، گذشتہ صفحات میں اس کے تعلیمات کا ذکر جستہ جستہ آچکا ہے، جگہ کی قلت کی وجہ سے ہم اس کے اور مسائل کو تفصیل کے ساتھ قلمبند کرنے سے معذور ہیں، پھر بھی کچھ مباحث ہدیہ ناظرین ہیں۔

جذب وسلوک فرمایا سلوک میں ارادت ضروری شرط ہے، تاکہ مرشد طریقۂ ذکر وفکر کی تعلیم دے سکے، اور جہاں ایک سالک کو وقفہ عارض ہو، وہاں مرشد دست گیری کرے، ایک سالک متدارک بہ جذبہ، اور ایک مجذوب متدارک بہ سلوک ہوتا ہے، سالک متدارک بجذبہ وہ ہے، جو علم وعمل اور ارادت کی قوت سے پہلے سلوک، پھر بعد میں جذبہ حاصل کرتا ہے، وہ اپنے اعمال میں خون جگر پیتا ہے، رنج وتعب اٹھاتا ہے، اس کو نفس شیطان معصیت میں آلودہ کرنا چاہتے ہیں، لیکن وہ تائب ہوکر عابد وزاہد رہتا ہے، اور مجذوب متدارج بہ سلوک وہ ہے جو پہلے جذبہ اور آخر میں سلوک حاصل کرتا ہے، وہ جو کچھ کرتا ہے، جذبہ کی قوت سے کرتا ہے، شیطان اور نفس دونوں کو اس کے یہاں دخل نہیں، حضرت چراغؒ کی رائے ہے کہ سالک متدارک بجذبہ اور متدارک بہ سلوک دونوں کی متابعت کی جاسکتی ہے، لیکن مجذوب مطلق اور سالک نا متدارک بہ جذبہ اتباع کے لائق نہیں ہوتے، حضرت چراغ دہلیؒ کے نزدیک سالک متدارک بہ جذبہ مجذوب متدارک بہ سلوک سے افضل تر ہے، سالک کی ایک قسم واقف بھی ہوتی ہے، جو علم اور مجاہدہ کے زور سے سلوک حاصل کرلیتا ہے، لیکن کسی لغزش کی وجہ سے آگے

---

[1] سیر العارفین ص ۹۲، [2] اخبار الاخیار ص ۷۴،

نہیں بڑھنے پاتا، ایسی حالت میں مرشد مدد کرتا ہے، ورنہ اس کو شیطان طمانچے مارتا رہتا ہے[1]۔

حال وقال فرمایا ایک مبتدی تلاوتِ کلام پاک، نماز اور فکر میں وقت صرف کرتا ہے، اور جب وہ اپنے اوقات کو عبادت وریاضت سے معمور کر لیتا ہے، تو وہ صاحبِ وقت کہلاتا ہے، اس کے بعد ایک حال قائم ہوتا ہے، جس میں انوار نازل ہوتے ہیں، اس کا اثر دل پر پہنچتا ہے، اور دل سے اعضا میں سرایت کرتا ہے، لیکن اس حال میں دوام نہیں ہوتا، اگر اس کو دوام حاصل ہو جاتا ہے تو یہ مقام ہے، اور جب مقام کو دوام حاصل ہوتا ہے، تو مبتدی منتہی کے درجہ پر پہنچ جاتا ہے، وہ صاحبِ انفاس کہلاتا ہے[2]، اس کی ہر سانس پاکیزہ ہوتی ہے، اور وہ غیر حق کے تمام خیالات دل سے محو کر دیتا ہے۔

صحت نفس حضرت چراغؒ نے نفس کی تربیت پر بڑا زور دیا، فرمایا محافظت نفس کے لئے مخالفت نفس ضروری ہے، چنانچہ ایک موقع پر اپنی ساری تعلیم کا لب لباب اس شعر میں پیش کیا۔

صحتِ نفس و قوت یک روزہ
بہتر از تاج و تخت فیروزہ[3]

مفتاح العاشقین مرتبہ مولانا محب اللہ اٹھائیس صفحے کا ایک مختصر رسالہ ہے، جو مطبع مجتبائی دہلی میں چھپ گیا ہے، اس کے مطبوعہ نسخہ کے آخر میں ہے۔

''تمام شد ملفوظ حضرت سلطان المشائخ شیخ نصیر الحق الشرع والدین قدس اللہ سرہٗ العزیز تاریخ سیزدہم ماہ صفر ۸۸۰ ہجری نبوی روز پنجشنبہ وقت نماز ظہر،

۸۸۰ھ کتابت وطباعت کی غلطی معلوم ہوتی ہے، کیونکہ حضرت چراغ، وصال ۷۵۷ھ میں ہوا۔

مفتاح العاشقین میں صرف دس مجلسوں کے ملفوظات ہیں، ان میں سے بھی کچھ باتیں پیش کی جاتی ہیں۔

غسل کی قسمیں فرمایا ایک مرید کے لئے تین قسموں کا غسل ضروری ہے، (۱) غسل شریعت یعنی جسم سے ناپاکی کو دور کرنا (۲) غسلِ طریقت یعنی تجرد اختیار کرنا (۳) غسلِ حقیقت یعنی باطن کا توبہ کرنا، (ص ۴)

چار عالم فرمایا ایک مرید کو راہ سلوک میں حسب ذیل چار عالم سے واقف ہونا ضروری ہے، اور اگر وہ واقف نہیں ہے تو وہ دروغ گو ہے۔

(۱) ناسوت (۲) ملکوت (۳) جبروت (۴) لاہوت،

عالمِ ناسوت حیوانات اور نفس کی دنیا ہے، اس میں حواسِ خمسہ سے افعال صادر ہوتے ہیں، سالک اپنی ریاضت اور مجاہدہ سے اس عالم سے گذر کر عالمِ ملکوت میں پہنچتا ہے، جہاں اس کے افعال

---

[1] خیر المجالس مجلس دہم فارسی ص ۴۸، [2] ایضاً مجلس دہم، [3] ایضاً مجلس سی ونہم فارسی ص ۱۳۲،

صرف تسبیح، تہلیل، قیام، رکوع اور سجود تک محدود ہوتے ہیں، اس عالم کو طے کر کے وہ عالم جبروت میں آتا ہے، جہاں صرف شوق، ذوق، محبت، اشتیاق، طلب وجد، سکر، سہو، مجد اور محو کے سوا کچھ اور نہیں ہوتا، اس کے بعد وہ عالمِ لاہوت میں داخل ہوتا ہے، جو بالکل لامکان ہے، یہاں نہ گفتگو ہے اور نہ جستجو، عالم ناسوت نفس کی صفت عالم ملکوت دل کی صفت، عالمِ جبروت روح کی صفت اور عالم لاہوت ''نظر رحمان کی صفت ہے۔

تجلیہ روح ایک دوسری جگہ فرمایا، کہ سالک جب تک تزکیہ، تصفیہ اور تجلیہ حاصل نہیں کرتا، اس میں درویشی کا جوہر پیدا نہیں ہوتا، ان ہی کے ذریعہ سے شریعت، طریقت اور حقیقت کے مراتب حاصل ہوتے ہیں، حصولِ شریعت سے تزکیہء نفس ہوتا ہے، اور اس کے لئے کم کھانا، اور رات کو نوافل پڑھنا ضروری ہے، حصولِ طریقت سے تصفیہء دل ہوتا ہے، اس کے لئے نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، اور ذکر جلی کرنا لازمی ہے، حصولِ حقیقت سے تجلیہء روح ہوتا ہے۔

اس کے لئے روزے رکھنا، اور ذکر خفی کرنا ضروری ہے، تجلیہء روح سے مراد دل کے سات گوہر کا روشن ہونا ہے، وہ سات گوہر یہ ہیں:۔

(۱) گوہر ذکر (۲) گوہر عشق (۳) گوہر محبت (۴) گوہر سر (۵) گوہر روح (۶) گوہر معرفت (۷) گوہر فقر،

گوہر ذکر کی روشنی سے سالک موجودات کی کل خیروں میں منفرد ہو جاتا ہے، جس کے بعد گوہر عشق روشن ہو جاتا ہے، اس میں شوق واشتیاق، درد، اندوہ، حیرانی اور بیخودی رہتی ہے، اس کے بعد گوہر محبت میں روشنی پیدا ہوتی ہے، جس سے سالک کے دل میں خدا کے سوا کسی اور کی محبت نہیں رہتی ہے، اور وہ ہر حال میں راضی برضا ہوتا ہے، اسی اثنا میں وہ واردات اور مواہب الٰہی سے آگاہ و سرفراز کیا جاتا ہے، جس سے گوہر سر روشن ہوتا ہے، اس کے بعد روح کا گوہر چمکتا ہے، جب کہ سالک کا کوئی لمحہ خدا کی طاعت سے خالی نہیں رہتا، پھر گوہر معرفت اور آخر میں گوہر فقر روشن ہوتے ہیں، گوہر معرفت کے روشن ہونے پر سالک جو کچھ سنتا ہے، خدا سے سنتا ہے، جو کچھ کہتا ہے، خدا سے کہتا ہے، جب کبھی چلتا ہے تو خدا کے لئے چلتا ہے، اور جب فقر کا گوہر روشن ہوتا ہے، تو سالک دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے مستغنی ہو جاتا ہے۔

اور جب سالک ان مراتب کو پہنچتا ہے تو انوار تجلی سے متصف ہو کر اٹھارہ ہزار دنیاؤں کو اپنی دو انگلیوں کے درمیان پاتا ہے، اور وہاں خدا کی قدرت سے چون وچگوں کا تماشا دیکھتا ہے، اور قدرت خداوندی میں جو چیزیں ہیں، وہ اس کی ''روزی'' ہوتی ہیں، مگر سالک کو احتیاط رکھنا چاہئے، کہ اس سعادت سے محروم (بے نصیب) نہ ہو جائے، (ص ۱۲)

محبت کی قسمیں

ایک مجلس میں خالصۃً محبت پر ارشادات ہیں، فرمایا کہ محبت کی دو قسمیں ہیں، محبت ذات، محبت صفات، محبت ذات وہبی، اور محبت صفات کسبی ہے، ابتداء میں سالک کو خلق، دنیا، نفس اور شیطان جادۂ محبت سے گمراہ کرتے ہیں، مگر خلق سے پرہیز کے لئے عزلت نشینی، دنیا کو نظر انداز کرنے کے لئے قناعت پسندی، اور نفس شیطان سے بچنے کے لئے عبادت گذاری ضروری ہے۔

خاص محبت یہ ہے کہ دوست کے لئے دنیا کی ہر چیز ایثار کردے، اور محبت میں صادق وہی ہے، کہ اگر اس کو کاٹ کر ریزہ ریزہ کردیا جائے، یا آگ میں جلادیا جائے تو بھی وہ ثابت قدم رہے۔

خلفاء

حضرت چراغ دہلیؒ کے جلیل القدر خلفاء میں حضرت سیّد محمد بن جعفر المکی الحسینی بھی تھے، ان کے متعلق اخبار الاخیار میں ہے۔

''حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی نور اللہ مرقدہٗ کے جلیل القدر خلفاء میں سے ہیں، توحید و تفرید میں مقام عالی رکھتے تھے ان کا شمار منفرد اولیاء میں کیا گیا ہے، انھوں نے اپنے ظاہر و باطن کے جو احوال لکھے ہیں، ان کو پڑھ کر عقل حیران رہتی ہے، اگر بغیر کسی تاویل کے صرف ان کا ظاہر مراد ہے، تو اپنے زمانہ کے بڑے کامل تھے، ان کی تصنیف بحر المعانی ہے، جس میں حقائق توحید، علوم قوم اور اسرار معرفت بیان کئے گئے ہیں، طرز بیان مستانہ ہے، اسی کتاب میں دو اور کتابوں دقائق المعانی اور حقائق المعانی کے لکھنے کا وعدہ کیا گیا ہے خدا ہی جانتا ہے کہ دونوں کتابیں لکھی گئیں یا نہیں، ان کے علاوہ اور بھی تصانیف ہیں، ایک رسالہ روح کے بیان میں لکھا ہے، اس کا نام پنج نکات ہے، بحر الانساب نام کی بھی ایک تصنیف ہے، اس میں اہلِ بیت و رسالت کا نسب نامہ ہے، جس میں اپنے نسب کو بھی ملایا ہے، وہ صاحب دعویٰ کثیر ہیں، اور ان کے بیانات سے ان کے دعویٰ کی تصدیق ہوتی ہے، بڑی عمر پائی، محمد تغلق کے زمانہ سے سلطان بہلول لودی کے زمانہ تک زندہ تھے، اس حساب سے ان کا سن سو سال سے زیادہ ہوتا ہے، آبا و اجداد مکہ معظمہ کے اشراف میں سے تھے، وہاں سے دہلی آئے، پھر سرہند میں اقامت گزیں ہوئے، اور یہیں مدفن ہوئے، (ص ۱۲۸)

حضرت سیّد محمدؒ کے مزید حالات اور ان کی تصنیف بحر المعانی کے کچھ اقتباسات مذکورۂ بالا تذکرہ میں ملیں گے، (دیکھو اخبار الاخیار ص ۱۳۳_۱۲۸)

حضرت چراغ دہلیؒ کے بعض اور خلفاء کے اسمائے گرامی یہ ہیں:۔

حضرت میر سیّد محمد گیسو دراز (گلبرگہ شریف) خواجہ کمال الدین (احمد آباد) گجرات بھیجے گئے،

یہاں اطراف وجوانب کے لوگوں کو اسلامی تعلیمات کے ذریعہ اپنا معتقد بنایا، مزار دہلی ہی میں ہے، شیخ دانیال (سترکھ) شیخ صدالدین علم طب میں ان کی ایک تصنیف فصیح ومتین مشہور ہے، دہلی میں مدفون ہیں، خواجہ معین الدین خورد (مرگہا) شیخ سراج الدین (پاک پٹن) شیخ یوسف حسینی (علم دین میں ان کی ایک کتاب فیض انتساب تحفۃ النصائح مشہور ہے) حضرت شیخ عبدالمقتدر (مناقب الصدیقین میں اپنے مرشد کے فضائل تحریر کئے ہیں، مزار جون پور میں ہے حضرت شیخ سعد اللہ کیسہ دار، حضرت مولانا خواجگی (کالپی) شیخ احمد تھانیسری (کالپی) شیخ محمد متوکل کنتوری (بہرائچ) شیخ اقوام الدین (لکھنؤ)

حضرت شرف الدین احمد منیریؒ

ولادت ونسب حضرت مخدوم الملک شرف الدین احمد بن یحییٰ قدس سرہٗ العزیز کی ولادت با سعادت ۲۹؍شعبان المعظم ۶۶۱ھ میں بمقام منیر شریف (ضلع پٹنہ) ہوئی، پیدائش کی تاریخ شرف آگیں ہے، سلسلہ نسب یہ ہے، شرف الدین احمد بن شیخ یحییٰ بن اسرائیل ابن مولانا محمد تاج فقیہ بن ابی بکر بن ابی الفتح بن ابی القاسم بن ابی الصائم بن ابی دہرابن ابی لیث بن ابی سہمہ بن ابی الدین بن ابی سعید (یاابومسعود) بن ابی ذرین دبیرالمکنی بابی الصعب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف والدہ ماجدہ کانسب نامہ چودہویں پشت میں حضرت امام جعفرصادق سے ملتا ہے۔

خاندان حضرت شرف الدین احمد کا خاندان بیت المقدس سے آکر منیر ضلع پٹنہ میں آباد ہوا، یہ خاندان اپنے زہد وتقویٰ میں شروع ہی سے ممتاز تھا، منیر کے آس پاس کے علاقہ میں اسی خاندان کی بدولت اسلام کی اشاعت ہوئی، حضرت شرف الدین احمد کی والدہ ان کو بغیر وضو کے دودھ نہ پلاتی تھیں[1]۔

تعلیم بچپن میں گھر ہی پر تعلیم پائی، اس زمانہ میں مصادر، مفتاح اللغات اور دوسری کتابیں درس میں رہیں، مفتاح اللغات کو حفظ کیا تھا[2] سن شعور کو پہنچے تو والد بزرگوار نے ان کو مولانا شرف الدین ابوتوامہ کی معیت میں مزید تعلیم کے لئے سنارگانوں بھیجا، مولانا ابوتوامہ اپنے عہد کے بڑے ممتاز عالم تھے، بعض اسباب کی بناپر دہلی چھوڑ کر بنگالہ کی طرف رخ کیا، اثنائے سفر میں منیر میں بھی قیام کیا، اور یہیں حضرت شیخ یحییٰ ان کے علمی تبحر سے متاثر ہوئے۔

مولانا شرف الدین ابوتوامہ کے اوصاف کا ذکر خود حضرت مخدوم الملک خوان پرنعمت میں فرماتے ہیں:۔

"مولانا شرف الدین توامہ ہندوستان کے علماء میں اس قدر مشہور تھے کہ ان کے علم

---

[1] مناقب الاصفیا، (مرتبہ شاہ شعیب فردوسی) درمونس القلوب ملفوظات حضرت مخدوم احمد لنگر دریا میں حضرت مخدوم الملک شرف الدین احمد منیری کے حالات سے متعلق مفید معلومات حاصل ہوئے ہیں، پھر سیرۃ اشرف میں ان کے مفصل حالات ہیں، ان تینوں کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔ [2] معدن المعانی ص ۴۳ مطبوعہ شرف الاخبار، بہار، اسی سلسلہ میں یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ کاش ان کتابوں کے بجائے کلام پاک حفظ کرتا،

میں کسی کو شبہ نہ تھا، آپ ریشمی سر بند اور ازار بند استعمال کرتے تھے، آپ نے ایسی چیزیں لکھیں کہ دوسرے علماء کو بھی اس کی تقلید کرنی چاہئے، اگر سبق پڑھانے میں مشکل پیش آتی تو غور کرتے وقت سر بند کاندھے پر لٹکاتے، اور اس کو ہاتھ میں لیکر مشغول رہتے، یہاں تک کہ مشکل حل ہو جاتی، اس کے بعد سر بند کو چھوڑ کر مشکل کو بیان فرماتے۔'' (ص ۱۵، مطبوعہ مطبع احمدی)

حضرت شرف الدین نے اپنے شفیق استاد سے کلام پاک تفسیر، حدیث اور فقہ کے علاوہ علوم عقلی مثلاً منطق، فلسفہ اور ریاضی کی بھی تعلیم پائی، اس تعلیم کے زمانہ میں ریاضت ومجاہدہ میں بھی مشغول رہے، مناقب الاصفیاء مطبوعہ مطبع نور الآفاق کلکتہ میں ہے،

''در تحصیل علوم دین باقصیٰ الغایۃ کوشید، شب و روز در علم مشغول بود، و دراں مشغولی ریاضت ومجاہدہ داشت، روزہائے طی داشتے (ص ۱۳۱)

ریاضت ومجاہدہ کے ساتھ علم وتصوف کی بھی کتابیں پڑھیں، اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

''احکام مذہب ایں طائفہ (صوفیہ) در کتب وتصانیف ایشاں سالہا باز مطالعہ کردہ شدہ است[1]۔''

تعلیم ہی کے زمانہ میں استاد کی دختر نیک اختر سے عقد مناکحت کی رسم ادا ہوئی، جن سے حضرت شاہ ذکی الدین پیدا ہوئے، اور انہی سے نسل چلی۔

تلاش مرشد سنار گاؤں کے قیام کی مدت میں حضرت مخدوم الملک گھر کے خطوط نہیں کھولا کرتے تھے، تعلیم ختم کرنے کے بعد ایک دن ان کو کھولا، تو ان میں والد بزرگوار کے انتقال کی خبر پڑھی، اور والد کی یاد میں بے چین ہو کر وطن کی طرف مراجعت کی، گھر میں کچھ ہی دنوں قیام فرمایا تھا کہ طلب الٰہی کی آگ اتنی شعلہ زن ہوئی کہ گھر بار چھوڑ کر مرشد کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے، چھوٹے بھائی کی محبت میں بڑے بھائی شیخ جلیل الدین بھی ہمراہ ہو گئے، اس وقت دہلی اور نواحِ دہلی بزرگانِ دین کے مرکز ہو رہے تھے، دہلی پہنچ کر حضرت مخدوم الملک وہاں کے تمام زاہدوں، عابدوں اور سجادہ نشینوں سے ملے، حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی خدمت میں بھی پہنچے، لطائف اشرفی میں ہے:

''جب حضرت شیخ شرف الدین علوم شرعیہ کی تحصیل اور ریاضت اصلیہ وفرعیہ کی تکمیل کر چکے، تو حضرت سلطان المشائخ کے شرف ملازمت کے لئے دہلی تشریف لے گئے، اور ارادت وارشاد کے لئے استدعا کی، (حضرت سلطان المشائخ نے) عالم غیبی اور

---

[1] مکتوبات دوصدی مکتوب ۸۱،

قضاء لاریبی سے استفسار فرمایا، اور استغراق میں سر جھکایا، پھر فرمایا برادرم شرف الدین!
تمہاری ارادت اور تعلیم سلوک برادرم نجیب الدین[1] سے متعلق ہے، تم ان ہی کے پاس
جاؤ، وہ تمہارے منتظر ہیں۔
ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب حضرت مخدوم الملک سلطان الاولیاء کی خدمت میں گئے، وہاں
کے علمی مذاکرے میں حصہ لیا، تو ان سے متاثر ہو کر سلطان الاولیاء نے فرمایا،

''سمرِ غیست، نصیب دام مانیست''

اور بیعت نہیں لی، بلکہ پان کا ایک بیڑا دیکر اعزاز و اکرام سے رخصت کر دیا (مناقب الاصفیاء ص ۳۲)
جب سلطان المشائخ کی ہدایت کے مطابق حضرت مخدوم الملکؒ حضرت شیخ نجیب الدین کے
حضور میں پہنچے، تو ان پر بڑی دہشت طاری تھی، اور جسم پسینہ پسینہ ہو رہا تھا، لیکن حضرت شیخ نجیب الدینؒ
نے ان کو دیکھتے ہی فرمایا ''درویش! برسوں سے تمہارے انتظار میں بیٹھا ہوں، تا کہ تمہاری امانت
تمہارے سپرد کر دوں'' (اخبار الاخیار ص ۱۰۹) اور فوراً بیعت لی، کچھ نصیحتیں لکھ کر دیں اور رخصت کیا،
رخصت کرتے وقت فرمایا تم کو راستہ میں کوئی خبر ملے تو واپس نہ آنا، حضرت مخدوم الملک نے مرشد سے
فیوض و برکات حاصل کرنے کے لئے کچھ دنوں پاس رہنے کی خواہش ظاہر کی، لیکن اس کی اجازت نہیں
ملی، مرشد کی ساری تعلیمات ان نصائح میں پائی جاتی ہیں جو انھوں نے ارادت کے وقت لکھ کر دی تھیں۔

وصایے مرشد | وہ وصیتیں یہ ہیں:۔

''اے عزیز! یہ بات بڑے غور و فکر کے بعد ظاہر ہوتی ہے کہ ترک خودی میں
مشغولیت کے علاوہ دنیا کی کسی چیز میں مشغول رہنا غلطی ہے، انسانی حرکات و سکنات،
اقوال اور افعال ہی سے خود پیدا ہوتی ہے، کھانا، سونا، بولنا میل جول پیدا کرنا، سننا، دیکھنا
وغیرہ انسانی طبیعت کا اقتضا ہے، لیکن یہ تمام باتیں بقدر ضرورت ہونی چاہئیں، اگر
ضرورت سے زیادہ ہوں تو حق سے دوری ہو جاتی ہے، اس لئے دن رات اسی فکر میں رہنا
چاہئے کہ خودی میں سے کیا چیز باقی رہ گئی ہے، یہاں تک کہ اللہ کے فضل سے خودی سے
بالکل چھٹکارا ہو جائے، اگر بال برابر بھی خودی باقی رہ گئی ہے تو حجاب باقی ہے، جب تک
اس سے فراغت حاصل نہ ہو جائے، دوسرے کام میں مشغول ہونا صحیح نہیں، کیونکہ خودی
سے چھٹکارا پانے سے پہلے کسی کام میں مشغول ہونا شیطانیت ہے، اس لئے کسی حال میں
دوسرے کام کی طرف مشغول نہیں ہونا چاہئے، مجاہدہ و ریاضت نفس اس طرح ہونی

---

[1] لطائف اشرفی مطبوعہ نصرت المطابع دہلی ص (۳۷۷) میں نجیب الدین کے بجائے نجم الدین صفری مرقوم ہے، یہ کتاب کی غلطی
معلوم ہوتی ہے۔

چاہئے، کہ خودی بالکل جاتی رہے، اور انتہائی درجہ کا تقویٰ حاصل ہو، اور بشریت کی پوری صفائی ہو جائے، کسی وقت بے وضو رہنا مناسب نہیں، اگرچہ آدھی رات، جاڑے کا موسم اور ٹھنڈا پانی ہی کیوں نہ ہو، وضو کے بعد دو رکعت نماز کسی حال میں فوت نہ ہونی چاہئے، کھانا کھانے اور پانی پینے سے صرف تین چیزوں کی بقا ہوتی ہے، حیات، عقل اور قوت، کھانا اس وقت تک ترک کرتے رہنا چاہئے، جب تک حیات اور عقل میں خلل پیدا ہو جانے کا اندیشہ نہ ہو، خشک روٹی، خشک چاول یا خشک کھچڑی جو کچھ مل جائے، ضرورت کے مطابق کھالیا جائے، نان خورش (جیسے سالن وغیرہ) کی فکر نہ کرے، اسی طرح پانی پینا بھی ترک کردے، یہاں تک کہ جب اس کو معلوم ہو کہ زندگی یا عقل میں خلل پڑے گا، اس وقت تھوڑا سا پانی جو صرف اس قدر ہو جس سے حلق تر ہو سکے، پی لے تاکہ پیاس بجھ جائے، لیکن قوت کے کم ہونے کی وجہ سے ہرگز نہ کھائے نہ پئے اور قوت کے زائل ہونے کی طرف ہرگز توجہ نہ کرے، اور یہ بات تجربہ سے معلوم ہو سکے گی کہ کھانے کی وجہ سے کتنے دنوں میں زندگی اور عقل میں خلل پڑنے کا خوف پیدا ہوگا، اور جب یہ تجربہ سے معلوم ہو تو اس کا لحاظ رکھے، رات اور دن میں کسی وقت نہ سوئے، اور نماز، قرآن کی تلاوت اور کتاب کے مطالعہ سے نیند کو دور کرے، اس کام کا تمام تر دارومدار اس پر ہے کہ رات اور دن میں کسی وقت نہ لیٹے، بلکہ بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر رات دن گذارے، کسی شخص سے بات چیت نہ کرے، البتہ سائل کا جواب دے سکتا ہے، لیکن سائل اگر عالم ہو تو اس کا جواب نہ دے، بلکہ کبھی علمی جواب میں مشغول نہ ہو، کیونکہ اس میں بہت سی آفتیں ہیں، لیکن اگر جواب علمی نہ ہو تو اس کے متعلق مختصر گفتگو کرے، اور صرف ضروری بات کہے، اور وہ بھی اس وقت جب بجز بولنے کے کوئی چارہ نہ ہو، تو جو کچھ ہو سکے گفتگو کرے، لیکن خود کوئی بات نہ کہے، کسی کے ساتھ بالکل ملاقات اور میل جول نہ کرے، اور ایک خالی گوشے میں بیٹھا رہے، اور جو چیز موجود ہو اس کو باقی رہنے دے، اپنے کام کے لئے اپنے گوشے سے باہر نہ نکلے، اور کسی کو اپنے پہلو میں آنے کی اجازت نہ دے، ہمیشہ نظر نیچی زمین کی طرف رکھے، بے ضرورت دائیں بائیں نہ دیکھے، کسی کی بات نہ سنے، اور نہ اس کی کوشش کرے کہ دوسرا کیا کہتا ہے، دل کو عمداً اور قصداً کسی چیز میں نہ لگائے، کوئی بات کان میں پڑے اور سمجھ میں نہ آئے، تو اس کی فکر نہ کرے، ضرورت کے وقت سوکھی روٹی کھالے، اور پانی پی لے، کوئی چیز اس لئے نہ کھائے کہ وہ موجود ہے، کیونکہ اس طرح محض خودی کا پابند ہونا ہے، دوپہر کے وقت روزانہ قضائے حاجت کے لئے جائے، اور

اگر قلتِ طعام کی وجہ سے اس کی حاجت نہ ہو تو بہتر ہے، لیکن اس سے زیادہ نہ جائے، اور وقت ضائع نہ کرے، اگر چہ اس کی ضرورت محسوس ہو، اور وضو مشکوک ہو، یہاں تک کہ اس کی عادت ہو جائے، اور تمام وقت ایک کمبل کے سوا اور کچھ نہ اوڑھے، لیکن جاڑے کے دن لبا چہ کمینہ (شاید آستین والا لیادہ مراد ہو) خرقہ کے اوپر پہنے، اور اس پر دن رات میں کسی چیز کا اضافہ نہ کرے، کسی کے آنے جانے، بولنے اور کام کرنے پر ناخوش نہ ہو، اور نہ کوئی اعتراض کرے، یہ معلوم نہ ہونے دے کہ اس کو ظاہراً و باطناً کسی چیز سے انکار ہے، خواجہ سر پر آگ ہی کیوں نہ برسے، لیکن چون و چرا نہ کرے، اور نہ اپنے میں کمیت و کیفیت ظاہر ہونے دے، یہاں تک کہ اس کو مقام وحدت اور حال و ذوق حاصل ہو جائے، سماع کے وقت جہاں تک ممکن ہو، آبدیدہ نہ ہو، اور جسم کو حرکت نہ دے، یہاں تک کہ مغلوب ہو جائے، اور اپنی حفاظت آپ نہ کر سکے، لیکن سماع میں احوال کے ظاہر ہونے سے بڑی آفتیں ہیں، ان کا چھپانا بہت اہم باتوں میں سے ہے، قلب اور دل پر جتنی بھی آگ برسے اس کی خبر نہ ہو، اور یہی وہ مقام عظیم ہے جو بڑی مشقت، بڑے مجاہدے اور بے انتہا ریاضت کے بعد حاصل ہوتا ہے، تم اپنی طرف سے کوشش کرو، خدا عطا کرے گا، برسوں کے بعد مشقت اٹھانے والے کو راستہ ملتا ہے، اور اگر یہ سعادت حاصل نہیں ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا اجر دیتا ہے۔

کار نازک تنانِ رعنا نیست
سنگ زیرینِ آسیا بودن[1]

شجرۂ شیوخ حضرت نجیب الدین فردوسی سے حضرت مخدوم الملک سے بیعت ہونے کے بعد شجرۂ بیعت یہ قرار پاتا ہے:۔

شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری، خواجہ نجیب الدین فردوسی، خواجہ رکن الدین فردوسی، خواجہ بدر الدین سمرقندی، خواجہ سیف الدین باخرزی، خواجہ نجم الدین کبریٰ، خواجہ ضیاء الدین ابو نجیب، خواجہ وجیہہ الدین ابو حفص، خواجہ محمد بن عبد اللہ المعروف بعمویہ، اخواجہ احمد سیاہ دینوری، خواجہ ممشاد علو دینوری، خواجہ ابو القاسم جنید بغدادی، خواجہ سری سقطی، خواجہ معروف کرخی، سیّدنا امام علی رضاؑ، سیّدنا امام موسیٰ کاظمؑ، سیّدنا امام جعفر صادقؑ، سیّدنا امام محمدؑ باقر، سیّدنا امام زین العابدینؑ، سیّدنا امام حسینؑ، سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ (یہ شجرہ بیعت شاہ حکیم قیم الدین فردوسی نے بہار شریف سے معدن المعانی جلد اوّل، باب بست و دوم کے حوالہ سے لکھ بھیجا ہے)

---

[1] یہ وصیت نامہ حضرت خواجہ نجیب الدین فردوسی، مطبوعہ مطبع مفید عام، آگرہ ۱۳۲۱ھ

خواجہ نجم الدین کبری سے خواجہ ضیاء الدین ابونجیب نے خلافت دیتے وقت فرمایا کہ تم مشائخ فردوس ہو، (شما مشائخ فردوس اید) اسی وقت سے اس سلسلہ کا نام فردوسیہ ہوگیا۔

صحرا نوردی بیعت کے بعد کی کیفیت حضرت مخدوم الملک خود تحریر فرماتے ہیں۔

"من چوں بخواجہ نجیب الدین فردوسی پیوستم حزنے در دل من نہادہ شد کہ ہر روز آں حزن زیادہ می شد۔"

بیعت کے بعد دہلی سے رخصت ہوئے تھے کہ راستہ ہی میں مرشد کے وصال کی خبر ملی لیکن مرشد کی ہدایت تھی کہ وہ کسی حال میں نہ لوٹیں، اس لئے واپس نہ ہوئے، جب بہیا (ضلع آرہ) کے جنگل میں پہنچے تو مور کی چنگھاڑ سے دل میں ہوک اٹھی، جذب کی کیفیت طاری ہوگئی، اور گریبان چاک کر کے جنگل ہی میں غائب ہوگئے، بڑے بھائی شیخ جلیل الدین ساتھ تھے، ہر طرف ان کو تلاش کیا، لیکن ان کا کہیں پتہ نہ چلا۔

مناقب الاصفیاء کے مؤلف رقمطراز ہیں کہ حضرت مخدوم بہیا کے جنگل میں بارہ سال رہے، اس کی بعد راجگیر (ضلع پٹنہ) کے جنگلوں میں بھی ایک بڑی مدت گذاری، عام راویات ہے کہ ۳۰ سال تک جنگلوں میں عبادت کی، ایک بار ایک درخت کی شاخ پکڑے ہوئے عالم حیرت میں کھڑے ہوئے دکھائی دیئے، چیونٹیاں حلق میں آتی اور جاتی تھیں، لیکن ان کو اس کی مطلق خبر نہ ہوتی تھی،

(مناقب الاصفیاء ص ۱۳۳)

نفس کشی اس ریاضت کے زمانہ میں کھانے پینے سے پرہیز کرتے، جب کبھی اشتہا کا غلبہ ہوتا، تو درخت کی پتیاں کھا کر بھوک کی شدت رفع کر لیتے، ایک بار علی الصباح نہانے کی ضرورت پیش آ گئی، غسل فرمانے کے لئے پانی کے قریب گئے، جاڑے کا موسم تھا، غیر معمولی سردی تھی، پانی بہت ٹھنڈا تھا، دل میں خیال آیا کہ تیمم کر کے نماز ادا کر لیں، لیکن پھر خیال ہوا کہ شرعی رخصت کی آڑ میں پناہ کیوں لی جائے، چنانچہ پانی میں اتر گئے، لیکن سردی کی وجہ سے بیہوش ہوگئے، آفتاب طلوع ہوا تو اس کی تمازت سے ہوش آیا، لیکن اس وقت فجر کی نماز قضا ہو چکی تھی، بڑا رنج ہوا، اور فرمایا "میں نے جو ریاضتیں کی ہیں، اگر پہاڑ کرتا تو پانی ہو جاتا، لیکن شرف الدین کچھ نہ ہوا[1] کثرت ریاضت سے بدن میں خون باقی نہ رہا تھا، ایک بار حجام کے استرے سے سر مبارک مجروح ہوگیا تو خون کے بجائے پانی بہنے لگا[2]۔

راجگیر کی صحرا نوردی کے زمانہ میں دامنِ کوہ کے پاس ایک شخص کھانا کھا رہا تھا، اس کے ملازمین مورچھل ہلا رہے تھے، حضرت مخدوم الملک کی نظر پڑی تو اس کے کھانے کو مباح سمجھ کر اس سے اجازت

---

[1] مناقب الاصفیاء ص ۱۳۶، [2] مونس القلوب، بحوالہ سیرۃ الشرف،

لی، اور اس کے ساتھ کھانے کے لئے بیٹھ گئے، اس کے ملازموں نے اس کو حضرت مخدوم الملک کے ساتھ کھانے پر ملامت کی، حضرت مخدوم الملک فرماتے ہیں، مجھ کو اس ملامت میں مزا ملا، میں پہاڑ پر چڑھ گیا، اور تین دن اور رات مجھ پر وجد طاری رہا، (مونس القلوب قلمی ص ۴۸)

اسی زمانہ میں ایک گئو سالہ کے پاس سے گذار ہوا، ایک گائے بھلی معلوم ہوئی، اس کو دیکھنے لگے، کسی سبب سے وہ گر کر مرگئی، چرواہے نے بڑھ کر غصہ میں حضرت مخدوم الملک کو ایک لاٹھی ماردی، فرماتے ہیں اس لاٹھی کی مار میں مجھے عجیب ذوق اور مزہ ملا[1]۔

اسی زمانہ میں بعض ہندوؤں اور جوگیوں سے روحانی معرکے بھی ہوئے، جنھوں نے مغلوب ہوکر حضرت مخدوم الملک کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا[2]۔

بہار شریف کی اقامت جب انوار الٰہی سے دل روشن ہوگیا تو آبادی کی طرف رخ فرمایا، بعض طالبان حق جنگل ہی میں آکر مستفید ہونے لگے تھے، جب لوگوں کا اشتیاق زیادہ بڑھ گیا، تو جمعہ کی نماز کے لئے بہار شریف کی جامع مسجد میں تشریف لانے لگے، رفتہ رفتہ لوگوں کے اصرار سے اسی قصبہ میں مستقل سکونت اختیار کرلی، جہاں تقریباً ۶۰ سال تک اپنے سرچشمہء فیض سے عوام و خواص کو سیراب کرتے رہے۔

سلطان محمد تغلق نے جب حضرت مخدوم الملک کی درویشی اور بزرگی کی شہرت سنی تو مجد الملک مقطع بہار کے نام ایک فرمان جاری کیا کہ حضرت مخدوم الملک کے لئے ایک خانقاہ تعمیر کرادی جائے اور اس کے اخراجات کے لئے راجگیر ان کے حوالہ کیا جائے، اگر وہ قبول نہ کریں تو زبردستی دیا جائے، مجد الملک نے اس کی تعمیل کی، اور حضرت مخدوم الملک کو خانقاہ کی تعمیر اور راجگیر کی جاگیر جبر و اکراہ کے ساتھ قبول کرنی پڑی، خانقاہ کی تعمیر کے بعد سلطان کا بھیجا ہوا مصلّاے بلغاری بچھایا گیا، اور اس پر حضرت مخدوم الملک کو جلوہ افروز کیا گیا، تو ارشاد فرمایا۔ ''میں تو اسلام ہی کے لائق نہیں، چہ جائے کہ مصلّے کے لائق ہوں'' اس وقت مجلس کے ایک درویش نے کہا ''مخدوم! آپ کو خانقاہ اور مصلّے کی وجہ سے کون جانتا ہے، ہم لوگ تو یہاں صرف آپ کی قوتِ باطنی کی وجہ سے آئے ہیں، یہاں آپ کی برکت سے اسلام ظاہر ہو گا، اور قوت پکڑے گا'' چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور اس علاقے میں آپ ہی کے فیوض و برکات سے اسلام کی شمع ضوفگن رہی، لیکن جاگیر کو حضرت مخدوم الملک اپنے لئے بار سمجھتے رہے، آخر اس کی گرانی برداشت نہ فرما سکے، اور جب سلطان محمد تغلق نے وفات پائی، اور فیروز شاہ تخت نشین ہوا تو بہ نفس نفیس دہلی تشریف

---

[1] اجو بہ کا کو بہ بحوالہ سیرۃ الشرف ص ۷۷، [2] حضرت مخدوم الملک کے خاندان والوں سے اس عاجز راقم کو گھراعزیزانہ لگاؤ رکھنے کا شرف حاصل ہے، اس لئے اس خانوادہ کے بزرگوں سے حضرت مخدوم الملک کی زندگی کے بہت سے واقعات سننے میں آئے، جن کو ہم جگہ کی قلت کی وجہ سے لکھنے سے معذور ہیں۔

لے گئے، درباریوں کو خیال ہوا کہ شاید حضرت مخدوم الملک جاگیر میں اضافہ چاہتے ہیں، فیروز شاہ کو جب اس کی خبر دی گئی، تو اس نے کہا کہ اگر مخدوم الملک تمام اقطاع بہار مانگیں گے تو میں دوں گا، لیکن جب فیروز شاہ کے سامنے حضرت مخدوم الملک تشریف لے گئے تو اس کو مخاطب کر کے فرمایا ایک عرض لے کر آیا ہوں، اگر قبول فرمانے کا وعدہ ہو تو عرض کروں، سلطان نے بسر وچشم منظور کیا، حضرت مخدوم الملک نے جاگیر کی سند آستین سے نکال کر سلطان کے ہاتھ میں دی، اور فرمایا، خدا کے لئے اس کو واپس لے لیجئے، یہ میرے کام کی نہیں، سلطان اور اس کے تمام امراء ششدر رہ گئے، سلطان نے پھر بھی کچھ خدمت کر کے سعادت حاصل کرنی چاہی، اور اصرار کے ساتھ اخراجات کے لئے ایک بڑی رقم پیش کی، اس کو قبول تو فرمالیا، لیکن شاہی دربار سے نکلتے ہی فقراء و مساکین میں تقسیم کر دیا، اور درویشانہ استغنا کے ساتھ خالی ہاتھوں وطن کی طرف مراجعت کی۔[1]

رشد وہدایت اور خانقاہ کے گوشہ میں بیٹھ کر تقریر وتحریر کے ذریعہ سے رشد وہدایت کا سلسلہ برابر جاری رکھا، جس کا کچھ مجموعہ ملفوظات اور مکتوبات کی شکل میں محفوظ ہے، اور آج تک معدن فیوض اور مخزن برکات ہے، خانقاہ میں سالکان راہِ طریقت کی مجلسیں برابر منعقد ہوتی تھیں، بعض اوقات علماء، فقہاء، محدثین اور متکلمین بھی جمع ہوتے، اور مختلف مسائل پر بحث وگفتگو اور رد وقدح بھی ہوتی، حضرت مخدوم ہر مسئلہ کی وضاحت اس طرح فرماتے کہ سامعین اور حاضرین کو پوری تشفی ہو جاتی، معدن المعانی کے دیباچہ میں ہے:۔

> ''ہر مجلس میں مریدوں، نیک بندوں اور سچی طلب رکھنے والوں کا مجمع ہوتا، ان میں سے ہر ایک اپنے حال اور کام کے مطابق ایک سوال کرتا جس کا تعلق طریقت، شریعت، حقیقت اور معرفت سے ہوتا، حضرت مخدوم ہر سوال کا شافی جواب دیتے، ان کا بیان دلپذیر اور ان کے اشارے کنایے بے نظیر ہوتے، ہر بیان میں سینکڑوں معانی، ہر اشارہ میں ہزاروں لطیفہ لاریبی اور ہر معنی میں بے انتہا مفہوم اور ہر لطیفہ میں لاتعداد ادراکات، اور ہر مفہوم میں بے شمار حالات اور ہر ادارک میں بہت سے مقامات، اور ہر حال میں ناقابل بیان ذوق اور ہر مقام میں اتنی خبریں ہوتیں جن کی گنجائش دنیا میں نہیں۔''

مولانا مظفر بلخی شروع میں جب حضرت مخدوم الملک کی مجلس میں شریک ہوئے، تو مختلف مسائل پر نہایت تیز اور تند لہجے میں مناظرے کرتے، مگر حضرت مخدوم الملک ٹھنڈے طریقے پر ان کی ہر بات کا جواب دیتے، یہاں تک کہ وہ حضرت مخدوم الملک کے ایسے گرویدہ اور شیفتہ ہوئے کہ زندگی بھر ادنیٰ غلام بنے رہے، حضرت مخدوم الملک کو بھی ان سے بڑی محبت ہو گئی تھی، اور ان کو دو سو خطوط لکھے تھے، جن میں

---

[1] مونس القلوب بحوالہ سیرۃ الشرف ص ۳۷-۳۶۔

ایسے اسرار تھے کہ ان کے سوا کسی اور کو بتانا پسند نہیں فرمایا، جیسا کہ آگے آئیگا۔

مولانا زین بدر عربی کی ابتدائی زندگی رندی و بادہ خواری میں گذری، لیکن حضرت مخدوم الملک کی صحبتِ کیمیا اثر سے اُن میں ایسا انقلاب پیدا ہوا کہ وہ حضرت مخدوم الملک کے مقربین خاص میں ہو گئے، اوران کے بہت سے ملفوظات مرتب کئے، جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت مخدوم الملک کے تقریباً ایک لاکھ مرید تھے، جو مجلسوں میں شریک نہ ہو سکتے تھے، ان کو مکتوبات کے ذریعہ سے تعلیم دی جاتی تھی، ان تعلیمات کا خلاصہ آئندہ صفحات میں پیش کیا جائیگا، حضرت مخدوم الملک نے خواص و عوام دونوں کو سدھارنے کی کوشش فرمائی۔

سلطان وقت کو تلقین

سلطان فیروز شاہ تغلق کے زمانہ میں حضرت مخدوم الملک سے خواجہ عابد ظفر آبادی نے فریاد کی کہ ان کا مال ظلم و تعدی سے تلف کر دیا گیا ہے، حضرت مخدوم الملک نے سلطان فیروز شاہ کی توجہ اس طرف مبذول کرائی، اور بہت ہی بلیغ پیرایہ اور عالمانہ انداز میں عدل وانصاف کی تلقین کی، سلطان کو اس سلسلہ میں جو مکتوب تحریر فرمایا وہ حسب ذیل ہے، شاید مرتب مکتوبات نے القاب حذف کر دیئے ہیں، پورا متن یہ ہے:۔

''حضرت بلال موذن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضرت رسالتماب علیہ السلام کے ساتھ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر میں مکہ میں بیٹھا تھا کہ ایک شخص آیا، پیغمبر علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا باہر جا کر دیکھو، جب میں باہر آیا، تو ایک نصرانی کو کھڑا دیکھا، اس نے پوچھا محمد ﷺ یہاں ہیں، میں نے کہاں ہاں، وہ گھر کے اندر آیا، اور کہا، یا محمد ﷺ تم کہتے ہو کہ میں خدا کا رسول ہوں، اور خدا کا بھیجا ہوا ہوں، مجھ کو اور لوگوں کو دین اسلام کی دعوت دیتے ہو اگر تم رسول برحق ہو تو اس کو دیکھو کہ قوی ضعیف پر ظلم نہ کرے، پیغمبر علیہ السلام نے پوچھا، تم پر کس نے ظلم کیا ہے، اس نے کہا ابو جہل نے میرا مال لے لیا ہے، یہ وقت آپ کے قیلولہ کا تھا، اور بڑی گرمی پڑ رہی تھی، لیکن آپ اسی وقت روانہ ہوئے، تا کہ مظلوم کی مدد فرمائیں، میں نے (یعنی حضرت بلالؓ نے) عرض کی، یا رسول اللہ! قیلولہ کا وقت ہے، گرمی پڑ رہی ہے ابو جہل بھی قیلولہ کر رہا ہوگا، وہ برہم ہوگا، لیکن آپ ﷺ نہ رکے اور اسی طرح خشمگیں ابو جہل کے دروازہ پر پہنچ کر اس کو کھٹکھٹایا، ابو جہل کو غصہ آیا، اس نے اپنے بتوں لات وعزیٰ کی قسم کھا کر کہا کہ جس نے دروازہ کھٹکھٹایا ہے اس کو جا کر مار ڈالوں گا، باہر آیا تو دیکھا کہ حضرت رسالت مآب ﷺ کھڑے ہیں، بولا ''کیسے آئے، کسی آدمی کو کیوں نہ بھیج دیا'' پیغمبر علیہ السلام نے غصہ میں فرمایا، اس نصرانی کا مال تم نے کیوں لے لیا ہے، اس کا مال واپس کر دو، ابو جہل نے کہا

''اگراسی کے لئے آئے ہوتو کسی آدمی کو کیوں نہ بھیج دیا، مال واپس کردیتا'' پیغمبر ﷺ نے فرمایا باتیں نہ بناؤ، اس کا مال واپس کرو، ابوجہل اس کا تمام مال باہر لایا، اوراس کے حوالہ کیا، نصرانی سے پیغمبر ﷺ نے فرمایا، اب تو تمہارا مال تمہارے پاس پہنچ گیا، اس نے کہا لیکن ایک اونی تھیلا رہ گیا ہے، پیغمبر ﷺ نے (ابوجہل سے) فرمایا تھیلا بھی دو، ابوجہل نے کہا اے محمد ﷺ! تم واپس جاؤ میں اس کو پہنچادوں گا، حضرت رسالت مآب ﷺ نے فرمایا، میں اس وقت تک واپس نہ جاؤں گا جب تک کہ تم تھیلا بھی واپس نہ کر دو گے، ابوجہل گھر کے اندر گیا، اس کو وہ تھیلا نہ ملا، لیکن اس سے بہتر تھیلا لایا اور بولا ''وہ تو مجھ کو نہیں ملا، مگر اس سے بہتر لایا ہوں، اور اسی کو اس کے بدلہ میں دیتا ہوں'' پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا، اے نصرانی یہ تھیلا بہتر ہے یا وہ بہتر تھا، اس نے کہا اے محمد ﷺ! یہ بہتر ہے، پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا اگر تم یہ کہتے کہ وہ بہتر تھا، تو میں اس وقت تک واپس نہ جاتا، جب تک میں قیمت لے کر تمہارے حوالے نہ کرتا۔

ایک دوسری روایت ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا، جوکوئی مظلوم کی مدد کرتا ہے، خدائے تعالیٰ قیامت کے روز پل صراط کو عبور کرنے میں اس کی مدد کرے گا، اور بہشت میں جگہ دے گا، اور جوکوئی کسی مظلوم کو دیکھتا ہے، اور وہ مظلوم اس سے فریاد کرتا ہے، لیکن وہ فریاد نہیں سنتا، تو قبر کے اندر اس کو آگ کے سوا کوڑے مارے جائیں گے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا جوکوئی مظلوم کی مدد کرتا ہے، اس کے لئے تہتر مغفرت لکھی جاتی ہے، ان میں سے ایک تو اس کو دنیا میں مل جاتی ہے، اس سے اس کا کام سدھرتا ہے، اور بقیہ بہتروں کے لئے عقبیٰ میں ملتی ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک کارواں شہر سے باہر ٹھہرا، عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے فرمایا کارواں شہر سے باہر ٹھہرا ہے، چلو ہم اس کی پاسبانی کریں، ایسا نہ ہو کہ کارواں والے سو جائیں اور کوئی ان کا سامان اٹھالے جائے، چنانچہ وہ رات بھر پاسبانی کرتے رہے، حق تعالیٰ نے پیغمبر کے دوستوں کو یہ اوصاف عطا فرمائے تھے، ''رحماء بینہم'' وہ تمام مسلمانوں پر مہربان تھے، اوران کے لئے غم کھاتے رہے،

الحمد للہ کہ آپ (یعنی سلطان فیروز شاہ) کی ذات معظم ومکرم، مظلوموں اور درماندوں کی جائے پناہ ہے، اور آپ کی بارگاہ کا عدل وانصاف دنیا میں ظاہر ہو چکا ہے

اور انصاف کو یہ سعادت حاصل ہوئی ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ایک ساعت کا عدل ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے، عاقبت بخیر ہو۔[1]"

حضرت مخدوم الملک کے خاندان کی روایت ہے کہ ایک بار سلطان فیروز شاہ تغلق حضرت مخدوم الملک کی ملاقات کے لئے ان کی خانقاہ میں بہار شریف بھی آیا، آپ نے اس کا استقبال کیا، آگے چلنے کو فرمایا تو فیروز شاہ تغلق نے کہا

در پیش روم طریق حاجب
در پس بروم چنیں ست واجب

تو مخدوم الملک نے فرمایا:۔

اگر پیش روی چراغ راہی
در پس روی جہان پناہی

امراء کو تلقین مندرجہ بالا مکتوب کے بعد ہی ایک دوسرا مکتوب سلطان محمد تغلق کے داماد داؤد ملک۔کے نام بڑی تواضع اور خاکساری کے ساتھ لکھا ہے، جس میں ان اوصاف کی عملی تعلیم بھی ہے، اور وہ یہ ہے:۔

"لا الہ الا ہو، شرف منیری جو کہ علماء کے آستانے کا کتا ہے، نہایت خجالت، شرمندگی اور معذرت کے ساتھ آستانہ صدر کی خدمت میں سلام وتحیت کے بعد عرض کرتا ہے کہ اس سیاہ رو کتے کی ہستی کیا ہے، جو صدر نے اس کی خدمات کا ذکر اس تواضع کے ساتھ کیا ہے، البتہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے مشک سے کہا گیا کہ تجھ میں ایک برائی ہے، پوچھا وہ کیا، کہا گیا تو سب کو خوشبو دیتا ہے، جواب دیا کہ میں یہ نہیں دیکھتا کہ کون خوشبو پاتا ہے، میں دیکھتا ہوں کہ میں کیا ہوں، یہی حال میرا ہے، میری کیا حیثیت کہ صدر میرے معتقد ہوں، اور مجھ کو ملک المشائخ قطب الاولیاء لکھیں، افسوس ہے، کہ اس بدبخت کا کام خاکساری، نگونساری، بت پرستی، اور زنارداری میں اہل شقاوت ولعنت سے زیادہ نہیں بڑھا، پھر بھی اس بدبخت اور منافق کے متعلق لوگوں کا خیال اچھا ہے، کہتے ہیں کہ ایک بزرگ نے ایک شخص کے جنازہ کی نماز پڑھائی، نماز کے بعد کسی کی زبان سے سنا کہ وہ شخص شہر میں نیک نام تھا، بزرگ نے کہا کہ اگر مجھ کو پہلے سے معلوم ہوتا تو میں اس کے جنازہ کی نماز نہ پڑھاتا، لوگوں نے پوچھا کیوں، توانھوں نے کہا کہ جب تک کوئی شخص منافق نہیں ہوتا، لوگوں میں نیک نام نہیں ہوتا، اگر آپ کی تواضع میری شہرت کی وجہ سے ہے، تو دنیا میں

---

[1] سہ صدی مکتوبات ص ۴۹۳۔۴۹۲۔

اس بدبخت سے زیادہ مشہور شیطان ہے، اے صدر بزرگوار اسلام ایسا دین نہیں ہے، جو ہر گندے اور ناپاک شخص کو اپنا جمال دکھائے، **لا یمسه الا المطھرون**، (یعنی اس کو چھو نہیں سکتے مگر پاکیزہ لوگ) یہ آیت دنیا کی حامل ہے، **وما یومن اکثر ھم باللہ الا وھم مشرکون** (ان میں سے اکثر لوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے، مگر بحالت شرک) اس آیت نے ایک جہان کو توحید سے ہٹا دیا ہے، دین کا کام اتنا آسان نہیں جتنا لوگوں کو معلوم ہوتا ہے، جو لوگ کہ دیں پناہ ہیں، اور اس کی ہر چیز کی حقیقت سے واقف ہو گئے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ خدایا ہم کو عدم بنا دے جس کا کوئی وجود نہیں ہے بعض لوگ زنار باندھ کر آتش خانہ میں آتے ہیں، اور علم و عقل کو ایک طرف رکھ کر کہتے ہیں،

او علم نمی شنید لب بربستم
او عقل نمی خرید دیوانہ شدم

اور جس شخص نے یہ کہا کہ

با خدا دیوانہ باش و با شریعت ہوشیار

تو اس کا مطلب یہی ہے، اگر آج کوئی اپنی رسم و عادت کو اسلام کہتا ہے تو یہ بالکل الگ چیز ہے، اس کا جواب یہ ہے،

فردات کند خمار کا مشب مستی

اور جب موت کے دروازہ پر **فکشفنا عنک غطائک** (پس آج کے دن ہم نے تمہاری آنکھوں کا پردہ اٹھالیا) کا کشف ہوتا ہے، تو پھر پتہ چلتا ہے کہ کوئی دستار رکھتا تھا، یا زنار، اخلاص یا نفاق، خانقاہ میں تھا یا بتخانہ میں، اسی لئے کہا گیا ہے،

سوف تریٰ اذا تجلّے الغبار
اتحتک فرس ام حمار

یعنی جب غبار دور ہوگا تو تم دیکھو گے کہ تم گھوڑے پر سوار ہو یا گدھے پر

(سہ صدی مکتوبات ص ۹۴۔۱۹۳)

حضرت مخدوم الملک نے ایک ملک زادہ کو نفس کے فریب کی جس طرح تعلیم دی، اس کی تفصیل معدن المعانی (ص ۲۱۲۔۲۱۰) میں اس طرح درج ہے:۔

''مبارک قصوری نے زمین بوس ہو کر کہنا شروع کیا، کہ جب میں اپنے پیر کا مرید ہوا تو مجھ سے فرمایا کہ اب تمہاری کیا خواہش ہے، تم ملک زادے ہو، تمہاری طبیعت چاکری کی طرف مائل ہے، یا خداوند تعالیٰ سے مشغولیت کی طرف، میں نے عرض کیا، اب

تو میں آپ کی خدمت میں ہوں، جیسا فرمائیں ویسا کروں، فرمایا کہ اس راہ میں سب سے بہتر چیز یہ ہے کہ ہر چیز کو ترک کر دیا جائے، میں نے بھی اس کو قبول کر لیا، اور میری طبیعت میں بھی یہی بات ہے، حضرت مخدوم نے اس کو مخاطب کر کے فرمایا، اس میں شک نہیں کہ تمام چیزوں کو ترک کر دینا بہتر ہے، اگر اس میں استقامت ہو، لیکن کچھ دنوں تمام چیزوں کے ترک کرنے اور ان سے باز رہنے کے بعد پھر ان کی طرف التفات ہو جائے تو پشیمانی ہوتی ہے، اور اس قسم کے ترک سے کوئی فائدہ نہیں، ترک اسی وقت بہتر ہے کہ پھر ترک کی ہوئی چیزوں کی جانب التفات نہ ہو، ایسی حالت میں کام میں استقامت اور سچائی ہوتی ہے، تم ملک زادے ہو، اپنے دوستوں کی مجلسوں میں بیٹھنے کے عادی ہو، ان کی صحبت میں جا کر تم میں پھر تبدیلی پیدا ہوئی، تو ایسے ترک سے کیا فائدہ؟ ایسے بہت سے لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم نے تمام چیزوں کو ترک کر دیا، ہم زاہد اور عابد ہیں، لیکن جب وقت آتا ہے تو جھوٹے ثابت ہوتے ہیں، نفس کے ایسے بہت سے دھوکے ہیں، دعویٰ بغیر امتحان کے قابلِ اعتماد نہیں، مبارک نے عرض کی، حضرت مخدوم! میرے دل میں اب کوئی آرزو باقی نہیں رہی ہے، حضرت نے فرمایا، یہ نفس کا فریب ہے، یہ اسی طرح دھوکا دیتا ہے، جس سے ایک شخص کو یقین ہو جاتا ہے کہ اس نے تمام چیزوں کو ترک کر کے آخرت کی طرف رخ کر لیا ہے، لیکن جو نفس کے فریب سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ سچ ہے یا جھوٹ، نفس کی صفت کذب ہے، اور دل کی صفت صدق، نفس جو کچھ کہتا ہے جھوٹ ہوتا ہے، دل جو کچھ کہتا ہے سچ ہوتا ہے، اب یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ جو کام کیا جاتا ہے، اگر اس کا فرمان دینے والا دل ہوتا ہے، اور اعضاء اسی کو عمل میں لاتے ہیں جو دل کہتا ہے، اور چونکہ دل کی صفت صدق ہے، تو عمل میں کذب کیوں پیدا ہوتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ دل اور عمل میں جو ہم آہنگی نہیں ہوتی اس کی وجہ نفس ہے، نفس دل پر قابو پا لیتا ہے، اور اس کی جگہ بیٹھ کر چوری کرتا ہے، پھر وہ جو کچھ کرتا ہے دل کی طرف منسوب ہو جاتا ہے، اسی لئے دل اور عمل میں ہم آہنگی نہیں ہوتی، اس کی مثال یہ ہے کہ حضرت سلیمانؑ کے تخت پر ایک دیو بیٹھ گیا، اور وہ جو حکم دیتا تھا، لوگ اس کو بجا لاتے تھے، کسی کو یہ خبر نہ تھی کہ یہ دیو ہے، یا حضرت سلیمانؑ، حالانکہ دیو حضرت سلیمانؑ کی جگہ فریب سے بیٹھا تھا، نفس کی صفت کا یہی حال ہے:

ترا بر مملکت زاں نیست فرماں	کہ دیوت ہست بر جائے سلیماں
اگر آری بدست انگشتری باز	بفرماں آیدت دیو و پری باز

اہل معرفت نفس کی تلبیس سے واقف رہتے ہیں، دوسروں کو اس سے واقفیت نہیں ہوتی، اگر نفس کو کسی چیز کی خواہش ہوئی، اور اس کو نہ پایا تو کہتے ہیں کہ قبض ہے، اور اگر پا لیا اور خوشی ہوئی تو کہتے ہیں، بسط حاصل ہوا، حالانکہ قبض و بسط دل کی احوال ہیں جو نفس ہی کا نتیجہ ہے، مراد کے حاصل نہ ہونے سے رنج ہوتا ہے اور مراد کے پا لینے سے نشاط طاری ہوتا ہے، اہل ترک و تجرید تمام چیزوں کو چھوڑ دیتے ہیں، ان کے سامنے جو کچھ بھی ہوتا ہے، اس کو خراب کر دیتے ہیں، اگر ان کا دل پھر ان چیزوں کی طرف مائل ہوتا ہے تو وہ سمجھتے ہیں کہ ان کا دل خراب ہو گیا، شیخ معزالدین نے پوچھا کہ کیا نفس کی تلبیس ہر مقام پر ہوتی ہے؟ تو حضرت مخدوم نے فرمایا، جب تک نفس مغلوب نہ ہو جائے، ہر مقام پر اس کا فریب جاری رہتا ہے، ارباب بصیرت نفس کی تلبیس سے کسی مقام پر غافل نہیں رہتے خواہ نفس ان کا کتنا ہی مطیع اور فرماں بردار ہو گیا ہو، (معدن المعانی ص ۲۱۲۔۲۱۰ مطبوعہ مطبع شرف الاخبار، بہار)

امراء میں قاضی شمس الدین حاکم چوسہ نے حضرت مخدوم الملک سے سب سے زیادہ استفادہ کیا، آپ کی مکتوبات کا جو مجموعہ شائع ہوا ہے، اس میں زیادہ تر قاضی شمس الدین ہے کے نام مکاتیب ہیں، ان میں عرفان و تصوف کا شاید ہی کوئی ایسا مسئلہ ہو گا جس کی وضاحت نہ کی گئی ہو، باطنی تعلیمات کے ساتھ ساتھ ظاہری اخلاق کو بھی سنوارنے کی تلقین ہے، مثلاً پاکیزہ اخلاق کی تعلیم کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:۔

''برادرم شمس الدین! خداوند تعالٰی کی اطاعت میں مستقل مزاج رہو، کاتب حروف کے سلام و دعا کے بعد اے برادر! یہ ضروری ہے کہ تم اپنے اخلاق کی بری باتوں کو اچھی باتوں میں تبدیل کرنے میں روزانہ ہر ممکن کوشش کرو، اور اس کو ایک اہم کام سمجھو، اس کام کو تم نے چھوڑ دیا، اس سے غافل ہو گئے، تو پھر بلائیں پیش آئیں گی، نعوذ باللہ منہا، اس دنیا کے جانوروں اور چوپایوں میں جو صفات ہیں، ان میں سے ہر ایک صفت انسان میں بھی پائی جاتی ہے، اور اس قسم کی جو صفت انسان میں غالب رہتی ہے، وہی قیامت کے روز صورت بن کر ظاہر ہوتی ہے۔'' (مکتوبات سہ صدی ص ۲۰۳)

ایک مکتوبات میں قاضی شمس الدین ہی کو تحریر فرماتے ہیں

''یہ ضروری ہے کہ کپڑا، جسم، اور لقمہ پاک اور حلال ہو، حواس خمسہ بھی معصیت سے پاک ہوں، دل بھی اوصاف ذمیمہ یعنی بخل اور حسد وغیرہ سے پاک ہو، پہلے کی پاکی سے مرید راہ دین میں دو قدم آگے بڑھ جاتا ہے، اور تیسرے کی (یعنی دل کی) پاکی

حاصل ہوتی ہے تو مرید تین قدم آگے بڑھ جاتا ہے، اور مرید پر توبہ کی حقیقت واضح ہوتی ہے، اور وہ حقیقتۂ تائب ہوتا ہے۔" (ایضاً ص ۸۷۔۳۸۶)

ایک مکتوب میں طمع و نفاق سے بچنے کی تلقین روحانی طریقے سے فرماتے ہیں:۔

"برادرم شمس الدین! معلوم ہو کہ نفاق سے ایک کام کرنا اور صدیقوں کے رتبہ کی طمع رکھنا دینداروں کی پہچان نہیں، تمہارا کوئی کام طمع سے خالی نہیں ہوتا، خالص نیت کا راز اظہار عبودیت میں ہے، نہ کہ طمع میں، طمع اور چیز ہے، اظہار عبودیت اور چیز، یہ بات کچھ غور کرنے کے بعد معلوم ہوتی ہے، لیکن ہم تم ایسے ہیں، کہ کچھ رشوت ہی لے کر خدا کی بندگی کرتے ہیں ع

زہے عشق ارز رشوت دوست خواہی داشت جاناں را (ایضاً ص ۲۰۵)

سعادت وشقاوت کے متعلق رقمطراز ہیں،

"برادرم شمس الدین! معلوم ہو کہ خداوند تعالیٰ کے دو خزانے ہیں، سعادت اور شقاوت، ایک کی کنجی طاعت ہے، اور دوسرے کی کنجی معصیت ہے، جو کہ ازل سے السعید من سعد فی بطن امه کے مصداق ہیں، (یعنی سعید وہ ہیں جو ماں کے پیٹ ہی میں سعید ہوئے) ان کے ہاتھ میں سعادت کی کنجی یعنی طاعت دی گئی، اور جو ازل سے الشقی من شقی فی بطن امه کے مصداق ہیں (یعنی شقی وہ ہیں جو ماں کے پیٹ ہی میں شقی ہوئے) ان کے ہاتھ میں شقاوت کی کنجی یعنی معصیت دی گئی، اور آج ہر شخص اپنے ہاتھوں میں دیکھ سکتا ہے، کہ کون سی کنجی اس کے پاس ہے، اور یہ بات سنت الٰہی کے مطابق ہے، سعید وشقی کو علمائے آخرت دیکھتے ہیں، نہ کہ علمائے دنیا، لیکن بندہ کی تمام عزت اور دولت اسی میں ہے کہ وہ طاعت وعبادت میں مشغول رہے۔" (ایضاً ص ۲۱۵)

معاملات کی تعلیم دیتے ہیں،

"برادرم شمس الدین! ہر وہ معاملہ جس کا جواز قرآن میں نہیں، بے جا ہے، ہر خواہش جو شریعت میں نہیں باطل ہے، ہر دلیل جو دین کی تائید میں لائی جائے لیکن دینی نہیں ہے محض باطل ہے، اور ہر استعانت جو دین کی خاطر کی جائے، لیکن دینی نہیں ہے مردود ہے، (ص ۲۵۵)

ایک مکتوب میں فرماتے ہیں، امراء، ملوک، اصحاب منصب، ارباب قدر و منزلت کے لئے اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچنے کا سب سے نزدیک راستہ یہ ہے کہ وہ عاجزوں کی دستگیری اور حاجت مندوں کی

حاجت روائی کریں، چنانچہ ایک بزرگ نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی کے یہاں پہنچنے کی راہیں تو بہت ہیں، لیکن سب سے نزدیک راہ دلوں کو راحت پہنچانا ہے، ان بزرگ سے یہ کہا گیا کہ جس شہر کے وہ رہنے والے ہیں، اس کا بادشاہ شب بیدار ہے، نفل نمازیں بہت پڑھتا ہے، نفل روزے بھی رکھتا ہے، فرمایا، بے چارے نے اپنے کام کو تو کھو دیا ہے، لیکن دوسروں کے کام میں لگا ہوا ہے، لوگوں نے ان بزرگ سے پوچھا کہ آخر اس بادشاہ کا اپنا کام کیا ہے، تو فرمایا، اس کا کام تو یہ ہے کہ طرح طرح کے کھانے پکوائے اور بھوکوں کو پیٹ بھر کر کھلوائے، طرح طرح کے کپڑے سلوائے اور ننگوں کو پہنوائے، اجڑے ہوئے دلوں کو آباد کرے، حاجتمندوں کی دستگیری کرے، نفل نماز اور نفل روزے تو درویشوں کا کام ہے۔"

(مکتوبات سہ صدی ص ۴۸۹)

اسی طرح اور بھی تعلیمات ہیں، جن میں سے کچھ آئندہ صفحات میں پیش کی جائیں گی، اور دوسرے امراء، جنھوں نے حضرت مخدوم الملک سے تعلیم وتربیت پائی، ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں، قاضی صدرالدین، ملک مفرح، ملک معزالدین، شمس الملک، شمس الدین خوارزمی وغیرہ، ان امراء کے نام جو خطوط لکھے ہیں، ان میں کہیں درویشانہ عجز وانکسار ہے، کہیں عالمانہ وقار وسنجیدگی، کہیں بزرگانہ محبت وشفقت ہے، اور کہیں مرشدانہ زجر وتوبیخ، یہ مکتوبات آج بھی فیوض وبرکات کے سرچشمے ہیں۔

درویشانہ زندگی ارباب حکومت اور اصحاب دولت سے تعلقات کے باوجود حضرت مخدوم الملکؒ کی زندگی میں درویشانہ شان ہمیشہ قائم رہی، مرشد کی ہدایت کے مطابق خشک روٹی، خشک چاول یا خشک کھچڑی تناول فرماتے، دن کے وقت گھر میں چولہا نہ جلتا، اپنی والدہ ماجدہ کو روزمرہ کے خرچ کے لئے ایک مقرر رقم دیتے، لیکن ان سے یہ شرط تھی کہ دن کے وقت گھر میں دھواں نہ ہو، ایک بار گھر میں کوئی عزیز مہمان آیا، والدہ ماجدہ نے مہمان کی خاطر مرغ اور روٹی پکانی شروع کی، جس کی خبر حضرت مخدوم الملکؒ کو نہیں ہوئی، گھر میں دھواں اٹھتے دیکھا تو خادم خاص کو بلا کر دریافت کیا، جب معلوم ہوا کہ مرغ اور روٹی پک رہی ہے تو والدہ ماجدہ کے پاس پہنچے اور عرض کیا کہ میں نے اپنا منہ کالا کر کے آپ سے شرط کی تھی، لیکن آپ اس کی پابند نہ ہوسکیں، ماں نے بیٹے کی خاطر ساری چیزیں مہمان کو دیدیں کہ کہیں اور جا کر پکوالو[1]، ایک مرتبہ ایک شخص فالودہ لے آیا، حضرت مخدوم الملک نے اس کو سونگھ کر چھوڑ دیا، اور فرمایا کہ خیریت ہوئی، اگر کھالیتا تو اس فالودہ نے تو میرا کام ہی تمام کر دیا تھا[2]، حضرت مخدوم الملک کا عمل اس اصول پر تھا کہ کھانا اس طرح کھایا جائے، جس طرح دوا کھائی جاتی ہے۔

لباس میں بھی سادگی تھی، تہ بند، مرزئی، کرتہ اور چادر کے علاوہ عمامہ بھی سر مبارک پر باندھتے تھے، لباس کا رنگ عموماً صندلی ہوتا، لباس کے کچھ تبرکات خانقاہ شریف میں موجود ہیں۔

---

[1] مونس القلوب قلمی ص ۴۶، نیز دیکھو سیرۃ الشرف ص ۱۱۶۔۱۱۵، [2] مناقب الاصفیاء ص ۱۳۶

خشیت الٰہی وحب اللہ عذاب الٰہی کے خوف سے ہمیشہ روتے رہتے، لیکن اس خوف کے ساتھ حب اللہ میں عجیب وارفتگی پیدا ہوگئی تھی، ایک بار ایک مرید نظام الدین نے اپنے وعظ میں یہ دو شعر پڑھے:۔

اے قوم بہ حج رفتہ کجائید کجائید　　معشوق ہمیں جاست بیائید بیائید
آنانکہ طلب گار خدائید خدائید　　حاجت بطلب نیست شمائید شمائید

حضرت مخدوم الملک بھی مجلسِ وعظ میں تشریف فرما تھے، شعر سن کر ان پر عجیب کیفیت طاری ہو گئی، سر مبارک کو ستون سے اتنا ٹکرایا کہ مجروح ہوگیا[1]۔

اتباع سنت لیکن حب اللہ میں اتباع سنت کا بھی ہر حال میں خیال رہتا تھا، فرماتے تھے کہ ''با خدا دیوانہ باش و باشریعت ہوشیار[2]''

باشرع بہ ہوش باش و با خدا دیوانہ
با عشق آشنا باش و با عقل بیگانہ

خدمت خلق اللہ حق تعالٰی کی خوشنودی کی خاطر حق العباد ادا کرنے میں برابر کوشاں رہے، خلق اللہ کی خدمت کو بہت بڑی دولت تصور فرماتے تھے، ارشاد ہے کہ

''مسلمانوں کا کام انجام دینا اور ان کے کام میں لگے رہنا بڑی دولت ہے، یہ کام پیغمبروں کا ہے، انھوں نے مسلمانوں کے کام کئے، اور ان کی بلائیں اپنے سر لیتے رہے''

ملک خضر کو ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:۔

''اس تاریخ دنیا میں قلم زبان، مال اور جاہ سے جہاں تک ممکن ہو محتاجوں کو راحت پہنچاؤ، صوم وصلوٰۃ ونوافل اپنی جگہ پر اچھی ضروری ہیں، لیکن دلوں کو راحت پہنچانے سے زیادہ سود مند نہیں''

حضرت مخدوم الملک کا عمل بھی اس پر رہا، بہار شریف میں صرف اسی لئے اقامت کی کہ خواص و عوام کے ظاہری و باطنی اخلاق کو سنواریں، اور اس کے لئے درس وتدریس پند وموعظت اور تقریر وتحریر وغیرہ تمام ذرائع اختیار فرمائے، اس سلسلہ میں جو تعلیمات دیں ان کی تفصیل آگے آئے گی۔

دل جوئی و پردہ پوشی خلق اللہ کی دلجوئی اور ان کے عیوب کی پردہ پوشی کا خیال ہر حال میں رکھتے، اگر نفل کا روزہ رکھے ہوتے اور کوئی مدعو کرتا، تو فوراً افطار کر لیتے، اور فرماتے کہ نفل روزہ کی تو قضاء ہے، لیکن شکستگی دل کی قضا نہیں۔

ایک روز ایک شخص امامت کے لئے آگے بڑھا، لوگوں نے حضرت مخدوم سے کہا، یہ شراب خوار

---

[1] مونس القلوب قلمی ص ۱۸۴ و سیرۃ الشرف ص ۱۲۳، [2] مکتوبات سہ صدی ص ۴۶۰،

ہے، فرمایا، ہر وقت نہ پیتا ہوگا، لوگوں نے کہا ہر وقت پیتا ہے، فرمایا ماہ رمضان المبارک میں نہیں پیتا ہوگا، اور اس کی اقتدا کر لی[1]۔

عجز وانکسار عالم تھے لیکن اپنے کو "سگ گرگین آستانہ علماء[2]" سمجھتے تھے، اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے تھے، لیکن اپنے آپ کو مدبر (ذلیل) اور مخذول[3] (بدبخت) وغیرہ لکھتے تھے، اپنے متعلق فرماتے کہ "ہیچ نہ شد"، پہلے بھی ذکر آچکا ہے کہ ایک بار علی الصباح سرد پانی میں غسل کرتے وقت بیہوش ہو گئے، جب ہوش آیا تو فجر کی نماز کا وقت جا چکا تھا، انتہائی رنجیدہ ہو کر اپنے آپ سے مخاطب ہو کر فرمایا، کہ جتنا مجاہدہ میں نے کیا ہے، اگر پہاڑ نے کیا ہوتا تو وہ پانی ہو جاتا، لیکن افسوس شرف الدین کچھ نہ ہوا، تمام معاصر مشائخ کو اپنے سے بلند تر اور بہتر تصور فرماتے، ایک بار حضرت سیّد جلال بخاری کی خدمت میں ایک کفش بھیجی، جس سے یہ مطلب تھا کہ میں آپ کا کفش پا ہوں، لیکن حضرت سید جلال بخاری نے اس کے بدلہ میں اپنی دستار بھیجی جس سے یہ مراد تھی کہ آپ میرے سرتاج ہیں[4]، مناقب الاصفیاء میں ہے کہ حضرت سیّد جلال الدین بخاری دہلی کی طرف منہ کر کے سینہ ملتے اور فرماتے:۔

"بوئے عشق از طرف بہاری آید۔" (ص ۱۴۱)

احترام اولیاء اللہ تمام اولیاء کا بڑا احترام کرتے، ایک بار ان کی مجلس میں حلاج کا ذکر آیا تو فرمایا کہ اس زمانے میں اتنے ہم مشرب تھے، لیکن کوئی ان کو باز نہ رکھ سکا، اگر میں ہوتا تو ان کو قتل نہ ہونے دیتا، اور مقام فردیت سے زوجیت میں لے آتا، مناقب الاصفیاء کے مؤلف نے اس اصطلاح کی تشریح اس طرح کی ہے:۔

"از تزویج مراد دے ترقی کنانیدن است از مقام فردیہ بمقام زوجیت کہ مصطلح صوفیان ست ومنتہائے مقام منتہیان۔" (ص ۱۳۷)

ایک بار ان کی مجلس میں قاضی زاہد نے پوچھا کہ آپ مردانِ خدا کی جو صفت بیان فرماتے ہیں، اس کے مطابق ہندوستان میں کوئی مرد خدا ہے کہ نہیں، جواب میں فرمایا، وہ مرد خدا پانی پت کا دیوانہ ہے، (مراد حضرت بوعلی قلندر پانی پتیؒ تھے) قاضی زاہد نے کہا کہ ہندوستان میں اتنے بزرگانِ دین ہیں، پھر ان میں حضرت بوعلی قلندرؒ پانی پتی ہی کو کیوں مخصوص فرمایا، حضرت مخدوم الملک نے جواب میں فرمایا "زاہد! تم نے مردان خدا کے بارہ میں سوال کیا تھا نہ کہ بزرگانِ دین کے متعلق۔" (مناقب الاصفیاء ص ۱۳۷)

شیخ عز کاکومی اور احمد بہاری دونوں سے حضرت مخدوم الملک کو بڑا لگاؤ تھا، دونوں توحید وجودی

---

[1] مناقب الاصفیاء ص ۱۴۱، [2] مکتوبات سہ صدی ص ۴۹۳، [3] ایضاً، [4] مونس القلوب قلمی وسیرۃ الشرف ص ۱۵۱،

کے قائل تھے، اور عالمِ جذب میں رہتے تھے، اور وہ کچھ ایسی باتیں کرتے جو علماء کو پسند نہ ہوتیں، لیکن حضرت مخدوم الملک ان دونوں کو توحید کے اسرار و رموز کا واقف کار اور ترک و تجرید کا حامل سمجھتے تھے، اور ان کی باتوں کو عالمِ دیوانگی پر محمول کرتے تھے، وہ دونوں دہلی پہونچے تو ان کی "سخنانِ فراخ" اہل دہلی کو پسند نہ آئیں، سلطان فیروز شاہ کو توجہ دلائی گئی تو اس نے علماء کا ایک محضر طلب کیا، اور ان دونوں کے معاملات پیش کئے، علماء نے ان کے قتل کا فتویٰ دیا، اور جب ان کے قتل کی خبر حضرت مخدوم الملکؒ کو ملی، تو فرمایا، جس شہر میں ایسے بزرگوں کا خون بہایا جائے، تعجب ہے، اگر وہ آباد رہے، حضرت مخدوم الملکؒ کی یہ بات فیروز شاہ تک پہنچی تو اس نے علماء اور اکابر کو پھر جمع کیا، اور ان سے کہا کہ آپ لوگوں کے فتویٰ سے دونوں کا قتل ہوا، پھر شیخ شرف الدین منیری ایسا کیوں کہتے ہیں، علماء نے کہا کہ ان کو دہلی بلا کر پوچھا جائے کہ انھوں نے ایسا کیوں کہا سلطان فیروز شاہ نے ان کی طلبی کا ایک فرمان بھیجا، لیکن اسی اثناء میں حضرت سیّد جلال الدین بخاریؒ کا ایک خادم کچھ تبرکات لے کر سلطان کے پاس آیا، آئندہ باب میں ذکر آئے گا، کہ سلطان ان کا بڑا معتقد تھا، سلطان نے خادم سے کہا کہ حضرت مخدوم (یعنی حضرت سیّد جلال الدین بخاریؒ) نے بہت دنوں کے بعد یاد فرمایا ہے، خادم نے جواب دیا کہ ان کو آج کل شیخ شرف الدین منیری کے مکتوبات مل گئے ہیں، وہ خلوت میں ان کے مطالعہ میں ایسے مشغول ہیں کہ کسی سے نہیں ملتے، اور یہی سبب ہے کہ اتنے دن ہو گئے، یہ سن کر سلطان حضرت مخدوم الملک کی عظمت سے متاثر ہو کر فرمان بھیجنے پر پشیمان ہوا، اور اس فرمان کو منسوخ کرنے کے لئے دوسرا قاصد بھیجا، (مناقب الاصفیاء ص ۱۳۸)

تربیت مرید

شیخ مظفر بلخیؒ حضرت مخدوم الملک کے بڑے محبوب خلیفہ تھے، مناقب الاصفیاء کے مرتب نے ان کو سلطانِ جہانِ تجرید، قہرمانِ ایوانِ تفرید، خورشید آسمان در باخت و برخاست لکھا ہے، ان کو اپنی نوجوانی کے زمانے میں اپنے علم کا بڑا پندار تھا، ان کے والد بزرگوار سیّد شمس الدین بلخ کے شاہی خاندان سے تھے، تغلق سلاطین کے دور میں ہندوستان آئے، دہلی سے بہار شریف آئے، اور شیخ احمد جرم پوشؒ کے حلقہ، بیعت میں داخل ہوئے، ان کے تین لڑکے شیخ مظفر الدین، شیخ معز الدین، اور شیخ قمر الدین تھے، ان میں موخر الذکر دونوں شیخ احمد چرم پوشؒ کے مرید ہو گئے، شیخ مظفر الدین حضرت مخدوم الملکؒ سے بیعت ہوئے، وہ جب پہلی دفعہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اپنے علم میں سرشار ہو کر حضرت مخدوم الملکؒ کے سامنے کچھ علمی مشکلات پیش کیں، حضرت مخدوم الملکؒ ان کا جواب دیتے تو وہ کہتے لَا اُسَلِّمُ (میں تسلیم نہیں کرتا) حضرت مخدوم الملک اپنی ناگواری کا اظہار کرنے کے بجائے ان سے اور بھی اخلاق سے پیش آتے رہے، اور شافی جوابات دے کر ان کو مطمئن کیا، پھر تو ان کو بڑی شرمندگی ہوئی، حضرت مخدوم الملک کے اخلاق کے سامنے جھک کر ان کے حلقہ ارادت میں داخل

ہو گئے، جب وہ مرید ہو گئے تو حضرت مخدوم الملکؒ نے ان کو از سر نو تعلیم حاصل کرنے کو کہا، اور فرمایا کہ اب تک تم نے جو علم حاصل کیا تھا، وہ جاہ و منزلت کی خاطر تھا، جو راہ طریقت میں کام نہ آئیگا، اب اس راہ کے لئے پھر سے علم حاصل کرو، تحقیق میں لگ جاؤ، یہاں تک کہ کمال کا پھل پا کر راہ سلوک میں ترقی حاصل کرو، مرید نے مرشد کی نصیحت پر عمل کیا، اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے، پیدل چلنے سے پاؤں میں آبلے پڑ گئے، آگے بڑھنے کی طاقت نہ رہی تو ایک درخت کا سہارا لے کر اس کے نیچے بیٹھ گئے، تھوڑی دیر میں ایک ملک زادہ جو حضرت مخدوم الملکؒ کے مریدوں میں سے تھا، وہاں آ گیا، وہ گھوڑے پر سوار تھا، شیخ مظفر کو دیکھ کر ان کے پاس آیا، شیخ مظفر نے اس سے اپنا حال کہا تو اس نے ازراہ عنایت ایک گھوڑا اعطا کیا، جس پر سوار ہو کر وہ دہلی پہنچے، دو سال تک وہاں تعلیم پاتے رہے، فیروز شاہ تغلق نے ان کو درس و تدریس کے مشغلہ میں بھی لگا دیا، ایک روز درس دے رہے تھے کہ مطربوں کو کچھ گاتے ہوئے سنا، تو ان پر عجیب کیفیت طاری ہو گئی، بالا خانے سے کود پڑے، مگر خدا تعالیٰ نے ان کو بچا لیا، اسی حالت میں اپنے گھر کو لٹوا دیا، اور دہلی سے چل کھڑے ہوئے، مرشد کے پاس پہنچے، تو علم کا سارا غرور ختم ہو چکا تھا، پھر بھی حضرت مخدوم الملک کو محسوس ہوا کہ ابھی تک ان کے اس علم میں جو عزت کی خاطر حاصل کیا گیا تھا، کچھ شائبہ باقی رہ گیا ہے، اور جب تک وہ اپنے جو جاہلوں میں شمار نہ کریں گے آفت جاہ سے محفوظ نہ ہو سکیں گے، اسی لئے حکم دیا کہ وہ خانقاہ کے فقیروں کی خدمت کیا کریں، مرشد کا حکم بجا لانے میں ان کو خوشی ہوئی، خانقاہ کے فقراء جو کچھ ان کو کرنے کو کہتے انجام دیتے، عزت اور ذلت کی طرف التفات نہ کرتے، ان کے کپڑے پھٹ جاتے، تو ان میں پیوند لگا لیتے، یا گرہیں ڈال دیتے، ایک روز حضرت مخدوم الملکؒ نے دیکھا کہ ان کے کپڑے تار تار ہو گئے ہیں، اور ان کی صورت سے عاجزی ظاہر ہو رہی ہے، پھر بھی خوش تھے، اور زبان حال سے یہ کہہ رہے تھے،

خوشم بدولت خواری و ملک تنہائی

کہ التفات کسے را بروز گارم نیست

یہ دیکھ کر حضرت مخدوم الملکؒ نے فرمایا اب ان کو لطیف اور بیش قیمت کپڑے دیئے جائیں، ان کے رہنے کی جگہ بھی لطیف اور ہوادار ہو، اور سونے کے کپڑے بھی لطیف اور نرم ہوں، کھانے بھی لطیف ملتے رہیں، اور ایسا ہی کیا گیا، لیکن شیخ مظفر خداوند تعالیٰ کی محبت اور طلب میں ایسے شرمسار ہو چکے تھے کہ یہ ساری چیزیں ان کی نظروں میں کانٹوں کی طرح کھٹکنے لگیں، ان پر فقر کا راز روشن ہو چکا تھا، ان چیزوں کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھتے، اور زبان حال سے یہ کہتے دکھائی دیتے،

جان آدم چوں بسر فقر سوخت

ہشت جنت را بیک گندم فروخت

ایک دن وہ دہلیز پر ہاتھ اونچا کیے ہوئے کھڑے تھے، حضرت مخدوم الملکؒ کی نظران پر پڑی تو دیکھا کہ ان کے بدن میں گوشت نہیں رہا ہے، کھال ہڈی سے چپک گئی ہے، پہلو نکل پڑا ہے، یہ دیکھ کر انھوں نے اپنے ایک مرید قاضی زاہد کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ اب یہ سیدھی راہ پر آ گئے ہیں لا اسلم کہتے ہوئے آئے تھے، اور اب طرح طرح کے انعام پا گئے ہیں، شیخ مظفر بلخی نے راہ سلوک کی مختلف منزلیں طے کر لیں تو حضرت مخدوم الملکؒ ان کو تن شرف الدین اور جان شرف الدین کہا کرتے تھے، اور جب وہ حضرت مخدوم الملکؒ سے ملنے کو آتے تو وہ ان کا استقبال دروازہ تک جا کر کرتے، اور ان کے مریدین کہتے کہ ماہ آتا ہے، شاہ آتا ہے۔

شیخ مظفر بلخی بڑے صاحب کرامت بزرگ ہوئے ہیں، لیکن حضرت مخدوم الملکؒ ان کو کرامت کے صادر کرنے سے برابر روکتے رہے، اور جب ان سے کوئی کرامت صادر ہوتی تو فرماتے:۔

''آں مقدار کہ تو بکرامت خود مشغول گشتی از مکرم خود اعراض نمودی۔''

یعنی جتنا تم اپنی کرامت میں مشغول ہوتے ہو اتنی ہی تم نے کرامت دینے والے سے روگردانی کی (مناقب الاصفیاء ص ۱۵۱، ۱۴۷)

ذوق سماع حضرت مخدوم الملک کے مرشد کی نصیحت تھی کہ سماع کے وقت باطنی احوال ظاہر نہ ہوں، اس لئے جب کبھی مجلس سماع ہوتی اور اس میں حضرت مخدوم الملک کو وجد آتا تو خلوت میں چلے جاتے، اور دروازہ بند کر لیتے، وہاں کسی کو آنے کی اجازت نہ ہوتی۔

• سماع کی حلت و حرمت پر معدن المعانی باب ہفتم (ص ۴۷۱۔۴۶۱) اور مکتوبات سہ صدی (مکتوب نود و سوم ص ۲۶۴۔۷۱) میں مستقبل بحثیں ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر سماع سے اللہ تعالیٰ کی محبت کی تحریک ہو، اور احوال شریف یعنی مکاشفات اور ملاطفات ظہور پذیر ہوں تو یہ حلال ہے، اور اگر اس سے طبیعت فسق و فجور کی طرف مائل ہو تو یہ حرام ہے، سماع حلال بھی، حرام بھی، اور مکروہ بھی ہے اور مباح بھی، اور سماع کے سننے سے دل حق کی طرف مائل ہوا تو یہ حلال ہے، اور اگر مجاز کی طرف مائل ہو تو یہ حرام ہے، اور اگر کچھ حق اور کچھ غیر حق کی طرف متوجہ ہو تو یہ مکروہ ہے، اور حق و مجاز دونوں کی طرف مائل ہو لیکن حق کی طرف زیادہ رجحان رکھے تو یہ مباح ہے۔ (معدن المعانی ص ۴۶۳۔۴۶۲)

سماع اہل حق کے لئے مستحب، اہلِ زہد کے لئے مباح اور اہل نفس کے لئے مکروہ ہے،

(مکتوبات سہ صدی ص ۲۶۷)

سماع اگر طلب منفعت کے لئے ہے تو یہ مذموم ہے، اور اگر طلبِ حقیقت کے لئے ہے، تو یہ محمود ہے، (معدن المعانی ص ۴۶۷)

مجلس سماع کے لئے تین شرطیں ضروری ہیں، مکان، اخوان اور زمان، مکان یعنی جہاں مجلس سماع

ہوتی ہو، وہ مشائخ کی جگہ ہو، اور پاکیزہ کشادہ، اور روشن ہو، اخوان یعنی مجلس سماع میں جو شریک ہوں، وہ درویش یا درویش کے دوست ہوں، اہل تمیز، صحبت یافتہ، اور مرتاض ہوں، زمان یعنی سماع کے وقت دل تمام چیزوں سے خالی ہو۔

مجلس سماع کے آداب کی پابندی ضروری ہے، مثلاً شرکاء دوزانو بیٹھیں سر کو آگے جھکائے رکھیں، دائیں بائیں نہ دیکھیں، ہاتھ اور سر کو جنبش نہ دیں، پیاس معلوم ہو تو پانی نہ پئیں، آپس میں گفتگو نہ کریں، قوال کی کوش گوئی کی داد نہ دیں، اشعار کو بہترین طریقہ پر پڑھنے کی فرمائش نہ کریں دل کو حق سبحانہ تعالیٰ کی طرف مائل رکھیں، الخ الخ (مکتوبات سہ صدی ص ۲۷۱، ۲۷۰)

وصال ۷۸۲ھ میں ۶ رشوال شب پنجشنبہ کو بوقت نماز عشاء عالم جاودانی کی طرف رحلت فرمائی، اس روز صبح کی نماز ہی کے وقت سے سفر آخرت کی تیاری شروع کر دی تھی، مریدوں کو پاس بلاتے کسی کو گلے لگاتے، کسی سے مصافحہ فرماتے، کسی کی داڑھی کا بوسہ دیتے، کسی کو آغوش میں لیتے، کسی کو دعائیں دیتے، کسی کو خاص خاص وصیتیں کرتے، بار بار کلام پاک کی آیتیں اور کلمے پڑھتے اور کہتے کہ کل تم سے پوچھیں کہ کیا لائے ہو تو کہنا لا تقنطوا من رحمة الله ان الله یغفر الذنوب جمیعا یہ شعر بھی پڑھا

خدا یار دریائے عام است
وز آنجا قطرۂ مارا تمام است[1]

مغرب کے وقت وضو کر کے نماز ادا کی نماز کے بعد کلمہ طیبہ پڑھتے رہے، پھر مناجات کی دعائیں پڑھیں، آخر میں امت محمدی کے لئے دعا کر رہے تھے کہ لا الٰہ الا اللہ کہتے ہوئے جان جاں آفریں کے سپرد کر دی[2]، تاریخ وصال "پر شرف" (۷۸۲ھ) ہے، وصیت کی تھی کہ جنازہ کی نماز ایسا شخص پڑھائے، جو صحیح النسب سیّد ہو، تارکِ مملکت ہو، اور حافظ قرأت سبعہ ہو، جنازہ رکھا ہوا تھا، کہ عین اس وقت حضرت اشرف جہانگیر سمنانی کا ورود مسعود ہوا، یہ تینوں شرطیں ان میں موجود تھیں، اس لئے جنازہ کی نماز پڑھانے کی سعادت انہی کے حصہ میں آئی، مزار پر انوار بہار شریف میں مرجع خلائق ہے۔

علوئے مرتبت صوفیہ کرام میں مخدوم الملک، مخدوم عالم، سلطان العاشقین، سید المتکلمین، برہان المحققین الصالحین، تاج الاولیاء، سراج الاولیاء اور یکتائے روزگار کے القاب سے مشہور ہیں۔[3]

روحانی سرمائے حضرت الملک کے خاندان والے ان کے تصانیف کی تعداد سترہ سو بتاتے ہیں،

---

[1] وسیلۃ الشرف ص ۵۹، [2] تفصیل کے لئے دیکھو راحت القلوب وفات نامہ حضرت مخدوم الملک قدس سرہ مطبع مفید عام آگرہ

[3] نخ المعانی ص ۲، اخبار الاخیار ص ۱۰۹،

لیکن ہم کو صرف حسب ذیل کتابوں کا پتہ چل سکا ہے،

(الف) مکتوبات۔ (۱) مکتوبات صدی (۲) مکتوبات دو صدی (۳) مکتوبات بست و ہشت (۴) فوائد رکنی،

(ب) ملفوظات۔ (۱) معدن المعانی (۲) خوان پُر نعمت (۳) مخ المعانی، (۴) فوائد غیبی (۵) گنج لایفنی (۶) مونس المریدین (۷) راحت القلوب (۸) ملفوظ الصفر (۹) بحر المعانی (کنز المعانی؟) (۱۰) مغز المعانی،

(ج) تصانیف۔ (۱) ارشاد الطالبین (۲) ارشاد السالکین (۳) رسالہ مکیہ و ذکر فردوسیہ (۴) شرح آداب المریدین (۵) فوائد المریدین (۶) اجوبہ (۷) لطائف المعانی (۸) عقائد شرفی (۹) اوراد کلاں (۱۰) اوراد اوسط (۱۱) اوراد خورد (۱۲) اشارات (۱۳) رسالہ در بدایت حال (۱۴) مراۃ المحققین (۱۵) رسالہ وصول اللہ،

مکتوباتِ صدی۔ یہ حضرت مخدوم الملک کے مرید قاضی شمس الدین حاکم چوسہ کے نام ہیں، قاضی شمس الدین اپنے فرائض منصبی کی مشغولیت کے باعث حضرت مخدوم الملک کی خدمت میں حاضر ہونے سے معذور تھے، اس لئے ان کی تعلیم مکتوبات کے ذریعہ ہوتی تھی[1] حضرت مخدوم الملک ان کو بہت عزیز رکھتے تھے، وصال کے وقت ان کو اپنے پاس بلا کر فرمایا، قاضی شمس الدین کو کیا کہوں، قاضی شمس الدین میرے فرزند ہیں، متعدد بار میں نے کبھی ان کو "فرزندم اور کبھی "برادر" لکھا ہے، انہی کی وجہ سے میرا علم درویشی ظاہر ہوا، انہی کے لئے مجھ کو کہنا اور لکھنا پڑا، ورنہ کون لکھتا[2]" مکتوبات صدی میں تصوف کے تمام اہم مسائل پر مختصر مگر محققانہ مباحث ہیں، یہ مکتوبات ۷۴۷ھ میں لکھے گئے، ان کو حضرت مخدوم الملک کے کاتب مولانا زین بدر عربی نے جمع کر کے اپنے پاس رکھ لیا تھا، مکتوبات صدی کے نسخے چھپ گئے ہیں، ایک نسخہ مطبع نولکشور میں چھپا ہے، جو بے حد غلط ہے، ایک اور نسخہ مطبع علوی محمد علی بخش خاں نقشبندی میں چھپا ہے۔

(۲) مکتوباتِ دو صدی: اس میں عام طور سے ۱۵۱ مکتوبات پائے جاتے ہیں[3]، اس کو مولانا زین بدر عربی نے مذکورۂ بالا مکتوبات کے بائیس سال کے بعد ۷۶۹ھ میں ترتیب دیا تھا، مگر خدا بخش خاں لائبریری کے مخطوط میں مرتب کا نام محمد بن محمد بن عیسیٰ البلخی المدعو بہ اشرف بن رکن ہے[4]، یہ مخطوطات بھی چھپ گئے ہیں، ایک نسخہ سہ صدی مکتوبات کے نام سے کتب خانہ اسلامی پنجاب لاہور سے بھی شائع ہوا ہے، جس میں مکتوبات صدی کے ۱۰۰ مکتوبات اور مکتوبات دو صدی کے ۱۵۲ مکتوبات کے علاوہ مکتوبات

---

[1] دیباچہ مکتوبات سہ صدی ص ۲ مطبع اسلامی لاہور، [2] راحت القلوب وفات نامہ ص ۲۷۔۲۶، [3] دیکھو انڈیا آفس کٹیلاگ ص ۱۰۲ ص ۱۸۴۴ و نیز ایشیاٹک سوسائٹی کیٹلاگ ص ۵۷۴، [4] دیکھو کیٹلاگ ج ۱۶ ص ۲۸

بست وہشت بھی شامل کردیئے گئے ہیں۔

یہ مکتوبات کسی ایک شخص کے نام نہیں ہیں، بلکہ اس زمانہ میں حضرت مخدوم الملکؒ نے مختلف مریدوں کے نام جو خطوط لکھے ہیں، ان ہی کا مجموعہ ہے، اس لیے بعض مباحث میں توارد اور تکرار پیدا ہو گیا ہے۔

(۳) انڈیا آفس میں حضرت مخدومؒ کے مکتوبات کا ایک اور مجموعہ ہے، جس میں ۱۲۵ مکتوبات ہیں، اس میں بھی خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم کے نام خطوط ہیں، ان دونوں کو حضرت مخدوم الملکؒ فرزند کہہ کر مخاطب فرماتے ہیں، جس سے انڈیا آفس کیٹلاگ کے مرتب کو دھوکہ ہوا ہے کہ وہ دونوں حضرت مخدوم الملکؒ کے صاحبزادے تھے۔

(۴) مکتوباتِ بست وہشت: یہ مولانا امام مظفر قدس سرہٗ کے نام ہیں، بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت مخدوم الملکؒ نے ان کے نام دو سو سے زیادہ خطوط لکھے تھے، مگر ان کو وہ (امام مظفر) عوام سے پوشیدہ رکھنا چاہتے تھے، اس لیے انھوں نے وفات کے وقت وصیت کی تھی کہ یہ خطوط ان کے ساتھ قبر میں دفن کر دیئے جائیں، مگر اتفاق سے یہ اٹھائیس خطوط کہیں پڑے رہ گئے، جو رفتہ رفتہ بالکل عام ہو گئے، اور اب یہ کتاب کی صورت میں شائع کر دیئے گئے ہیں[1]۔

فوائدِ رکنی: ۴۴ صفحے کا ایک رسالہ ہے، جس میں حضرت مخدوم الملکؒ نے اپنے ایک مرید رکن الدین کو حج کعبہ کے وقت میں سفر و حضر میں مطالعہ کے لئے ہدایتیں دی تھیں، یہ خطوط کی صورت میں ہے، اس کے مختلف فوائد ہیں، عشق الٰہی کی بے چارگی، انسان کی برتری، راہ طریقت میں محنت و ریاضت، سکار دغدار دنیا سے قطع تعلق، تواضع وانکسار، روحانی گرسنگی، اور صوفیہء کرام کے رموز واشارات پر مباحث ہیں، ایک جگہ فرماتے ہیں کہ مریدوں کو حضرت ابو بکرؓ اور پیروں کو رسول اللہ ﷺ کے اسوہ پر چلنا چاہیے۔

ایک دوسری جگہ دنیا کو حضرت آدمؑ کا غلیظ کہا ہے۔

حضرت مخدوم الملکؒ کی تمام تصانیف میں مکتوبات بہت ہی مقبول ہوئے، حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ نے اس کا مطالعہ کیا، تو فرمایا کہ سبحان اللہ! شیخ شرف الدین یحیٰ منیریؒ نے ہم لوگوں کے صد سالہ کفر کو ہتھیلی پر رکھ کر دکھا دیا ہے، (مناقب الاصفیاء ص ۱۴۰) حضرت سید جلال الدین بخاری جہانیاں جہاں گشتؒ سے ان کے آخر عمر میں کسی نے پوچھا کہ آپ کا کیا شغل رہتا ہے، تو فرمایا کہ شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیریؒ کے مکتوبات کا مطالعہ کرتا رہتا ہوں، یہ سن کر ان سے سوال کیا گیا، کہ آپ نے ان مکتوبات کو کیسا پایا، تو فرمایا کہ ان مکتوبات کے بعض مقام کو اب میں سمجھا ہوں، (مناقب الاصفیاء ص ۱۴۰)

---

[1] دیکھو دیباچہ مکتوبات بست وہشت ص ۳۰۲ مطبع اسلامی لاہور۔

ابوالفضل آئین اکبری میں رقمطراز ہے:۔
''وفراواں تصنیف از دیادگار، ازاں میان مکتوبات او در سرشکتی نفس آزمون دارد
(ج ۳ ص ۱۷۲)
مولانا عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:۔
''اورا تصانیف عالی است، از جملہ تصانیف اومکتوبات مشہور ولطیف ترین تصانیف
اوست، بسیاری از آداب طریقت واسرار حقیقت درآنجا اندراج یافتہ (اخبار الاخیار
ص ۱۰۹)

مکتوبات کی تعلیمات پر مباحث آگے آئیں گے، اس سے پہلے حضرت مخدوم الملک کے ملفوظات میں سے کچھ کا ذکر ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

(۱) معدن المعانی۔ اس کو حضرت مخدوم الملک کے مرید خاص مولانا زین بدر عربی نے دو جلدوں میں مرتب کیا، اس میں ۷۴۹ھ سے ۷۵۱ھ تک کے ملفوظات ہیں، جن میں نہ صرف خالص صوفیانہ رموز ونکات ہیں بلکہ حدیث، اور علم کلام پر بھی مباحث ہیں، جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مخدوم الملک کی خانقاہ کی مجلسوں میں نہ صرف تصوف کے عقد ہائے لانحل حل کئے جاتے تھے، بلکہ وعظ ونصیحت، رشد و ہدایت، اوامر ونواہی، اوصاف حمیدہ اور اخلاق حسنہ کی تعلیم بھی جاری تھی، ان ہی تعلیمات کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے، کہ اس وقت مذہب اور تصوف دو الگ چیزیں نہ تھیں، بلکہ دونوں ایک ہی شمع کے دو پرتو تھے۔

مجموعہ میں ایک خاص بات یہ پائی جاتی ہے کہ حضرت مخدوم الملک جو کچھ فرماتے تھے، اس کے آخر میں اشعار پڑھ کر اس کو دل پذیر اور اثر انداز بنا دیتے تھے، مثلاً ایک جگہ فرمایا، طالب دنیا، دنیا کے اسباب کو فراہم کرنے میں لگا رہتا ہے، طالب عقبیٰ احکام شرع کو سامنے رکھتا رہے، اور اس کی ظاہری پابندی کرتا رہتا ہے تاکہ اس کو عقبیٰ حاصل ہو، لیکن طالب مولیٰ کا جب تک باطن درست نہیں ہوتا ہے، اپنے مقصد کو حاصل نہیں کرتا ہے، اس کے بعد فرمایا:۔

پاک شو تاز اہل دیں گردی — آں چناں باش تا چنیں گردی
گرچہ پاک ست ہر چہ نیست تست — ہمہ در جنب حق جنابت تست
ہر چہ جز حق بسوز و غارت کن — ہر چہ جز دیں از و طہارت کن

طالب مولیٰ کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے باطن کو درست اور صاف کرے اس کے لئے یہی چیز اصل ہے۔

طالب اور غسل در گیرد — از جنب حق نماز پند یرد

تا بجا ردب لا نرو بے راہ　ترسی در سرائے الا اللہ
نشوی در نہاد خود سالار　بہ نماز و بردزۂ بسیار!
زانکہ ہر چند گرد بر گردی　تو کہ زیں ورطہ خواجہ تر گردی

ایک اور موقع پر فرمایا کہ اگر خلق کا کوئی ممدوح ہے لیکن وہ حق (یعنی خدا) کے ساتھ نہیں ہے تو اس کو کوئی فائدہ نہیں حاصل ہوگا لیکن اگر خلق کا وہ مذموم ہے اور حق کے ساتھ ہے تو اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا، اگر کسی کو ملک فلک اور ساری دنیا مسلمان سمجھتی ہو لیکن اس کے اور حق کے درمیان معاملات صحیح نہیں ہیں تو اس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا ہے اور اگر سارا عالم اس کو کافر اور مرتد سمجھے لیکن اس کے اور حق کے درمیان معاملات درست ہیں، تو اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا، اس کے بعد یہ بیت پڑھی۔

چواں راضی شد از بندہ یزانِ پا
کر اینہا نگردند راضی چہ باک

خلق سے علیحدہ رہنے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ گوشہ میں بیٹھا ہو، مگر دل خلق کی طرف مائل ہو، اور جاہ ومنزلت کا بھی خواہاں ہو، تو یہ گوشہ گیری بے سود ہے، کوئی خلق کے درمیان رہے، لیکن اس کا دل حق کے ساتھ ہو تو اس کو کوئی نقصان نہیں پہونچ سکتا،

اے سنائی کم ثنائی گیر
بر رہ سنت آسیانی گیر

اسی سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کہ گوشہ گیری کی دو قسمیں ہیں، اگر کوئی گوشہ گیر اس لئے ہوتا ہے کہ لوگ اس کے شر سے محفوظ رہیں، تو یہ خوار ہی نفس ہے، اور وہ متواضع ہے، لیکن کوئی گوشہ گیر اس لیے ہو جائے کہ وہ لوگوں کے شر سے محفوظ رہے تو یہ نفس کا تکبر ہے، اور وہ متکبر ہے، اس کے بعد فرمایا:

نفسِ کافر را بکش مومن بباش　چوں بکشتی نفس را ایمن مباش
آدمی زاد تا نہ شد شد مردم　گہہ پری، گاہ دیو، گہہ کژدم
دشمنت نفس خاکش دار　کعبۂ حق دل است پاکش دار

(معدن المعانی ص ۲۲۴)

حضرت مخدوم الملکؒ کے اشعار پڑھ کر کسی نکتہ کو واضح کرنے کی مثالیں ان کے ملفوظات میں بکثرت ملیں گی، جیسا کہ آگے بھی ذکر آئے گا، اس سے دو باتیں ظاہر ہوتی ہیں، ایک تو یہ کہ ان کو بکثرت اشعار یاد تھے، جو موقع بہ موقع برجستہ طور پر استعمال کرتے رہتے تھے، اس سے ان کی قوت حافظہ کا بھی اظہار ہوتا ہے، دوسرے یہ کہ ان کا ذوق شعری بھی غیر معمولی قسم کا تھا، اور وہ برابر بلند اور پاکیزہ قسم کے شعراء کے دواوین مطالعہ میں رکھتے تھے، تب ہی تو ان کو اتنے اشعار یاد تھے، ممکن ہے کہ وہ شاعر بھی

رہے ہوں، گو کسی تذکرہ میں ان کی یہ حیثیت نظر سے نہیں گذری۔

(۲) خوانِ پُرنعمت (مرتبہ مولانا زین بدر عربی) اس کو معدن المعانی کی تیسری جلد سمجھنا چاہیے، اس میں نماز معکوس، قوت ملکی، تفکر، عبادات، عذاب و راحت قبر، ولایت اولیاء، شب معراج، وصول، خواب کی تعبیر وغیرہ کے علاوہ تصوف کے جزوی نکات در فقہی و شرعی مسائل بھی ہیں، ۹۱ ۷ھ میں ختم ہوئی، اس میں ایک جگہ ہے کہ حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ کسی مومن کا کام کردینا اور اس کے لئے کوشش کرنا بڑی دولت ہے، اس کو کار پیغمبر سمجھنا چاہیے، اسی سلسہ میں فرمایا کہ جب میں اپنے پرانے حجرے میں تھا، تو اس وقت ایک ملک یعنی حاکم تھا، جو لوگوں سے اچھے برتاؤ نہیں کرتا تھا، لوگ میرے پاس آتے، اور اس ملک کے پاس مجھ سے سفارش لے جاتے، میں ہر ایک کو سفارش لکھ کر دیتا، ایسے لوگوں کا ہجوم ہوا تو میں ان سے بہت تنگ آ گیا، اسی زمانہ میں ایک چشتی شیخ زادہ جو وہاں تھے، میرے پاس آئے، میں نے ان سے کہا کہ سفارش کرنا میرے لئے مشکل ہو گیا ہے، میں لوگوں سے تنگ آ گیا ہوں، یہ سن کر شیخ زادہ نے کہا:

''تنگ می آئید، زینہا تنگ می آئید بلائے خلق را بکشید۔''

اس کی بعد کچھ اور نصیحتیں کیں، آگے چل کر حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ مسلمانوں کا کام انجام دینا ایک بڑا کام ہے، اسی سلسلہ میں یہ گفتگو آئی، کہ مشائخ بادشاہوں کے دروازے پر جائیں یا نہ جائیں تو حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ اگر بادشاہ طلب کرلے تو ضرور جائیں، اور اگر طلب کرنے پر نہ جائیں تو یہ بدعت ہوگی، البتہ بغیر طلب کئے نہ جائیں، لیکن ان کے جانے سے مسلمانوں کا کام انجام پا جائے تو پھر بلا طلب کے بھی جائیں، (خوان پرنعمت ص ۴۲۔۴۰)

خوان پرنعمت مطبع احمدی پٹنہ میں چھپ گئی تھی، ۱۲۱ صفحے پر مشتمل ہے، اس کے آخر میں حضرت مخدوم کی ایک مناجات بھی ہے۔

(۳) مخ المعانی۔ اس کو بھی مولانا زین بدر عربی نے مرتب کیا، اس میں بھی مختلف مسائل مثلاً ماہ رجب کے روزے کی فضیلت، توبہ، لیلۃ الرغائب، تلاوت کلام پاک ادعیہ، کھانے کے آداب، شہیدوں کا مرتبہ، شب معراج، علم کسبی و غیر کسبی، شب برات، لیت ولعل، نماز تراویح، پیر، مرد کامل تعبیر خواب، توبہ، موسی، تصفیہ و تزکیہ باطن، صلابت، امیر المومنین حضرت عمرؓ جوع صدق، وقوف، فکر، رجوع، کدورت ہائے بشر وغیرہ وغیرہ پر ملفوظات ہیں، کل ۵۳ مجلسوں کا ذکر ہے، مطبع مفید عام آگرہ میں چھپی تھی، ۱۵۸ صفحے پر مشتمل ہے پہلے ذکر آیا ہے کہ حضرت مخدوم الملکؒ اپنے ملفوظات کو اشعار سے موثر بناتے تھے، مخ المعانی میں بھی، جن مجلسوں کا ذکر ہے، ان میں حضرت مخدوم الملک کی زبان مبارک پر جو اشعار اور رباعیاں آئیں، وہ اور بھی زیادہ دلکش اور موثر ہیں، ان سے بھی ان کے آتش کدہ عشق کی

چنگاریاں اور شعلے بلند ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں ان میں کئی رباعیاں بزرگان کی بھی ہیں، جن سے اندازہ ہوگا کہ اس زمانہ میں بخشی کی رباعیاں بزرگان دین میں کیسی مقبول ہوگئی تھیں۔

فرماتے ہیں کہ قبر میں بھی اندوہ ہوگا جو قیامت کے روز سہارا ہوگا۔

در گور برم از سر گیسو تو تارے
تا سایہ کند بر سر من روز قیامت

محبوب کے جمال کی طلب حبیب کے عشق کا کمال ہے۔

عشق مارا کے بود غایت پدید　　حسن جاناں چوں ندار دغایتے
جمال در نظر و شوق ہمچناں باقی　　گداگر ہمہ عالم بدو دہند گداست

عالم اپنے علم، عارف اپنی معرفت، عاقل اپنی عقل، مطیع اپنی اطاعت، زاہد اپنے زہد، عابد اپنی عبادت میں گم رہتا ہے، یہ مشکل کام ہے، لیکن یہی اصل چیز ہے۔

ہمود اندز و ریا مبطلاں را　　ہمہ خواند بخود صاجبدلاں را
ہمود اند کہ ایں راز نہاں چیست　　چہ داند مردم گم گشتگان چیست

دوستی کی راہ میں صدق ہی رہبر ہوتا ہے

در طلب دوستی صدق ترا رہبر است
خواہ بدستار کوش خواہ بزنا رباش

دنیا کی آبادی مردانِ دین سے ہوتی ہے، اور اگر وہ نہیں ہوتے ہیں تو دنیا ویران ہو جاتی ہے، پھر ابلیس برہنہ ہوکر زبان حال سے جو کچھ کہتا ہے وہ نخشی کی اس رباعی سے ظاہر ہوگا۔

نخشی بر زمین نماند کسے　　خونِ من از زمانہ آب شدہ
دیر شد ایں جہاں از اہلِ صلاح　　شکل و لہاے ما خراب شدہ

عوام کے لئے دنیا نفس، اور دنیا کے لوگ حجاب ہیں، خواص اگر اپنی عبادت، کے ثواب اور اپنی کرامت پر نظر رکھتے ہیں تو یہ ان کے لئے حجاب ہے، اسی لئے نخشی نے یہ کہا ہے:۔

نخشی ذکر کار خویش مکن　　یار منت نہندہ بار مداں
گر بخواہی کہ کار بیش رود　　کاری کن ولیک کار مداں۔

اگر دل آئینہ کی طرح صاف ہے تو پھر حجاب باقی نہیں رہتا، لیکن زنگ خوردہ دل میں جمالِ دوست نہیں دکھائی دیتا۔

سعدی حجاب نیست آئینہ صاف دار
زنگار خوردہ کے بہ نماید جمالِ دوست

دعا کی اہمیت نخشی کی اس رباعی سے ظاہر فرماتے ہیں:

نخشی در دعا مکن اہمال از دعا التماس راندہ شود
ہر درے را کہ آسمان بندد بہ کلید دعا کشادہ شود

عارف کے لئے دنیا آخرت کا حجاب ہے، اور آخرت مولیٰ کا حجاب ہی اسی لئے وہ پکار اٹھتے ہیں:

دنیاست بلا خانہ و عقبی ہوس آباد
فارغ ازیں ہر دو نہ آنم نہ اینم

محبت میں خاک ہوجانے ہی میں بقا حاصل ہے،

چہ باک از محبت کہ خاکت کند
کہ باقی شومی گر ہلاکت کند

عاشق الٰہی پر عشق، حال اور وجد کی ایک کیفیت طاری رہتی ہے، اور وہ ایک امید میں مست رہ کر اپنی راہیں طے کرتا رہتا ہے۔

از مانہ علم پرس نہ زہدہ نہ معرفت
راہی ہمی ردیم بامید واری

حضرت مخدوم الملکؒ نے فرمایا کہ بعض متصوفین کے نزدیک کفر تین قسم کا ہے، کفر محمدی، کفر ابلیس اور کفر حق، کفر حق کفر حقیقی ہے، اس کے بعد عین القضاۃؒ کے قول کی روشنی میں یہ وضاحت کی کہ سالک راہ سلوک میں پہلے نور محمدی کی تجلی دیکھتا ہے، اور اس وقت اس کو گمان ہوتا ہے کہ یہی الوہیت کی تجلی ہے، تو یہ مقام کفر محمدی کا ہوجاتا ہے، سالک کو راہِ سلوک میں ایسا مقام بھی آتا ہے، کہ وہ نور ابلیس کی تجلی دیکھتا ہے، اور اس کے جمال وکمال کے کشف کو کشف الوہیت سمجھ کر وہ خداوند تعالیٰ سے کہنے لگتا ہے، تو ہی مقصود ہے، تو ہی مطلوب ہے، تو یہ کفر ابلیس ہوجاتا ہے، یہ شعر اسی معنی میں کہا گیا ہے:

اگر کور برم بز لفت بوئے ایمانم
گوئی سلسلہء کفر ہمی جنبانم

کفر حقیقی ذوق ہی سے معلوم ہوتا ہے،

حضرت مخدوم الملکؒ نے اپنی ایک مجلس میں خواجہ عطارؒ کی تذکرۃ الاولیاء سے یہ روایت بھی بیان کی، کہ جب منصور کو دار کے پاس لایا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ مردوں کی معراج یہی ہے، پھر فرمایا کہ جب منصور کو قید خانہ میں ڈال دیا گیا، تو رات کے وقت ان کی طلبی ہوئی، وہ قید خانہ میں نہ پائے گئے، دوسری رات کو پھر طلب کیا گیا تو پھر وہاں وہ موجود نہ تھے، اور نہ دوسرے قیدی تھے، تیسری رات طلب کئے گئے، تو وہ قیدیوں کے ساتھ موجود تھے، لوگوں نے ان سے پوچھا تو کہا کہ پہلی رات تو میں اپنے

دوست کے ساتھ تھا، اسی لئے لوگوں نے مجھ کو نہ دیکھا، دوسری رات میرا دوست یہاں تھا، اسی لیے نہ میں نظر آیا، اور نہ قیدی دیکھے گئے، آج کی رات میں یہاں ہوں، شرع کا جو حکم ہے، وہ بجا لایا جائے، اس وقت تین سو قیدی قید خانہ میں تھے، ان سے کہا، میں نے تم لوگوں کو آزاد کیا، تم جاؤ، لوگوں نے کہا کہ آپ خود اپنے آپ کو آزاد کیوں نہیں کرتے ہیں، فرمایا، میں تو خدا کی قید میں ہوں، شریعت کا لحاظ رکھتا ہوں، اس کے بعد دیوار کی طرف اشارہ کیا، اس میں رخنہ ہوا، اور تمام قیدی باہر چلے گئے، جب صبح ہوئی تو ان سے پوچھا گیا کہ قیدی کہاں گئے، تو بولے میں نے سب کو آزاد کر دیا، لوگوں نے پوچھا، آپ خود کیوں نہیں چلے گئے، تو کہا کہ میرے دوست کا مجھ پر عتاب ہے، اسی لئے میں یہاں رہ گیا ہوں، تا کہ میں تم تک پہنچ سکوں، جب یہ خبر خلیفہ کو ہوئی تو انہوں نے کہا کہ بڑا فتنہ کھڑا ہوگا، اس لیے ان کو ان کے انجام تک پہونچا دیا گیا۔

نخشی عشق مذہب ست عجب — شدنش کس بیاں چہ خواہد کردد
آنکہ رہ بفرقِ دوست نہد — برسر دشمناں چہ خواہد کرد

نخشی کی اور رباعیاں نقل کی گئی ہیں وہ یہ ہیں، جن سے عشقِ الٰہی اور معرفت کی خوبیاں ظاہر ہوتی ہیں،

نخشی را وجود گہہ بوست — انداو دلبراں ہلاکش کرد
عشق در من نشان من نگذاشت — بس وجودیکہ وجد خاکش کرد
نخشی معرفت عجب ملکیست — حشم او ہر پیران عباد اند
زاہداں بادشاہ آخرت اند — عارفاں بادشاہ ہاد اند

اہل فنا کے لئے نام ونشان کچھ بھی نہیں ہوتا، وہ ان چیزوں سے بے نیاز ہوتے ہیں، ان کا کون و مکاں کچھ اور ہی ہوتا ہے،

مردان رہش زندان بجان وگراند — مرغانِ ہوایش ز آشیانے وگراند
منگر تو بدیں دیدہ پریشاں کایشاں — بیرون ز دو کون و از جہانے دگراند

اس کو خود بھی اپنی خبر نہیں ہوتی، جیسا کہ اوحدالدین کرمانی نے بھی بیان کیا ہے،

کاشکے دانستم کاندر جہاں کیستم — با چنیں سرگشتہ و حیراں ز بہر چیستم
یا چہ ام یا در چہ ام یا از چہ ام یا بر چہ ام — دوش ازیں غم تا سحر بر خویشتن نگریستم

حضرت مخدوم الملک نے فرمایا کہ شرع کی ایک حد ہے، جس سے کبھی آگے نہ گذرنا چاہئے، اگر کوئی گذرتا ہے تو اس کے لئے درہ ہے، اور تلوار ہے، اگر کوئی خدا کے ساتھ دیوانگی دکھلاتا ہے، تو اس کے یہ معنی ہیں کہ اس کا علم اس کی عقل کا ساتھ نہیں دے رہا ہے لیکن شرع کے معاملہ میں علم اور عقل کا سوال

نہیں اٹھتا ہے، اس کی پابندی ضروری ہے، اسی لئے کہا گیا، کہ

با خدا دیوانہ باش و محمد ﷺ ہوشیار

خدا کے ساتھ دیوانگی ہوسکتی ہے،

ہر حیلہ کہ در عقل من آمد کردیم

جفا کہ کنوں نوبتِ دیوانگی است

ایک اور موقع پر فرمایا کہ کفر دل کے ساتھ ایمان نہیں ہوسکتا ہے، اسی کیساتھ شرک کے ساتھ توحید نہیں ہوسکتی ہے، کفر دل شرک خفی ہے، ایمان اور توحید کمال صحت اس میں ہے کہ یہ شرک خفی اور شرک جلی سے بالکل پاک ہوں، اگر کسی مسلمان کا ایمان اور اس کا عقیدہ توحید ان دونوں چیزوں سے پاک نہیں، تو وہ مسلمان نہیں، اسی لئے اہل بصیرت غایت احتیاط میں کہہ اٹھتے ہیں،

نمی دانم کرا باتم بدیں سیرت گرفتارم

نہ من ہندو نہ من مسلم نہ من مرتد نہ بدکارم

(۴) فوائد غیبی، اس میں اوائل ماہ شعبان ۷۵۷ھ سے ماہ صفر ۷۵۹ھ تک کی ۳۲ مجلسوں کے ملفوظات ہیں، جو مباحث آئے میں ان کے کچھ عنوانات یہ ہیں، اسمائے بار، حکمت اشیاء، اقسام حقوق عباد، شہود و مشہود، خصلت علم، ارکان حج وغیرہ،

(۵) گنج لایفنی۔ اس کو بھی مولانا زین بدر عربی نے مرتب کیا، اس میں ربیع الاول ۷۶۰ھ سے ذی الحجہ ۷۶۰ھ تک کی مجلسوں کے ملفوظات ۳۶ ورق میں ہیں، اس کے کچھ موضوعات یہ ہیں۔ امام محمد اور امام یوسف کے مکالمے، امام اعظم کی تعریف، شب قدر کی علامتیں، سکرات موت، تکفین میت، فضیلت حضرت ابوبکر صدیقؓ، آگ کی لطافت، تجلی باری تعالیٰ وغیرہ،

(۶) مونس المریدین۔ اس کو مولانا صلاح مخلص داؤد خانی نے مرتب کیا، اس میں شعبان ۷۷۳ھ سے محرم ۷۷۵ھ تک کی اکیس مجلسوں کے ملفوظات ہیں، جامع ملفوظات کا بیان ہے کہ یہ رموز الٰہی اور بے انتہا انوار کا خزانہ ہے، اس کے کچھ موضوعات یہ ہیں، جواز محبت مشائخ و علمائے حق، نعمت بہشت، تلقین صدق، تعریف سجادہ و صاحب سجادہ، تعریف زہد، مقطعاتِ قرآن، فضیلت تلاوت قرآن، ضخامت توریت، مذمت ظلم، اقسامِ سفر، ذکر سعادت وشقاوت، نماز لیلۃ الرغائب، بخل و احسان بادشاہ، ذکر روح، دعائے خشک سالی، عذاب فصلی، عذاب قہری، حق العباد، خروج دجال، نفخ صور، تعریف شریعت و حقیقت، وقت رحال، تمکین و مقام، ایمان مقلد، ایمانِ عارف، تکبر و خود بینی، ایفائے عہد، مہمان نوازی، مذمت نفس وغیرہ۔

اردو میں اس مجموعہ کا ترجمہ شاہ قسیم الدین احمد نے (بیعت الشرف، خانقاہ، بہار شریف) نے کیا،

ترجمہ بہت ہی صاف، سلیس اور رواں ہے، اصل کے مطابق بھی ہے، اس لئے جو صاحب فارسی اچھی طرح نہ جانتے ہوں، ان کو اس ترجمہ سے حضرت مخدوم الملکؒ کی تعلیمات سمجھنے میں بڑی مدد ملے گی، بلکہ اس کے مطالعہ سے لطف اٹھائیں گے۔

اس میں ایک موقع پر (مجلس چہارم) فرمایا کہ صاحب سجادہ وہ ہے، جو شریعت، طریقت اور حقیقت ان تینوں راہوں کو طے کر چکا ہو، اور جس نے ان تینوں راہوں کو طے نہیں کیا ہے، وہ صاحب سجادہ نہیں، بلکہ اپنی راہ کا شیطان ہے، اگر وہ مصلیٰ پر بیٹھ کر سجادگی کا دعوےٰ کرتا ہے تو حاشا وکلا وہ مصلیٰ نہیں، بلکہ اس کی راہ کا بت اور زنار ہے۔

ماہ رویان تیرہ ہوشانند جاہ جویان دین فروشانند
ہمہ در علم سامری دارند از برون موسیٰ از درون مارند
سر بباغ ودل زمین دارند کہ دل وعقل شرح ودیں دارند
ازرہ شرع و شرط برگشتہ تشنہء خونِ یکد گرگشتہ

ایک دوسرے موقع (مجلس پنجم) پر فرمایا کہ ایک قاضی تو وہ ہے جو عالم ہے، اور اپنے علم کے ذریعہ شرع شریف کو نافذ کرتا ہے، اور اس کے نفاذ میں لالچ یا کسی سے کوئی امید نہیں رکھتا، ایسے قاضی کی جگہ بہشت میں ہوگی، دوسرا قاضی وہ ہے جو عالم تو ہوتا ہے، مگر احکامِ شرعیہ کو رشوت لے کر نافذ کرتا ہے۔

ہر آں قاضی کہ رشوت خوار باشد
مقامِ دے ہمیشہ نار باشد

تیسرا قاضی وہ ہے جو جاہل ہے، اور امور شرعیہ کو اپنی جہالت کے ساتھ نافذ کرتا ہے،

جہل چوں آتش بود از نہاد
عالمے ازوے سوز واے جواد

ان ہی دو طرح کے قاضیوں کے متعلق حکم ہے کہ قاضیان فی النار،

چراغِ عقل و دانش بیش خورا
وگرنہ درچہ افتی سرنگوں سار

یہ ملفوظات صرف قاضیوں ہی کے لئے نہ تھے، بلکہ تمام حکام وقت پر ان کا اطلاق ہوتا ہے۔
ایک مجلس (مجلس دہم) میں فرمایا کہ کچھ دن قبل سنار گانوں میں ایک بادشاہ تھا، جس کا نام شمس الدین تھا، ایک دن اس نے اپنے وزیر ارسلان خاں سے کہا کہ میرے دو بیٹے ہیں، ایک حاتم خاں جو بہار میں ہے، اور دوسرا بہادر شاہ جو کامروپ میں ہے، سچ سچ بتاؤ ان دونوں میں بادشاہت کے لائق کون ہے، وزیر نے جواب دیا، دونوں میں سے کوئی بھی نہیں، بادشاہ نے پوچھا، سبب؟ وزیر نے جواب دیا کہ

حاتم خاں میں حلم ورحم وکرم ہے، بہادر شاہ میں قہر وجبر وغیرت ہے، نہ اُس میں قہر ہے، نہ اس میں حلم ہے، نہ اُس میں جبر ہے، نہ اس میں کرم ہے، نہ وہ غفور ہے، نہ یہ رحیم ہے لہٰذا دونوں ناقص ہیں، اور یہ بات صحیح ثابت ہوئی، دونوں کو جب ان کے علاقہ کی حکومت ملی تو ایک نے اپنے حلم ورحم اور دوسرے نے اپنے قہر وجبر سے سلطنت گنوادی، اس مجلس میں کسی نے پوچھا کہ اس شعر کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا،

خوبرویاں ہر زماں اسلام غارت می کنند
کافرم گر ہیچ خوبے را مسلماں دیدہ ام

حضرت مخدوم الملک نے فرمایا کہ یہ دیوانوں کی باتیں ہیں، ہوشیاروں کے پڑھنے کے لئے نہیں ہیں، اصل یہ ہے کہ دیوانہ ایک خاص حالت اور خاص وقت میں اپنی دیوانگی میں کچھ کہہ جاتا ہے، وہ عاقلوں کے نزدیک ضرور خطا سمجھی جاتی ہے، لیکن خدا کے نزدیک معقول ہو جاتی ہے، یہ فرما کر، ایک قصہ سنایا، کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بڑی خشک سالی ہوئی، لوگوں نے بارش کی دعا کی، لیکن بارش نہ ہوئی، وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور سے پانی چاہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مناجات پڑھی، لیکن ندا آئی کہ تمہارے یہاں برخ نامی ایک دیوانہ ہے، اگر وہ دعا کرے گا تو پانی برسے گا، حضرت موسیٰ برخ کے پاس آئے اور اس سے دعا کرنے کو کہا، برخ نے کہا کہ آپ میرے پیغمبر ہیں، آپ کی موجودگی میں دعا نہیں کر سکتا، حضرت موسیٰ نے فرمایا، خدا تعالیٰ کا بھی فرمان ہے، کہ تم دعا کرو، برخ اٹھا اور آسمان کی طرف رخ کر کے کہا کہ یہ نجالت تو نے کہاں سیکھی، ابھی یہ بات کہنے بھی نہ پایا تھا کہ خوب بارش ہوئی، دوسرے دن جب حضرت موسیٰ اس کے پاس گئے تو اس نے کہا، آپ نے دیکھا کل ہم نے اس سے کیا کچھ کہا، اس کے بعد حضرت مخدوم الملکؒ نے یہ پڑھا،

لا جرم دیوانہ را گرچہ خطا است ہر چہ می گوید بگستاخی روا است
خیرو شر چوں زآنجامی رود گفتۂ دیوانہ زیبا می رود

اس کے یہ معنی ہیں کہ دیوانوں کی دیوانگی خطا ضرور ہے، لیکن ان ہی کے لئے زیبا ہے ہر ایک کی لئے موزوں نہیں،

ایک مجلس میں تمکین اور مقام جیسی اصطلاحات کی تصریح کرتے ہوئے فرمایا، کہ طالب جب مطلوب تک پہونچ جاتا ہے، اور اس کے ساتھ آرام سے رہتا ہے، تو اس کو تمکین کہتے ہیں اس کی مثال یہ ہے کہ عالم میں دریا اور ندیاں ہر سمت بہتی اور جوش وجنبش میں رہتی ہیں لیکن جب یہ سمندر میں پہونچ کر مل جاتی ہیں تو اس پانی میں جوش وخروش نہیں رہتا ہے، بلکہ اس کو قرار آجاتا ہے۔

اگرچہ سیل را صد جوش باشد چو در دریا رود خاموش باشد

رود بیک سیل بر آرد نفیر — بحر بصدرود شد آرام گیر

مقام وہ ہے کہ جب کسی سے کوئی قصور سرزد ہوا تو توبہ وزاری کرے اور کہے کہ اے پروردگار میں نے اپنی جان پر بہت ظلم کیا، مجھ کو بخش دے، کیونکہ تیرے سوا کوئی اور گناہ کو نہیں بخش سکتا ہے۔

مومن کو چاہئے کہ ہر دم توبہ واستغفار کرتا رہے،

اے پیر گنہگار، در توبہ کشادہ است — انوار نعم بہر تو آمادہ نہادہ است

بشتاب سوئے توبہ کہ ار نادر گیتی — در گردن تاخیر بسے واقعہ زادہ است

ایک مجلس میں فرمایا کہ ہم بیچاروں پر سات آٹھ سو سال گذر رہے ہیں، ہم لوگ اپنے کو مسلمان کہتے اور مسلمانی کا دعویٰ کرتے ہیں، مگر جس نے یہ کہا ہے ٹھیک کہا ہے،

سودہ گشت از سجدۂ راہ بتاں پیشانیم

چند خودرا تہمت دیں مسلمانی تہمتم

یعنی بتوں کی راہ میں سجدہ کرتے کرتے پیشانی گھس گئی ہے، اس پر بھی مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، یہ دین مسلمانی پر محض تہمت ہے۔

(۷) راحت القلوب۔ اس کو بھی مولانا زین بدر عربی نے مرتب کیا، اس میں ۸۲ےھ کے بعد اور حضرت مخدوم الملک کی وفات سے کچھ پہلے کی دس مجلسوں کے ملفوظات ہیں، ۲۰ صفحے کا یہ رسالہ ہے، جو مفید عام پریس آگرہ میں طبع بھی ہوگیا ہے، اس میں رضائے حق، مبداء، معاد، متکلمین، مشائین، اشراقیین صوفی، متشرع خواجہ اویس قرنی، سجدہ آدم صفی اللہ، آداب تلاوت قرآن پاک، نماز جمعہ کی سنت اور فرض رکعتوں، روزۂ عاشورہ، سادات کے اوصاف وغیرہ پر مباحث ہیں، کلام پاک کی بعض آیتوں کی تفسیر بھی ہے۔

حضرت مخدوم الملکؒ کے اور دوسرے ملفوظات جو ان سے منسوب ہیں، ان کے نام یہ ہیں، ملفوظ الصغر، بحر المعانی (کنز المعانی) مغز المعانی (مرتبہ شیخ شہاب الدین عماد) مراۃ المحققین،

تصانیف میں سے کچھ کا ذکر ذیل میں درج ہے،

(۱) ارشاد الطالبین۔ یہ سولہ صفحے کا ایک مختصر رسالہ ہے، اس میں حضرت مخدوم الملکؒ نے طالب حق کو مختلف قسم کی ہدایتیں دی ہیں، انڈیا آفس کی فہرست میں اس کا نام برہان العارفین ہے، (ص ۱۰۲۰)

(۲) ارشاد السالکین۔ یہ توحید پر ۴ صفحے کا رسالہ ہے، جس میں حضرت مخدوم الملک نے بتایا ہے کہ کائنات کی ساری چیزیں ایک ہی نور کی مختلف صورتیں ہیں، نور عالم لاہوت سے جبروت میں آیا، تو روح ہوا، اور جبروت سے ملکوت میں منتقل ہوا تو قالب کہلایا، اور ملکوت سے ناسوت میں پہنچا تو جسم کے

نام سے موسوم ہوا اسی طرح نور عالم کثیف میں آیا تو نار ہوا، نار کثیف ہو کر باد ہوئی، اور باد کثیف ہو کر آب ہوئی اور آب کثیف ہو کر خاک ہوا، پس انسان اور عناصر اربعہ ایک ہی چیز کی مختلف صورتیں ہیں۔

(۳) رسالہء مکیہ و ذکر فردوسیہ۔ یہ سات صفحے کا ایک رسالہ ہے جس میں اذکار کے اقسام اور طریقے بتائے گئے ہیں۔

(۴) شرح آداب المریدین۔ یہ حضرت شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردی کی مشہور عربی تصنیف آداب المریدین کی شرح ہے، یہ ۷۶۶ھ میں مرتب ہوئی، ضخیم کتاب ہے، اس کو تصوف کا ایک قاموس سمجھنا چاہئے، اس کا بھی اردو ترجمہ شاہ قسیم الدین (خانقاہ بہار شریف) نے کیا ہے۔

(۵) فوائد المریدین۔ یہ ایک مختصر رسالہ ہے، جس میں مریدوں کے لئے کلمہء طیبہ کی فضیلت، نماز باجماعت کی برکت، بعض آیتوں کے فیوض، گورستان، منکر نکیر، بہشت، دوزخ، قیامت، ایمان، حقوق الوالدین، حقوق ہمسایہ، حقوق زوجین کے لئے کچھ ہدایتیں ہیں شاہ قسیم الدین نے اس کا بھی اردو میں ترجمہ کیا ہے، اور اپنے دیباچہ میں بہت صحیح لکھا ہے کہ یہ رسالہ عوام اور خواص کے لئے ایک شمع ہدایت ہے، اور اس کے مطالعہ سے ضلالت اور گمراہی کے سیلاب کو روکا جا سکتا ہے، اور اس کی تعلیمات پر عمل کرنے والا، اسلامی تہذیب اور اخلاق کا ایک روشن ... بن سکتا ہے،

(۶) اجوبہ۔ یہ سوالات و جوابات کا ایک مجموعہ ہے، جو زاہد بن محمد بن نظام اور دوسرے مقربین حضرت مخدوم الملک سے وقتاً فوقتاً سوالات کیا کرتے تھے، اور وہ جو جوابات مرحمت فرماتے، ان کو اس رسالہ میں جمع کر لیا گیا ہے، تصوف کے بہت سے مسائل اس رسالہ میں پائے جاتے ہیں۔

(۷) لطائف المعانی۔ یہ معدن المعانی کا خلاصہ ہے۔

(۸) عقائد اشرفی (۹) اوراد کلاں (۱۰) اوراد اوسط اور (۱۱) اوراد خورد کے مضامین ان کے نام سے ظاہر ہیں، (۱۲) اشارات میں ۳۷ سوالات کے مذہبی اور صوفیانہ جوابات ہیں (۱۳) رسالہ در ہدایت حال، تین ورق کا ایک رسالہ ہے، جس میں راہ طریقت میں داخل ہونے کے شرائط درج ہیں (۱۴) مرأۃ المحققین میں بھی صوفیانہ رموز و نکات ہیں، (۱۵) رسالہ وصول اللہ، موضوع نام سے ظاہر ہو گا۔[1]

تعلیمات

جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے کہ حضرت مخدوم الملک کی تمام تصانیف میں مکتوبات سب سے زیادہ اہم ہیں، اور ان میں تصوف کے تمام رموز و نکات پر مدلل اور محققانہ مباحث ہیں۔

توحید

سہ صدی مکتوبات کا جو مجموعہ لاہور سے شائع ہوا ہے، اس کے پہلے مکتوب میں توحید پر بحث ہے، حضرت مخدوم الملک فرماتے ہیں کہ توحید کے چار درجے ہیں، (۱) زبان سے لا الہ الا اللہ

---

(۱) ان میں سے بعض تصانیف کے متعلق ڈاکٹر مطیع الاسلام ریڈر شعبہ فارسی کراچی یونیورسٹی نے معلومات فراہم کئے،

کہنا، مگر دل سے اس کا انکار کرنا، یہ منافقت ہے، (۲) دل سے لا الہ الا اللہ کہنا اور اعتقاد بھی رکھنا جیسا کہ عام مسلمان رکھتے ہیں، ان مسلمانوں میں بعض اللہ کی وحدانیت پر سینکڑوں دلیلیں بھی پیش کرتے ہیں، ان کو متکلمین اور علمائے ظواہر کہا جاتا ہے، (۳) مجاہدہ اور ریاضت سے مشاہدہ کرنا، کہ فاعل حقیقی وہی ایک ذات ہے، یہ توحید عارفانہ ہے، جس کو ''مقام ہمہ از اوست'' کہتے ہیں، (۴) مجاہدہ اور ریاضت کی کثرت سے سالک ایسا مستغرق ہو جاتا ہے، کہ عالم جو آئینۂ حیرت ہے، اس کو نظر نہیں آتا ہے، ساری ہستیاں اس کی نظر میں گم ہو جاتی ہیں، اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ اور نہیں دیکھتا، اس پر فنائیت طاری رہتی ہے، اس کو فنا فی التوحید (یعنی ہمہ اوست کہتے ہیں، فنا فی التوحید کے بعد بھی ایک مرتبہ ہے، جس کا نام ''الفناء عن الفناء ہے، اس مرتبہ میں سالک کو کمال استغراق میں اپنی فنائیت کی بھی خبر نہیں ہوتی، اور وہ خدا کے جمال میں کوئی فرق اور تمیز نہیں کرسکتا، کیونکہ یہ تمیز باقی رہ جاتی ہے، تو یہ تفرقہ کی دلیل ہے، عین الجمع اور جمع الجمع کا مقام اُسی وقت حاصل ہوتا ہے، جب سالک اپنے کو اور کل کائنات کو خدا کے دریائے نور میں غرق کر دیتا ہے، اور اس کو خبر نہیں ہوتی ہے، کہ کون اور کیا غرق ہوا،

تو درد گم شو کہ توحید ایں بود
گم شدن گم کن کہ تفریق ایں بود

اس مقام تفرید میں پہنچ کر سالک کو وحدت الوجود کی حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے، اور وہ ایسا محو ہو جاتا ہے کہ اس کو اسم ورسم، وجود وعدم عبارت واشارت، عرش وفرش اور اثر وخبر سے کوئی واقفیت نہیں ہوتی، اس مقام کے سوا کہیں اور جلوہ گر نہیں ہوتا، یہاں کے سوا اس کا نشان کہیں اور ظاہر نہیں ہوتا،

اس جگہ حضرت مخدوم الملکؒ نے بطور انتباہ لکھا ہے کہ توحید وجودی علم کے درجہ میں ہو یا شہود کے ابتدائی درجہ سے انتہائی درجہ میں ہو، ہر درجہ میں بندہ بندہ ہے، خدا خدا ہے، اس لئے انا الحق سبحانی ما اعظم شانی (میں خدا ہوں، میں پاک ہوں اور میری شان کس قدر بڑی ہے) وغیرہ کہنا کلماتِ کفر ہیں۔

فنا فی التوحید کے سلسلہ میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سالک اپنی فنائیت، محویت اور استغراق میں آخر کیا دیکھتا ہے، کیا محسوس کرتا ہے، کیا لطف اٹھاتا ہے۔

وہ دل میں نور دیکھتا ہے، اور ان چیزوں کا ادراک کرتا ہے، جو اس کو پہلے معلوم تھیں، وہ خدا کی تجلی کا مشاہدہ کرتا ہے، اور خدا سے وصل کا لطف اٹھاتا ہے۔

یہ نور، ادراک، تجلی اور وصل کیا ہے؟

نور سالک کے دل سے صفات بشریت کی سیاہیاں اور تاریکیاں دور ہو کر اس میں جو صفائی پیدا ہوتی ہے، اسی کا نام نور ہے، صفائی میں جتنا زیادہ کمال ہوگا، اتنا ہی دل کا نور زیادہ درخشاں اور تاباں ہوگا، اس درخشانی اور تابانی میں دل کے اندر ایک خاص قسم کی لذت، کیفیت اور ذوق محسوس ہوتا

ہے[1] جس کو تحریر میں لانا مشکل ہے، اسی لذت، کیفیت اور ذوق کو خداوند تعالیٰ کی ذات وصفات کا نور کہتے ہیں۔

ادراک سالک کا دل اس نور خداوندی سے منور ہو جاتا ہے، تو اس کو کشف یعنی ادراک حاصل ہوتا ہے، پہلے معقولات کے اسرار و رموز سے واقف ہوتا ہے، جس کو کشف نظری کہتے ہیں، کشف نظری سے گذر کر سالک کو کشف دلی حاصل ہوتا ہے، جس کو کشف شہودی بھی کہتے ہیں، اس میں مختلف قسم کے انوار کشف ہوتے ہیں، اس کشف کے بعد سالک کو کشف الہامی ہوتا ہے، جب کہ وہ تخلیقِ عالم کے اسرار، اور اس کی ہر چیز کے وجود کی حکمت سے واقف ہو جاتا ہے۔

کشف الہامی کے بعد کشف روحانی پیدا ہوتا ہے، جب کہ اس کی نظر میں سے زمان ومکان کا حجاب اُٹھ جاتا ہے، ازل اور ابد کا دائرہ اس کے سامنے ہوتا ہے، وہ بہشت دوزخ اور ملائکہ کو دیکھ سکتا ہے، ملائکہ کی باتوں کو سن بھی سکتا ہے، ماضی، حال، اور مستقبل کے واقعات سے واقفیت حاصل کر سکتا ہے، چنانچہ اسی مقام میں اس سے کرامت بھی صادر ہو سکتی ہے۔ مثلاً وہ پانی یا آگ پر چل سکتا ہے، ہوا میں اڑ سکتا ہے، ایک لمحہ میں دوری اور مسافت کو طے کر سکتا ہے، مگر کرامت کوئی قابلِ اعتماد چیز نہیں، اس کا اظہار جائز نہیں، بلکہ اس کو پوشیدہ رکھنا فرض ہے، کیونکہ اظہار سے فتنہ پیدا ہوتا ہے[2]۔

کشف روحی سے کشف خفی پیدا ہوتا ہے، کشف خفی صفاتِ خداوندی کا واسطہ ہوتا ہے، یعنی صفات خداوندی کا عکس روح پر پڑتا ہے، اس لئے اس کو کشفِ صفاتی بھی کہتے ہیں، چنانچہ مکاشفاتِ خفی میں سالک کو سمعی صفت کا کشف ہوگا تو وہ اس پر خدا کا کلام ظاہر ہوگا، اگر بصری صفت کا کشف ہوا، تو اس کو مشاہدۂ حق حاصل ہوگا، اور صفتِ جمال مکشوف ہوئی تو اس کو ذوق مشاہدہ نصیب ہوگا، اگر جلال کی صفت ظاہر ہوئی تو حقیقی فنا ظاہر ہوگی، اور اگر صفت قیومی کا کشف ہوا تو حقیقی بقا نصیب ہوگی۔ الخ الخ[3]

تجلی جب سالک کا دل آئینہ کی طرح صاف ہو جاتا ہے تو نور تجلی کی شان میں ظاہر ہوتا ہے، تجلی کی دو قسمیں ہیں، (۱) تجلی روحانی (۲) تجلی ربانی...... تجلی روحانی میں صفات بشری زائل تو ہو جاتے ہیں، لیکن بالکل فنا نہیں ہوتے، اس میں شک وشبہ باقی رہتا ہے، جس سے بعض اوقات غرور، پندار، عجب وخودی بڑھ جاتی ہے، مگر تجلی ربانی میں ہستی نیستی میں بدل جاتی ہے، اور خداوند تعالیٰ جس صفت کے ساتھ چاہتا ہے، اپنی تجلی سے سالک سرفراز کرتا ہے، مثلاً سالک حیات کی صفت میں تجلی سے متصف ہوتا ہے، تو وہ حضرت خضر وحضرت الیاسؑ کی طرح حیات جاودانی پاتا ہے، اور اگر کلام کی صفت میں تجلی ہوتی ہے، تو وہ حضرت موسیٰ کی طرح خدا سے متکلم ہوتا ہے، اور اگر اخلاقی کی صفت میں تجلی پاتا ہے تو

---

[1] مکتوبات سہ صدی ص ۳۸، [2] خوان پر نعمت ص ۴۳-۷، [3] کشف کی تفصیلات کیلئے دیکھو مکتوبات سہ صدی ص ۴۰۔

اس میں وہ بات پیدا ہوگی جو حضرت عیسیٰؑ میں تھی [1]۔

وصل حق تعالیٰ سے وصل کے معنی میں سے ملنا اور پیوستہ ہونا ہے، مگر یہ ملنا ایسا نہیں ہے جیسا کہ جسم کا جسم سے یا عرض کا عرض سے یا جوہر کا جوہر سے یا علم کا معلوم سے یا عقل کا معقول سے یا شے کا شے سے ہے، بلکہ اس سے مراد دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے انقطاع اور دوری ہوتی ہے، جس قدر غیر حق سے فراغت ہوگی، اسی قدر حق تعالیٰ کا تقرب ہوگا، اور حق تعالیٰ سے جس قدر دوری ہوگی اتنا ہی اس سے انفصال اور بعد ہوگا [2]۔

حضرت مخدوم الملک نے ان تمام ذرائع پر بھی بحث کی ہے، جن سے اللہ تعالیٰ کا نور، تجلی اور وصل حاصل ہوتا ہے، ہم ان ذرائع کو سہولت کے لئے حسب ذیل طریقے سے پیش کرتے ہیں،

(۱) توبہ (۲) صدق ایمان (۳) معرفت (۴) تقویٰ (۵) مجاہدہ و ریاضت نفس (۶) ترک دنیا،

توبہ توبہ کے تین مراتب ہیں، (۱) عوام کی توبہ اس لئے ہوتی ہے کہ وہ اپنے نفس پر ظلم کرتے ہیں، خدا سے نافرمانی کرتے ہیں، اس لئے گناہوں کے عذاب سے بچنے کے خواہاں ہوتے ہیں، (۲) خاص لوگوں کی توبہ اس لئے ہوتی ہے، کہ وہ سمجھتے ہیں کہ جس قدر ان کو نعمتیں عطا ہوئیں، اس اعتبار سے ان سے خدمت کا حق ادا نہ ہو سکا (۳) خاص الخاص لوگوں کی توبہ اس لئے ہوتی ہے کہ انھوں نے اپنے کو عاجز و نیست کیوں نہ...... خیال کیا قوی اور موجود تو صرف خداوند تعالیٰ ہی ہے۔

انسان کی ہلاکت، گناہ سے زیادہ توبہ اور استغفار کے ترک سے ہوتی ہے [3]۔

ایمان ایمان کی سچائی خدا کو بڑا سمجھنے میں ہے، اور خدا کی بڑائی کے احساس سے خدا سے شرم پیدا ہوتی ہے، اس شرم سے باطن اور ظاہر کی تعظیم پیدا ہوتی ہے، اسی کے بعد سالک کا شاہد خدا ہو جاتا ہے، اور وہ اس کو مختلف صورتوں میں مشاہدہ کرتا ہے، جن کے اثرات بھی مختلف ہوتے ہیں، مثلاً وہ خدا کے غناء کے کمال کا مشاہدہ کرتا ہے، تو اس کے دل سے ساری طمع جاتی رہتی ہے، اور خدا کی قدرت کا مشاہدہ کرتا ہے، تو پھر اس کے سوا کسی اور سے اس کو انس پیدا نہیں ہوتا، وہ خدا کے فضل کا مشاہدہ کرتا ہے، تو وہ اپنے افعال اور احوال سے بھی بے نیاز ہو جاتا ہے، وہ خدا کے کرم کا مشاہدہ کرتا ہے، تو اس کو خدا سے ایسا انبساط حاصل ہوتا ہے، کہ کون و مکان اسی کے حاجتمند ہو جاتے ہیں، خدا کے قہر کا مشاہدہ کرتا ہے، تو پھر اس کو اپنے کسی فعل پر اعتماد نہیں رہتا، اور اگر خدا کے جلال کا مشاہدہ کرتا ہے تو اس پر خدا کا خوف ایسا طاری رہتا ہے کہ اس کو کبھی آرام نہیں ملتا، (مکتوبات سہ صدی ص ۱۱۲)

معرفت ان ہی مشاہدات کے بعد سالک کو معرفت حاصل ہوتی ہے، جس کے بعد وہ جملہ کائنات کو

---

[1] کشف کی تفصیلات کے لئے دیکھو مکتوبات سہ صدی ص ۴۳۔۴۱، [2] ایضاً ۴۳۔۳۶۶ ۳۶۳ وغیرہ، [3] مزید تفصیل کے لئے دیکھو سہ صدی مکتوبات ص ۳۵۸ و مکتوب دوم ص ۷،

مقہور اور عاجز تصور کرتا ہے، اور خدا ہی کی ذات وصفات کو تمام چیزوں پر محیط سمجھتا ہے، یہ درجہ نہ عقل اور نہ صرف علم سے بلکہ خدا کی ہدایت سے حاصل ہوتا ہے، (مکتوبات سہ صدی ص ۱۲۳)

یہ ہدایت طلبِ حق سے پیدا ہوتی ہے، طلب حق میں معرفتِ نفس ضروری ہے، کبر، بخل، حسد اور خشم کو معتوب اور مقہور کر کے تمام خواہشوں اور لذتوں سے پاک ہو جانا معرفت نفس ہے۔

تقویٰ یہ پاکی تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے، تقویٰ سے مراد اُن تمام چیزوں سے پرہیز ہے جن سے دین کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو، یہ نقصان دو طرح سے ہو سکتا ہے، حرام چیزوں اور معصیت کی طرف مائل ہونے یا حلال چیزوں کی طرف زیادتی کے ساتھ رغبت رکھنے سے
(مکتوبات سہ صدی ص ۲۳۴)

مجاہدہ نفس وریاضت اس میلان اور رغبت کی زیادتی کو کچلنے کے لئے حضرت مخدوم الملک نے مجاہدۂ نفس پر زور دیا ہے مجاهدة هو الغزاء عن النفس لشيطان
(ارشاد الطالبین ص ۱۴)

مجاہدۂ نفس میں اوّلین درجہ گرسنگی کا ہے، شکم تمام گناہوں کا منبع ومعدن ہے (مکتوب ص ۲۳۶) (مخ المعانی ص ۱۴۲) شکم کی سیری ہی سے انسانی شہوت پیدا ہوتی ہے، اسی لئے گرسنگی آگ ہے، اور انسانی شہوت ایندھن، انسانی شہوت گرسنگی ہی سے جل کر خاک سیاہ ہو جاتی ہے (مخ المعانی ص ۱۴۲) چنانچہ جس شب کو درویش فاقہ کرتا ہے، وہ گویا اس کی شب معراج ہے، گرسنگی سے اس کا ذہن تیز اور فہم صاف ہو جاتی ہے، (مکتوبات ص ۲۳۶) اور اسی سے اس کو اپنی ذات سے بیزاری پیدا ہوتی ہے، جو خدائے عزوجل سے آشنائی کا اوّلین درجہ ہے، (مکتوبات سہ صدی ص ۲۳۸۔۲۵۰)

ترک دنیا اور جب اپنی ذات سے بیزاری پیدا ہو جاتی ہے، تو سالک کے پاس جو چیز ہوتی ہے، اس کو اپنے سے علٰیحدہ کر دیتا ہے، اور جو چیز اس کے پاس نہیں ہوتی، اس کی طلب نہیں کرتا، اسی کا نام ترکِ دنیا ہے (مکتوبات سہ صدی ص ۲۱۳)

ترک دنیا کا انحصار زہد پر ہے، زہد کی دو قسمیں ہیں، ایک تو وہ جس پر بندہ کا مقدور ہے، دوسرے وہ جس پر بندہ کا مقدور نہیں، اوّل الذکر زہد، تین چیزوں پر مشتمل ہے (۱) اس چیز کی طلب نہ کرنا جو نہ ہو، (۲) اس چیز کو دور کرنا جو ہو، (۳) باطن میں دنیا کی تمام چیزوں کی خواہش کو ترک کر دینا، موخر الذکر زہد سے دنیا کی طرف سے دل سرد ہو جاتا ہے، جو اوّل الذکر زہد پر پابند ہونے سے خود بخود حاصل ہو جاتا ہے، (مکتوبات سہ صدی ص ۲۱۳)

ترک دنیا کے سلسلہ میں حضرت مخدوم الملک نے جابجا اور بھی بحث کی ہے، ان کے نزدیک دنیا کی چیزوں کی تین قسمیں ہیں، ایک تو وہ جو صورت اور معنی میں دنیا کی چیزیں معلوم ہوتی ہیں، یہ معصیت

کا سرمایہ ہیں، جو ہرگز خدا کے لئے نہیں ہو سکتی ہیں، دوسری وہ جو صورت اور معنی میں خدا کے لئے ہوں، لیکن ان سے دنیا کا کام لیا جاتا ہو، مثلاً فکر و ذکر مخالفت شہوت، فکر کر کے کوئی دنیاوی جاہ و مرتبہ حاصل کرنا چاہتا ہو، یا ذکر کر کے دنیا کے لوگوں کی نظروں میں پارسا بننا چاہتا ہو، یا مخالفت شہوت سے اپنے کو زاہد دکھانا چاہتا ہو، تو یہ بے حد مذموم ہے، تیسری وہ جو ظاہر میں دنیا کی چیزیں ہوں، لیکن باطن میں خدا کے لئے ہوں، مثلاً کوئی اس لئے کھاتا، پیتا اور سوتا ہو کہ خدا کی عبادت کے لئے اس کی جسمانی قوت برقرار رہے، یا کوئی مال اس لئے طلب کرتا ہو کہ وہ خلق سے بے نیاز ہو، تو قیامت کے روز اس کا چہرہ چودھویں رات کی طرح چمکتا نظر آئے گا، (ایضاً ص ۲۰۹)

ترک دنیا کے سلسلہ میں ترک خلق اللہ کی بھی بحث آتی ہے، حضرت مخدوم الملک کا خیال ہے کہ طالب حق حتی الوسع دنیا کے لوگوں کی صحبت سے گریز کرے، وہ دنیا کے لوگوں میں صرف جمعہ کی نماز یا نماز با جماعت ادا کرنے کے لئے آئے، اگر اس سے بھی اس کو حق تعالیٰ کی راہ میں خلل پیدا ہو تو وہ کسی پہاڑ یا جنگل میں چلا جائے، جہاں یہ چیزیں اس کے لئے فرض باقی نہ رہتی ہوں، مگر طالبانِ حق میں اگر کوئی ایسا شخص ہو جس کے رشد و ہدایت، پند و نصیحت اور علمی رموز و نکات کے لئے دنیا کے لوگ محتاج ہو رہے ہوں تو اس کے لئے اس کی عزلت نشینی کار ثواب نہیں، (مکتوبات سہ صدی ص ۵-۳۷۴) ایسی حالت میں وہ لوگوں کے درمیان میں رہ کر ان سے الگ رہے، یعنی ان کی مدح و ذم سے بیگانہ رہے، اور اپنی مضرت و منفعت کو ان کے معیار کے مطابق نہ سمجھے، (معدن المعانی ص ۲۲۲)

سالک کی مشغولیت ترک دنیا، اور ترک خلق اللہ کے بعد ایک سالک کی مشغولیت کا سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کی مصروفیتیں کیا ہوں، حضرت مخدوم الملک کے نزدیک ایک سالک کے اشغال کی ترتیب یہ ہونی چاہئے، وہ نماز پڑھے، اگر نماز سے ملول ہو جائے تو تلاوت کلام پاک کرے اگر اس سے بھی ملول ہو جائے تو ذکر کرے اگر اس سے بھی ملول ہو جائے تو فکر کرے،

(ایضاً ص ۱۵۶)

ذکر ذکر سے مراد خداوند تعالیٰ کی یاد ہے، اس کی چار قسمیں ہیں، (۱) زبان پر ہو، لیکن دل میں نہ ہو (۲) زبان اور دل دونوں میں ہو، مگر دل کسی وقت اس سے غافل ہو جاتا ہو، لیکن زبان پر جاری ہو، (۳) زبان اور دل میں برابر ہو (۴) دل میں ہو اور زبان خاموش ہو (معدن المعانی ص ۱۴۷)

اصل ذاکر وہ ہے کہ اس کی زبان ذکر میں مشغول ہو، دل خدا کی طلب میں ہو، روح خدا کی تجلیات کو دیکھتی ہو، اور اس کا سارا اندرونی راز مذکور کے ساتھ مدغم ہو جاتا ہو، تا کہ وہ کل "منظورات" کو سن سکے، اور اس کا ہر بال اور رواں زبان ہو جائے، اس کے بعد ذاکر فنا فی اللہ ہوتا ہے، اور اس کو اپنی ذات کا مطلق احساس نہیں ہوتا، وہ اپنے کو محض خداوند تعالیٰ کا مرزوق، منظور، مامور اور مخلوق سمجھتا ہے،

اوراپنے حزن ومسرت، مرض وصحت اور تنگی وفراخی کو احکم الحاکمین کی محض مشیت تصور کرتا ہے، اور نہ صرف صابروشاکراور قانع بلکہ مسرور رہتا ہے، اوراس کے احوال، اقوال اور افعال میں کوئی ایسی بات نہیں ہوتی جو خدا کی مرضی کے خلاف ہو، اس طرح وہ غیراللہ سے منقطع ہوکر مقام الا اللّٰہ کو پہنچ جاتا ہے، اور خدا کے جلال وجمال کو اپنے دل کے اندر محسوس کرتا ہے، اوراس کی ذات کو اپنی ذات میں دیکھتا ہے، اسی کے بعداس پرارادت غیبی مکشوف ہوتی ہے، (ارشادالطالبین ص ۵ وراحت القلوب ص ۳)

فکر فکر سے مراد خداوند تعالیٰ کی آفرینش، زمین، آسمان، ازل اور ابد کے متعلق غور وخوض ہے، فکر میں مرید کو خدا کے متعلق سوچنا خطرہ سے خالی نہیں، کیونکہ تفکر کا مرجع محصور اور محدود ہوتا ہے، اور خداوند تعالیٰ کی ذات محصور ومحدود نہیں، اس لئے اس کے متعلق سوچنا گویا تعلیل وتشبیہ میں اپنے کو ڈالنا ہے، اس لئے سالک کو صرف خداوند تعالیٰ کی قدرت، حکمت اوراس کے ساتھ مکوناتِ غیب کے متعلق فکر کرنا چاہئے، اس فکر میں سالک اپنے تعلقات اور تمام پسندیدہ چیزوں کو چھوڑ دیتا ہے، اور وہ اپنے ارادوں اور خواہشوں سے باز آتا ہے، اسی کو ''کون'' سے باہر آنا بھی کہتے ہیں، حضرت مخدوم الملک کے نزدیک اس قسم کی ایک ساعت کی فکر ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے،

(مکتوبات ص ۷۰ امعدن المعانی ص ۲۴۷)

مخ المعانی میں حضرت مخدوم الملکؒ نے فکر کی تین قسمیں بتائی ہیں، (۱) ازل میں کیا ہوا (۲) ابد میں کیا ہوگا (۳) اوامر کی کیا پابندی ہوئی اور نواہی کا کیا ارتکاب ہوا، (ص ۱۴۹)

سالک کا ظاہری اخلاق: حضرت مخدوم الملکؒ کی مذکورۂ بالا تعلیمات کا تعلق تو باطن سے ہے، لیکن انھوں نے سالک کو ظواہر کی بھی تعلیم دی ہے، جو حسب ذیل ہے۔

سالک کا جسم، لباس، اور لقمہ طاہر اور حلال ہو، تاکہ اس کا دل بھی اوصافِ ذمیمہ سے پاک ہو، (مکتوبات سہ صدی ص ۸۰) معدن المعانی میں سالک کی طہارت کی چار قسمیں قرار دی ہیں۔

(۱) طہارتِ جسم، یعنی بدن اور کپڑے پاک ہوں، (۲) طہارتِ حواس زبان سے جھوٹ بات نہ نکلے، نظر محرمات پر نہ پڑے، کان ایسی آواز نہ سنے، جس کو نہ سننا چاہئے، (۳) طہارت دماغ از تخلیات، خدا کے سوا کسی اور کا تخیل نہ ہو (۴) طہارت دل مذمومات اور محمودات سے پاک ہو مذمومات کی پاکی بخل، ریا، حسد، رشک وغیرہ سے آزادی حاصل کرنا ہے، اور محمودات کی پاکی سے مراد ہے کہ سالک کو اپنی عبادت وزہد وغیرہ کا خیال نہ ہونے پائے، (معدن المعانی ص ۹۴) چنانچہ سالک کو اپنی نیت میں پاک ہونا چاہئے، جب اس کی نیت دنیا کے شوائب سے پاک ہوجاتی ہے تو وہ زاہد کہلاتا ہے، اور جب آخرت کے شوائب سے پاک ہوجاتی ہے، تو وہ عارف کہلاتا ہے، (مکتوبات سہ صدی ص ۸۴)

سالک کو ہر حال میں سعید ہونا چاہئے، کیونکہ سعادت طاعت کی کلید اور شقاوت معصیت ہے،

اخلاق حمیدہ میں وہ رسول اللہ ﷺ کا پیرو ہو، مثلاً بدخو نہ ہو، بلکہ ہمیشہ تازہ رو اور کم سخن ہو، سلام کرنے میں سبقت کرتا ہو، سخی ہو، غیبت، جھوٹ، فحش کلمہ زبان پر نہ لاتا ہو، دنارت، حقارت، اور طمع سے اپنے کو آلودہ نہ کرتا ہو، اپنے ہر فعل قول اور حال میں خدا کی جانب نگاہ رکھتا ہو، مسلمانوں کے عیب پر پردہ ڈالتا ہو، کسی سائل کے سوال کو رد نہ کرتا ہو، اگر اس کے پاس کچھ ہو تو وہ دیدیتا ہو، اور کچھ نہ ہو تو دینے کا وعدہ کرتا ہو، کسی حال میں اس کو غصہ نہ آتا ہو (ایضاً ص ۶۶، ۶۲) وہ کم بولتا ہو تاکہ دل میں مشغول رہے، اور کم کھاتا ہو تاکہ فکر جاری رکھے، (ایضاً ص ۱۶۵) وہ متواضع ہو، کیونکہ خدا کے بندوں سے تکبر گویا خدا سے منازعت ہے، (معدن المعانی ص ۳۶۲) حالت انبساط وقرب میں نازیبا کلمات وشطحیات منہ سے نہ نکالتا ہو، کیونکہ خدا کی شان میں یہ سراسر گستاخی ہے، (معدن المعانی ص ۲۸۸) نہ کسی حال میں پوشیدہ اسرار کو ظاہر کرتا ہو (معدن المعانی ص ۱۹۰)

سالک کو پیر کی تعظیم وتکریم ضروری ہے، خدا تک پہنچنے کی علت مشیت حق ہے، پیر اس کا سبب ہے، گو بغیر علت کے صرف سبب کے ذریعہ سے منزل مقصود تک کوئی سالک نہیں پہنچ سکتا، لیکن پھر بھی سالک کے لئے پیر کا احترام ضروری ہے، اس کو اپنے پیر کی متابعت قولاً، فعلاً، قلباً اور قالباً کرنا چاہئے، (معدن المعانی ص ۱۵۶)

مگر حضرت مخدوم الملک نے تصوف میں دو چیزیں لازمی قرار دی ہیں، ایک علم، دوسری شریعت کا اتباع،

علم

کسی سالک کو بغیر علم کے اس راہ میں قدم نہیں رکھنا چاہئے، کیونکہ علم کے بغیر یا تو وہ کافر یا مجنون ہو جاتا ہے، بعض اولیاء جاہل گذرے ہیں، مگر ان کو رحمت خاص سے فیض ملا تھا، جس کی مثالیں بہت کم ہیں، (خوان پُر نعمت ص ۷۔۶)

شریعت کی پابندی

اسی طرح شریعت کے بغیر راہ سلوک میں قدم رکھنا جہالت اور ہلاکت ہے، شریعت سے طریقت اور طریقت سے حقیقت معلوم ہوتی ہے، چنانچہ ایک سالک کو شریعت سے واقفیت نہیں تو وہ طریقت اور حقیقت سے آگاہی نہیں حاصل کر سکتا۔

اس سلسلہ میں شریعت، طریقت اور حقیقت کو واضح طور سے بتایا ہے، شریعت، توحید، طہارت، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد اور اوامر ونواہی کا نام ہے، اور اوامر ونواہی کی تحقیق وتفحص اور ان کی روشنی میں ضمیر کی صفائی، اخلاق کی تطہیر اور نفس کے تزکیہ کو طریقت کہتے ہیں، شریعت کا تعلق ظاہر سے اور طریقت کا تعلق باطن سے ہے، مثلاً نماز قبلہ رُخ ہو کر پڑھنا شریعت ہے، لیکن نماز میں خدا سے دل لگانا طریقت ہے، نماز کی جگہ کو نجاست سے پاک کرنا شریعت ہے، لیکن دل کو بشری کدورت سے پاک رکھنا طریقت ہے، مباحات کا اختیار کرنا شریعت ہے، لیکن ان کی تخفیف کر دینا طریقت ہے، راہ شریعت میں

مباحات کے اختیار کرنے سے راحت اور آسائش میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ رہتا ہے، طریقت اسی روحت کی تخفیف اور آسائش کی ممانعت کا نام ہے، لیکن شریعت کے بغیر راہ طریقت پر چلنا، کوٹھے پر بغیر زینہ کے دیوار پھاند کر چڑھنا ہے۔

شریعت سے طریقت اور طریقت سے حقیقت حاصل ہوتی ہے، علم حقیقت تین چیزوں پر مشتمل ہے، (۱) خداوند تعالیٰ کی ذات اور وحدانیت کا علم (۲) خداوند تعالیٰ کی صفات اور اس کے احکام کا علم (۳) اس کے فعل اور حکمت کا علم،

یہ چیزیں معلوم ہو جاتی ہیں تو ایک سالک عارف کہلاتا ہے، مگر حقیقت بغیر شریعت کے زندقہ اور شریعت بغیر حقیقت کے نفاق ہے، بعض گروہ کا خیال ہے کہ حقیقت کا جب کشف ہو جاتا ہے تو پھر شریعت کی ضرورت باقی نہیں رہتی، لیکن حضرت مخدوم الملک نے ایسے اعتقاد اور مذہب پر لعنت بھیجی ہے، اور کتاب وسنت اور اجماع امت کی تقلید کو ہر حال میں ضروری قرار دیا ہے (مکتوبات سہ صدی ص ۶۲۔۶۳۔۷۲۔۷۷، ۵۰۹ الخ الخ ومعدن المعانی ص ۴۷ جلد ۱)

خلفاء خلفاء کی تعداد تین سو تیرہ بتائی جاتی ہے، جن میں سے بہت نمایاں یہ ہیں،

حضرت مولانا مظفر بلخی، حضرت مولانا حسین نوشہ توحید، حضرت مخدوم شعیب، حضرت بہرام بہاری، حضرت مولانا ابراہیم، حضرت مولانا آموں، حضرت مولانا نصیر الدین سمنانی اودھی، حضرت مولانا شمس الدین مشہدی، حضرت مخدوم راستی پھلواروی، حضرت مولانا قاضی شمس الدین، حضرت مولانا قاضی صدر الدین، حضرت قاضی اشرف الدین، حضرت سید علیم الدین گیسو دراز، دانشمند نیشاپوری، حضرت شیخ شمس الدین محمود بدایونی، حضرت سید العارفین سید علی ہمدانی۔

حضرت سیّد جلال الدین بخاری

مخدوم جہانیاں جہاں گشت

اسم گرامی ولقب اسم گرامی سیّد جلال الدین تھا، لیکن عام طور پر "مخدوم جہانیاں جہاں گشت" کے لقب سے مشہور ہیں، اس لقب کی وجہ سیر العارفین کے مصنف نے یہ بتائی ہے، کہ عید کے روز آپ نے حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ، حضرت شیخ صدر الدین اور حضرت شیخ رکن الدین کے مزاروں پر جا کر مراقبہ کیا، اور مراقبہ میں عیدی طلب کی، تو ان بزرگوں کی جانب سے عیدی میں مخدوم جہانیاں کا لقب ملا، اور جب وہ وہاں سے واپس ہوئے تو راستہ میں جو کوئی دیکھتا بے اختیار کہتا کہ "مخدوم جہانیاں" آتے ہیں[1]۔

چونکہ سیاحت بہت کی، اس لئے "جہاں گشت" بھی کہلائے، ان کی سیاحت کے متعلق اخبار الاخیار میں ہے:۔

"سیاحت بسیار کردہ واز بسیار از اولیا نعمت و برکت یافتہ۔" (ص ۱۴۳)

مرأۃ الاسرار میں ہے:۔

"واکثر سفر ربع مسکون نمودہ وجمیع مشائخ چہاردہ سلسلہ و چہل یک کردہ را دریافتہ۔"

خاندان حضرت سیّد جلال الدین بخاریؒ کے دادا کا اسم گرامی بھی سیّد جلال الدین تھا تذکرہ نگاران کا نام عموماً سیّد جلال الدین سرخ بخاری لکھتے ہیں[2]، وہ بخارا سے بھکر آئے[3]، اور بھکر سے ملتان آ کر حضرت بہاء الدین زکریا سے بیعت کی، اور تعلیم و تربیت کے بعد خرقہ خلافت بھی پایا[4]، ان کی بزرگی کے بارہ میں سفینۃ الاولیاء میں ہے:۔

"از بزرگان صحیح است، جلیل القدر و جامع علوم ظاہر و باطن بودند۔" (ص ۲۱)

بھکر کے قیام کے زمانہ میں وہاں کے ایک ممتاز امیر سیّد بدر الدین کی لڑکی سے عقد کیا، اس عقد کی

---

[1] سیر العارفین ص ۱۵۷۔۱۵۶، [2] اخبار الاخیار ص ۵۹ وخزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۵۷، [3] سیر العارفین ص ۱۵۵ میں ہے کہ حضرت سیّد جلال الدین بخارا سے قبۃ الاسلام شہر ملتان آئے، [4] سیر العارفین ص ۱۵۵ و فرشتہ ج ۲ ص ۴۱۲

بشارت حضرت رسول اللہ ﷺ نے خواب میں دی تھی، اس کے کچھ دنوں بعد ملتان سے اچہ منتقل ہو گئے، اور اسی شہر میں مستقل سکونت اختیار کی[1] اور یہی ان کی ابدی خوابگاہ بھی ہے۔

حضرت سید جلال الدین سرخ بخاریؒ کے تین فرزند تھے، ان ہی میں حضرت سیّد احمد کبیر تھے، جو حضرت سیّد جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ کے والد بزرگوار تھے۔

تذکروں میں حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کا نسب نامہ یہ ہے[2]، مخدوم سید جہانیاں جلاالحق والدین ابوعبدالحسین بن احمد کبیر الدین بن سیّد جلال الملۃ والدین سرخ بخاری بن ابی المؤید علی بن جعفر بن محمد بن[3] محمود بن احمد عبداللہ بن علی اصغر[4] بن عبداللہ جعفر[5] ابن امام علی نقی علیہ السلام،

حضرت سیّد احمد کبیر، حضرت شیخ ابوالفتح رکن الدین سہروردی کے مرید تھے[6]، حضرت مخدوم جہانیاں نے اپنے ملفوظات میں اپنے والد بزرگوار کی بزرگی کا ذکر بار بار فرمایا ہے، ایک موقع پر فرمایا:۔

”والد مخدوم کسی وقت خوف سے بستر پر نہیں سوتے تھے، سردی اور گرمی میں کوئی چیز اوپر کھینچ لیتے تھے، اور اسی پر کفایت کرتے، ہر روز قرآن شریف دو بار ختم کرتے ایک دن میں، ایک رات میں، نہایت بزرگ آدمی تھے[7]۔“

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

”جس وقت مخدوم والد نماز ادا کرتے یا قرآن شریف کی آیت پڑھتے تو اس طرح روتے کہ ان کے سینہ مبارک سے نعرے نکلتے تھے[8]۔“

ایک اور موقع پر ہے:۔

”جس وقت والد دامت برکاتہ نماز فرض اور نفل میں کھڑے ہوتے تو نعرہ مارتے اور زار زار روتے تھے[9]۔“

حضرت مخدوم جہانیاں کے سگے بھائی شیخ راجو قتال بھی ایک برگزیدہ بزرگ تھے، اور وہ حضرت مخدوم کے مرید اور خلیفہ تھے[10]۔

ولادت و طفلی

حضرت مخدوم جہانیاں کی ولادت باسعادت اچہ میں ۷۰۷ھ میں ہوئی، سات سال کے ہوئے تو والد بزرگوار کے ساتھ اچہ کے ایک بزرگ حضرت شیخ جمال خنداں رو کی ایک مجلس میں شریک ہوئے، مجلس میں حضرت شیخ جمال خنداں رو کے سامنے کھجوروں کا ایک طباق رکھا

---

[1] اخبارالاخیار ص ۵۹، [2] یہ نسب نامہ حضرت مخدوم جہانیاں کے ملفوظات کے اردو ترجمہ الدر المنظوم فی ترجمہ ملفوظات المخدوم کے دیباچہ میں تذکرہ السادات کے حوالہ سے درج ہے، [3] فرشتہ (ج ۲ ص ۴۱۲) میں ہی جعفر بن محمد بن احمد بن محمود،

[4] الدر المنظوم کے دیباچہ میں علی الاشغر ہے، جو کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے، [5] الدر المنظوم کے دیباچہ میں ابوعبداللہ جعفر الکذاب ہے، لیکن فرشتہ میں صرف علی اصغر بن جعفر بن امام علی الہادی ہے، [6] الدر المنظوم مطبوعہ دہلی ص ۵۰۶، [7] ایضاً ص ۲۳۸، [8] ایضاً ص ۵۴۶، [9] ایضاً ص ۵۵۰، [10] تفصیل کے لئے دیکھو اخبار الاخیار ص ۱۴۶،

ہوا تھا، انھوں نے یہ کھجوریں حاضرین میں تقسیم کیں، حضرت سیّد جلال الدین کو یہ ملیں تو گٹھلیوں کے ساتھ کھا گئے، شیخ جمال نے یہ دیکھ کر دریافت کیا، میاں صاحبزادے تم نے گٹھلیوں سمیت کھجوریں کھا لیں، جواب دیا، آپ کے دستِ مبارک سے جو کھجوریں ملیں ان کی گٹھلیاں پھینک دینا مناسب نہیں سمجھا، یہ سن کر حضرت شیخ جمال خنداں روتے فرمایا تم فقر اور اپنے خاندان دونوں کا نام روشن کرو گے[1]۔

تعلیم ابتدائی تعلیم اچہ ہی میں پائی، لطائف اشرفی (ج ا ص ۳۹۰) میں ہے کہ شروع میں تربیت اپنے چچا سیّد محمد بخاری سے حاصل کی، پھر اچہ کے قاضی علامہ بہاء الدین سے ہدایہ اور بزودی پڑھیں، ان کی وفات کے بعد مزید تعلیم کے لئے ملتان آئے، خاندان پہلے سے سہروردیہ سلسلہ سے منسلک تھا، اس لئے اپنے والد ماجد کے مرشد یعنی شیخ بہاء الدین زکریا کے پوتے حضرت شیخ رکن الدین کی خانقاہ میں آکر مقیم ہوئے، حضرت شیخ رکن الدین خاص شفقت سے پیش آئے، اور ان کی تعلیم اپنے پوتے مولانا موسیٰ اور ایک دوسرے عالم مولانا مجد الدین کے سپرد کی اور ان بزرگوں سے ہدایہ اور بزودی ختم کیں، جب یہ کتابیں ختم کر چکے تو حضرت شیخ رکن الدین نے ان کو اپنی کشتی پر سوار کر کے اچہ واپس بھیج دیا[2]۔

اثنائے تعلیم میں کلام پاک کی ساتوں قرائتیں سیکھیں[3]، تحصیل علم کا سلسلہ عرصہ دراز تک جاری رہا، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے قیام کے زمانہ میں شیخ مکہ عبداللہ یافعی اور شیخ مدینہ عبداللہ مطری سے بھی مختلف کتابیں پڑھیں[4]، دونوں شیوخ سے صحاح ستہ اور حضرت شہاب الدین سہروردیؒ کی تصنیف عوارف المعارف کے درس لئے، شیخ مدینہ عبداللہ مطری کے ساتھ دو سال رہے، اور برابر تہجد کے وقت احادیث نبوی ﷺ اور عوارف ان سے پڑھتے رہے[5]، وہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں، کہ شیخ عبداللہ مطری تہجد کے وقت میرے حجرے میں آتے، ایک ہاتھ میں چراغ اور ایک ہاتھ میں کھانا ہوتا میں ان سے ایک روز عرض کیا، اے شیخ! کیوں نہ میں خود آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کروں، لیکن انھوں نے فرمایا تم میرے پاس نہ آؤ، میں خود تمہارے پاس آیا کروں گا، تم رسول اللہ ﷺ کی اولاد میں سے ہو، حضرت مخدوم جہانیاں اپنے ملفوظات میں شیخ مدینہ کی شفقت اور محبت کا ذکر بار بار فرماتے، رمضان شریف میں مسجد نبوی ﷺ میں اعتکاف کرتے تو شیخ مدینہ افطار کے وقت ان کے لئے دو قرص لاتے، اور جب وہ مسجد نبوی ﷺ کے احترام کی خاطر کم کھانے کی کوشش کرتے تو شیخ کہتے، اے فرزند رسول اللہ! تم ماں رکھتے ہو، بیوی اور رشتہ دار والے ہو، ان کے پاس تم کو واپس جانا ہے، کم کھاؤ گے تو کمزور ہو جاؤ گے، ان

---

[1] لطائف اشرفی ص ۳۹۲، سیر العارفین ص ۱۷۱، [2] الدر المنظوم ص ۵۵۰۔۵۰۶، [3] ایضاً ص ۲۷۴ الدر المنظوم (۵۶۸) میں ہے کہ ایک محدث وفقیہ ان کے والد بزرگوار کی خانقاہ میں ٹھہرے تو ان سے مصابیح اور دوسری کتابیں پڑھیں،

[4] الدر المنظوم ص ۷۶۔۶۰۶، [5] ایضاً ص ۷۶۸

کے پاس واپس کیونکر جاسکو گے، زیادہ کھانے سے تمہارا دین کمزور نہ ہوجائیگا بلکہ قوی ہوگا۔

شیخ مدینہ کی شفقت و محبت کی بناء پر مسجد نبوی ﷺ میں ایک بار امامت کرنے کی بھی سعادت حاصل کی[1]۔

حضرت سیّد جلال الدین بخاری نے شیخ عبداللہ مطری سے عوارف کا درس اس خاص نسخہ سے لیا، جو خود شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کے مطالعہ میں رہ چکا تھا، شیخ عبداللہ مطری نے وفات کے وقت اس نسخہ کو شیخ مکہ عبداللہ یافعی کے پاس بھیجا کہ اس کو حضرت جلال الدین کے پاس پہنچا دیا جائے، چنانچہ شیخ مکہ نے ایک حاجی کے ذریعہ اس کو حضرت سیّد جلال الدین کے پاس بھیج دیا، جس کو وہ بہت عزیز رکھتے تھے[2] عوارف کو شیخ شرف الدین محمود شاہ تستری سے بھی ان کے وطن قصبہ شومارہ (عراق) میں جا کر پڑھا، یہ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کے خلیفہ تھے، جب حضرت سیّد جلال الدین ان کی خدمت میں پہنچے، تو اس وقت ان کی عمر ایک سو تیس برس کی تھی[3]۔

حضرت مخدوم جہانیاں کے ملفوظات کے مرتب سیّد علاء الدین علی بن سعد حسینی کا بیان ہے، کہ حضرت مخدوم ایک سو اٹھاسی علوم میں مہارت کاملہ رکھتے تھے، ان علوم کی طویل فہرست بھی ملفوظات کے شروع میں دی ہے[4]، دوسرے تذکرہ نویس بھی لکھتے ہیں کہ

''جامع است میان علم و ولایت (اخبار الاخیار ص ۱۴۳)

''سیّد جلال الدین حسین بخاری قدس سرہٗ از مختشمان روزگار و عارفان صاحب اسرار بود و در علوم ظاہری و باطنی ہم در فقر و استغنا نظیرے نداشت (مراۃ الاسرار قلمی نسخہ)

علوم و فنون سے برابر گہرا شغف رہا، چنانچہ رشد و ہدایت کے زمانہ میں اپنی مجلسوں میں کبھی کلام پاک[5]، کبھی تفسیر (مثلاً تفسیر مدارک[6]) کبھی احادیث نبوی ﷺ (مثلاً صحاح ستہ مشارق الانوار، مشکوۃ المصابیح[7]) فقہ میں کبھی ہدایہ، کبھی تصوف کی کتابیں عوارف المعارف اور رسالہ مکیہ وغیرہ، کبھی قصیدہ لامیہ[8]، کبھی مختلف[9] اوراد اور کبھی شرح نود و نو اسماء کے باضابطہ سبق دیا کرتے تھے۔

بیعت و خلافت شروع میں اپنے والد ماجد ہی کے حلقہ ارادت میں داخل ہو کر تصوف کی تعلیم پائی، پھر حضرت بہاء الدین زکریا کے نامور پوتے حضرت شیخ ابوالفتح رکن الدین کے ہاتھ پر بیعت کی، ان کی ذات اقدس سے اس قدر محبت بڑھی کہ ایک بار حضرت رکن الدین اپنے چبوترہ کی دہلیز سے اتر کر کہیں تشریف لے جا رہے تھے، دہلیز کا زینہ نیچا تھا، حضرت سیّد جلال الدین بخاری وہاں آ کر چت لیٹ گئے کہ مرشد سینہ پر پاؤں رکھ کر آسانی سے اتر جائیں، مرشد نے یہ دیکھا تو اپنی

---

[1] الدر المنظوم ص ۶۰۴ـ۶۰۳، [2] الدر المنظوم ص ۴۷۹ـ۴۷۸، [3] ایضاً ص ۷۶۸، [4] ایضاً ص ۱۳ـ۱۲،

[5] ایضاً ص ۷۴۴ـ۵۶۵، [6] ایضاً ص ۷۹۶، [7] الدر المنظوم ص ۷۴ـ۲۶۱، [8] ایضاً ص ۵۵۶ـ۲۶۲، [9] ایضاً ص ۶۰۰

شہادت کی انگلی منہ میں دبا کر اپنے شفیق مرید سے فرمایا نبوت کا دروازہ تو ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا ہے، لیکن اے سیّد! ولایت کی اقلیم پر تمہارا تصرف حدِ بشریت سے زیادہ ہوگا، یہ کہہ کر حضرت بلال الدین کو دستِ مبارک سے اٹھایا اور اپنے سینہ سے لگالیا[1]۔

لطائف اشرفی (ج۱ ص۳۹۱) میں ہے:۔

''حضرت شیخ اشرف الدین مشہدی نوشتہ اند کہ حضرت مخدوم جہانیاں خلافت و اجازت صد و چہل و چند اولیاء را شیخ و مشائخ اہل ارشاد خرقہ معنعن و سلسلہ با حضرت رسالت ﷺ یافتہ اند و علم شریعت و طریقت و حقیقت و تصوف از ایشان گرفتہ اند۔''

مراۃ الاسرار میں سیّد جلال بخاری کے ذکر میں ہے کہ

''اکثر سفر ربع مسکون نمودہ و جمیع مشائخ چہاردہ سلسلہ چہل و یک کردہ را در یافت دہم در کتاب مذکور شیخ راجو قتال نقل می کند کہ او از سی صد و چند مشائخ صاحب ارشاد و نعمت یافتہ و خرقہ ءاجازت از دست ایشاں پوشیدہ بود[2]۔''

مذکورۂ بالا تذکرہ میں یہ بھی ہے کہ

''مخدوم جہانیاں اول بخدمت شیخ رکن الدین ابوالفتح بن شیخ صدر الدین بن شیخ بہاء الدین زکریا قدس اللہ تعالیٰ ارواحہم تربیت یافت و از دست دے خرقہ ء پیران سہروردیہ پوشید۔''

اخبار الاخیار میں بھی ہے کہ حضرت شیخ رکن الدین نے حضرت مخدوم جہانیاں کو اپنا خرقہ پہنایا[3] لیکن خود حضرت مخدوم جہانیاں اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ رکن الدین رحمہ اللہ نے خواب میں ان کو خرقہ پہنایا، اور ''قطب عالم'' کے لقب سے یاد فرمایا[4]، جن بزرگوں اور مشائخ نے ان کو خلافت کے خرقے پہنائے، ان کی تعداد بیس بتائی ہے، ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:۔

(۱) والد بزرگوار سیّد احمد کبیر (۲) والد ماجد نے حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کا بھی خرقہ پہنایا (۳) حضرت شیخ رکن الدین (خواب میں) (۴) حضرت شیخ نظام الدین اولیاء (خواب میں) (۵) حضرت شیخ قوام الدین خلیفہ حضرت شیخ رکن الدین (خط کے ذریعہ) (۶) حضرت شیخ قطب الدین منور (خط کے ذریعہ) (۷) حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی (۸) شیخ مکہ عبداللہ یافعی (۹) شیخ مدینہ عبداللہ مطری، (۱۰) حضرت شیخ قطب عدن فقیہ بصال، (۱۱) شیخ مرشد ابواسحٰق گارزونی (۱۲) شیخ امام الدین برادر شیخ امین الدین (۱۳) حضرت سیّد جہدہ حمید حسینی (۱۴) حضرت شیخ معمر شرف الدین محمود شاہ تستری خلیفہ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی (۱۵) سیدی احمد کبیر رفاعی کبیر،

---

[1] سیر العارفین ص ۱۵۸، [2] مرأۃ الاسرار قلمی نسخہ دار المصنفین ص ۴۸۳، [3] اخبار الاخیار ص ۱۴۴، [4] الدر المنظوم ص ۲۵۷

(۱۶) حضرت شیخ نجم الدین اصفہانی (۱۷) حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ (خواب میں) (۱۸) حضرت خضر علیہ السلام (۱۹) حضرت اوحدالدین حسینی (۲۰) حضرت شیخ نورالدین[۱]۔

شریعت کی پابندی

لیکن تصوف و عرفان کے اعلیٰ مدارج طے کرنے کے باوجود زندگی شروع سے آخر تک پابندیٔ شریعت اور اتباع سنت میں گذاری، راہ سلوک کی خواہ کسی منزل میں رہے، لیکن شریعت کا دامن کسی حال میں نہیں چھوڑا، خود فرماتے ہیں کہ حقیقت شریعت میں ہے، اور جب تک کوئی شریعت کو مضبوط نہ پکڑے گا، ہر گز حقیقت کو نہ پہنچ سکے گا[۲] اور ایک موقع پر فرمایا کہ جو شخص شریعت سے عاری ہے، وہ طریقت و حقیقت کو نہیں جان سکتا، شریعت بمنزلہ میوے کے ہے، اور طریقت و حقیقت اس میوہ کے مغز کے مشابہ ہیں[۳]، یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی شیخ طریقت اور حقیقت سے آشنا ہے، لیکن شریعت سے واقف نہیں، تو وہ شیخ نہیں جاہل ہے، کوئی صالح اور نیک آدمی اس وقت تک ولی نہیں ہوسکتا جب تک شریعت، طریقت اور حقیقت تینوں کا علم اس کو حاصل نہ ہوا[۴]۔

ایک جاہل شیخ کو کسی حال میں برداشت نہ کرتے، ایک مرتبہ ایک شخص شہر اچہ میں وارد ہوا، وہ اپنے کو ولی اللہ کہتا تھا، اس کے پاس عوام و خواص کا ہجوم رہنے لگا، حضرت سید جلال الدین بھی اس سے ملنے تشریف لے گئے، جب اس کے پہلو میں جا کر بیٹھے تو اس نے کہا اے سید ابھی ابھی حق تعالیٰ میرے پاس سے گیا ہے، حضرت سید جلال الدین یہ سن کر غضبناک ہوئے، اور فرمایا اے بدبخت، تو کافر ہو گیا ہے، پھر سے کلمۂ شہادت پڑھ، اور اسی وقت اٹھ کر شہر کے قاضی کے پاس آئے کہ اس بدبخت کو طلب کرو، اگر وہ توبہ کرے تو معاف کردو، ورنہ اس کو قتل کرنے کا حکم دو، مقطع شہر اس شخص کا معتقد ہو چلا تھا اس لئے قاضی نے مقطع کے خوف سے سزا دینے میں پس و پیش کیا، حضرت سید جلال الدین نے مقطع کے پاس پیام بھیجا کہ ایک جھوٹا شخص کفر پھیلا رہا ہے، اگر تم نے اس کو سزا نہ دلائی تو پھر بادشاہ سے جا کر کہوں گا، بالآخر وہ شخص شہر بدر کیا گیا[۵]۔

تارکِ صلوٰۃ کو بھی ولی تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ ہوتے، اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں کہ مکہ معظمہ سے بھکر واپس آیا تو لوگ مجھ سے ملنے آئے، انھوں نے کہا کہ قصبہ الور کے پاس ایک پہاڑ کے غار میں ایک درویش رہتا ہے جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے نماز معاف کر دی ہے، یہ سن کر میں اس کے پاس گیا، وہاں امراء، اور دوسرے اکابر کا ہجوم تھا، اس ہجوم سے گذر کر میں کسی طرح اس کے پاس پہنچا، میں نے اس کو سلام نہیں کیا، بلکہ جا کر بیٹھ گیا، اور پوچھا کہ تم نماز کیوں نہیں پڑھتے، حضور ﷺ کا قول ہے الفرق بین المومن و الکافر الصلوٰۃ یعنی مومن اور کافر کے درمیان صرف نماز فرق کرتی ہے، درویش نے جواب دیا، سیدا میرے پاس جبرئیل آتے ہیں، بہشت کا کھانا لاتے

۱؎ الدر المنظوم ص ۱۷۔۱۶، ۲؎ ایضاً ص ۴۱۳، ۳؎ ایضاً ص ۴۱۴، ۴؎ ایضاً ص ۱۹۱، ۴۱۳، ۵؎ الدر المنظوم ص ۵۰۴۔۵۰۳

ہیں، خدائے تعالیٰ کا سلام پیش کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ تمہارے لئے نماز معاف کردی گئی، اور تم مقرب خاص ہوگئے، میں (یعنی سید جلال الدین) نے کہا کہ بیہودہ مت بکو محمد رسول اللہ ﷺ کیلئے تو نماز معاف ہی نہیں ہوئی تجھ جیسے جاہل کے لئے کیسے معاف ہوسکتی ہے، وہ تو شیطان ہے جو تیرے پاس آ کر کہتا ہے کہ میں جبریل ہوں، جبریل وحی کے فرشتے ہیں، وہ پیغمبر کے سوا کسی اور کے پاس نہیں آتے، اور وہ جو کھانا تمہارے پاس آتا ہے وہ غلیظ ہے، درویش نے کہا کہ وہ کھانا بہت ہی لذیذ ہوتا ہے اس میں لذت محسوس کرتا ہوں، میں نے کہا کہ اب جب وہ فرشتہ آئے تو **لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم** پڑھنا، میں دوسرے دن جب اس درویش کے پاس گیا، تو وہ میرے پاؤں پر گر پڑا، اور کہنے لگا کہ میں نے تمہاری بات پر عمل کیا، اور جب وہ فرشتہ آیا تو میں نے لاحول پڑھا وہ میرے سامنے سے غائب ہوگیا، اور جو کھانا اس نے دیا وہ غلیظ ہوکر میرے ہاتھ سے گر پڑا، اور میرے سارے کپڑے نجس ہوگئے، اس کے بعد حضرت سیّد جلال الدین فرماتے ہیں کہ میں نے اس بے نمازی درویش سے توبہ کرائی اور اس کی جو نمازیں فوت ہوئی تھیں، ان کی قضا پڑھوائی[1]۔

اپنے مریدوں کو نماز با جماعت کی بڑی تاکید فرماتے، اور جماعت کے تارک کو ارشاد نبوی ﷺ کی بناء پر ملعون[2] اور بدعتی کہتے، اپنی ایک مجلس میں اس حدیث کی خاص طور پر تصریح کی کہ جو شخص محلے کی مسجد کی اذان سنے اور نماز کے لئے نہ جائے تو اس کی قبر میں کیڑے نہ مریں گے، اور اس کی قبر سے آگ نہ بجھے گی، وہ ہر وقت عذاب میں رہے گا[3]۔

سفر و سیاحت میں تنہا ہوتے تو خود ان کا بیان ہے کہ عین نماز کے وقت کہیں سے ابدال آجاتے، اور اس طرح جماعت کا ثواب مل جاتا[4]۔

اتباع سنت اپنی ایک مجلس میں فرمایا کہ ایک سالک کو چاہیے کہ سرورِ عالم ﷺ کی متابعت کرے، اسی کے ذریعہ سے اللہ تبارک تعالیٰ کی قربت حاصل ہوگی، اہل بدعت، بدعت کو قربت جانتے ہیں، اور وہ لوہا، تانبا پہنتے ہیں، ڈاڑھی ترشواتے ہیں، جیسا کہ قلندر کیا کرتے ہیں، لیکن اس طرح قربت حاصل نہیں ہوتی، بلکہ بعد و ضلالت پیدا ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ، اے فاتبعونی بالافعال والاقوال والاحوال، یعنی اے محمد ﷺ! تم لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم خدا کی محبت کا دعویٰ کرتے ہو، تو تم میرے افعال، اقوال اور احوال کی پیروی کرو، پس اللہ تم کو دوست رکھے گا[5]۔

حضرت مخدوم جہانیاں خود بھی ہر حال میں اتباع سنت کا خیال رکھتے، اسی لئے احادیث نبوی ﷺ سے غیر معمولی شغف تھا، ان کے ملفوظات کے ایک مجموعہ سراج الہدایہ میں ''احادیث پیغمبر ﷺ''

---

[1] الدر المنظوم ص ۲۱۷۔۲۲۶۔۲۲۷، [2] ایضاً ص ۱۲۱۔۹۸، [3] ایضاً ۲۸۱، [4] ایضاً ص ۱۰۷، [5] الدر المنظوم ص ۲۲۸

کے عنوان سے ایک مستقل باب ہے، جس میں مختلف حدیثوں کی تشریح و توضیح ہے، اپنی مجلسوں میں احادیث نبوی کو ذکر بار بار فرماتے، اور ان ہی کے مطابق اپنے مریدوں کی تعلیم و تلقین کرتے، احادیث کی کتابوں مثلاً صحاح ستہ، مشکوٰۃ المصابیح اور مشارق الانوار کا باضابطہ درس بھی دیتے، اپنی روزہ مرہ زندگی کے تمام معمولات کو بھی احادیث کے مطابق بنانے کی کوشش فرماتے، پنجگانہ نمازوں کے علاوہ تہجد، اشراق، چاشت، اوابین، تراویح اور دوسری نفل نمازوں میں اتنی ہی رکعتیں پڑھتے جتنی کہ خود رسول اللہ ﷺ نے پڑھی تھیں[1]، زیادہ تر انہی اوراد و وظائف کی مداومت کرتے، جن کا ذکر حدیثوں میں ہے[2]، اپنی عبادت میں ساری رات نہ جاگتے، بلکہ کچھ دیر سو رہتے، فرماتے کہ جو شخص عبادت میں تمام رات بیدار رہا، اس نے ترک سنت کیا، کیونکہ حضور ﷺ کا قول تو یہ ہے کہ انا اصلی و انام، یعنی میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں[3]، کھانا تنہا تناول کرنا پسند نہ کرتے، بلکہ تقسیم کر کے کھاتے، اور فرماتے حدیث صحاح ہیں ہے کہ وہ شخص ملعون ہے جو تنہا کھاتا ہے اور اپنے غلام کو مارتا ہے اور بخل کرتا ہے[4]، آگ کی پکی ہوئی چیزوں کو کھا کر منھ دھوتے اور کلی کرتے کہ یہ سنت ہے[5]، کھانا کھا کر دوگانہ شکر ادا کرتے، فرماتے حدیث صحاح میں ہے کہ جو شخص دوگانہ شکر طعام ادا نہیں کرتا، اور سو رہتا ہے، اس کا دل سخت اور سیاہ ہو جاتا ہے[6]، پانی پیتے تو تین سانس میں پیتے اور فرماتے یہی حضرت مصطفیٰ ﷺ کا طریقہ تھا[7]، رمضان شریف میں سحری کے وقت خلال ضرور کرتے اور کہتے کہ یہ سنت موکدہ ہے، نے کے خیال سے پرہیز کرتے، اور اس کو مکروہ بتاتے، اس لئے کہ یہ سنت نہیں ہے[8]، ریشمی اور باریک کپڑوں کو نامشروع سمجھتے، ایک بار سلطان فیروز شاہ نے ان کی خدمت میں چونتیس جوڑے کپڑے بھیجے، ان کو دیکھ کر فرمایا، اگر مشروع ہیں تو پہنوں گا، ورنہ نہ پہنوں گا، پھر یہ حدیث پڑھی، کہ ریشم اور سونا رسول اللہ کی امت کے مردوں پر حرام اور عورتوں کے واسطے حلال کیا گیا[9]، اسی طرح باریک کپڑوں کے متعلق فرمایا رسول اللہ ﷺ کا قول ہے کہ جس کا کپڑا باریک ہو، اس کا دین باریک ہوا[10]، پیروی سنت میں گریبان کے بغیر کرتے پہنتے، گریبان دار کرتے پہننا بدعت سمجھتے[11]، ایک بار ایک مرید نے جوتیوں کا ایک جوڑا خدمت میں پیش کیا، اس کو قبول کر کے فرمایا نعلین پہننا سنت ہے، میں نے مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کے نعلین مبارک کو دیکھا تھا، اور ان کو اپنی آنکھوں پر رکھا تھا[12]، جب کوئی ہدیہ پیش کرتا تو کسی نہ کسی صورت میں اس کا بدلہ ضرور دیتے، اور فرماتے صحاح میں ہے کہ جو شخص تمہارے لئے کوئی ہدیہ لائے تو تم اس کو بدلہ دو، اگر بدلہ دینے کی قدرت نہیں رکھتے ہو تو اس کے واسطے دعائے خیر کرو، یہاں تک کہ تم کو

---

۱ مثال کیلئے دیکھو الدر المنظوم ص ۳۴۸۔۳۶۸۔۳۵۹۔۳۶۲۔۳۸۰، ۲ ایضاً ص ۵۶۔۳۶۵۔۳۷۵، ۳ دلدر المنظوم ص ۳۱۷،
۴ ایضاً ص ۵۷، ۵ ایضاً ص ۳۴۲، ۶ ایضاً ص ۵۸، ۷ ایضاً ص ۲۹۰، ۸ ایضاً ص ۳۲۹، ۹ ایضاً ص ۳۴۰، ۱۰ ایضاً ۳۷۶،
۱۱ ایضاً ص ۲۵۹، ۱۲ ایضاً ص ۲۴۸،

معلوم ہو جائے کہ دعا ہدیہ کا بدلہ ہو گیا[1]، اتباع سنت میں ایندھن بھی باہر سے لانے کی کوشش فرماتے[2]، اسی طرح اور جزوی باتوں میں بھی اتباع سنت کا لحاظ رکھتے، چنانچہ مرأۃ الاسرار میں حضرت مخدوم جہانیاں کے ذکر میں ہے۔

''در جمیع امور صوری و معنوی قدم بقدم حضرت رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم می رفت''

کرامات حضرت سیّد اشرف جہانگیر سمنانی لطائف اشرفی میں فرماتے ہیں کہ حضرت مخدوم جہانیاں سے اتنی کرامتیں صادر ہوئیں کہ متاخرین صوفیہ میں سے کسی سے نہیں ہوئیں، اسی لئے وہ ''مظہر العجائب'' اور مصدر الغرائب کہے جاتے تھے[3]، لیکن خود حضرت مخدوم جہانیاں ان کرامتوں کو اپنا کوئی شرف اور کمال نہیں سمجھتے تھے، فرماتے ایک ولی کے لئے ممکن ہے کہ وہ ہوا میں اڑے، پانی پر چلے، اس کے لئے زمین اور آسمان کی طنابیں کھینچ جائیں، لیکن وہ اس وقت تک ولی نہیں ہو سکتا، جب تک کہ وہ اپنی گفتار، رفتار اور کردار میں اپنے پیغمبر یعنی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیرو نہ ہو[4]۔

سیاحت حضرت مخدوم جہانیاں کی سیاحت کی تفصیل ترتیب کے ساتھ کسی تذکرہ میں نہیں ملتی، لطائف اشرفی میں حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی صرف اتنا فرماتے ہیں کہ بہت سے اولیاء اللہ نے معارف وحقائق کی تلاش میں سیاحت کی ہے، لیکن مخدوم جہانیاں کی طرح کسی نے سفر نہیں کیا، انھوں نے ربع مسکون کی سیاحت کی، اور شاید ہی کوئی درویش ایسا ہو جس سے انھوں نے فوائد حاصل نہ کئے ہوں[5]، اخبار الاخیار میں بھی اختصار سے کام لیا گیا ہے، اور اس میں صرف یہ مرقوم ہے کہ حضرت سیّد جلال الدین بخاری نے سیاست بہت کی، اور بہت سے اولیاء اللہ سے نعمت اور برکت حاصل کی۔ خزینۃ الاصفیاء میں ان کی سیاحت کا حال پڑھنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اچہ سے مدینہ منورہ تشریف لے گئے، وہاں دو سال رہ کر گازرون آئے، گازرون سے مصر، شام، عراقین، بلخ، بخارا اور خراسان کی سیاحت کی، اور چھ بار حج اکبر سے مشرف ہوئے[6]۔

حضرت مخدون جہانیاں نے اپنے ملفوظات میں اپنی سیاحت کا جستہ جستہ حال بیان کیا ہے، اس سے اور کچھ زیادہ تفصیل معلوم ہوتی ہے۔

فرماتے ہیں، سلطان محمد تغلق نے مجھ کو شیخ الاسلام مقرر کیا، اور میرے تصرف میں خانقاہیں دیں، میرے مرشد شیخ رکن الدین خواب میں نظر آئے، اور فرمایا کہ تو حج کو چلا جا ورنہ غرق ہو جائے گا، صبح کو شیخ کے امام نے کہا سیّد جلد روانہ ہو جاؤ، شیخ نے اشارہ کیا ہے، میں مخدوم والد دامت برکاتہ سے اجازت

---

[1] الدر المنظوم ص ۴۹۱، [2] ایضاً ص ۵۴۷، [3] لطائف اشرفی ج ۱ ص ۳۹۰، [4] الدر المنظور ص ۵۴۵،
[5] لطائف اشرفی ج ۱ ص ۳۹۰، [6] اخبار الاخیار ص ۱۳۲،

لینے روانہ ہوگیا، میرے پاس خرچ نہ تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے فتوحات پہنچائیں، ایک شخص حج کو جارہا تھا، مگر اس کے گھر والوں نے اس لوٹا لیا، اس نے زادِ راہ مجھ کو دیدیا، ایک گھوڑا بھی نظر کیا، لیکن میں نے گھوڑا مولانا نظام الدین کو دیدیا، وہ مدقوق تھے، میں پا پیادہ حج کو روانہ ہوا، اور حج سے پہلے پہنچ گیا، اور انواع و اقسام کی نعمتوں سے مشرف ہوا[1]۔

ایک موقع پر فرماتے ہیں، میں سات سال مکہ معظمہ میں مجاور رہا، وہاں ایک مفسر اور محدث اپنے وعظ میں سات برس تک مسلسل سورہ فاتحہ کی تفسیر بیان کرتے رہے، میں تو وہاں سے چلا آیا، معلوم نہیں کتنے دنوں تک اور انھوں نے اس تفسیر کو جاری رکھا[2]۔

مکہ کے قیام میں شیخ مکہ عبداللہ یافعی[3] سے علوم ظاہری و باطنی دونوں حاصل کئے، اور ان سے خرقہ بھی پایا، ملفوظات میں ان کا ذکر بار بار آتا ہے، پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ مدینہ منورہ میں بھی دو سال تک رہے، اور شیخ مدینہ عبداللہ مطری سے علمی و روحانی فیوض حاصل کر کے ان سے بھی خرقہ پایا، مدینہ منورہ کے قیام کے سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ میں تھا تو ایک وقت مسجد نبوی ﷺ کے امام نہ آسکے، تو شیخ عبداللہ مطری نے مجھ کو امامت کا حکم دیا اور فرمایا کہ اے سید تم امامت کرو، تاکہ یہ شرفاء تمہاری اقتدا کرلیں، ورنہ یہ کسی اور کے پیچھے نماز نہ پڑھیں گے، میں نے تکبیر تحریمہ کہی تو ایک صف کھڑی ہوگئی، اور جب میں نے سلام پھیرا تو دیکھا کہ تمام شرفاء میری اقتداء میں ہیں، شیخ مدینہ نے مجھ سے فرمایا کہ اگر تم امامت نہ کرتے، تو وہ نماز نہ پڑھتے، یا دوسری جگہ جاکر ادا کرتے، یا جب میں نماز پڑھ لیتا تو وہ پڑھتے، وہ جانتے ہیں، کہ تم شریف ہو، اور وہ کسی شریف ہی کے پیچھے نماز روا رکھتے ہیں، عجیب گروہ کے لوگ ہیں[4]۔

فرماتے ہیں مکہ کے قیام کے ساتویں برس میں فقیہ بصال قطب عدن کی زیارت کے لئے عدن گیا، وہ بیمار تھے، چند دنوں بعد وفات پائی، وفات کی تیسری رات میں نے حضرت شیخ رکن الدینؒ کو خواب میں دیکھا، آپ نے مجھ کو خرقہ پہنایا، اور فرمایا کہ کل فقیہ بصال کی وفات کو تیسرا دن ہے، یہ خرقہ فقیہ بصال کے چھوٹے بیٹے کو پہنا دینا[5]۔

فرماتے ہیں، شیخ مکہ عبداللہ یافعی، شیخ عبداللہ مطری اور دوسرے مشائخ نے مجھ سے کہا کہ عراق میں شوکارہ ایک شہر ہے، وہاں شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کے مرید رہتے ہیں، ان سے جاکر ملو، میں ان سے ملا، ان کا اسم مبارک شیخ شرف الدین محمود شاہ تستری تھا، جب میں ان کی خدمت میں پہنچا، تو

---

[1] الدر المنظوم ص ۲۵۵-۲۴۵، [2] ایضاً ص ۵۶۷-۵۰۸، [3] حضرت سعد یافعی کے صاحبزادے تھے، وطن یمن تھا، لیکن تمام عمر حرمین شریفین میں رہے، مذہب شافعی رکھتے تھے، تاریخ یافعی و روضۃ الریاضین کے مصنف ہیں، اولیاء اللہ میں شمار کئے جاتے ہیں،
[4] الدر المنظوم ص ۱۶۴، [5] الدر المنظوم ص ۶۰۷-۶۰۶

وہ ایک سو تیس سال کے تھے، لیکن ایسے تندرست تھے کہ جمعہ کے دن عصا ہاتھ میں لے کر نماز کو جاتے تھے، میں نے ان سے عوارف پڑھی، میں ان کے پاس ایک مدت تک رہا، اور جب میں رخصت ہونے لگا تو انھوں نے خرقہ عطا کیا، اور خرقہ پہنانے کی اجازت بھی دی[1]۔

اسی سلسلہ میں فرماتے ہیں، میں شیخ رکن الدین کے مرید شیخ امام الدین سے بھی دن میں ملا، ایک مدت تک ان کے پاس رہا، وہیں شیخ امین الدین گازرونی کے بھائی شیخ امام الدین سے بھی ملاقات ہوتی رہی، ان کو اپنے بھائی شیخ امین الدین سے جو سجادہ، مقراض اور عصا وغیرہ ملا تھا، وہ تمام امانتیں مجھ کو دیں[2]۔

شیراز بھی تشریف لے گئے، فرماتے ہیں، جس زمانہ میں مکہ معظمہ سے شیراز پہنچا تو وہاں لوگ مجھ سے سبق پڑھتے تھے، اولوالامر کا ذکر آیا تو اس سلسلہ کی کچھ باتیں بادشاہ شیراز کے کان میں پڑیں، وہ مجھ سے ملنے آیا، اور ایک چاندی کے طشت میں سونے اور چاندی کے سکے لایا، اس نے مجھ سے کہا کہ بیت المال میں تمہارا بھی حق ہے، اس کو قبول کرو، میں نے معذرت کی، لیکن اس کا اصرار ہوا، تو میں نے ان سکوں کو قبول کر لیا، میں نے اولوالامر کے بارے میں گفتگو شروع کی، تو گفتگو سن کر بادشاہ نے کہا تم سے جو باتیں سنیں، وہ کسی اور سے نہیں سنی تھیں، عجیب وغریب ہیں، میں نے اس سے کہا کہ میں نے جو کچھ بیان کیا ہے، وہ مکہ معظمہ کے مفسرین، فقہا اور مشائخ سے سنا ہے، میرے خدمت گذار سید شمس الدین خوش تھے کہ بادشاہ کے دیئے ہوئے سکوں کو جمع کریں گے، لیکن سید شمس الدین کے والد سید حمید الدین آ گئے، ور انھوں نے مجھ سے کہا کہ ایک سید پر چار سو ٹنکے قرض ہیں، چار سو ٹنکے تو اس کو دیئے، اور باقی مجھ سے یہ کہہ کر خود لے گئے کہ تم کو بہت فتوح پہنچے گی، واقعی مجھ کو برابر فتوح پہنچتی رہی[3]۔

ایک جگہ فرماتے ہیں، جس زمانہ میں سفر میں تھا، یمن میں ایک پہاڑ پر پہنچا، تین روز میں اوپر گیا، اور تین روز میں نیچے آیا، اس پہاڑ پر ایک غار دیکھا، اذان کی آواز سنی تو غار میں گیا، دیکھا کہ ایک بڑی جماعت نماز پڑھ رہی ہے، جب نماز ختم ہوئی تو میں نے ہر شخص سے مصافحہ کیا، اور جب تمام لوگ چلے گئے تو ایک شخص وہاں رہ گیا، اس کے نزدیک گیا، اور پوچھا یہاں کوئی اور غار نہیں، پھر اتنے آدمی کہاں سے آتے ہیں، اس شخص نے کہا کہ میں تنہا اس غار میں رہتا ہوں، اور جو لوگ آتے ہیں، وہ ابدال ہیں، وہ میری وجہ سے آتے ہیں، تاکہ میں نماز جماعت کے ساتھ ادا کروں، تنہا نہ پڑھوں، میں نے اس سے پوچھا کہ تم شہر میں کیوں نہیں رہتے، تاکہ لوگ تم سے فائدہ اٹھائیں اس نے جواب دیا کہ میرے پاس ایک موذی کتا ہے، اس کو میں نے قید کر لیا ہے، تاکہ وہ کسی کو کاٹ نہ کھائے، جب یہ نیک ہو جائے گا، تو اس کو آبادی میں لے جاؤں گا، موذی کتے سے مراد اس کا نفس تھا اس نے اپنے نفس کو برا کہا، اور یہ نہیں کہا کہ لوگ بُرے ہیں، اس لئے میں خلوت میں آ کر بیٹھ گیا ہوں[4]۔

---

[1] ایضاً ص ۵۵۲۔۶۸۷، [2] ایضاً ص ۵۹۹۔۶۹۷، [3] الدر المنظوم ص ۴۵۱۔۶۶۴، [4] الدر المنظوم ص ۲۲۴۔۷۳۰

ایک سفر کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں، سفر میں ایک روز ایک درویش کے پاس پہنچا، میرے پہنچنے کے تھوڑی دیر بعد وہ غائب ہو گیا، اور پھر تھوڑی دیر میں وہاں نظر آیا، اس کی آنکھیں اشکبار تھیں، میں نے پوچھا تم کہاں گئے تھے، اس نے جواب دیا عالم ملکوت میں تھا، میں نے دریافت کیا، تمہاری آنکھیں پر آب کیوں ہیں، بولا میں لوگوں کو دیکھ رہا تھا کہ وہ دنیا میں غرق ہو رہے ہیں اور اپنی خبر نہیں رکھتے، میری آنکھیں اشکبار ہو گئیں کہ وہ اپنی چند روزہ زندگی میں ایک مردار پر جان دیتے ہیں[1]۔

فرماتے ہیں، جب میں دمشق پہنچا، تو ایک بڑے درویش سے ملا، انھوں نے مجھ کو پاس بلایا، اور فرمایا، ایک روز میں اصفہان میں تھا، وہاں ایک بزرگ تھے جو بڑے صاحب کشف و کرامات تھے، آٹھ سو سجادہ نشینوں کی زیارت کی تھی، اور ہر ایک سے مستفیض ہوئے تھے، خواجہ شمس العارفین کے نواسے سے بھی استفادہ کیا تھا، انھوں نے ان کو نصیحت کی تھی کہ بادشاہوں، امیروں اور دولت مندوں کی صحبت سے پرہیز کرنا تا کہ آخرت میں نجات ہو[2]۔

اسی کے بعد فرماتے ہیں، غزنی میں تھا تو ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی، وہ ایک کتاب پڑھ رہے تھے، میں نے اس کو لکھا دیکھا کہ جو درویش عالم امیروں اور دولتمندوں کی صحبت میں رہتا ہے، اس کو قیامت کے روز دوزخ میں جگہ ملے گی[3]۔

فرماتے ہیں، میں شارستان (؟) میں تھا تو ایک چرواہا آیا، اور اس نے مجھ سے کہا اے سیّد جلال مجھ کو بیعت کیجئے، اللہ تعالیٰ کے فضل سے میں سب کچھ رکھتا ہوں، لیکن کسی سے بیعت نہیں ہے، میں نے اس کی بیعت لی، لیکن بیعت ہونے کے بعد وہ میرے سامنے سے غائب ہو گیا، اس نے ابدال کی جماعت میں شرکت کر لی، لیکن جب میں مکہ معظمہ پہنچا تو دیکھا کہ وہ مسجد حرام میں معتکف ہے، اس کو دین کے کاموں میں ہوشیار پایا[4]۔

مراجعت ہند تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ ایک روز شیخ مکہ امام عبداللہ یافعی نے حضرت سیّد جلال الدینؒ سے خانہ کعبہ میں فرمایا کہ دہلی سے بڑے بڑے مشائخ اٹھ گئے ہیں، تاہم ان کی برکت کا اثر شیخ نصیر الدین محمود میں موجود ہے، ان کی ذات بابرکت بہت غنیمت ہے، وہ چراغ دہلی ہیں، اور مشائخ کی رسموں کو زندہ کرنے والے ہیں، حضرت سیّد جلال الدین نے یہ سنا تو حضرت شیخ نصیر الدین سے ملنے کے مشتاق ہوئے، اور مکہ معظمہ سے روانہ ہو کر دہلی پہنچے، حضرت شیخ نصیر الدینؒ نے حضرت سیّد جلال الدینؒ کو دیکھ کر فرمایا، شیخ عبداللہ یافعی کی بدولت تمہارے دیدار سے مشرف ہوا، حضرت سیّد جلال الدینؒ نے عرض کیا شیخ عبداللہ یافعی پر اللہ کی رحمت ہو، کہ ان کی بدولت آپ کی خدمت بابرکت میں پہنچا، حضرت شیخ نصیر الدین محمودؒ نے خوش ہو کر ان کو خرقہ خلافت مشائخ چشت عطا فرمایا،

---

[1] ایضاً ص ۲۹۲-۲۹، [2] سراج الہدایہ قلمی نسخہ کتب خانہ ریاست رامپور، [3] ایضاً، [4] سراج الہدایہ قلمی نسخہ کتب خانہ ریاست رامپور

اور اسی کے بعد وہ یعنی حضرت شیخ نصیر الدین محمودؒ ''چراغ دہلی'' کے لقب سے مشہور ہوئے[1]۔

رشد و ہدایت

ہندوستان میں زیادہ تر وطن مالوف اچہ میں قیام رہا، کبھی کبھی دہلی اور دوسرے مقامات کو بھی جایا کرتے تھے، لیکن جہاں بھی ہوتے رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھتے، مجلسوں میں زیادہ تر کلام پاک، احادیث نبوی ﷺ اور فقہ پر تقریریں کرتے اور سلوک و معرفت کی تعلیم خالصۃً شریعت کے مطابق دیتے، ان کے ملفوظات کا مجموعہ جامع العلوم، جس کا اردو ترجمہ الدر المنظوم فی ترجمہ ملفوظ المخدوم ہے، ایک عالم اور ایک سالک دونوں کے لئے مفید اور پُر از معلومات ہے، اور آج بھی خاص ذوق و شوق کے ساتھ پڑھا جاتا ہے، ملفوظات کے ایک دوسرے مجموعہ سراج الہدایہ میں احادیث نبوی ﷺ کی تشریح، فقہی مسائل کی تصریح، انبیاء کے قصے، اوراد و ظائف کی تفصیلات کے علاوہ روزمرہ کی ضروریات کے متعلق بھی بہت سی مفید معلومات ہیں، مثلاً ایک باب میں چاول، گیہوں، خرما، انگور، امرود، خربوزہ، انار، اسبغول، ہلیلہ، کشمش، پیاز، گوشت، بیضہ، مرغ، سرکہ اور دودھ وغیرہ کے بھی فوائد بتائے ہیں، جن سے مرید متمتع ہوتے رہتے تھے۔

نہ صرف ہندوستان کے مختلف گوشوں بلکہ بیرونی مقامات سے بھی لوگ روحانی و باطنی تعلیمات حاصل کرنے کے لئے آتے، ایک بار خواجہ محمد ظفاری عرب سے آئے، اور تہجد کے وقت حجرے میں آ کر عربی زبان میں عرض کیا، اے مخدوم میں ایک رات ذکر خفی کر رہا تھا، کہ ایک آدمی میرے داہنے طرف سے آیا، اور اس نے مجھ سے کہا کہ تو دعا پڑھ کہ اے رب تو معبود عالم ہے، میں جاہل ہوں، مجھ کو علم دے، تاکہ علم کے ساتھ تیری عبادت کروں، ورنہ ہلاک ہو جاؤں گا، خواجہ محمد ظفاری نے حضرت سیّد جلال الدینؒ سے پوچھا کہ اس واقعہ کی کیا تاویل ہے، جواب میں فرمایا کہ تم ابھی دینی علوم حاصل کرو[2]۔

ایک بار عراق کے سادات آئے، اور کچھ نذرانے ساتھ لائے، اس وقت عوارف کا درس ہو رہا تھا، سادات نے عرض کیا کہ ہم کو قدمبوسی کا اشتیاق تھا، یہ سن کر حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے اپنے خادم خاص سے شیرینی لانے کو کہا، اور یہ حدیث شریف پڑھی، کہ جو شخص کسی زندہ آدمی کی ملاقات کو آئے اور اس کے یہاں کوئی چیز نہ چکھے، تو گویا اس نے کسی مردے کی زیارت کی، پھر سادات کو مخاطب کر کے فرمایا تم کو ذوق معنوی و صوری دونوں حاصل ہو گئے، تم نے عوارف کا سبق سنا، اس سے ذوق معنوی حاصل ہوا، پھر مسکرا کر کہا تم نے شیرینی کھائی، اس سے ذوق صوری کی تسکین ہوئی، شیرینی کھلاتے وقت فرمایا، جو شخص روزہ دار نہ ہو، وہ کھائے، روزہ دار نہ کھائیں، پھر فرمایا، حدیث صحاح میں ہے کہ جب روزہ داروں کے سامنے کھانا کھایا جاتا ہے تو فرشتے ان کی مغفرت کے لئے دعائیں کرتے رہتے ہیں، کیونکہ ایسی حالت میں روزہ دار اپنے دل پر جبر کرتے ہیں، اور اسی وجہ سے ان کو ثواب ملتا ہے[3]۔

---

[1] سیر العارفین ج ۲ ص ۱۵۶ و خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۵۹۔۵۸، [2] انوار المنظوم ص ۵۸۶، [3] الدر المنظوم ص ۲۔۱۶۱،

ایک بار حدود بخارا سے شیخ زادہ معظم تیس ہمراہیوں کے ساتھ خدمت میں دہلی آئے، حضرت مخدوم جہانیاںؒ جہاں گشت بہت خوش ہوکران سے بغل گیر ہوئے اور پوچھا کس غرض سے آئے ہو، عرض کیا کہ قدم بوسی اور تربیت حاصل کرنے کے لئے، فرمایا مبارک ہو، لیکن بہتر ہے کہ (دہلی کے) شیخ الاسلام (یعنی سلطان فیروز شاہ کے پیر شیخ علاء الدین) کے پاس ٹھہرو، وہ تمام مشائخ کے سردار ہیں، میں تم کو اپنے یہاں سے جانے کو نہیں کہتا، لیکن جہاں تمھیں انشراح حاصل ہو وہیں قیام کرو، شیخ زادہ معظم نے کہا میں تو آپ ہی کے قدموں کے سایہ میں ٹھہروں گا، یہ سن کر حضرت مخدوم جہانیاں نے خادم کو کہا کہ ان کو کچھ کھلاؤ، میں تو روزہ سے ہوں[1]۔

ایک بار کچھ درویش عرب سے آئے، حضرت مخدوم جہانیاں نے ان سے پوچھا کس خاندان سے ہو، عرض کیا، سیّدی احمد کبیر کے خاندان سے، فرمایا حضرت سیدی احمد کبیر سے میں نے خرقہ پہنا ہے اور انھوں نے مجھے خرقہ پہنانے کی اجازت دی ہے، وہ صوفی تھے اور سنت کے مطابق کپڑے پہنتے تھے، اس کے بعد درویشوں کو نصیحت کی، کہ تم علم شریعت پڑھو، سنت کے پابند رہو، اور بدعت سے بچو، پھر ان کو توبہ کی تلقین کی، اور خرقہ پہنایا[2]۔

دربار شاہی سے تعلقات

پہلے ذکر آچکا ہے کہ سلطان محمد تغلق نے حضرت مخدوم جہانیاں کو شیخ الاسلام بنا کران کے تصرف میں چالیس خانقاہیں دی تھیں، لیکن وہ ان کو چھوڑ کر حج کے لئے تشریف لے گئے، خود فرماتے ہیں کہ اگر میں ان خانقاہوں کو چھوڑ کر حج کو نہ چلا جاتا تو مغرور ہو جاتا، اور کیچڑ میں پڑا رہتا[3]۔

حج اور سیاحت کے بعد ہندوستان واپس آئے، تو سلطان فیروز شاہی کو ان کی ذات اقدس سے بڑی عقیدت پیدا ہوگئی، چنانچہ شمس عفیف اپنی تاریخ فیروز شاہی سے رقمطراز ہے:۔

> ''حضرت سیّد جلال الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہر دوسرے یا تیسرے سال اوچہ سے سلطان کی ملاقات کے لئے تشریف لاتے، دونوں کے درمیان بیحد محبت تھی، دونوں اس محبت میں اضافہ کرنے کی کوشش کرتے جب حضرت سید جلال الدین اوچہ سے تشریف لاتے، اور فیروز آباد کے قریب پہنچتے تو بادشاہ مندتک استقبال کے لئے جاتا، اور جب دونوں میں ملاقات ہوتی بادشاہ حضرت سیّد کو بڑے اعزاز و اکرام سے شہر میں لاتا، وہ کبھی تو منارہ سے متصل کوشک معظم کے اندر شفا خانے میں، کبھی شہزادہ فتح خان مرحوم کے خطیرے میں قیام فرماتے، جب سیّد السادات اپنی قیامگاہ سے مقررہ طریقے کے مطابق سلطان فیروز کی ملاقات کے لئے تشریف لاتے، اور جیسے ہی وہ محل حجاب میں

---

[1] الدر المنظوم ص ۶۵۷، [2] ایضاً ص ۹-۶۵۸، [3] ایضاً ص ۲۴۵۔

پہنچ کر سلام کرتے، سلطان اپنے رتبہ کے باوجود تخت گاہ پر کھڑا ہو جاتا، اور بیحد تواضع کے ساتھ پیش آتا، پھر دونوں جام خانہ کے اوپر جا کر بیٹھتے، جب حضرت سیّد واپس ہوئے، اُس وقت بھی فیروز شاہ جام خانہ کے اوپر تعظیم کے لئے کھڑا ہو جاتا، اور جب تک کہ حضرت سید محل حجاب تک نہ پہنچ جاتے، اسی طرح کھڑا رہتا، یہاں پر حضرت سیّد سلطان کو سلام کرتے اور سلطان سلام کا جواب دیتا، جب حضرت سید نظروں سے غائب ہو جاتے، اس وقت سلطان اپنے تخت پر بیٹھتا، سبحان اللہ! کیا حسن ادب تھا، جو سلطان حضرت سید کے لئے بجالاتا تھا، سلطان بھی دوسرے تیسرے روز حضرت سیّد کی قیامگاہ پر ملاقات کے لئے جاتا، اور دونوں میں بڑی محبت آمیز گفتگو ہوتی، اوچہ اور دہلی کے باشندے، اپنی اپنی حاجت اور غرض حضرت سیّد کی خدمت میں پیش کرتے، اور اپنے خدام کو حکم دیتے کہ ان باتوں کو قلمبند کر لیں، اور جب سلطان ملاقات کے لئے آتا تو وہ ضرورت مندوں کے کاغذات اس کی خدمت میں پیش کرتے، سلطان ان کاغذات کو پڑھ کر ہر حاجت مند کی حاجت روائی کرتا، کچھ دنوں قیام فرما کر حضرت سیّد اوچہ واپس ہوتے تو بادشاہ ایک منزل تک ان کو پہنچانے کے لئے جاتا۔ (ص ۱۶-۵۱۴)

۷۶۴ھ میں سلطان فیروز شاہ جام اور بابنھ کے خلاف ٹھٹھ پر حملہ آور ہوا، تو حضرت مخدوم جہانیاں ہی کی مساعی جمیلہ سے سلطان اور اہلِ ٹھٹھ کے درمیان صلح ہوئی، شاہی فوج کے محاصرہ سے ٹھٹھ میں قحط پڑنے لگا تو وہاں کے لوگ حضرت مخدوم جہانیاںؒ کی مداخلت کے خواہاں ہوئے، ان کی دعوت پر حضرت مخدومؒ اوچہ سے ٹھٹھ فیروز شاہی لشکر میں تشریف لائے، عفیف کی تاریخ فیروز شاہی میں ہے:۔

''حضرت سید جب لشکر میں پہنچے تو تمام اہل لشکر نے دل و جان سے قدمبوسی کی کوشش کی، حضرت سیّد نے ان سے فرمایا، بابا، اطمینان رکھو، انشاء اللہ چند روز میں فتح ہو گی، جب آگے بڑھے تو سلطان فیروز نے نہایت خلوص اور عقیدت سے استقبال کیا، اور بہت ہی اعزاز و اکرام کے ساتھ لشکر میں لایا، دونوں نے مصافحہ کیا، حضرت سیّد جلال الدین نے فرمایا، ایک پارسا اور صالحہ عورت ٹھٹھ میں موجود تھی، اس کی دعا کی برکت سے ٹھٹھ فتح نہیں ہوتا تھا، میں خدا کی بارگاہ میں دعا کرتا تھا، لیکن وہ پاک دامن درمیان میں حائل ہو جاتی تھی، اب تین روز ہوئے کہ اس عورت نے جنت کی راہ لی اور امید ہے کہ ٹھٹھ جلد فتح ہو جائے گا، اہل ٹھٹھ کو معلوم ہوا کہ حضرت سید جلال الدین شاہی لشکر میں تشریف فرما ہیں تو ان کی خدمت میں متواتر پیامات روانہ کئے اور اپنی مصیبتوں کا اظہار کیا، حضرت سیّد نے بھی اہل ٹھٹھ سلطان سے کہہ کر ان کو مطمئن کیا، اور سلطان فیروز شاہ نے بھی اہل

ٹھٹھ کوان کے مطالبات سے دو چند عطا فرمایا، (ص ۴۲۔۴۲۱)

ایک بار ۷۸۱ھ میں حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے دہلی کو اپنی آمد سے شرف بخشا، اس وقت سلطان فیروز شاہ سومانہ کی مہم میں دارالسلطنت سے باہر تھا، اس لئے حضرت مخدوم جہانیاںؒ کو سلطان کی ملاقات کے لئے دہلی میں دس مہینے رکنا پڑا، اس اثنا میں دہلی کے باشندے اور دوسرے مقامات کے لوگ خدمت میں حاضر ہو کر ہر قسم کے مذہبی اور روحانی فیوض حاصل کرتے رہے، مجلسوں میں کبھی درس و تدریس ہوتی، کبھی شرعی اور فقہی مسائل کی تشریح ہوتی، کبھی اخلاق و معاشرت کو سنوارنے کی تعلیم دی جاتی، اور کبھی صوفیانہ غوامض و دقائق بیان کئے جاتے، ان تمام ملفوظات کو حضرت مخدوم جہانیاں کے ایک مرید سیّد علاء الدین علی بن سعد حسینی نے جامع العلوم کے نام سے مرتب کیا تھا، جس کا اردو ترجمہ الدر المنظوم کے صفحہ ۸۵۵ پر مشتمل ہے۔

سلطان کی عدم موجودگی میں وزراء اور شہزادے ہر قسم کی خاطر و تواضع میں لگے رہے، سلطان فیروز شاہ کا لائق وزیر خانجہاں قدمبوسی کے لئے آیا، تو اثنائے گفتگو میں اس کو نصیحت کی کہ وہ عدل و انصاف میں شریعت کا دامن کسی حال میں نہ چھوڑے[1]، خانجہاں دوسری مرتبہ آیا تو بادشاہ کی طرف سے چونتیس جوڑے کپڑے لایا، حضرت مخدوم نے ان کو دیکھ کر فرمایا، اگر مشروع ہیں تو پہنوں گا، ورنہ بچوں کی والدہ کے لئے رکھ چھوڑوں گا، خانجہاں نے قسم کھائی کہ مشروع ہیں، حضرت مخدوم جہانیاںؒ کو جب اطمینان ہو گیا تو کپڑے قبول کر لئے، اور فرمایا میں بادشاہ کا دیا ہوا کپڑا پہن لیتا ہوں کہ بادشاہ کا حکم بجالانا واجب ہے[2]۔

دہلی ہی کے قیام کے زمانہ میں حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے ایک بھائی سیّد صدر الدین سلطان فیروز شاہی سے جا کر شاہی لشکر میں ملے، وہاں سے حضرت مخدوم جہانیاں کے پاس آئے تو عرض کیا کہ سلطان نے ان کو ایک گاؤں، دو ہزار ٹنکے اور خلعت عطا کی[3]۔

ایک بار ایک شخص نے آ کر عرض کیا کہ میں نے حج کی نیت کی ہے، آپ سلطان کو لکھ دیں کہ مجھ کو زادِ راہ عنایت کرے، یہ سن کر منشیوں سے فرمایا، سلطان کو لکھ دو، لیکن یہ بھی فرمایا کہ فقہ میں ہے کہ جو شخص بادشاہوں سے خرچ لے کر حج کو جاتا ہے، اس کا حج قبول نہیں ہوتا[4]۔

اسی قیام کی مدت میں عید الاضحیٰ بھی آ گئی، حضرت مخدوم جہانیاں نے عید اضحیٰ کا دن جس طرح گذارا، اس کی تفصیل ناظرین کے لئے دلچسپی سے خالی نہ ہوگی۔

عید اضحیٰ کی صبح صادق ہوئی تو صبح کی نماز ادا کی، ننانوے اسمائے الٰہی کے ورد سے فارغ ہوئے تو طلوع آفتاب سے پہلے مصلیٰ سے اٹھے، غسل فرمایا، اور جب آفتاب کسی قدر بلند ہوا تو پالکی میں سوار ہو کر

---

[1] الدر المنظوم ص ۱۳، [2] ایضاً ص ۳۴۱، [3] ایضاً ص ۳۵۰، [4] الدر المنظوم ص ۳۵۵،

عید گاہ کی طرف روانہ ہوئے، معتقدین بھی ساتھ تھے، تکبیر کہتے جاتے، اور ہمراہیوں سے بھی تکبیر کہلواتے، راستہ آہستہ آہستہ طے کرتے، عید گاہ کے قریب پہنچے تو پالکی سے اتر پڑے، تازہ وضو کیا، ریش مبارک میں کنگھی کی، پھر مسجد میں داخل ہوئے، اُس وقت تک کچھ زیادہ لوگ نہیں آئے تھے، محراب کے سامنے پہلی صف میں جا کر تشریف فرما ہوئے، معتقدین پیچھے بیٹھ گئے، فجر کی نماز کے بعد کے اوراد و وظائف پڑھتے رہے، خطیب نے آنے میں تاخیر کی تو فرمایا، بقر عید کی نماز جلد ہونی چاہئے تا کہ قربانی جلد ہو، اور جانور بیچارے قید میں نہ بندھے رہیں، ذبح ہو کر وہ اپنی منزل مراد کو پہنچ جائیں، پھر خادم خاص کو بلا کر کہا کہ داروغہ مطبخ سے تاکید کر دو کہ سلام پھیرتے ہی جا کر قربانی کرے، تا کہ ہم یاروں کے ساتھ قربانی کے گوشت سے افطار کریں، اس لئے کہ یہ مستحب ہے، اس اثناء میں سلطان فیروز شاہ کا وزیر خانجہاں آیا، اس کو دیکھ کر پوچھا کہ تمہاری قبا مشروع ہے، جواب دیا، مشروع ہے، پھر پوچھا، موے بند سوتی ہے یا ریشمی، جواب دیا سوتی، پھر فرمایا، تم اپنے بال کے جوڑے کھول کر آگے ڈال دینا، ورنہ نماز مکروہ ہو جائے گی، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے، تم اپنے بال کو کھول دو تا کہ وہ بھی تمہارے ساتھ سجدہ کریں، اسی سلسلہ میں فرمایا، بعض نادان ریشم کے کپڑے پہن کر نماز پڑھتے ہیں، ایسی نماز اس کے منہ پر ماری جاتی ہے، اسی درمیان میں سلطان فیروز شاہ کے قاضی القضاۃ صدر جہاں نے قدمبوسی حاصل کی اور نماز کے بعد اپنے یہاں مدعو کیا، نماز شروع ہوئی تو خطیب سے دوسری رکعت کی تکبیروں میں سہو ہو گیا، نماز کے بعد علماء نے سہو کے بارے میں حضرت مخدوم جہانیاںؒ سے رجوع کیا، فرمایا عیدین کی تکبیریں واجب ہیں، مناسب تو یہ ہے کہ نماز پھر سے پڑھی جائے، لیکن مجمع کثیر ہے، اعادہ میں لوگوں کو زحمت ہو گی، اس لئے اعادہ کی ضرورت نہیں، خطیب کے خطبہ کے بعد حضرت مخدوم نے چار رکعت نماز پڑھی، اور اپنے ہمراہیوں سے بھی پڑھوائی، ابھی وہ نماز پڑھ ہی رہے تھے کہ دست بوسی کے لئے لوگوں کا ہجوم ہوا، ہر طرف ایک شور بپا ہو گیا، مشکل سے پالکی لائی گئی، اور جب پالکی پر سوار ہو کر روانہ ہوئے تو لوگ پالکی کے ساتھ دوڑتے تھے، کوئی پالکی کو چومتا، اور کوئی پالکی اٹھانے والوں کو چومتا، ہجوم زیادہ بڑھا تو خدام نے لوگوں کو منتشر کیا، کہ ہجوم کی کثرت سے کوئی ہلاک نہ ہو جائے، صدر جہاں بھی پالکی کے ساتھ ساتھ تھے، اور جب ان کے گھر پر پہنچے تو وہاں ائمہ، علماء، قضاۃ، صدور اور دوسرے اکابر پہلے سے موجود تھے، جنھوں نے اٹھ کر تعظیم کی، اثنائے گفتگو میں حضرت مخدوم نے صدر جہاں کو مخاطب کر کے فرمایا، مکبر اکبار بمد کہتے ہیں، ان کو منع کرو، یہ لفظ کفر کا ہے، اکبار شیطان کے ناموں میں سے ایک نام ہے، پھر فرمایا، مستحب یہ ہے، کہ موذن صاحب علم اور مفتی ہوتا کہ فتویٰ بھی دے سکے، گفتگو مختلف موضوع پر ہوتی رہی، اس کے بعد اشراق کی نماز پڑھی، اشراق پڑھ چکے تو صدر جہاں نے شربت کا ایک پیالہ پیش کیا، شربت دیکھ کر فرمایا، عید اضحیٰ میں قربانی کے گوشت سے افطار کرنا سنت ہے، صدر جہاں نے فوراً کباب

کی ایک سیخ سینکوائی، اسی سے افطار کیا، اور ہمراہیوں کو بھی افطار کرنے کو کہا، اس کے بعد صدر جہاں نے دستر خوان بچھوایا، کھانے کے بعد تمام لوگ رخصت ہوئے[1]۔

سلطان فیروز شاہ جب مہم سے واپس آیا، تو اس نے شہزادہ محمود خاں کو حضرت مخدوم جہانیاں کے پاس بھیجا، کہ ان کو جا کر شاہی محل میں لے آئے، تا کہ ان کی زیارت جلد جلد ہو سکے، لیکن حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے ساتھ بہت سے لوگ تھے، اس لئے انھوں نے شاہی محل میں جانا پسند نہیں فرمایا، شہزادہ محمود خاں جب رخصت ہونے لگا، تو حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے اس کو کلاہ پہنائی اور کچھ شیرینی بطور تبرک دی، سلطان فیروز شاہ نے پھر اور دوسرے شہزادوں اور ارکان سلطنت کو بھیجا کہ وہ شاہی محل میں ضرور تشریف لائیں، چنانچہ اس اصرار کے بعد وہ شاہی محل میں منتقل ہو گئے، جہاں شہزادے اور عمائدین سلطنت برابر خدمت میں حاضر رہتے تھے[2]، ایک روز شہزادہ مبارک خاں اپنے لڑکوں کے ساتھ قدمبوسی کے لئے آیا، تو اس کی ٹوپی پر نظر پڑی، فرمایا، ایسی ٹوپی پہننا روا نہیں، لڑکے بھی اسی طرح کی ٹوپی پہنے ہوئے تھے، ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا، یہ تو بچے ہیں ان سے تو مواخذہ نہیں ہوگا، لیکن ان کے ولی سے بازپرس ہوگی[3]۔

ایک روز جامع مسجد میں نماز پڑھنے تشریف لے گئے، تو موذن نے اذان میں اکبر کی جگہ "اکبار" کہا، فرمایا یہ کفر ہے، سید الحجاب اور صدر جہاں کی توجہ اس طرف دلائی، سلطان کو خبر ہوئی تو موذن کو طلب کیا، اور اس کی جان کے لالے پڑ گئے، موذن حضرت مخدوم جہانیاںؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور شاہی عتاب کا ذکر کیا، حضرت مخدوم نے اس کی دلجوئی کی، اور فرمایا میں سلطان سے کہوں گا کہ تمہاری روٹی موقوف نہ کرے، لیکن اکبار نہ کہنا، اور نہ حی علی الصلوٰۃ کے بجائے حیاعلیٰ الصلوٰۃ کہنا، کیونکہ اس سے معنی بدل جاتے ہیں۔

کئی بار سلطان فیروز شاہ نے بھی حاضری دی، پہلی دفعہ آیا تو حضرت مخدوم جہانیاں اشراق کی نماز پڑھ رہے تھے، جب تک نماز پڑھتے رہے، سلطان کھڑا رہا اور جب نماز سے فارغ ہوئے تو دونوں نے بڑی گرمجوشی سے مصافحہ کیا، سلطان نے پھولوں سے بھری ہوئی ایک ٹوکری پیش کی، حضرت مخدوم جہانیاں نے ان پھولوں کو حاضرین میں تقسیم کر دیا، پھر سلطان کے آنے کا شکریہ ادا کیا، اور دعائیں دیں، اس کے بعد ساتھیوں سے دو رکعت نماز نفل نماز باجماعت ادا کرنے کو کہا، مولانا سراج الدین نے امامت کی، سلطان بھی جماعت میں شریک ہوا، نماز ختم ہو گئی تو حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے فرمایا، امام شافعیؒ کے نزدیک نفل نماز جماعت کے ساتھ ادا کی جاسکتی ہے، پھر فقہ کی کتاب کافی کا حوالہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا عبادات میں غیر کے مسلک پر عمل کیا جاسکتا ہے، یعنی اگر کوئی حنفی ہے تو شافعی کی عبادت میں

---

[1] الدرالمنظوم ص ۶۴-۵۲-۷، [2] ایضاً ۹۹-۹۰-۷، [3] ایضاً ص ۱۰۸،

شریک ہوسکتا ہے، لیکن معاملات میں غیر مسلک پر عمل کرنا بالکل جائز اور درست نہیں، اس کے بعد سلطان سے نماز کی نیت، خانہ کعبہ کی زیارت، حضرت شیخ بہاء الدینؒ کی بزرگی، خرقہ، مشائخ دشمن نفس وغیرہ پر گفتگو رہی، اسی اثنا میں حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کے پوتوں اور دوسرے لوگوں کے لئے سلطان سے کہہ کر وظائف مقرر کرائے، جب سلطان رخصت ہونے لگا تو اس نے حضرت مخدوم جہانیاں سے اپنے پوتوں کے لئے دعا کرنے کو کہا، انھوں نے ان کے لئے وہی دعائیں کیں جو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کو دیا کرتے تھے، سلطان کو رخصت کرنے کے لئے حضرت مخدوم جہانیاں نردبان سے نیچے آنا چاہتے تھے، لیکن سلطان نے دست مبارک پکڑ کر نیچے آنے سے روکا، حضرت مخدوم نے کہا تم جب مجھ سے ملنے آئے ہو تو کچھ تو تمہاری تعظیم کروں، سلطان نے کہا واجب التعظیم تو آپ ہی ہیں، میں تعظیم کا مستحق نہیں، سلطان جا چکا تو اس کے ساتھ آنے والے ارکانِ سلطنت بھی اسی طرح تعظیم و تکریم کا اظہار کرتے ہوئے رخصت ہوئے۔

سلطان دوسری دفعہ آیا تو اس ملاقات میں کسی موقع پر حضرت مخدوم جہانیاں نے بعض اشعار پڑھے، جو سلطان کو پسند آئے، ان کو خود بھی لکھا اور سیّد الحجاب سے بھی لکھوایا، وہ اشعار یہ ہیں:-

ہمت بس بلند روزی کن	کن من از تو ہمیں ترا خواہم
ہر آنکو غافل از وے یکزمان ست	دراں دم کافر ست اما نہاں ست
مبادا غایبے پیوستہ باشد	در اسلام بروے بستہ باشد
حضوری بخش اے پروردگار	کہ من غائب شدن طاقت ندارم[1]

فیروز آباد یعنی دہلی سے رخصت ہوتے وقت دو روز پہلے لوگوں کے ہجوم سے بچنے کی خاطر سلطان خانہ کی مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کی، نماز کے بعد سلطان سے ملے، بعض فقہی مسائل پر گفتگو ہوئی، پھر لوگوں نے کچھ عرضداشتیں سلطان کی خدمت میں پیش کیں، جن کو اس نے قبول کیا، اسی اثنا میں سلطان خانہ میں آخری ملاقات کے لئے لوگوں کا ہجوم بڑھا تو حضرت مخدوم جہانیاں نے ایک دریچہ سے روئے مبارک نکال کر لوگوں سے فرمایا، السلام علیکم، میں نے تمہارے بھائی (یعنی سلطان) اور تمہارے دین کو خدا کو سونپا، تم بھی مجھ کو خدا کو سونپو، پھر لوگوں کے لئے دعائیں کیں، اتوار کے روز اشراق کے بعد فیروز آباد سے نکل کر کوشک شکار عرف جہاں نما آئے، اس وقت سلطان کی طرف سے کھانا آیا، حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے ایام بیض کا روزہ رکھا تھا، لیکن اور لوگوں نے کھانا کھایا، اس موقع پر فرمایا مقطع اور دوسرے ملوک کو رشوت دینا یا ان کی مالی مدد کرنا بالکل جائز نہیں، بادشاہ کے لئے بھی یہ باتیں حرام ہیں، ہدیہ لینا روا بلکہ سنت ہے، بشرطیکہ یہ ہدیہ رشوت نہ ہو، کسی احسان یا معاوضہ کی خاطر نہ دیا گیا ہو، صرف خدا کی

---

[1] الدر المنظوم ص ۸۳۶،

خوشنودی کے لئے پیش کیا گیا ہو، البتہ ہدیہ میں کفار کا کھانا قبول کرنا ممنوع ہے۔

کچھ لوگ ساتھ تھے، تہجد کے وقت ان کو رخصت کیا، لیکن پھر بھی کچھ رہ گئے، چاشت کی نماز کے وقت چھوٹے شہزادے رخصت کرنے کے لئے آئے، ان کے جسم پر ریشم کا لباس دیکھ کر فرمایا ریشم کا لباس پہننا حرام ہے، اس لباس کے پہننے کا وبال چھوٹے شہزادوں کے ولی پر ہوگا، پھر ۷ا محرم ۷۸۲ھ کی صبح کی نماز کے بعد اچہ کی طرف روانہ ہو گئے، بعض معتقدین نے قدم چومنا چاہا، لیکن چومنے نہ دیا[1]۔

فیروز شاہ پر بزرگان دین کے اثرات

حضرت مخدوم جہانیاں کی صحبت سے سلطان فیروز میں جو جلا ہوئی اس کے اثرات اس کی زندگی کے مختلف پہلوؤں میں ظاہر ہوتے رہے، وہ حضرت فرید الدین گنج شکرؒ کے نواسے شیخ الاسلام شیخ علاء الدین کا مرید تھا، لیکن اپنے تمام معاصر مشائخ وصوفیہ سے بھی بڑی عقیدت ومحبت کے ساتھ ملتا رہا، انھوں نے جو نصیحتیں کیں، ان پر عمل کرنے کی بھی کوشش کی، شمس سراج عفیف کی تاریخ فیروز شاہی میں ہے:۔

"سلطان نے اپنے تمام عہد حکومت میں اولیائے کرام کی متابعت کی، آخر زمانے میں مخلوق بھی ہو گیا تھا، اس نے ہر وقت مشائخ کی پیروی کی، اور ان کی محبت کا دم بھرتا رہا۔" (ص ۳۷۱)

سلطان حضرت شرف الدین احمد منیریؒ حضرت چراغ دہلی، اور حضرت قطب الدین منورؒ کے پند و نصائح سے بھی مستفیض ہوتا رہا[2]، اور ان تمام بزرگانِ دین ہی کے فیوض و برکات کی وجہ سے اس میں شریعت اور سنت کی پابندی کا جذبہ پیدا ہوا، اور اس نے اپنے دور حکومت میں شریعت کے احیاء اور بدعات کے قلع قمع کرنے میں پوری کوشش کی، اسی سلسلہ میں اس نے ایک رسالہ فتوحاتِ فیروز شاہی قلمبند کیا، اس کا آغاز اس طرح کرتا ہے:۔

"حمد بے حد اور شکر بے شمار اُس خالق غفور وشکور کا ہے جس نے مجھ بیچارے مسکین فیروز بن رجب محمد شاہ بن شاہ کے غلام کو سنتِ رسول کو زندہ کرنے، بدعتوں کو مٹانے، بری باتوں کو دور کرنے، حرام چیزوں کو روکنے اور فرائض و واجبات کی پابندی کی توفیق بخشی۔"

فیروز شاہ نے شریعت کی پابندی کی خاطر جو اقدام کئے اس کی پوری تفصیل فتوحات فیروز شاہی میں ملے گی، ایک جگہ رقمطراز ہے:۔

"گذشتہ زمانے میں بیت المال میں نامشروع اور حرام مال جمع کیا جاتا تھا، مثلاً

---

[1] الدر المنظوم ص ۵۵۔۸۵۱،

[2] تفصیل کیلئے دیکھو سہ صدی مکتوبات ص ۹۳۔۹۴ و تاریخ فیروز شاہی از شمس سراج عفیف ص ۲۹۱۔۷۸۔۸۱۔۱۳۲۔۱۳۱

ترکاریوں کی منڈی، دلالوں کے بازار، قصاب، طرب ونشاط، پھولوں کے فروخت، پان، غلہ، مچھلی ندافی، صابون سازی، ریسمان فروشی، روغن گری، خشک چنے، تہ بازاری، قمار بازی، دادبیگی، چرائی وغیرہ پر چنگی لیجاتی تھی، ہم نے دفاتر و دیوان کو ہدایت کردی کہ ان تمام چنگیوں کی وصولی کو ختم کردیں، اور کوئی وصول کرے تو اس کو سزا دیں، اور بیت المال میں جو مال آئے، وہ شرع مصطفیٰ ﷺ اور کتب دینیہ کے مطابق ہو، اور وہ یہ ہیں، خراج، اراضی، عشور، زکوٰۃ، جزیہ، لاوارثوں کا مال، غنیمت، اور معدنیات کا خمس، اور جو مال کلام پاک کے حکام کے مطابق نہ ہو، وہ بیت المال میں جمع نہ کیا جائے[1]۔''

معاشرتی اصلاح کے سلسلہ میں اس کی مساعی جمیلہ ملاحظہ ہوں:۔

''شہر کے مسلمانوں میں ایک ایسا رواج ہو گیا تھا، جس کو اسلام جائز نہیں رکھتا ہے متبرک دنوں میں عورتیں پالکی، چھکڑے، ڈولے، گھوڑے اور اونٹ پر سوار ہو کر اور پاپیادہ جوق جوق شہر سے باہر آتی تھیں، اور مزاروں پر جاتی تھیں، بدمعاش اور اوباش لوگ اپنی نفسانی خواہشوں کی خاطر ان عورتوں کو چھیڑ کر فتنہ وفساد پیدا کرتے، عورتوں کا باہر جانا شرعاً ممنوع ہے، ہم نے حکم دیا کہ کوئی عورت مزار کی زیارت کو نہ جائے، اگر کوئی جائے تو اس کی سزا کی جائے، حق تعالیٰ کی عنایت سے اب مخدرات اور مستورات باہر نہیں آتی ہیں، اور نہ زیارت کو جاتی ہیں، اب یہ بدعت دور ہوگئی[2]۔''

کھانے پینے، لباس و پوشاک اور روزمرہ کی دوسری چیزوں میں بھی شریعت کی پابندی کا لحاظ رکھا، چنانچہ لکھتا ہے:۔

''گذشتہ زمانے میں دستور یہ تھا کہ چاندی اور سونے کے برتنوں کو دسترخوان پر استعمال کرتے تھے، اور تلواروں کے قبضہ اور ترکش کو سونے سے مرصع کرتے تھے، اس کی ممانعت کر کے میں نے اپنے ہتھیاروں کو شکاری جانوروں کی ہڈی سے مرصع کیا، اور وہ برتن استعمال کئے جو شریعت میں جائز ہیں۔

گذشتہ زمانہ میں یہ دستور تھا کہ کپڑوں پر تصویر بناتے تھے، اور ان کو شاہی خلعت کے طور پر لوگوں کو پہناتے تھے، اسی طرح لگام، زین، سواری کے پٹہ، عود کی انگیٹھیوں، طشت، پیالہ، صراحی، لوٹا، خیموں، پردوں، تخت، کرسی، اور تمام ساز و سامان پر تصویریں بناتے تھے، خدا کے حکم وہدایت کی بنا پر میں نے حکم دیا کہ ان چیزوں سے ان تصویروں کو مٹا دیں، اور جو چیزیں شریعت میں جائز ہیں ان کو بنائیں، اور گھروں اور محلوں اور

---

[1] فتوحات فیروز شاہی مسلم یونیورسٹی علی گڈھ ص ۶۔ [2] فتوحات فیروز شاہی ص ۱۰و۱۱۔

دیواروں پر جو تصویریں بنائی گئی ہیں ان کو بھی مٹا دیں۔

اس سے پہلے لوگوں کا لباس ریشمی اور زردوزی کا ہوتا تھا، جو شرعاً جائز نہیں، خدا کی توفیق سے تمام لباس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے موافق ہو گئے، اور زردوزی کے جھنڈے اور زربفت کی ٹوپیاں جن کا عرض چار انگل سے زیادہ نہ ہو جائز قرار دی گئیں، اور جو لباس خلاف شریعت اور ناجائز تھے وہ مٹائے گئے[1]۔"

مندرجہ بالا تمام حقائق کی تصدیق شمس سراج عفیف بھی کرتا ہے، اپنی تاریخ فیروز شاہی میں رقمطراز ہے:۔

"سلطان فیروز شاہ نے خدا کی عنایت و مہربانی سے ممالک محروسہ سے تمام غیر مشروع امور کو جو خلاف احکام شرع ملک میں رائج تھے، دور کیا، فیروز شاہ نے ہر رسم و رواج کو جو خلاف شرع نظر آیا، قطعاً موقوف کر دیا۔

سلاطین کے خلوت خانہ میں مصور نقاشی کیا کرتے تھے، تا کہ خلوت کے وقت بادشاہ کی نظر ان تصاویر پر پڑے، فیروز شاہ نے خوف خدا کی وجہ سے حکم دیا کہ اس خلوت خانہ میں اس قسم کی نقاشی نہ کی جائے، بلکہ بجائے تصاویر کے باغات و مناظر قدرت کے نقش و نگار بنائے جائیں۔

سلاطین کے قدیم محلات میں لوہے، تانبے، چاندی اور سونے کے بت اور دوسری مرتیں رکھی جاتی تھیں، بادشاہ نے ان کو خلاف شرع خیال فرما کر ان کو دور کیا۔

اسی طرح پہلے سلاطین سونے اور چاندی کے ظروف میں خورد و نوش کرتے تھے، لیکن فیروز شاہ نے ان کو بھی خلاف شرع خیال کر کے اپنے یہاں سے علیحدہ کر دیا، اور پتھر اور مٹی کے برتن استعمال کرنے شروع کئے، اسی طرح مراتب کے علم و نشانات پر تصویریں بنائی جاتی تھیں، بادشاہ نے اس رسم کو بھی قطعاً موقوف کر دیا، وجہ یہ ہے، کہ علماء مشائخ ہر وقت بادشاہ کے قریب رہتے تھے، اسی لئے فیروز شاہ کو ہمیشہ مکروہ و حرام اشیاء و افعال کا علم رہتا تھا، بلکہ یہ مقدس گروہ ممالک محروسہ کے ہر محصول کے متعلق جواز و عدم جواز کی رائے سے بادشاہ کو مطلع کرتا تھا، اور فیروز شاہ ہر نامشروع محصول سے دستکش ہو جاتا، اور اس طرح بے حد نقصان برداشت کرتا[2]۔"

---

[1] فتوحات فیروز شاہی ص ۱۳-۱۴، [2] تاریخ فیروز شاہی ص ۳۷۳، نیز دیکھو اردو ترجمہ (جامعہ عثمانیہ) ص ۲۵۴، بعض تذکروں مثلاً خزینۃ الاصفیاء، (ج ۲ ص ۶۰) اور مرآۃ الاسرار، (ص ۴۸۵ قلمی نسخہ دار المصنفین) میں ہے کہ سلطان ابراہیم شرقی والی جونپور، حضرت مخدوم جہانیاں کا مرید تھا لیکن یہ صحیح نہیں ہے لیکن سلطان ابراہیم ۸۰۲ھ میں تخت پر بیٹھا، اور حضرت جہانیاں کی وفات ۷۸۵ھ میں ہوئی،

فیاضی بادشاہ معتقدین کی طرف سے حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے پاس ہدیئے آتے تو ان کو قبول کر لیتے، ایک موقع پر فرمایا، کہیں سے فتوح آ جاتی ہیں تو قبول کر لیتا ہوں، کیونکہ شیخ مکہ عبداللہ یافعیؒ، شیخ مدینہ عبداللہ مطریؒ اور دوسرے مشائخ نے فرمایا کہ فتوح قبول کر کے دوسروں تک پہنچا دو، اور کچھ اپنی ضرورت کے لئے بھی رکھو[1]، اسی پر برابر عمل رہا۔

مکہ معظمہ سے شیراز تشریف لے گئے تو ایران کے بادشاہ نے سونے اور چاندی کے سکے طشت میں پیش کئے، لیکن یہ تمام سکے ان ہمراہیوں کو دیدیئے، جو مقروض تھے[2]، شیراز ہی میں ایک شاگرد نے جو حضرت مخدوم جہانیاںؒ سے مصابیح پڑھتا تھا، کئی ہزار دینار پیش کئے، لیکن یہ تمام دینار ان ہمراہیوں کے حوالے کر دیئے، جن کو اپنی لڑکیوں کی شادیاں انجام دینی تھیں[3]۔

رشد و ہدایت کے زمانے میں دن بھر جتنی چیزیں آتیں، رات کو تقسیم کر دی جاتیں، یہاں تک کہ خانقاہ میں پانی بھی نہیں رہتا، فرماتے، یہی ترک و تجرید باطن میں محبت پیدا کرتی ہے، پھر محبوب کے سوا کسی اور چیز کی طلب نہیں ہوتی[4]۔

جب کوئی چیز پاس نہیں ہوتی تو قرض لے کر مدد فرماتے، ایک بار ایک وظیفہ خوار سید شمس الدین مسعود عراقی نامی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کی کہ آج ان کو وظیفہ نہیں ملا ہے، خادم خاص کو بلا کر پوچھا تو اس نے کہا کہ ابھی تک کہیں سے فتوح نہیں آئی ہے، فرمایا بقال سے قرض لے کر وظیفہ دیدو، سیّد شمس الدین مسعود عراقی نے کہا کہ کافر سے قرض لینا مکروہ ہے، فرمایا حاجت کے وقت مسلمان اور کافر سے قرض لینا درست ہے[5]۔

ایک بار ایک سیّد آئے، انھوں نے اپنے لئے کفن کا کپڑا مانگا، اس وقت کوئی کپڑا نہ تھا، اور نہ دام تھے، جاڑے کا بستر موجود تھا، خادموں سے فرمایا جاڑے کا موسم ختم ہو چکا ہے، بستر سے روئی نکال لو، اور کپڑا کفن کے لئے دیدو، روئی بیچ کر دام رکھ لو تاکہ درویشوں کے وظیفے کے لئے کام آئے، یہ کہہ کر نماز پڑھنے لگے، خادم خاص نے ایسا ہی کیا، اور کہنے لگا قطب عالم کیسی شفقت رکھتے ہیں، پھر یہ آیت پڑھی، وَمَا اَرْسَلْنَاکَ اِلَّا رَحْمَةً لِلْعٰلَمِیْنَ حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے یہ آیت سنی تو نماز توڑ دی اور فرمایا یہ آیت رسول اللہ ﷺ کے حق میں ہے، کسی اور کے لئے نہیں ہو سکتی ہے[6]۔

ایک بار ایک عرب آیا، اس نے کہا کہ میں لکھنوتی کی طرف جانا چاہتا ہوں، مجھ کو زاد راہ اور کپڑے دیجئے، اسی وقت ایک مرید ایک طشت میں بھر کر مصری تحفہ لایا، حضرت مخدوم جہانیاں نے عرب سے کہا کہ تم یہ لے لو، اس نے لے لیا، پھر کپڑے کا طلبگار ہوا، جسم مبارک پر جو کپڑا تھا، وہ کسی نے عاریۃ پہنا دیا تھا کہ وہ تبرک ہو جائے، اس لئے عرب سے فرمایا کہ یہ کپڑے میری ملک ہوتے تو میں تم کو

---

[1] الدر المنظوم ص ۲۳۸، [2] ایضاً ص ۲۶۴، [3] ایضاً ص ۴۵۲، [4] ایضاً ص ۶۸۰، [5] ایضاً ص ۱۷۸، [6] الدر المنظوم ص ۶۸۷

دیدیتا، لیکن وہ عرب کسی طرح راضی نہیں ہوتا تھا، خادموں نے اس پر غصہ کا اظہار کیا، عرب نے کہا اے مخدوم آپ کے خادم مجھ کو مارنا چاہتے ہیں، فرمایا اگر وہ تمھیں ماریں تو مجھے مار ڈالنا، میں نے اپنا خون تجھے معاف کیا، اور اپنی گردن مبارک جھکا دی، عرب یہ خلق دیکھ کر بیحد متاثر ہوا، اور قدموں پر گر پڑا، حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے اس کو اپنی بغل میں لے لیا، اور اپنی ٹوپی پہنا کر رخصت کیا[1]۔

جب کوئی ہدیہ پیش کرتا تو اس کا بدلہ کسی نہ کسی صورت میں ضرور ادا کرتے ایک بار ایک معتقد نے سونے اور چاندی کے ٹنکے پیش کئے، جب وہ رخصت ہونے لگا تو اس کو اپنی بارانی دیدی اور فرمایا، حدیث صحاح میں ہے کہ جو شخص تمہارے لئے کوئی ہدیہ لائے تو تم اس کا بدلہ ضرور دو، اگر اس کی قدرت نہیں رکھتے ہو تو تم اس کے لئے دعائیں کرتے رہو، یہاں تک کہ تم کو یقین ہو جائے کہ ہدیہ کا بدلہ ہو گیا[2]۔

مہمان نوازی جب کوئی ملنے آتا تو اس کو کچھ نہ کچھ ضرور کھلاتے ہفرماتے جو شخص کسی زندہ آدمی کی ملاقات کو آئے اور اس کے یہاں کوئی چیز نہ چکھے تو گویا اس نے کسی مردے کی زیارت کی[3]، کہیں سے کوئی مہمان آتا تو جب تک مقیم رہتا، اس کے لئے کھانے پینے کا سامان اور نقد وظیفہ کا انتظام کر کے ایک حجرہ علیحدہ کر دیا جاتا[4]۔

عفو ودرگذر خانقاہ اور قیام گاہ سے چیزیں اکثر چوری ہو جاتیں، لیکن صبر و تحمل سے کام لیتے، ایک بار دہلی کے قیام کے زمانے میں کسی نے چادر چرا لی، ایک معتقد نے کہا کہ چور کے لئے آپ بددعا کریں، بار بار چیز چرانے جاتے ہیں، فرمایا ہرگز بددعا نہ کروں گا، بلکہ چور اگر آجائے تو میں چادر اس کو بخش دوں گا، میری بہت سی چیزیں مثلاً مٹکا اور مسبحہ وغیرہ چور اٹھا کر لے گئے، لیکن میں نے کبھی بددعا نہیں کی[5]۔

غیر شرعی تعظیم سے پرہیز معتقدین غایت تعظیم و تکریم میں پاؤں چومنے کی کوشش کرتے، لیکن چومنے نہیں دیتے[6]، بعض مریدین تعظیم میں سجدہ کرنے کی کوشش کرتے، لیکن ان کو سجدہ کرنے نہیں دیتے، فرماتے غیر حق کو سجدہ کرنا درست نہیں ہے، ہمارے مذہب میں سجدۂ تحیت جائز نہیں، امام شافعیؒ کے یہاں پیر، استاد، والدین اور خسر کے لئے سجدہ روا ہے، لیکن ہمارا ہی مسلک صحیح ہے[7]۔

خاکساری ایک مرید نے مدح لکھی، اور قطب عالم، شیخ الشیوخ، اور سیّد السادات کے القاب لکھے، سن کر فرمایا، مجھ کو گدائے عالم کہو[8]۔

---

۱ ایضاً ص ۱۸۷، ۲ الدر المنظوم ص ۲۹۱، ۳ ایضاً ص ۵۸۶، ۴ ایضاً ص ۳۵، ۵ ایضاً ۱۷۴، ۶ ایضاً ص ۸۵۵، ۷ ایضاً ص ۷۵۶، ۸ الدر المنظوم ص ۴۵۳

معاصر صوفیہ کا احترام ایک بار حضرت مخدوم الملک شرف الدین احمد منیریؒ نے حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے پاس کفش بھیجی جس کا مطلب یہ تھا کہ میں آپ کا کفش پا ہوں، حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے اس کے بدلے میں اپنی دستار بھیجی، جس سے مراد یہ تھی کہ آپ میرے سرتاج ہیں[1]۔ سمنان سے آ کر حضرت جہانگیر سمنانیؒ نے ان کی قدم بوسی کی تو بہت ہی شفقت سے ملے اور فرمایا:۔

''بعد از مدتے بوے طلب صادق بہ دماغ رسیدہ بعد از روزگارے نسیم از گلزار سیادت وزیدہ۔''

اس کے بعد حضرت جہانگیر کو بنگالہ حضرت شیخ علاء الدینؒ لاہوری کی خدمت میں بھیجا[2]، اچہ میں حضرت شیخ جمال الدین بھی ایک بلند پایہ بزرگ تھے، ان کے فضائل ومناقب کا ذکر ملفوظات میں اکثر آیا ہے، حضرت مخدوم جہانیاں کے والد بزرگوار کو حضرت شیخ جمال الدین سے کچھ خلش تھی، لیکن حضرت مخدوم جہانیاں نے اپنے عنفوان شباب میں درمیان میں پڑ کر یہ خلش دور کرادی تھی، حضرت شیخ جمال الدین کی اولاد سے برابر شفقت ومحبت سے پیش آتے رہے، اور ان کے لئے فیروز شاہ سے وظائف بھی مقرر کرائے[3]۔

سماع سماع سے پرہیز کرتے اور فرماتے کہ سماع میں اختلاف ہے، لیکن اس شخص کے لئے مباح ہے جو اس کی اہلیت رکھتا ہے[4]۔

اشاعت اسلام غیر مسلم خصوصاً ہندو خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوتے[5]۔ ایک ہندو عورت مسلمان ہو کر ولیہ بن گئی، تمام رات بیدار رہ کر عبادت کرتی، اور اکثر مکہ معظمہ جا کر خانہ کعبہ کے طواف میں روحانی لذت حاصل کرتی[6]، حضرت مخدوم جہانیاں اچہ سے تشریف لاتے تو راستے میں بہت سے غیر مسلم ان کے دستِ مبارک پر اسلام لاتے[7]۔

ازدواجی زندگی حرم محترم بھی بڑی عابدہ وزاہدہ تھیں، ایک موقع پر فرمایا ''لڑکوں کی ماں تہجد کے وقت مجھ سے پہلے اٹھتیں، اور جب وہ تہجد کی نماز پڑھ لیتیں تو دعا گو کو بیدار کرتیں، بی بی ایسی ہی چاہئے[8]۔''

ایک اور موقع پر ان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ایک بار وہ عبادت میں مشغول تھیں کہ بیہوشوں کی طرح سجدہ میں گر پڑیں، جب ہوش میں آئیں تو سجدہ سے اٹھیں، میں نے ان سے کہا جا کر وضو کر لو،

۱؎ مونس القلوب بحوالہ سیرۃ الشرف، ۲؎ لطائف اشرفی ج ۲ ص ۹۴ خزینۃ الاصفیا، (ج ۲ ص ۲۰) اور مراۃ الاسرار میں ہے کہ حضرت مخدوم جہانیاں نے حضرت شیخ علاء الدین لاہوری کے جنازہ کی نماز پڑھائی لیکن یہ صحیح نہیں، کیونکہ حضرت مخدوم جہانیاں کی وفات ۸۵ے ھ میں ہوئی اور حضرت شیخ علاء الدین کا وصال ۸۰۰ میں ہوا، ۳؎ الدر المنظوم ص ۵۵۱، ۴؎ الدر المنظوم ص ۷۹۸، ۵؎ ایضاً ص ۷۹۱، ۶؎ ایضاً ص ۸۰۸، ۷؎ ایضاً ص ۷، ۸؎ ایضاً ص ۱۳۱

کیونکہ بیہوشی سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، کہنے لگیں، مجھ کو بیہوشی نہ تھی، میں نے دل کی آنکھوں سے حق تعالیٰ کو دیکھا، پھر تعظیم میں کیوں نہ سجدہ کرتی، بادشاہ مجازی کے لئے تو ہزاروں تعظیم کی جاتی ہے، بادشاہ حقیقی کی تعظیم سجدے سے کیوں نہ کرتی[1]۔

ان کے ملفوظات میں ان کے لڑکوں کے یہ نام ملتے ہیں، سیّد شمس، سیّد ماہ، سیّد صدرالدین، سیّد ناصرالدین، ان کی قبریں سکردو بھکر میں ہیں[2]، لیکن خزینۃ الاصفیاء ص ۴۲۶ میں ہے کہ ان کے تین صاحبزادے (۱) سیّد ناصرالدین محمود (۲) سیّد عبداللہ (۳) سیّد محمد اکبر، ایک صاحبزادی ملکہء جہاں تھیں، سیّد ناصرالدین کے متعلق خزینۃ الاصفیاء میں ہے،

''جامع بود میان علوم شریعت وطریقت وحقیقت وشرافت وسیادت ونجابت و خوارق وکرامات در ولایت رتبہء عالی ومراتب بلند داشت، صاحب اولاد کثیر بود...... در طریقت نسبت ارادت بہ پدر بزرگوار خود داشت وازوے خلافت واجازت حاصل فرمود۔'' (ج ۲۔ ص ۶۹)

مرأۃ الاسرار میں ہے:۔

''حضرت سیّد جلالؒ کی بہت سی اولاد تھی، اور ان کے اکثر فرزند ولایت کے مرتبہ پر پہنچے، ان میں سے ایک شاہ جلال بھی تھے، جو اپنے بھائیوں کے جھگڑے کی وجہ سے اوچہ سے قنوج آ گئے تھے، اور اسی شہر میں سکونت اختیار کر لی، اپنے کشف وکرامات کی وجہ سے بڑی شہرت پائی، ان کے صاحبزادے بھی صوری ومعنوی کمالات کی وجہ سے مشہور ہوئے، قنوج اور نواحِ قنوج کے لوگ ان ہی کہ سلسلہء ارادت سے منسلک رہے، اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے، حضرت کے بعض فرزند دہلی کے نواح شکار پور میں محوِ خواب ہیں، ان میں شاہ عمر، شاہ محمود اور شاہ کبیرؒ بڑے صاحبِ کشف وکرامات تھے، اور بہت مشہور ہوئے، حضرت کے ایک فرزند شاہ قطب عالم گجرات میں مدفون ہیں۔''

حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے پوتے حضرت شیخ کبیر الدین بڑے صاحب دل تھے، ان کا شمار برگزیدہ اولیاء اللہ میں کیا جاتا ہے[3]۔

وصال لطائف اشرفی میں ہے، کہ رحلت کے وقت اٹھتر سال ایک مہینہ اور چھبیس روز کے تھے، سال وفات ۷۸۵ھ ہے، چہار شنبہ کا دن تھا، اسی روز عید اضحیٰ بھی تھی، عید اضحیٰ کی نماز پڑھ کر طبیعت زیادہ خراب ہوئی، اور غروب آفتاب کے وقت مالک حقیقی سے جا ملے[4]، مزار اقدس اچہ شریف میں ہے، جو ریاست بہاولپور میں ملتان سے ستر میل کے فاصلہ پر جنوب مغرب میں واقع ہے، اس پر یہ

---

۱ ایضاً ص ۵۰، ۲ ایضاً دیباچہ ص ۶، ۳ خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۶۵، ۴ لطائف اشرفی ج اول ص ۳۹۲، اخبار الاخیار ص ۱۳۲

شعر لکھا ہوا ہے، ؎

تاریک گشت جملہ جہاں بے جمال شاہ
تاریخ بود ہفت صد ہشتاد و پنج سال

ملفوظات | حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے مختلف ملفوظات کے مجموعوں کے نام یہ ہیں،

(۱) خزانہ جلالی (۲) سراج الہدایہ (۳) جامع العلوم۔

خزانہ جلالی کا ذکر تذکروں اور کتب خانوں کی فہرستوں میں ہے[۱] لیکن یہ مجموعہ میری نظر سے نہیں گذرا، سراج الہدایہ کا ایک قلمی نسخہ ریاست رام پور کے کتب خانہ میں ہے، اس کے مرتب کا نام احمد برنی ہے، جو حضرت مخدوم جہانیاں کے مرید تھے، اس میں ۷۷۲ھ کے دس مہینوں کے ملفوظات ہیں، جو حسب ذیل مختلف ابواب میں منقسم ہیں۔

باب اوّل در بیان احادیث پیغمبر علیہ السلام، باب دویم در بیان روایت پیرو مرید گرفتن و مسائل دینی، باب سیوم در بیان فوائد واحکام شرع جملہ بصحت کتب وقصہ قوم لوط، باب چہارم حکایات، باب پنجم در بیان قصص انبیاء و بیان دعا و نماز برائے برآمدن حاجت، باب ششم در بیان احادیث مصابیح و فضائل میوہا، وخضریات برحکم پیغمبر علیہ السلام وحدیث طبقات و بیان خرابی دیارہا، باب ہفتم و باب ہشتم در بیان اشعار عربی ونظم وفضائل سورہ فاتحہ، باب نہم مسائل متفرقہ،

تمام ملفوظات میں سب سے زیادہ مفید، دلچسپ اور مفصل جامع العلوم ہے، جس کا ذکر گذشتہ صفحات میں بار بار آچکا ہے، اس میں دہلی کے قیام ۸ ربیع الآخر ۷۸۱ھ سے ۱۷ محرم ۷۸۲ھ تک کے ملفوظات ہیں، اس کا اردو ترجمہ الدر المنظوم فی ترجمہ ملفوظ المخدوم کے نام سے مولوی ذوالفقار احمد نقوی نے نواب سید نورالحسن صاحب کی فرمائش پر کیا، جو مطبع انصاری دہلی میں چھپا، اور ۸۵۵ صفحوں پر مشتمل ہے، اس میں تصوف کے تمام حقائق و معارف ہیں، ان کے علاوہ بکثرت ایسے شرعی، فقہی، اخلاقی اور معاشرتی مسائل بھی ہیں، جن کے مطابق ایک مسلمان آج بھی اپنی روزمرہ زندگی کو روحانی، مذہبی اور اخلاقی طور پر سنوار سکتا ہے۔

پروفیسر محمد ایوب قادری (اردو کالج، کراچی) نے اپنی کتاب ''مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ'' میں حضرت مخدوم کے کچھ اور ملفوظات اور مکتوبات کا پتہ لگایا ہے، اور ان کو لکھ کر ان کی تفصیل لکھی ہے، جو ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

خزانہ جلالی کے ملفوظات کو حضرت مخدومؒ کے مرید احمد المدعو بہ بہا بن حسن ابن محمود بن سلیمان تلنبی نے مرتب کیا، اس میں سترہ ابواب ہیں، جن کے عنوانات یہ ہیں۔

---

[۱] اخبار الاخیار ص ۱۴۳، فہرست مخطوطات فارسی بنگال ایشیاٹک سوسائٹی ص ۵۷۶،

(۱) علم و علماء (۲) توبہ (۳) اذکار (۴) صلوٰۃ (۵) موت و الزیارت (۶) زکوٰۃ و سخاوت (۷) صوم و اعتکاف (۸) حج (۹) سفر و تجارت (۱۰) الاکل و الاصناف (۱۱) نکاح و طلاق (۱۲) حلیہ رسول اللہ علیہ ﷺ (۱۳) اولاد رسول و ازواجِ مطہرات (۱۴) فضائل صحابہ واہل بیت (۱۵) تعظیم الولات (۱۶) مناقب الاولیاء والمشائخ (۱۷) خرقہ مشائخ وصوفیہ، اس کے نسخے کتب خانہ اوچ کیلائی، (ملکیت مخدوم شمس الدین تامن) مکتوبہ ۱۲۴۴ھ نو بہار شاہ بخاری سجادہ نشین اوچ کی ملکیت مکتوبہ ۱۲۶۵ھ، سنٹری لائبریری حیدر آباد دکن اور کتب خانہ مبانہ شریف ضلع سرگودھا مکتوبہ ۱۰۳۲ھ میں ہیں۔

حضرت مخدوم کے ایک اور مجموعہ ملفوظات کو فضل اللہ بن ضیاء العباسی نے ۷۸۱ھ میں مرتب کیا، اس میں زیادہ تر نماز کے فضائل و برکات پر ملفوظات ہیں، کھانے، پینے، پہننے، ضیافت اور دعوت کے آداب پر بھی کچھ ہدایتیں ہیں، اس کا ایک نسخہ سنٹرل لائبریری حیدر آباد میں اور ایک نو بہار شاہ سجادہ نشین اوچ کی ملکیت میں ہے۔

ایک اور مجموعہ ملفوظات مظہر جلالی ہے، جس میں توحید، فرض، عزیمت و رخصت، مسح موزہ، تیمم، نواقض وضو، مستحبات و فرائض وغیرہ پر مباحث ہیں، یہ نسخہ بھی نو بہار شاہ سجادہ نشین اوچ کی ملکیت میں ہے، ایک اور مجموعہ مناقب مخدوم جہانیاں کے نام سے ہے، جو ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے کتب خانہ میں ہے۔

حضرت مخدوم نے شیخ قطب الدین دمشقی کے رسالہ مکیہ کا ترجمہ فارسی میں کیا، اس کے نسخے کیمبرج اور پرنسٹن کے کتب خانوں میں ہیں۔

حضرت مخدوم نے ایک رسالہ اربعین صوفیہ کے نام سے بھی مرتب کیا، جو ان کے یہاں باقاعدہ درس میں رہتا تھا، مکتوبات کا ایک مجموعہ مقرر نامہ کے نام سے ان سے منسوب ہے، یہ مکتوبات تاج الدین بن معین سیاہ پوش کو لکھے گئے ہیں، جن میں تصوف و سلوک کی تعلیمات ہیں، یہ ۷۰۶ھ میں مرتب کیا، اس میں ۴۲ مکتوبات ہیں۔

تعلیمات گذشتہ صفحات میں حضرت مخدوم جہانیاںؒ کی زندگی کی جو تفصیل بیان کی گئی ہے ان سے ان کی تعلیمات کا اندازہ ہوگا، ملفوظات میں ایسے اوراد و وظائف بکثرت ہیں، جن کی مداومت سے روحانی مدارج طے کئے جاسکتے ہیں، ان کے علاوہ بعض خاص خاص باتوں کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

فقر فقر کے لئے حسب ذیل پچاس چیزیں ضروری بتائی ہیں:۔

(۱) توبہ (۲) علم (۳) حلم (۴) عقل (۵) معرفت (۶) عافیت (۷) رحمت (۸) قناعت (۹) صدق (۱۰) یقین (۱۱) حباوت (۱۲) ذکر (۱۳) زہد (۱۴) تقوی (۱۵) توکل (۱۶) تفکر

(۱۷)رجاء (۱۸)صبر (۱۹)شکر (۲۰)سخاوت (۲۱)خلوت و عزلت (۲۲)رضا (۲۳)اخلاص (۲۴)بیچارگی (۲۵)اخلاق (۲۶)تواضع (۲۷)خوف (۲۸)اعتقاد (۲۹)افلاس (۳۰)تحمل (۳۱)شوق (۳۲)تجرد (۳۳)لطف (۳۴)......[۱] (۳۵)خشوع (۳۶)......[۲] (۳۷)......[۳] (۳۸)ریاضت (۳۹)شرف (۴۰)......[۴] (۴۱)سرمستی (۴۲)ہمت (۴۳)محبت (۴۴)......[۵] (۴۵)وصل (۴۶)قرب (۴۷)ادب (۴۸)اشتیاق (۴۹)تسلیم (۵۰)دیدار،

اگر مندرجہ بالا تمام چیزیں حاصل نہ ہوسکیں تو حسب ذیل چیزوں کے لئے کوشش کرنی چاہئے:۔

(۱)توبہ (۲)توکل (۳)حمد (۴)صبر (۵)شرم (۶)زہد (۷)قناعت (۸)تسلیم (۹)صدق (۱۰)رضا (۱۱)دیدار (۱۲)تفکر (۱۳)ہیبت (۱۴)شکر (۱۵)عصمت،

اگر یہ بھی حاصل نہ ہوں تو پھر مندرجہ ذیل چیزیں اختیار کی جائیں:۔

(۱)توبہ (۲)عبادت (۳)زہد (۴)صبر (۵)عرفان (۶)شکر (۷)توکل (۸)طلبِ دوست ان میں ہر ایک صفت ایک ایک پیغمبر کے ساتھ منسوب ہے[۶]۔

اگر یہ چیزیں بھی حاصل نہ ہوں تو ایک سالک کے لئے سجادہ پر بیٹھ کر مشائخ کے گروہ میں شامل ہونا کسی طرح جائز نہیں۔

فقر کے ابتدائی دور میں مذکورۂ بالا چیزوں کے حاصل کرنے میں مشکلات درپیش ہوں تو دل سے حسب ذیل چیزوں کو دور کرنا چاہئے:۔

(۱)غصہ (۲)حسد (۳)بخل (۴)عجب (۵)نفاق (۶)شہرت پسندی (۷)حرام چیزوں کے کھانے پینے، لسینے، سننے اور دیکھنے کا خیال (۸)کاہلی (۹)انتقام، ان کو دور کر کے تواضع اختیار کرنا چاہئے[۷]۔

شرائط ذکر ذکر کے لئے چار شرطیں ضروری ہیں:۔(۱)تصدیق یعنی جو کچھ ذاکر کی زبان پر ہو، اس کا یقین اس کے دل سے بھی ہو، اگر یہ تصدیق نہیں تو ذاکر منافق ہے، (۲)تعظیم، یعنی زبان پر جو کچھ ہو اس کی عظمت بھی دل میں ہو، اگر یہ تعظیم نہیں تو ذاکر بدعتی ہے، (۳)حلاوت یعنی ذاکر ذکر سے پورلذت اٹھائے، ورنہ وہ ریاکار ہے، (۴)اگر ذکر کے وقت اس کی حرمت کا خیال نہ ہو تو ذاکر فاسق ہے۔

عقبات سالک عقبات کے معنی گھاٹیاں ہیں، راہ سلوک میں مختلف قسم کی گھاٹیاں آتی ہیں، پہلی گھاٹی دنیا ہے، جب سالک راہ سلوک میں گامزن ہوتا ہے، تو دنیا کہتی ہے تو

---

[۱] [۲] [۳] [۴] [۵] سراج الہدایہ کے قلمی نسخہ میں الفاظ پڑھے نہیں جاتے، [۶] تفصیل کے لئے دیکھو اس حقیر تالیف کا صفحہ ۶۰،

[۷] سراج الہدایہ قلمی نسخہ،

کہاں جاتا ہے، لوٹ آ میرے پاس کتنے لذائذ ہیں، یہ میوے، یہ کپڑے، یہ عورتیں ہیں، ان کو چھوڑ کر کہاں جاتا ہے، لیکن سالک ان سے منہ موڑ کر ان کو محض فانی چیزیں سمجھتا ہے، تو وہ منزل مقصود کی طرف بڑھتا ہے، ایک سالک کو ہمیشہ حق تعالیٰ سے التجا کرتے رہنا چاہئے، کہ اس کو گھاٹیوں سے پار کر دے[1]۔

مقامات سالک

سالک کے دو مقامات ہیں، ابتدا اور انتہا، مقام ابتدا تو یہ ہے، تو بہ دو طرح کی ہے، ایک تو یہ کہ شریعت وطریقت کی معصیتوں سے توبہ کرے، یعنی حرام، مکروہ چیزوں، بے ادبی اور اخلاق ذمیمہ سے پرہیز کرے، اور دوسرے ماسوائے اللہ سے توبہ کرے، مقام انتہا تمکین مع اللہ ہے، اور یہ قدیم یعنی باری تعالیٰ کو حاصل کرنے اور محدث یعنی دنیا کو چھوڑ دینے سے حاصل ہوتا ہے، وہ شخص کبھی عاقل نہیں جو نعمتوں سے لطف اٹھائے اور نعمتوں کے دینے والے یعنی باری تعالیٰ سے غافل ہو جائے[2]۔

حالات سالک

ان مقامات کو طے کر کے ایک سالک میں تین حالتیں پیدا ہوتی ہیں، سالک وقوف، رجوع، سلوک سے مراد وہ حالت ہے، جس سے منزلِ مقصود کے مقامات طے ہوتے ہیں، ان مقامات کو طے کرنے میں توقف بھی ہوتا ہے، جس کو وقوف کہتے ہیں، سالک جب کسی مکروہ یا حرام چیز کی طرف مائل ہو جاتا ہے، یا اس میں کسل پیدا ہو جاتا ہے، یا وہ دنیا سے اختلاط شروع کر دیتا ہے، تو پھر مقامات طے نہیں ہوتے، وقوف کا علاج رجوع ہے، یعنی سالک کو صابر وشاکر رہ کر پھر ایک بار تائب ہونا چاہئے، اور وقوف کو دور کرنے کی لئے مفید مشاغل مثلاً درس وتدریس امامت مساجد، کسب مکاسب اور تعلیم صبیہان اختیار کر لینا چاہئے، لیکن ان مشاغل میں اللہ اور اس کے رسول کے احکام کو بجالانے میں کسی قسم کی کوتاہی نہ ہو[3]۔

منازل سلوک

ایک سالک کی چار منزلیں ہیں، ناسوت، ملکوت، جبروت، لاہوت، منزل ناسوت نفس کی جگہ ہے، جب ایک سالک کے نفس سے اوصاف ذمیمہ زائل ہو جاتے ہیں تو وہ عالم ملکوت میں پہنچتا ہے، یہ دل کی جگہ ہے، جس میں فرشتوں کی صفتیں پائی جاتی ہیں، اس منزل سے گذر کر سالک عالم جبروت میں پہنچتا ہے جو روح کی جگہ ہے اس میں روح کی وہ تمام صفتیں پائی جاتی ہیں، جو حق تعالیٰ کی ذات سے قریب کرتی ہیں، اس منزل کے بعد لاہوت ہے، جہاں ''خود'' سے رہائی حاصل ہو جاتی ہے۔

یہ تمام منزلیں نفس، دل اور روح کے ذریعہ سے طے ہوتی ہیں، نفس شیطان کی جگہ ہے، دل فرشتوں کا مقام ہے اور روح ''محل نظر رحمٰن'' ہے جو نفس کی پیروی کرتا ہے، وہ دوزخ کی آگ میں جلتا رہے گا، جو دل کی متابعت کرے گا، اس کو جنت نعیم حاصل ہوگی اور جو روح کی فرماں برداری کرتا ہے،

---

[1] الدر المنظوم ص ۱۰۱، ۱۶۰، [2] الدر المنظوم ص ۱۱۸، [3] ایضاً ص ۲۵۸،

اس کو خداوند کریم کے پاس جگہ ملے گی[1]۔

معرفت جس کو معرفت حاصل ہوتی ہے، وہ خداوند تعالیٰ کی حکمت کے لطائف اور اس کی محبت کے حقائق سے واقف ہو جاتا ہے، معرفت کا نور ہر قسم کے انوار پر غالب آتا ہے، نہ اس پر گناہوں کی تاریکیاں چھا سکتی ہیں، نہ اسکو شہوتوں کی خواہشیں کثیف بنا سکتی ہیں، نہ اس کو افکار و غفلت کا غبار چھپا سکتا ہے[2]۔

خلفاء حضرت سیّد اشرف جہانگیر سمنانیؒ نے اپنے آپ کو حضرت مخدوم جہانیاں کا بھی خلیفہ بتایا ہے، ان کا ذکر آگے آئے گا، بعض اور دوسرے خلفاء کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

سیّد صدر الدین راجو قتال، حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے سگے بھائی تھے، ان کی تعلیم و تربیت میں صاحبِ کرامت ہوئے، وفات ۸۲۷ھ میں ہوئی، مزار دہلی میں ہے۔

شیخ اخی راجگری، خزینۃ الاصفیاء میں ہے:۔

''مرید و خلیفہ حضرت مخدوم جہانیاں بود، آنحضرت دے را بخطاب اخی یاد نی فرمود، وطن اصلی دے موضع زہرا از اعمال پرگنہ دریا باد سرکار اودھ است، بعد عطاے خرقہ خلافت صاحب ولایت دیار قنوج شد، چوں در آنجا رسید، از دحام خلق بسیار شد. از آنجا بموضع راجگیر کہ برآب دریائے گنگ است متوطن شد۔'' (ج ۲ ص ۶۴ـ۶۳)

حضرت سیّد علم الدین، سادات ترمذ میں تھے، قنوج وطن تھا، حضرت مخدوم جہانیاںؒ سے مرید ہو کر ان کے حکم کے بموجب جون پور آئے، اور سلطان ابراہیم شرقی کی ملازمت میں منسلک ہو کر امراء میں داخل ہوئے، بنہ پلاؤں (؟) جاگیر میں ملا، خزینۃ الاصفیاء میں ہے:۔

''از کامل ترین خلفاء و مریدین حضرت مخدوم جہانیاں است۔'' (ج ۲ ص ۶۴)

شیخ سراج الدین، حافظ قرآن تھے، حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے ان کے پیچھے برسوں نماز پڑھی[3]، وفات ۸۳۰ھ میں ہوئی، مزار کالپی میں ہے۔

سیّد اشرف الدین مشہدی، شیخ بابو تاج الدین بکھری، سیّد محمود شیرازی، سیّد سکندر ابن مسعود، سیّد علاء الدین بن سعید حسینی (مرتب جامع العلوم) سیّد شرف الدین سامی اور مولانا عطاء اللہ بھی اکابر خلفاء میں تھے[4]۔

---

[1] الدر المنظوم ص ۸۷ـ۲۸۵، [2] ایضاً ص ۲۳۲، [3] خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۶۸، [4] لطائف اشرفی ج ۱ ص ۳۹۲۔

حضرت سیّد اشرف جہانگیر سمنانیؒ

لقب سیّد محمد اشرف اسم گرامی اور جہانگیر لقب تھا۔

وطن و خاندان آل سمنان میں تھے، ولادت باسعادت سمنان میں ہوئی، والد بزرگوار محمد ابراہیم سمنان کے سلطان تھے[1]، والدہ ماجدہ خدیجہ بیگم خواجہ احمد یسوی کی لڑکی تھیں، ان کے زہد و عبادت کا حال یہ تھا، کہ ان سے تہجد کی نماز کبھی قضا نہ ہوئی، پوری رات عبادت میں گذارتیں، اور صائم الدہر رہیں[2]۔

تعلیم تین بہنوں کے بعد حضرت ابراہیم مجذوبؒ کی دعاؤں کی برکت سے حضرت سیّد اشرف پیدا ہوئے، سات سال کے ہوئے تو سات قرأتوں کے ساتھ کلام پاک حفظ کیا، چودہ سال کی عمر میں معقولات و منقولات کی تعلیم ختم کی، جس سے تمام عراق میں مشہور ہو گئے[3]۔

اورنگ نشینی والد بزرگوار کی وفات کے بعد سمنان کی عنانِ حکومت سنبھالی، ان کے زمانہ حکومت کے عدل و انصاف کے بہت سے قصے مشہور ہیں، لطائفِ اشرفی کے مولف نے اس عدل و انصاف کا ذکر اشعار میں کیا ہے:

چوں اورنگِ سمنان بدو تازہ گشت	جہاں از عدالت پُر آوازہ گشت
بدر رانِ عدلش ہمہ روزگار	گلستاں شدہ عدل اوردبار
زہے عدل و انصافِ آں دادگر	کہ بر میش گرگے نہ بند دکمر
بشاہین زند بال بازی کلنگ	کبوتر سوے باز آورد چنگ
اگر فیل برفرق موری گذر	کند مور برفیل آرد نظر
کہ ایں دور سلطانِ اشرف بود	چساں ظلم تو برسرِ من رود[1]

ترک سلطنت حکومت کے زمانہ میں بھی حضرت سیّد محمد اشرف فرائض و سنن اور واجبات و نوافل کے پابند تھے، راہ سلوک کی طرف طبیعت صغرسنی سے مائل تھی اس لئے خواب میں بزرگانِ دین ہی کو دیکھتے، اور ان سے فیوض حاصل کرتے، بالآخر ایک رات خواب میں دیکھا کہ حضرت

---

[1] لطائف اشرفی ج ۲ ص ۸، [2] ایضاً ج ۲ ص ۹۰، [3] ایضاً ص ۹۱، [4] لطائف اشرفی ج ۲ ص ۹۱

خضرؑ فرما رہے ہیں کہ سلطنت الٰہی چاہتے ہو تو یہ دنیاوی سلطنت چھوڑ کر ہندوستان جاؤ، اس خواب کے بعد والدہ ماجدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اپنا ارادہ ظاہر کیا، والدہ نے فرمایا، تمہاری پیدائش سے پہلے مجھ کو (میرے والد بزرگوار نے) بشارت دی تھی کہ میرے گھر میں ایک فرزند پیدا ہوگا، جس کے نور ولایت سے تمام عالم منور ہوگا، اللہ کا شکر ہے کہ وہ وقت آ پہنچا، سفر مبارک ہو۔

والدہ ماجدہ کی اجازتِ سفر کے بعد سلطنت اپنے بھائی سلطان محمد کے سپرد کر کے ہندوستان کی طرف روانہ ہوئے[1]۔

سفر تین منزل تک بارہ ہزار سپاہی اور تورچی رخصت کرنے آئے، ان کو وداع کر کے حضرت سیّد محمد اشرف ماوراء النہر ہوتے ہوئے بخارا پہنچے، بخارا سے سمرقند آئے، سمرقند تک کچھ گھوڑے سواری میں ساتھ تھے، لیکن ان گھوڑوں سے راحت کے بجائے رسوائی محسوس کی، اس لئے فقراء کو دیدیے، سمرقند سے اوچہ وارد ہوئے، جہاں حضرت سیّد جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ کی خدمت میں پہنچے، حضرت جہانیاں جہاں گشتؒ نے ان کو دیکھتے ہی فرمایا۔

''بعد از مدتے بوئے طالب صادق بدماغ رسیدہ بعد از رہ زگارے قسم از گلزار سیادت دزیدہ، فرزند بسیار مردانہ برآمدہ، مبارک باد، زود قدم در راہ نہ کہ برادرم علاء الدین منتظر مقدم شریف ہستند، ز۔نہار در راہ جائے نمانی۔''

(لطائف اشرفی جلد دوم ص ۹۴)

بیعت اس زمانہ میں اہل بنگالہ چشتیہ سلسلہ کے بزرگ حضرت شیخ علاء الدین علاء الحق ابن السعد لاہور بنگالی کی مذہبی وروحانی تعلیمات سے فیضیاب ہو رہے تھے، یہ حضرت خواجہ نظام الدینؒ اولیاء کے مشہور خلیفہ حضرت شیخ سراج الدین اخی عثمانؒ کے خلیفہ تھے، حضرت شیخ علاء الدین کے خاندان کے لوگ وزارت اور دوسرے بڑے بڑے شاہی عہدوں پر مامور تھے، لیکن خود انھوں نے درویشی اختیار کی تھی، جید عالم بھی تھے، اس لئے مذہبی اور روحانی تعلیمات کے لئے ان کے پاس لوگ بکثرت آتے، ان کی سخاوت بھی مشہور تھی، ان کی خانقاہ کے اخراجات پر سلاطین کو بھی رشک ہوتا تھا، روضہ شریف پنڈوہ شریف (ضلع مالدہ) میں ہے، لیکن قیام سنار گاؤں اور بنگال کے دوسرے مقامات پر بھی رہا[2]، لطائف اشرفی میں ہے کہ حضرت سیّد اشرفؒ کے آنے سے پہلے حضرت علاء الدین نے اپنے مریدوں کو بشارت دی تھی کہ

''آں کسے کہ از دو سال انتظار اومی کشیدہ ایم وطریق مواصلت اومی دیدہ ایم امروز فردا می رسد۔'' (ج ۲ ص ۹۵)

---

[1] ایضاً ص ۹۲ و ۹۳، [2] تفصیل کے لئے دیکھو اخبار الاولیاء ص ۱۳۵ اور اخبار الاخیار

اور جب حضرت سیّد اشرف پنڈوہ[1] کے قریب پہنچے تو حضرت علاء الدین قیلولہ فرما رہے تھے، لیکن یکایک بولے

''بوے یار می آید۔''

اور اس محاذ پر شہر سے باہر نکلے جو حضرت سراج الدینؒ اخی سے ان کو ملا تھا، شہر سے ان کو باہر جاتے دیکھ کر مریدوں اور معتقدوں کا ہجوم بھی ان کے ساتھ ہو گیا، بعض پاپیادہ اور بعض گھوڑوں پر سوار تھے، حضرت سیّد اشرفؒ کے استقبال کے لئے یہ جلوس شہر سے ایک کوس باہر گیا، جب حضرت سیّد اشرفؒ کی نظر حضرت شیخ علاء الدین پر پڑی تو دور سے دوڑے اور ان کے قدموں پر جا گرے، حضرت شیخ علاء الدین نے والہانہ انداز سے ان کو اٹھا کر گلے سے لگایا، اور فرمایا،

چہ خوش باشد کہ بعد از انتظارے
بامیدے رسدا امید وارے

حضرت علاء الدینؒ کے محافہء خاص پر حضرت سیّد محمد اشرفؒ خانقاہ تشریف لائے، جہاں ان کی بڑی تعظیم و تکریم کی گئی، اور جب مرشد نے بیعت سے مشرف کیا تو حضرت سیّد محمد اشرفؒ نے فی البدیہہ یہ شعر کہے،

نہادہ تاجِ دولت برسرِ من علاء الحق والدین گنج نایات
زہے پیرے کہ ترک از سلطنت داد برآوردہ مرا از چاہ آفات

مرشد کی خدمت میں بارہ سال رہے، خرقہء خلافت کے علاوہ ان ہی سے جہانگیر کا لقب پایا، خود فرماتے ہیں،

مرا از حضرتِ پیر جہاں بخش خطاب آمد کہ اے اشرف جہانگیر
کنوں گیرم جہانِ معنوی را کہ فرماں آمد کہ از شاہم جہانگیر[2]

ایک موقع پر حضرت اشرف جہانگیر کمر باندھ رہے تھے کہ مرشد نے پوچھا کیا کر رہے ہو، حضرت جہانگیرؒ نے جواب دیا،

''میاں برائے خدمت می بندم''

یعنی خدمت خلق کے لئے کمر کس رہا ہوں، مرشد نے فرمایا:۔

''اگر می بندی محکم بہ بند کہ ہیچ درمیان نہ داری۔''

یعنی اگر کمر کس رہے ہو تو مضبوط کسو تا کہ پھر درمیان میں کوئی چیز باقی نہ رہے، حضرت اشرف جہانگیرؒ نے عرض کیا:۔

---

[1] لطائف اشرفی میں ''بندور'' مرقوم ہے جو غالباً کتابت کی غلطی ہے، [2] لطائف اشرفی ج ۲ ص ۹۹،

''آرزوے نفس از میان بیروں کشیدہ ام تازندہ ام۔''

یعنی اپنی میان سے نفس کی آرزو کو دور کردیا ہے، جب تک زندہ ہوں نفس کی آرزو کو دور رکھوں گا، مرشد نے یہ سن کر فرمایا، مبارک باد[1]۔

نواح جون پور کا سفر جب ہر قسم کے روحانی فیوض سے متمتع ہو چکے تو مرشد نے اپنے جلیل المرتبت خلیفہ کو نواحِ جون پور کی طرف جانے کا حکم دیا، حضرت جہانگیرؒ دل پر جبر کر کے مرشد سے رخصت ہوئے، سفر میں اونٹوں اور گھوڑوں کی کافی تعداد ساتھ رہی، راستے میں لوگوں نے ان کی درویشی میں یہ امارت دیکھ کر اعتراض کیا تو فرمایا،

''میخ طویلہ در گلِ زدہ ام نہ در دل[2]''

قیام محمد آباد گہنہ منیر ہوتے ہوئے قصبہ محمد آبد گہنہ (اعظم گڈھ) پہنچے، یہاں کے تمام علماء وفضلاء ملنے آئے، تو رسول علیہ السلام کے چار یار پر گفتگو ہونے لگی، حضرت اشرف جہانگیرؒ نے خلفاء راشدینؓ کی مدح میں ایک رسالہ لکھا تھا، اس میں حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی مدح اور خلفاء سے نسبتہً زیادہ کی تھی، محمد آباد گہنہ کے علماء نے اس پر بحث کرنی شروع کی، اور حضرت اشرف جہانگیرؒ پر رفض کا الزام عائد کیا، دوسرے دن جمعہ تھا، جمعہ کی نماز کے بعد علماء کا محضر ہوا، انھوں نے حضرت اشرف جہانگیر کے خلاف فتویٰ دیا، لیکن قصبہ کے مفتی اور سر حلقہء علماء مولانا سیّد خاں نے تمام علماء سے اختلاف کیا، اور حضرت اشرف جہانگیرؒ کی حمایت میں کہا کہ وہ سیّد ہیں، اگر انھوں نے اپنے جد امجد کی شان میں کچھ اچھے کلمات استعمال کئے تو اس میں کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے، یہ سن کر علماء شرمندہ ہوئے، حضرت اشرف جہانگیرؒ نے سید خاں کو دعائیں دیں، رفتہ رفتہ اور دوسرے علماء بھی حضرت اشرف جہانگیرؒ کی بزرگی کے قائل ہوتے گئے[3]۔

قیام ظفر آباد غالباً محمد ابد گہنہ سے ظفر آباد پہنچے، ظفر آباد میں پہلے تو لوگوں کا سلوک اچھا نہ رہا لیکن بالآخر ان کی بعض کراماتیں دیکھ کر لوگ ان کی طرف ملتفت ہوئے، یہیں حضرت شیخ کبیر سرور پوری مرید ہوئے، جو بڑے صاحب علم اور صاحب ثروت تھے، اور آگے چل کر حضرت اشرف جہانگیرؒ کے محبوب خلیفہ ہوئے، (لطائف اشرفی ج ۲ ص ۱۰۳)

عاجز راقم لطائف اشرفی اور دوسرے تذکروں کو دیکھ کر اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ حضرت اشرف جہانگیر ظفر آباد سے جون پور آئے، وہاں سے کرمینی اور بھڈوڈ ہوتے ہوئے کچھوچھ شریف پہنچے، جس کا نام روح آباد رکھا گیا تھا، وہاں کچھ دنوں قیام کرنے کے بعد مقامات مقدسہ کی سیاحت کے لئے ہندوستان سے باہر تشریف لے گئے، مگر اس سیاحت کو ترتیب کے ساتھ بیان کرنا مشکل ہے، سیرۃ الاشرف کچھوچھ

---

[1] لطائف اشرفی ج ۲ ص ۳۸۰، [2] ایضاً ص ۱۰۱، [3] لطائف اشرفی ج ۲ ص

شریف کی درگاہ سے شائع ہوئی ہے، اس میں لطائف اشرفی کا خلاصہ بھی ہے، اس کے مرتب امیر احمد علوی صاحب نے حضرت اشرف جہانگیرؒ کی سیاحت کا حال تفصیل سے لکھا ہے، ان کا خیال ہے کہ وہ ظفر آباد کے بعد ہی عراق کے سفر پر چلے گئے، بصرہ، نجف اشرف، بغداد، جیلان کے بعد حرمین شریفین کی زیارت کی، پھر یمن ہوتے ہوئے اپنے مرشد کی خدمت میں پنڈوہ شریف پہونچے، وہاں سے جون پور اور بھڈوڈ ہو کر کچھوچھہ شریف آئے، جس کا نام روح آباد رکھا گیا، خانقاہ کثرت آباد کہلائی، اور حجرہ وحدت آباد کے لقب سے موسوم ہوا، یہاں سے وہ اجودھیا، سدھور، جانس، لکھنؤ، کنتور، رودلی وغیرہ جایا کرتے تھے، پھر دکن کی طرف گلبرگہ بھی گئے، وہاں سے تیسری بار اپنے مرشد کی زیارت کے لئے روانہ ہوئے، اس سفر میں جب بہار شریف پہونچے تو حضرت مخدوم الملک شرف الدین یحییٰ منیریؒ کا جنازہ رکھا ہوا تھا، حضرت مخدوم نے وصیت فرمائی کہ ان کے جنازہ کی نماز وہی شخص پڑھائے جو صحیح النسب ہو، تارکِ مملکت ہو، اور سات قراتوں کا قاری ہو، یہ تمام شرطیں حضرت اشرف جہانگیرؒ میں موجود تھیں، اس لئے ان ہی نے حضرت مخدوم کے جنازہ کی نماز پڑھانے کی سعادت حاصل کی، کچھ دنوں حضرت مخدوم کے مزار اقدس پر مراقبہ کر کے روحانی فیوض و برکات بھی حاصل کیے[1]، اس کے بعد پنڈوہ شریف کی طرف آگے بڑھے، پنڈوہ سے واپسی میں بنارس میں بھی قیام کیا۔

روح آباد آکر پھر ممالک اسلامیہ کے سفر پر روانہ ہو گئے، دمشق ہوتے ہوئے فلسطین کے علاقے میں پہونچے، پھر قسطنطنیہ گئے، وہاں سے واپسی کے بعد دوسری مرتبہ گلبرگہ وارد ہوئے، شام، فارس اور ماوراء النہر کا بھی سفر کیا، اور واپسی میں اوچ بھی تشریف لے گئے، اپنے پیرو مرشد کی وفات ۸۰۰ھ میں اور مخدوم زادہ محمد نور کی سجادہ نشینی کے وقت وہ پنڈوہ شریف میں موجود تھے، وہاں سے جون پور ہوتے ہوئے روح آباد پہونچے، تو پھر وفات تک باہر نہیں گئے۔

لطائف اشرفی جلد دوم (لطیفہ سی و پنجم) میں حضرت اشرف جہانگیرؒ کی زبانی جن خاص خاص مقامات، جزیرے اور پہاڑی علاقوں کی تفصیل درج ہے، ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں، جزیرہ صہف، ایلاق، سیلان، جبل الفتح، بیت المقدس، جبل لبنان، جبل النہاوند، جبل الطور، جبل القدم، گاذرون، جبل القاف، حھلان، جبل الابواب، ولایت جھنگھر، ولایت ذھحاق، جبل القرون، جبل الیہ وغیرہ،

خزینۃ الاصفیاء میں حضرت اشرف جہانگیرؒ کی سیاحت بلاد اسلامیہ کی تفصیل اس طرح درج ہے:۔

''حضرت اشرف جہانگیرؒ شیخ بدیع الدین مدار کے ساتھ بیت اللہ کی زیارت کے لئے تشریف لے

---

[1] لطائف اشرفی ج ۳ ص ۹۴۔

گئے، شیخ بدیع الدین مدار تو ہندوستان واپس آ گئے، لیکن حضرت اشرف جہانگیرؒ مدینہ منورہ کی زیارت کو چلے گئے، وہاں سے نجف اشرف اور کربلائے معلیٰ آئے، پھر روم پہونچے، جہاں مولوی جلال الدینؒ رومی کے سجادہ نشین اور لڑکے سلطان ولد اور دوسرے مشائخ سے ملاقات کی، روم سے شام آئے، دمشق میں شیخ قمرالدین عراقی کی زیارت کی، وہاں سے پھر مکہ معظمہ آ کر حج کی سعادت حاصل کی، حج کے بعد بغداد پہنچ کر حضرت غوث الاعظم، امام ابوحنیفہ اور امام احمد بن حنبل کے مزاروں کی زیارت کی، پھر کاشان میں رونق افروز ہوئے، جہاں شیخ عبدالرزاق کاشانی سے ملاقات کی، کاشان سے اپنے اصلی وطن سمنان کو رونق بخشی، اس وقت ان کی ہمشیرہ زندہ تھیں، ان سے مل کر ان کی دلجوئی کی، اور وہاں سے مشہد مقدس آئے، جہاں حضرت امام علی رضا کے آستانے میں معتکف رہے، ان ہی دنوں امیر تیمور گورگانی بھی حضرت امام علی رضا کے مزار کی زیارت کو آیا تھا، وہ حضرت اشرف جہانگیرؒ سے بہت ہی عقیدت مندانہ طریقہ پر ملا، مشہد مقدس سے ہرات وارد ہوئے، ہرات سے چل کر ماوراء النہر پہونچے، جہاں حضرت بہاء الدین نقشبندیؒ کی صحبت میں رہ کر خرقۂ خلافت پایا، وہاں سے ترکستان تشریف لائے، اور اپنے نانا فتح احمد یسوی کی اولاد سے ملے، ترکستان سے بخارا نزولِ اجلال فرمایا، پھر قندھار غزنی اور کابل میں قیام کرتے ہوئے ملتان پہونچے، ملتان سے اجودھن پہنچ کر حضرت گنج شکرؒ کے مرقد مبارک کی زیارت کی، اجودھن سے دہلی اور دہلی سے اجمیر آ کر حضرت خواجہ معین الدینؒ کے آستانے سے برکت حاصل کی، اجمیر سے دکن کی طرف بڑھ گئے، گلبرگہ میں حضرت خواجہ سیّد محمد گیسو درازؒ سے ملے، گلبرگہ سے سرانديپ چلے گئے، وہاں سے گجرات آئے، پھر گجرات سے اپنی خانقاہ کچھوچھ شریف واپس ہوئے، (خزینۃ الاصفیاء ج ا ص ۳۷۵۔۳۷۶)

اکتسابات

تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ حضرت اشرف جہانگیرؒ نے ایک سو نوے اولیاء سے فیوض حاصل کئے، بیت المقدس میں انبیاء علیہم السلام کے مزارات کی زیارت کی، حضرت ابراہیمؑ کے مزار مقدس سے خاص فیض حاصل کئے، کربلائے معلیٰ میں نجف اشرف اور کاظمین کی برکات سے مستفیض ہوئے، بغداد میں حضرت غوث الثقلین شیخ معروف کرخیؒ اور دوسرے بزرگوں کے مزارات پر حاضری دی، قونیہ میں مولوی جلال الدین رومی کی خانقاہ میں اقامت کی، اور پھر جہاں پہونچے وہاں کے بزرگوں کے مزاروں پر مراقبہ کیا، جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے۔

قاضی شہاب الدین دولت آبادی

علماء، صلحا اور سلاطین سب ان کے فیض سے سیراب ہوتے رہے، وہ جون پور آئے تو ایک مسجد میں نزولِ اجلال فرمایا، ان کی تشریف آوری پر ملا قاضی شہاب الدین دلوت آبادی ملنے آئے، یہ اپنے زمانہ کے بڑے جید عالم تھے، ان کو اپنے زمانہ میں جو شہرت اور مقبولیت حاصل تھی ان کے معاصر علماء میں کسی اور کو نہ

ہوئی، اصلی وطن تو غزنین تھا، لیکن دولت آباد دکن میں نشو ونما پائی، دہلی آکر اس عہد کے ممتاز علماء مثلاً قاضی عبدالمقتدر اور مولانا خواجگی دہلوی سے مختلف قسم کے علوم وفنون کی تعلیم حاصل کی، قاضی عبدالمقتدر کو ان کی ذات پر فخر تھا، ان کے بارہ میں ایک بار فرمایا کہ میرے یہاں ایک طالب العلم آیا ہے، جس کا پوست بھی علم ہے، مغز بھی علم ہے اور استخواں بھی علم ہے، امیر تیمور کے ہنگامہ کے زمانہ میں مولانا شہاب الدین نے دہلی کو خیر باد کہا، سلطان ابراہیم شرقی کی دعوت پر جون پور پہنچے، سلطان نے ان کی بڑی تعظیم و توقیر کی، اور قاضی القضاۃ کے عہدہ پر مامور کیا، انھوں نے بہت سی کتابیں لکھیں، مثلاً (۱) شرح کافیہ جو شرح ہندی کے نام سے ان کی زندگی ہی میں بہت مقبول اور مشہور ہوئی، کہا جاتا ہے کہ ملا عبدالرحمٰن جامی نے جب کافیہ کی شرح لکھی اور قاضی شہاب الدین دولت آبادی نے اس کو دیکھا تو فرمایا کہ ملا جامی نے میری شرح ہندی کا خلاصہ لکھا ہے، (۲) ارشاد درنحو، جو ایک نئے طرز پر نحو کی ایک کتاب ہے، (۳) بدیع البیان، علم بلاغت پر ایک رسالہ ہے، (۴) بحرالمواج یہ فارسی زبان میں کلام پاک کی ایک تفسیر ہے، (۵) اصول ابراہیم شاہی، اس میں عربی زبان میں اصولِ شرح پر بحث ہے، یہ ابراہیم شاہ کے نام سے موسوم ہوئی، (۶) رسالہ در تقسیم علوم (۷) رسالہ در صنائع (بزبان فارسی) شعر گوئی میں مہارت تامہ رکھتے تھے[1]۔

قاضی شہاب الدین جب حضرت اشرف جہانگیرؒ سے ملے تو ایسے گرویدہ ہوئے کہ کبھی تو روزانہ، اور کبھی دوسرے تیسرے دن خدمت میں حاضر ہوتے، حضرت اشرف جہانگیرؒ نے بھی ان کے علم وفضل کی بڑی قدردانی کی، اور ان کی تصنیف ارشاد نحو کے متعلق فرمایا،

اینکہ می گویند کہ سحر از ہندوستان راست آمدہ غالباً ایں راست سحر بودہ[2]۔"

قاضی شہاب الدین نے حضرت اشرف جہانگیر کی صحبت میں باطنی اور روحانی کمالات بھی حاصل کئے، چنانچہ حضرت اشرف جہانگیر نے ان کو خرقہ خلافت اور ملک العلماء کا خطاب عطا کیا، لطائف اشرفی میں ہے،

"حضرت قاضی خدمتے شایستہ و ملازمتے بایستہ شد والیاس خرقہ کردند وبخطاب ملک العلماء مخاطب کردند ومہین خلفاء ولایت مآب وبہترین ندماء اصحاب اند، جامع بودہ میان علوم ظاہری و باطنی، صاحب معاملات یقینی و جامع واردات دینی شدہ بود، تشرع بسیار داشت، ریاضات شدیدہ و مشاہدات جدیدہ کشید کہ اشرف خلافت و اجازت یافتہ[3]۔"

---

[1] تفصیل کیلئے دیکھو اخبار الاخیار ص ۱۶۶، خزینۃ الاصفیاء ج اص ۳۹۰ و مشاہیر جونپور ص ۳۶۔۳۳، [2] لطائف اشرفی ج ۲ ص ۱۰۶، [3] ایضاً ج اص ۴۱۰،

قاضی شہاب الدین ہی کی وساطت سے سلطان ابراہیم شاہ اپنے خوانین وامراء کے ساتھ کئی بار حضرت اشرف جہانگیرؒ کی قدمبوسی کے لئے آیا، ان ملاقاتوں کی تفصیل لطائف اشرفی میں اس طرح درج ہے:۔

''حضرت قاضی نے عرض کیا کہ آج سلطان شرف ملاقات سے مشرف ہونا چاہتے ہیں، لیکن اس خادم کی خواہش ہوئی کہ آج یہ فقیر خدمت میں حاضر ہوئے تو کل پھر سلطان کے ساتھ قدمبوسی کا شرف حاصل کرے گا (حضرت قدوۃ الکبریٰ یعنی حضرت جہانگیر نے) فرمایا، اس فقیر کے نزدیک تم سلطان سے بہت بہتر ہو، اگر سلطان آتے ہیں، آنے دو، وہ حاکم ہیں، جب قاضی کو رخصت کیا تو فرمایا کہ ہندوستان میں اتنی فضیلت (جتنی کہ قاضی میں ہے) کم دیکھی گئی ہے، دوسرے دن حضرت قدوۃ الکبریٰ اپنے وظائف میں مشغول تھے کہ معلوم ہوا کہ سلطان خوانین اور دوسرے لوگوں کے ساتھ آ رہا ہے، جب مسجد کے دروازے پر یہ جماعت پہنچی تو حضرت قاضی نے سلطان سے عرض کی کہ اتنے ازدحام کے ساتھ حضرت سید کی ملاقات کے لئے جانا مناسب نہیں، ان کو تکلیف ہوگی، آخر سلطان نیچے اتر آیا، اور اپنی جماعت سے بیس اہل فضیلت واہل فراست کو منتخب کر کے پائی بوسی کے لئے حاضر ہوا، اس نے حضرت کے دل کو ہاتھ میں لینے کے لئے حد سے زیادہ ادب واحترام کیا، اس نے قلعہ ءجنادہ کی فتح کے لئے ایک بہت بڑا لشکر بھیجا تھا، اس کے لئے وہ متردد تھا، اس نے حسب حال حضرت قدوۃ الکبریٰ کے سامنے یہ اشعار پڑھے،

ولی کاں انور است از جام جمشید   روا روشن تراز خورشید باشد
چہ حاجت عرض کردن برضمیرش   کسے کو را یقیں امید باشد

حضرت قدوۃ الکبراء نے فرمایا

اگر یہ یقیں شد قدمت استوار
گردز در یانم از آتش برآر

اور جب سلطان رخصت ہونے لگا تو حضرت نے ایک مسند عطا کی، جس سے وہ بہت خوش ہوا، اور جب قیام گاہ پر پہنچا تو بولا،

''چہ سیدیست عالی جناب ومقاصد مآب الحمدللہ کہ در ہندوستان چنیں مردم در آمدہ اند۔''

تین روز کے بعد سلطان تھوڑے سے آدمیوں کے ساتھ حضرت قدوۃ الکبراء کی خدمت

میں پھر آیا، روٹی کا ٹکڑا اور شربت ساتھ لایا، لوگوں نے قلعہ کی فتح پر مبارکباد دی، لیکن حضرت نے فرمایا سلطان کو مبارکباد دو کہ بند دروازے کو کھولا ہے، اس مرتبہ سلطان کی عقیدت ہزار گنی زیادہ ہو گئی، اور عرض کیا کہ بندہ تو جناب کے ہاتھ پر بیعت ہو چکا ہے، بند دروازے بھی حلقہء بیعت میں داخل ہوں گے، اور اسی روز تین شہزادے شرف بیعت سے مشرف ہوئے، سلطان نے بہت سے نذرانے دینے کی کوشش کی، لیکن حضرت نے قبول نہیں فرمایا، پھر حضرت سے وہیں مستقل اقامت کے لئے بہت ہی اصرار کے ساتھ استدعا کی، لیکن حضرت نے فرمایا، تمہاری سلطنت کے حدود سے باہر نہ جاؤں گا، اس جواب سے سلطان بہت ہی پُر امید ہوا، حضرت قدوۃ الکبریٰ وہاں دو مہینے سے زیادہ مقیم رہے، چھوٹے بڑے لوگ شرف بیعت سے مشرف ہوتے رہے[1]۔"

اشاعت اسلام بھدونڈ[2] (؟) آئے، جہاں ملک الامراء محمود نے پر جوش خیر مقدم کیا، اسی مقام پر ایک ہندو جوگی سے اشرف جہانگیر کا مقابلہ ہوا، جوگی کو ہوا میں اڑنے کا دعویٰ تھا، لیکن وہ حضرت اشرف جہانگیرؒ کی روحانیت سے ایسا مرعوب اور مغلوب ہوا کہ اپنے تمام باطل دعوؤں سے باز آیا، اور اپنی ساری مذہبی کتابوں کو جلا کر پانچ ہزار چیلوں کے ساتھ مشرف بہ اسلام ہو گیا، اسلام لانے کے بعد جوگی نے بابا کمال پنڈت کے نام سے شہرت پائی، بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ جوگی سے مقابلہ کچھوچھہ میں ہوا، اور اسی کی مرضی میں خانقاہ بنوائی گئی، لیکن لطائف اشرفی میں کچھوچھہ کا نام نہیں آتا۔

قیام روح آباد اس تذکرہ کے مؤلف کا بیان ہے کہ جوگی کے حلقہء بگوشِ اسلام ہونے کے بعد ملک الامراء محمود نے اپنی اولاد اور دوسرے لوگوں کے ساتھ حضرت جہانگیر سے بیعت کی، اسی کی وساطت سے روحِ آباد قائم ہوا، جو آج کل کچھوچھہ شریف کہلاتا ہے، یہاں ایک خانقاہ بنائی گئی، جس کا نام کثرت آباد رکھا گیا، اور ایک چھوٹا سا حجرہ بھی تعمیر کرایا گیا، جو وحدت آباد کے نام سے موسوم ہوا، اور اس کے مشرقی حصہ میں ایک جگہ بیٹھ کر حضرت اشرف جہانگیرؒ اصحاب خاص کے سامنے سلوک وعرفان کے رموز و نکات بیان کیا کرتے تھے، اسی لئے اس جگہ کا نام دارالامان رکھا گیا، اور اس کے شمال میں ایک پُر رونق جگہ روح افزا کے نام سے مشہور ہوئی، جہاں آکر بزرگانِ دین روحانی فیوض حاصل کرتے تھے[3]۔

---

[1] لطائف اشرفی ج ۲ ص ۱۰۶-۱۰۵ لطائف اشرفی کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جہانگیر اور سلطان ابراہیم شاہ کی ملاقات جون پور میں حضرت کی آمد کے ابتدائی زمانہ میں ہوئی، لیکن جب یہ خیال ہوتا ہے کہ حضرت جہانگیر کے وصال کا سال ۸۰۸ھ اور ابراہیم شاہ کی تخت نشینی کا سال ۸۰۸ھ ہے تو پھر گمان ہوتا ہے کہ یہ ملاقات حضرت جہانگیر کے آخری زمانہ میں ہوئی ہوگی واللہ اعلم بالصواب۔ [2] لطائف شرفی ج ۲ ص ۱۰۲، [3] لطائف اشرفی ص ۱۰۸

فیوض حضرت اشرف جہانگیرؒ کا معمول تھا کہ وہ مختلف مقامات پر جا کر رشد و ہدایت فرماتے، چنانچہ کچھوچھہ کے آس پاس اور کبھی دور کے قصبوں اور قریوں میں نزول اجلال فرما کر خواص و عوام کی اصلاح و تربیت کرتے، جب اودھ یعنی اجودھیا تشریف لے گئے، تو وہاں کے ملوک و امراء مرید ہو کر متمتع ہوئے، خود اودھ کے حاکم نواب سیف خاں کو حضرت اشرف جہانگیرؒ سے بڑی عقیدت ہو گئی، چنانچہ تربیت پا کر صوری و معنوی اوصاف سے متصف ہوئے، اور حضرت اشرف جہانگیرؒ نے ان کو خرقہ خلافت عطا کیا[1]، اودھ ہی میں حضرت شمس الدین نے جن کا شمار ''علمائے نامدار'' اور ''فصحائے روزگار'' میں ہوتا تھا، حضرت اشرف جہانگیر کی صحبت کیمیا اثر سے راہ سلوک کی تمام مدارج بہت جلد طے کر لئے، اور وہ حضرت اشرف جہانگیرؒ کے بڑے محبوب خلیفہ ہوئے، حضرت جہانگیرؒ کو ان پر بڑا ناز تھا، فرماتے تھے

''اشرف شمس و شمس اشرف از ہم جدا نہ اند[2]۔''

ردولی پہنچے تو شیخ صفی الدین صفی اور شیخ سماء الدین صحبت خاص سے فیضیاب ہوئے، شیخ صفی الدین علوم ظاہری میں بلند مرتبہ رکھتے تھے، خود اشرف جہانگیر نے ان کے متعلق فرمایا،

''در بلاد ہند کسے را کہ بفنون درخشندہ، غرایب و شیون عجائب پیراستہ دیدیم دی بودہ۔'' (ج ا ص ۴۱۴)

حضرت اشرف جہانگیرؒ کے ہاتھ پر جب شیخ صفی الدین نے بیعت کی تو حضرت جہانگیر نے ان کے لئے دعا کی کہ ان کو نور الانوار حاصل ہو، اور ان کی اولاد میں تحصیل علم کا سلسلہ برابر جاری رہے، پھر صرف ان ہی کی خاطر ردولی میں چالیس روز قیام فرمایا، اور اس عرصہ میں ان کو سلوک کی تمام تعلیمات دیں، اور خلافت بھی عطا کی، ان کا شمار حضرت اشرف جہانگیرؒ کے اجل خلفاء میں ہوتا ہے۔

شیخ سماء الدین بھی حضرت جہانگیرؒ کے ممتاز خلفاء میں تھے، ان کے بارے میں حضرت اشرف جہانگیر فرماتے ہیں،

''در طے انوار سبعہ از یاران ما دو کس را واقع افتادہ بود یکے شیخ ابوالمکارم را کہ اہتمام تمام در حق او مبذول شد تا ازاں در طے مہلکہ بدر آمدہ، دوم شیخ سماء الدین را از محنت بسیار و کلفت بے شمار ازاں ورطہ بدر آوردہ شد۔'' (ج ا ص ۴۰۵)

ردولی کے پاس ایک گاؤں میں ایک ممتاز بزرگ مولانا کریم الدین رہتے تھے، مولانا جب حضرت اشرف جہانگیر سے ملے تو فرمایا، سبحان اللہ! سید اشرف جہانگیر ایک ایسے شہباز ہیں جس کے کونین دو بازو ہیں، وہ دریا ہیں جس کا کوئی ساحل نہیں[3]۔

حضرت اشرف جہانگیر کا ورود مسعود اسمو (آسومئو) میں ہوا تو وہاں ایک ہزار آدمی اُن سے مرید

---

[1] ایضاً ج ا ص ۴۱۱، [2] لطائف اشرف ص ۴۰۲، [3] لطائف اشرفی ج ۲ ص ۳۸۲

ہو کر فیضیاب ہوئے[1]۔

قصبہ جائس کو اپنی آمد سے شرف بخشا تو وہاں کے دو تین ہزار آدمی حلقہ بیعت میں داخل ہوئے[2]،
جائس کے ایک بزرگ مولانا غلام الدین متبحر عالم اور فقیہ تھے، انھوں نے حضرت اشرف جہانگیر سے تعلیم
پاکر خلافت بھی پائی[3]، یہاں ایک دوسرے بزرگ شیخ کمال بھی حضرت اشرف جہانگیرؒ کے خلیفہ تھے، جو
جائس کی لوگوں کو روحانی تعلیم وتربیت دیتے تھے، ایک بار ان کی یہاں دعوت تھی، دعوت کا انتظام قصبہ
کے کچھ لوگوں کے سپرد تھا، لیکن عین وقت پر شیخ کمال کو معلوم ہوا کہ دعوت کا انتظام نہ ہو سکا، غصہ میں
بددعا دی کہ یہ جل کر خاک ہو جائیں، اتفاق سے اسی روز قصبہ میں آگ لگی، اور تقریباً چار ہزار آدمی
جل کر ہلاک ہوگئے، حضرت شیخ کمال کو بڑی ندامت ہوئی، مرشد کے پاس روح آباد یعنی کچھوچھہ پہنچے،
لیکن مرشد نے ان سے یہ کہہ کر ملنے سے انکار کر دیا کہ وہ میرے فرزندوں کو نذر آتش اور خانماں برباد
کر کے مجھ سے ملنے کیا آئے ہیں، ایک مدت تک معتوب رہے، مگر مرشد کے آستانہ سے علیحدہ نہیں
ہوئے، بعض لوگوں کی سفارش پر ایک طشت میں ہزار چنگاریوں کی راکھ سر پر رکھ کر مرشد کی خدمت میں
حاضر ہوئے، اور تقصیر کی معافی چاہی، مرشد نے یہ کہہ کر معاف کر دیا کہ تمہارا ایمان تو سلامت رہے گا،
لیکن تم اور تمہاری اولاد پریشان رہے گی[4]۔

جب قصبہ انہونہ پہونچے تو وہاں کے تمام سادات نے بیعت ہونے کی سعادت حاصل کی،
حضرت اشرف جہانگیرؒ نے ان کے لئے دعا کی کہ وہ ہمیشہ آرام سے رہیں[5]۔

جب قصبہ سدھوزہ میں نزول اجلال فرمایا تو وہاں شیخ خیر الدین اور قاضی محمد سدھوری نے پر جوش
استقبال کیا۔

شیخ خیر الدین اپنے وقت کے جید علماء میں شمار کئے جاتے تھے، لیکن اصول وفقہ کے بعض مسائل پر
علمائے وقت سے سوالات کئے تو کسی سے تشفی بخش جواب نہیں پایا، حضرت اشرف جہانگیر سے ملاقات
کے بعد ان مسائل کی تشریح چاہی، تو حضرت نے ان کی تشریح اس طرح کی کہ شیخ خیر الدین کو پوری
تسکین ہوگئی، اور اسی وقت حضرت جہانگیر کے ہاتھ پر بیعت کی، ان کے ساتھ بارہ اشخاص اور بھی حلقہ
ارادت میں داخل ہوئے، ان ہی میں قاضی سدھوری بھی تھے، جن کے بارے میں لطائف اشرفی میں
ہے:۔

''قاضی محمد سدھوری بفنونِ علوم غریبہ وشیون معلوم عجیبہ پیراستہ بودند خصوص در علوم
اصول مشار الیہ بودہ اند۔'' (ج ا ص ۴۰۹)

شیخ خیر الدین اور قاضی محمد سدھوری دونوں حضرت اشرف جہانگیرؒ کے اجل خلفاء میں ہوئے، ان

---

[1] لطائف اشرفی ج ۲ ص ۳۸۲، [2] ایضاً ص ۳۸۲، [3] ایضاً ج ا ص ۴۰۰، [4] ایضاً ص ۴۰۸، [5] لطائف اشرفی ج ۲ ص ۳۸۵۔

ہی کی وساطت سے سدھور کے چھوٹے بڑوں کی اولادیں بھی حضرت جہانگیرؒ کی تعلیمات سے مستفیض ہوتی رہیں، سدھور کے ایک اور بزرگ قاضی ابومحمد عرف معین مہین بھی روحانی تعلیم وتربیت پاکر ممتاز خلفاء میں ہوئے۔ (ج ۱ص ۴۰۷)

بنارس تشریف لے گئے تو وہاں کے بتخانوں کے پوجاریوں سے مناظرے کئے، دونوں طرف سے کرامت اور استدراج کے مظاہر ہوئے اور آخر میں وہاں کے ایک ہزار ہندو حضرت اشرف جہانگیر کی کرامت سے متاثر ہوکر حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے (ج ۱ص ۴۱۲)

ارباب ثروت کی اصلاح

حضرت اشرف جہانگیرؒ نے نواح جون پور کے قیام کے زمانہ میں شرقی سلطنت کے معاصر حکمراں اور امرائے کبار سے گہرے تعلقات رکھے، ذکر آچکا ہے کہ سلطان ابراہیم شاہ اودھ کے حاکم نواب سیف خاں اور وہاں کے امراء کس طرح حلقہء ارادت میں داخل ہوکر مستفیض ہوتے رہے، حضرت اشرف جہانگیرؒ سلاطین، وزراء اور امراء سے ارتباط رکھنے کے مخالف نہیں، لیکن فرمایا کہ کوئی درویش سلاطین وامراء سے حظ نفسانی اور لذتِ شہوانی کی غرض سے ملتا ہے تو وہ درویش نہیں، درویش کو ہر حال میں متوکل باللہ ہونا چاہئے، چنانچہ نواب سیف خاں نے اودھ کا ایک قریہ نذر کرنا چاہا جس کی آمدنی ایک لاکھ ٹنکہ تھی، تو اس کو قبول کرنا اپنی درویشی کی شان قناعت کے خلاف سمجھا، اور فرمایا

''کسے را کہ قریہء روزگار و پرگنہ ادرار سپردہ باشد او بایں جزوی قریات مقید نہ شود[1]''

حکمراں طبقہ کے ظاہری اور باطنی اخلاق کے سنوارنے میں برابر کوشاں رہے، ایک ملفوظ میں فرمایا جہانداری اور شہریاری کو چار چیزوں سے نقصان پہنچتا ہے (۱) سلاطین کا لذائذ دنیا میں مستغرق ہوجانا (۲) اپنے مقربین کے ساتھ بدخلقی سے پیش آنا، (۳) سزا دینے میں زیاتی کرنا (۴) رعیت پر ظلم کرنا[2]۔

بادشاہوں اور حکمرانوں کے اوقات کے نظم ونسق کی بھی تفصیل بتائی ہے کہ وہ اپنے روزہ مرہ کے مشاغل کو کس طرح ترتیب دیں، اور اسی کے ساتھ بعض مفید ہدایتیں بھی دی ہیں، فرماتے ہیں:۔

''بادشاہ اپنے اوقات کو اس طرح ترتیب دیں کہ صبح کی نماز ادا کرنے کے بعد اشراق تک وظیفہ پڑھیں، پھر علماء وصلحاء کے ساتھ صحبت رکھیں، اور چاشت کے وقت تک ان سے عدل وانصاف کے متعلق قرآنی آیتوں کے مطالب پوچھیں، اسی جگہ وزیروں اور ندیموں کو بلائیں، اور یہ لوگ فوجوں کے جو معروضات پیش کریں، ان کا مناسب جواب دیں، ہر شخص کے مدعا کو پورا کریں، اس کے بعد دربار عام ہو، جس میں رعایا اور مسلمانوں

---

[1] لطائف اشرفی ج ۲ص ۳۸۲، [2] ایضاً ص ۱۶۶،

کے قضایا اور دعاوی پیش ہوں اور شریعت کے مطابق انصاف کے ساتھ فیصلہ ہو، مشائخ اور ملوک کے معروضات کو حتی الوسع کسی کے توسط سے سنیں، سادات، قضاۃ اور مشائخ کی درخواستوں کو صدر پہنچائے، اس گروہ کے لئے ایک ایسے شخص کو صدر مقرر کریں جو متدین اور ہمدرد ہو، بلکہ اس کو صوفی مشرب بھی ہونا چاہئے، وزیر تمام علوم وفنون سے آراستہ ہونے کے علاوہ خصوصیت کے ساتھ دیندار ہو، وکالت کا منصب ایسے شخص کو دیں جو پسندیدہ اخلاق کا حامل ہو، نہایت عقلمند، سریع الفہم اور حاضر جواب ہو، اس قسم کے ہر شخص کو کوئی نہ کوئی مناسب جگہ دیں، حکومت کو چلانے میں تخلیط مناصب سے کام نہ لیں، ایک کے کام کے متعلق دوسرے سے نہ پوچھیں، قیلولہ کے وقت آرام کے لئے چلے جائیں، قیلولہ کے بعد نماز پڑھیں، اور کبھی نماز نہ چھوڑیں، ظہر کی نماز کے بعد جس قدر ہو سکے قرآن مجید کی تلاوت کریں، خصوصاً سورہ قد سمع اللہ کی مواظبت کریں، کیونکہ سلاطین اس سورہ کی مواظبت کرتے آئے ہیں، سلطان محمود غازی اناء اللہ برہانہ برابر اس سورہ کو پڑھا کرتے تھے، اور فرماتے تھے کہ مجھ کو دولت اور شوکت اسی سورہ کی بدولت نصیب ہوئی، حضرت ابراہیم شاہ[1] بھی ایسا ہی فرماتے تھے، خود میں نے جو سلطنت چھوڑی تو پہلی چیز جو میں نے اپنے برادر عزیز محمد شاہ سے کہی وہ یہ تھی کہ اس سورہ کی برابر تلاوت کریں، اور جال الغیب کے مقابلے سے اجتناب کریں، اور کوئی کام شریعت کے خلاف انجام نہ دیں، اور عدل وانصاف کے اصول میں ایک نقطہ سے بھی انحراف نہ کریں تاکہ سلطنت میں خلل واقع نہ ہو[2]۔''

ایک اور موقع پر فرمایا:۔

''تمام ارکان دولت، دراعوان مملکت ایک نہ ایک عضو اور ایک نہ ایک حاسہ یا قوت کے مرتبہ میں ہیں، مثلاً مستوفی، مشرب، ناظر، عارض، تغرائی، منشی، دبیر، حاجب، خازن، استاذ العار اور دوسرے عہدیدار، حواس خمسہ وقوای بشری مثلاً آنکھ، کان، ناک، زبان، لمس، فکر، خیال، وہم، حافظہ، ذاکرہ اور حس مشترک کے مانند ہیں، امرائے سلطنت اپنی قوت، شوکت، ہمت، رجولیت وغیرہ کے ساتھ اعضائے رئیسہ ہیں، اور ادنیٰ درجے کے امراء مثل ہاتھ، بازو، ران، پنڈلی اور پاؤں کے ہیں، حاشیہ نشین قوم اور عام رعایا وغیرہ اپنے مدارج کے مطابق رگ اور پٹھے وغیرہ ہیں، جس طرح ایک انسان اپنے ہر عضو کا محتاج ہے، اور ایک کے بغیر اس کے جسمانی نظام کو نقصان پہنچ جاتا ہے، اسی طرح ایک

---

[1] اس سے مراد ابراہیم شاہ شرقی ہیں، [2] لطائف اشرفی ج ۲ ص ۱۶۸۔۱۶۷،

بادشاہ کو چاہئے کہ ارکان دولت واصحاب مناصب کو انکی اہلیت واستعداد کے مطابق ان کی دیانت اور نیک سیرت کو معلوم اور اچھی طرح پرکھ کر ان کو مختلف حصوں میں مقرر کرے، اور اختیار دے تاکہ وہ اپنے کاموں کو پورے شرائط کے ساتھ ملک کے مصالح اور دربار کی بہبودی کے مطابق انجام دیں، اور بادشاہ ان کے کاموں سے باخبر رہے۔'' (لطائف اشرفی ج ۲ ص ۱۱۴)

حضرت اشرف جہانگیر کی مذکورۂ بالا تعلیمات کا اثر ان کے مرید سلطان ابراہیم شاہ شرقی پر نہایت گہرا پڑا، اوپر کے ایک اقتباس سے ظاہر ہوا ہوگا کہ یہ سلطان سورہ قد سمع اللہ کی مواظبت کیا کرتا تھا، چنانچہ اس سورہ کی برکت سے اس کی سلطنت ''گل گلزار'' اور ''لالہ زار'' بن گئی تھی[1] مورخین اور تذکرہ نویس اس سلطان کو ''دین پناہ'' علمائے شریعت محمدی کا قدردان ''درویش دوست اور ''رعیت پرور'' لکھتے ہیں، تاریخ فرشتہ میں ہے

''ابراہیم شرقی کے زمانہ میں، جون پور کا ہر چھوٹا بڑا بادشاہ کے وجود کو باعث برکت سمجھتا، اور بے حد عیش وآرام کے ساتھ زندگی بسر کرتا تھا، شاہ وگدا سب خوش وخرم تھے، ملک میں حزن اندوہ کا نام ونشان تھا،......

ابراہیم شرقی قاضی شہاب الدین کی بے حد تعظیم وتوقیر کرتا تھا، چنانچہ متبرک ایام میں قاضی صاحب شاہی مجلس میں چاندی کی کرسی پر بیٹھتے تھے، کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ قاضی صاحب بیمار ہوئے، ابراہیم ان کی عیادت کو گیا، مزاج پرسی اور ضروری باتوں کے دریافت کرنے کے بعد پانی سے بھرا ہوا ایک پیالہ منگوایا، مولانا کے سر پر سے پیالہ کو تصدق کر کے خود پی لیا، اور دعا کی کہ اے خدا جو بلا مولانا کے لئے مقرر ہے، وہ مجھ پر نازل فرما، اور ان کو شفا دے اس روایت سے بادشاہ دین پناہ کا مذہبی خلوص اور علمائے شریعت محمدی علیہ وسلم کے ساتھ اس کی عقیدت مندی کا پورا پورا اندازہ ہوتا ہے[2]۔''

مراۃ الاسرار میں ہے:۔

''سلطان ابراہیم بادشاہ نیک و درویش دوست و رعیت پرور بود، خلائق بعہداو در عہد امن وآسائش قرار گرفت۔''

اپنی مملکت میں شریعت کی ترویج کی خاطر اس نے فتاوی ابراہیم شاہی مرتب کرایا، جس کو مولانا قاضی شہاب الدین نے مدون کیا تھا۔

سفر آخرت وصال کی تاریخ صحیح نہیں بتائی جاسکتی ہے، پہلے ذکر آیا ہے کہ وہ حضرت خواجہ گیسو دراز

---

[1] لطائف اشرفی ج ۲ ص ۱۶۸، [2] تاریخ فرشتہ ج ۲ ص ۳۰۶ ونیز اردو ترجمہ جامعہ عثمانیہ ص ۸۷-۶۸۶،

سے بھی گلبرگہ میں ملے، حضرت خواجہ گیسو درازؒ کی وفات ۸۲۵ھ میں ہوئی اس لحاظ سے وہ ۸۲۵ھ کے بعد تک بقید حیات رہے، ان کی طویل سیاحت سے اندازہ ہوتا ہے کہ سو سال سے زیادہ عمر پائی ہوگی، تب ہی اتنے مختلف مقامات کا سفر کر سکے تھے، مارچ ۱۹۶۶ء کے معارف میں ان کی تاریخ پیدائش اور وفات پر ایک مضمون نکلا ہے، مضمون نگار کا خیال ہے کہ ان کی تاریخ پیدائش ۷۰۹ھ رہی ہوگی، وفات سے کچھ روز پہلے سکر کا عالم طاری رہا نماز کے وقت عالم صحو میں آتے، مرض الموت میں بھی رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رہا اسی زمانہ میں ذکر کرتے ہوئے مؤلف لطائف اشرفی رقمطراز ہے۔

''ہمہ اہالی دیار و اعالی نامدار نواح کبار می آمدند، دہر یک را بشارت و سعادت می داوند، دریں سہ روز چنداں خلایق بشرف توبہ و انابت و خلافت مشرف گشتند کہ شرح آں خدائے داند، اشرف الملک والی ولایت بدوازدہ ہزار کس آمدہ بشرف ارادت مشرف گشتند۔'' (ج ۲ ص ۴۰۸)

وفات کے روز حضرت نور العین، شیخ نجم الدین اصفہانی، شیخ محمد در یتیم، خواجہ ابوالمکارم، شیخ احمد ابوالوفا خوارزمی، شیخ عبدالسلام ہروی، شیخ ابوالواصل و شیخ معروف الدیموی، شیخ عبدالرحمٰن نجندی، شیخ ابوسعید خرزی، ملک محمود، شیخ شمس الدین اودھی اور دوسرے اکابر کو اپنے پاس بلا کر بٹھایا، اور ان کے مراتب و مدارج کے مطابق ان کو نصیحتیں کیں اور تبرکات دیئے، حضرت سید عبدالرزاق الملقب بہ حضرت نور العین کو حضرت جہانگیر نے اپنا دینی فرزند بنایا تھا، اس لئے وصال کے وقت ان کو اپنا جانشین اور سجادہ نشین مقرر فرمایا، اور ان کو وہ خرقے عطا کئے جو ان کو (یعنی حضرت اشرف جہانگیرؒ کو) حضرت شیخ علاء الدین لاہور شیخ الاسلام شام اور حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ سے ملے تھے، بزرگان چشت کے وہ تبرکات بھی دیئے جو ان کو ان کے مرشد کے ذریعہ سے دستیاب ہوئے تھے، پھر حضرت نور العین کے لڑکوں کو بلا کر ان کے لئے دعائیں کیں، اسی طرح اپنے مختلف خلفاء کو بھی نصیحتیں کر کے خاص خاص ہدایتیں دیں اور تبرکات دیئے، پھر ظہر کی نماز ادا کی، نماز کے بعد قوالوں کو طلب کر کے محفلِ سماع کی خواہش کی، قوالوں نے سعدی کی غزل شروع کی، جب انھوں نے یہ شعر گایا،

گر بدستِ تو آمدہ است اجلم
قدر ضینا بما جری القلم

تو ان پر وجد طاری ہوا، اور جب قوالوں نے یہ شعر پڑھے،

خوب تر زیں دگر بنا شد کار — یار خنداں رود بجانب یار
سیر بیند جمالِ جاناں را — جاں سپارد نگار خنداں را

تو مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگے، اور اسی حالت میں جان جان آفریں کے سپرد کر دی[1]، وصال کے وقت عمر شریف ایک سو بیس برس کی رہی ہوگی روضہ مبارک کی تعمیر زندگی ہی میں ہوگئی تھی، اسی میں محو خواب ابدی ہیں، روضہ کے بارے میں مشہور ہے کہ جو کوئی آسیب زدہ یہاں آ کر کچھ دنوں قیام کرتا ہے، اس کا آسیب جاتا رہتا ہے، چنانچہ آج بھی وہاں مختلف گوشوں سے آ کر آسیب زدوں کی ایک بڑی تعداد مقیم رہتی ہے۔

روحانی مرتبہ حضرت اشرف جہانگیرؒ صوفیائے کرام میں امام السالکین، برہان العاشقین، قطب ربانی، غوث الانام، اور محی الاسلام کے القاب سے یاد کئے جاتے ہیں، لطائفِ اشرفی کے مؤلف نے ان کے لئے قدوۃ الکبریٰ کا لقب استعمال کیا ہے، صاحب اخبار الاخیار رقم طراز ہیں:۔

از کاملان است صاحب کرامات وتصرفات۔'' (ص ۱۵۶)

خزینۃ الاصفیاء میں ہے:۔

''از عظمائے اولیا و کبریٰ اتقیای خطہ ہندوستان است۔'' (ص ۳۷)

مرأۃ الاسرار کے مؤلف لکھتے ہیں:۔

''آں سلطان مملکت الدنیا والدین آں سرحلقہ عارفانِ ارباب علم و یقین آں محب ومحبوب خاص ربانی، غوث الوقت حضرت میر سیّد اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ از بے نظیرانِ روزگار بود وشانے بغایت رفیع وہمتے بلند وکرامتے وافر داشت۔''

(قلمی نسخہ دار المصنفین، ص ۵۲۹)

علمی مرتبت علمی حیثیت سے بھی حضرت اشرف جہانگیرؒ کا مرتبہ بلند تھا، وہ معقولات ومنقولات کے بھی جید عالم تھے، اور جب کبھی علماء وفضلا سے علمی بحث کرتے تو اس میں بڑی گہرائی ہوتی، لطائف اشرفی میں بعض علمی مسائل پر بھی مباحث ہیں، ان مباحث سے ان کا علمی تبحر کا اندازہ ہوتا ہے، وہ صوفیانہ رموز ونکات بیان کرنے میں بھی عالمانہ انداز اختیار کرتے تھے[2]، اور کسی حال میں بھی جادۂ شریعت سے تجاوز کرنا پسند نہیں فرماتے، تمام علوم وفنون میں علم شریعت کو زیادہ اہمیت دی ہے، اور علم کے ساتھ اس کی متابعت کی بھی پوری تاکید کی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص اس وقت تک ولی نہیں ہوسکتا جب تک وہ ظاہراً، باطناً، قولاً، فعلاً، اعتقاداً اور حالاً شریعت کا پابند نہیں ہے۔

''اولیاء بہ فنا فی اللہ والبقا باللہ نمی رسند مگر بمتابعت شریعت آں پیشوائے قوافل اصفیاء مقتدائے طوائف اولیاء یعنی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ظاہراً و باطناً، قولاً وفعلاً، اعتقاداً

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھو لطائف اشرفی ج ۲ ص ۳۱۲۔۳۰۶۔

[2] مثال کے لئے دیکھو لطائف اشرفی ج ۱ ص ۲۶، ۲۵، و ج ۲ ص ۳۰۔۱۲۹۔

او حالاً ہر کسے در ظلمات نفس عادی و در درکات اسویہ باطلہ ہادی گشتہ و در اسفل السافلین طبیعت مقید شہوت و اسیر ضلالت و اخلاق ناپسندیدہ شدہ' اگر اہل علم است بمتقضای علم و عمل نمی کند و بشرط علم در مجموع اوقات و احوال متابعت شریعت نمی نماید، بدرجات رفیعہ جنائی و اعلیٰ علیین معارف ربانی و مقعد صدق عرفانی عیانی نرسد و از مشرب عذاب آب معرفت رحمانی کہ چوں آبحیات در ظلمات طبیعت انسانی ست شربے نخشید و جام شیریں شراب وجدانی بکام ایقانی نکشد۔" (ج ا ص ۱۳۵)

نماز جمعہ کی پابندی زندگی کا زیادہ تر حصہ سیاحت میں گذرا، لیکن سفر میں بھی شریعت کی پابندی کا التزام رکھا، حتیٰ کہ نماز جمعہ تک ترک نہیں ہوئی، لطائف اشرفی میں ہے،

"حضرت قدوۃ الکبراء را قاعدہ مقرر و قانون مستمرہ بود کہ نماز جمعہ در سفر و حضر متروک نہ شدہ است۔" (ج ا ص ۲۲)

خلفاء حضرت اشرف جہانگیرؒ کے خلفا میں زیادہ تر علماء و فضلاء تھے، ان میں سے ملک العلماء شہاب الدین دولت آبادی، شیخ شمس الدین اودھی، شیخ صفی الدین ردولوی، شیخ سماء الدین ردولوی، مولانا علم الدین جائسی، شیخ خیر الدین سدھوری، قاضی محمد سدھوری کے علم و فضل کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں، اور دوسرے خلفاء میں شیخ سلیمان نہایت ممتاز محدث اور فقیہ تھے[1] شیخ معروف الدیموی کو ہر قسم کے علوم و فنون میں مہارت تھی، علم، زہد، تقویٰ، عبادت اور ریاضت کی وجہ سے اپنے وقت کے جنید و شبلی سمجھے جاتے تھے[2]، حضرت قاضی حجت معقولات و منقولات کے متبحر عالم تھے، کچھوچھ کے پاس ہی ایک گاؤں میں رہ کر عوام الناس کی دینی اصلاح اور روحانی تربیت کیا کرتے تھے[3]۔

شیخ الاسلام گجراتی کو اپنے علم کی وجہ سے بڑی شہرت حاصل تھی، شروع میں ان کو ہیئت، نجوم، حکمت اور دوسرے فنون پر بڑا غرور تھا، حضرت اشرف جہانگیر کا ورود مسعود جب احمد آباد میں ہوا تو شیخ الاسلام نے ان سے بڑی بے باکی سے علمی مباحثے کئے اور ادب کا لحاظ نہ رکھا، لیکن پھر بڑی ندامت محسوس کی، تائب ہو کر حضرت جہانگیرؒ کے ہاتھ پر بیعت کی، اور روحانی مدارج طے کر کے حقائق و معارف کے سرچشمہ بنے، اس لئے خلیفہ بھی بنائے گئے، گجرات کے مریدوں کی تربیت ان ہی کے ذمہ تھی، انھوں نے ایک رسالہ بھی اشرف الفوائد و فوائد الاشرف کے نام سے لکھا[4] گجرات کے ایک دوسرے جید اور ممتاز عالم شیخ مبارک بھی حضرت اشرف جہانگیرؒ کے خلیفہ تھے[5]۔

تمام خلفاء شریعت کے پابند ہوتے، ان میں سے شیخ راجا کو زہد، تقویٰ اور شریعت کی پابندی میں بڑی شہرت حاصل ہوئی، وہ تارکِ صلوٰۃ سے ملنا، جلنا، بولنا، چالنا اور اس کے ساتھ کھانا، پینا کسی حال میں

---

۱ لطائف اشرفی ج ا ص ۴۰۲، ۲ لطائف اشرفی ج ا ص ۴۰۲، ۳ ایضاً ص ۴۰۳، ۴ ایضاً ص ۴۰۱، ۵ ایضاً ص ۴۱۱

بھی پسند نہیں کرتے تھے[1]۔

خلفاء میں حضرت سید عبدالوہاب کو اپنے مرشد سے بڑا والہانہ لگاؤ تھا، ایک بار حضرت اشرف جہانگیرؒ نے ان کو کسی کام سے دہلی بھیجا، وہاں سے واپس آئے تو ان کے پاؤں میں آبلے پڑ گئے، حضرت اشرف جہانگیرؒ نے ان کو اپنا جوتا عنایت کیا، حضرت سید عبدالوہاب نے غایت احترام میں جوتے کو اپنے سر پر رکھ لیا، اور اس کو اپنا تاج بنا کر چالیس روز تک گھومتے رہے[2]۔

بعض امراء بھی خلیفہ ہوئے، نواب سیف خان حاکم اودھ کی خلافت کا ذکر پہلے آ چکا ہے، حضرت اشرف جہانگیر جب حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندی سے نیاز حاصل کرنے کے لئے ماوراء النہر تشریف لے گئے تو وہاں امیر علی بیگ کے گھر پر امیر تیمور صاحبقران کے ایک امیر شیخ ابوالمکارم سے ملاقات ہوئی، پہلی ہی ملاقات میں شیخ ابوالمکارم کا دل سلطنت کے کاروبار سے منحرف ہو گیا اور امارت و شوکت چھوڑ کر راہ سلوک میں گامزن ہوئے، بارہ سال تک ریاضت شاقہ کی اور جب مکاشفات و واردات کی منزلیں طے کر لیں تو مرشد نے ان کو خلافت دی، اپنے مکارم اخلاق کی وجہ سے ابوالمکارم کہلائے، مرشد کے حکم کے بموجب سمرقند میں سکونت اختیار کی، جہاں ان کے مریدوں کا حلقہ بہت وسیع تھا، لطائف اشرفی میں ہے کہ "ان کے ملفوظات اور دوسری تصانیف حقائق و معارف کے رموز و نکات سے پُر ہیں[3]۔"

امیر تیمور کے ایک دوسرے امیر شیخ جمشید بیگ کو بھی حضرت اشرف جہانگیرؒ نے خلافت دی، حضرت اشرف جہانگیر اپنی سیاحت کے زمانہ میں جب یاغستان پہنچے، تو ہزاروں اوزبک، برمک، قبچاق، لاچین، اور قوچین قبیلوں کے خواص و عوام ان کے حلقہء ارادت میں داخل ہوئے، اور ان کی خدمت میں گھوڑے اور دوسرے جانور پیش کئے، اس طرح ان کے اردگرد ایک لشکر کا سامان جمع ہو گیا، اس زمانہ میں امیر تیمور سمرقند میں تھا، بعض لوگوں نے یہ خبر پہنچائی کہ حضرت اشرف جہانگیرؒ ایک لشکر جمع کر کے تیمور کے خلاف فوج کشی کا ارادہ رکھتے ہیں، لیکن تیمور حضرت جہانگیر کو پہلے سے جانتا تھا، اس لئے اس خبر سے پریشان ہونے کے بجائے اپنے ایک درباری امیر جمشید بیگ کو نذرانے دے کر حضرت اشرف جہانگیرؒ کی خدمت میں بھیجا، نذرانے میں بہت سے مال و اسباب تھے، لیکن جب یہ سامان حضرت اشرف جہانگیرؒ کے پاس پہنچا تو انھوں نے تمام چیزوں کو فقراء و مساکین میں تقسیم کرا دیا، جمشید بیگ حضرت اشرف جہانگیر سے مل کر اس قدر متاثر ہوئے کہ تیمور کے دربار سے علیحدہ ہو کر درویشی اختیار کر لی، اور مرید ہو کر حضرت کے ساتھ ہندوستان آئے، اور جب پوری تعلیم و تربیت کے بعد ان کو خلافت ملی تو کچھ دنوں بعد پھر اپنے وطن واپس کر دیے گئے، جہاں انھوں نے رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا[4]۔

ایک خلجی امیر شیخ حسین بھی دنیاوی جاہ و حشم چھوڑ کر راہ سلوک میں گامزن ہوئے اور حضرت

1۔ لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۰۹، 2۔ ایضاً ص ۴۰۸، 3۔ لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۰۴، 4۔ لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۱۰۔۴۰۹

اشرف جہانگیرؒ سے خلافت پائی، دونیری (؟) میں رہ کر اطراف وجوانب کے لوگوں کے اخلاق و کردار سنوارتے تھے، بنگالہ کا معاصر حکمراں ان کا بہت معتقد تھا[1]۔

خلفاء میں حضرت سید عبدالرزاق کہ اشرف جہانگیر کے دینی فرزند کہلاتے تھے، اس لئے ان کا لقب نور العین تھا، بارہ سال کی عمر میں بیعت کی، ۶۸ سال تک مرشد کی خدمت کی، چنانچہ مرشد کے وصال کے بعد سجادہ نشین ہوئے، ایک سو بیس سال کی عمر پائی۔

سب سے زیادہ چہیتے خلیفہ شیخ کبیر مسرور پوری تھے، جن پر حضرت اشرف جہانگیر اس قدر نظر التفات رکھتے کہ خود حضرت سیّد عبدالرزاق نور العین کو ان پر رشک ہوتا تھا، ان کے فرزند شیخ محمد کو بھی خلافت ملی، حضرت اشرف جہانگیر ان کو اپنے حجرۂ خاص میں روحانی تعلیم دیا کرتے تھے، ان کا لقب در یتیم تھا[2]۔

بعض اور دسرے خلفاء کے اسمائے گرامی یہ ہیں، سیّد عثمان، شیخ رکن الدین و شیخ قیام الدین (دونوں لاچین ترک تھے، عراق سے ہندوستان آئے تھے) شیخ اصیل الدین، شیخ جمیل الدین، مولانا ابوالمظفر لکھنوی، شیخ فخر الدین، قاضی شیخ رکن الدین، شیخ آدم عثمان، شیخ تاج الدین شیخ محمود کنتوری، شیخ عبداللہ بنارسی، شیخ کمال جائسی، ابومحمد عرف معین متھن سدھوری[3]،

تعلیمات حضرت اشرف جہانگیر کی تعلیمات ان تین کتابوں میں پائی جاتی ہیں۔

(۱) بشارت المریدین (۲) مکتوبات اشرفی (۳) لطائف اشرفی فی بیان طوائف صوفی،

لطائف اشرفی کے مؤلف کا بیان ہے کہ حضرت اشرف جہانگیر اپنے وصال سے پہلے ایک شبانہ روز قبر میں جا کر رہے اور وہیں اپنی کیفیات کو قلمبند کیا، جس کا نام بشارت المریدین رکھا، (ج ۱ص ۴۱۰)

مکتوبات کے بارہ میں اخبار الاخیار میں ہے:۔

''او را مکتوبات است مشتمل بر تحقیقات غریبہ۔'' (ص ۱۵۶)

اخبار الاخیار میں ان کا ایک طویل مکتوب منقول ہے، جو انہوں نے قاضی شہاب الدین دولت آبادی کو تحریر فرمایا تھا، اس میں فرعون کے ایمان کے متعلق بحث ہے۔

حضرت اشرف جہانگیرؒ کی تعلیمات واضح اور مبسوط طریقہ پر لطائف اشرفی میں ملتی ہیں، جن کو حضرت نظام الدین یمنی الملقب بہ نظام حاجی غریب الیمنی نے مرتب کیا ہے وہ حضرت اشرف جہانگیرؒ کے مرید تھے، اور ان کی صحبت میں تیس سال رہے۔

لطائف اشرفی ۱۲۹۵ھ میں نصرت المطابع دہلی میں چھپی ہے اور نو سو صفحے پر مشتمل ہے، یہ حضرت

---

[1] لطائف اشرفی ج ۱ص ۴۱۱، [2] لطائف اشرفی ج ۱ص ۴۰۱ میں وجہ تسمیہ یہ بتائی گئی ہے کہ گو اشرار و جواہر انوار از بحر قابلیت وی بساحل ظہور سر برآوردہ تسمیہ وی بہ در یتیم کردہ اند۔'' [3] ان خلفاء کے حالات کے لئے دیکھو لطائف اشرفی ج ۱ص ۴۱۲۔۴۰۱،

اشرفؒ جہانگیر کی سوانح عمری بھی ہے، اور ان کی تعلیمات کا آئینہ بھی، اس میں کہیں تصوف کی اصطلاحات کی پوری تشریح و توضیح ہے، تو کہیں ذکر و فکر کی تمام تفصیلات ہیں، کہیں صوفیانہ غوامض پر مباحث ہیں تو کہیں صوفیہ، کرام کے مختلف خانوادوں کی مختصر تاریخ، کہیں رسول اللہ ﷺ، کہیں آلِ رسول، کہیں خلفائے راشدینؓ، اور کہیں ائمہ کبار کے حالات ہیں، تو کہیں صوفی شعراء پر دلچسپ تبصرہ ہے، غرضیکہ اس کو تصوف کا ایک قاموس کہا جا سکتا ہے۔

حضرت اشرف جہانگیرؒ چشتیہ سلسلہ سے منسلک تھے، اس لئے ان کی تعلیمات وہی ہیں جو اکابر بزرگانِ چشت کی تھیں، اور جن کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں، پھر بھی انھوں نے بہت سے ایسے مسائل کی وضاحت اور تشریح کی ہے، جن کو ہم اپنی حقیر تالیف کے گذشتہ اوراق میں پیش نہیں کر سکتے ہیں، اس لئے ان کو ہم ہدیہ، ناظرین کرتے ہیں:۔

علم کی اہمیت حضرت اشرف جہانگیرؒ نے حضرت خواجہ مودود چشتیؒ کے اس قول کی تائید کی ہے کہ علم کے بغیر ایک زاہد شیطان کا مسخرہ ہے، اس لئے راہ سلوک میں توحید، معرفت، ایمان، شریعت، طریقت وغیرہ سے پوری واقفیت رکھنا ایک سالک کے لئے ضروری قرار دیا ہے، فرمایا کہ اگر کسی کو معلوم ہو کہ اس کی زندگی کے صرف سات دن باقی رہ گئے ہیں تو اس کو صرف علم فقہ حاصل کرنا چاہئے، علم دین کا ایک مسئلہ جاننا ہزار رکعت نفل سے بہتر ہے، (ج ا ص ۱۰ او ۱۳)

توحید حضرت اشرف جہانگیرؒ نے مسئلہ توحید پر بڑی عمیق اور عالمانہ بحث کی ہے، جس شرح و بسط کے ساتھ یہ مباحث لطائف اشرفی میں ہیں ان کو ہو بہو یہاں پیش کرنا آسان نہیں، ہم صرف اُن کا خلاصہ درج کرتے ہیں۔

ان مباحث میں توحید کی کئی قسمیں بتائی گئی ہیں۔

(۱) توحید ایمانی، یعنی قرآن مجید اور احادیث نبوی ﷺ کی صداقت پر اعتماد کر کے یہ عقیدہ رکھنا کہ خدا ایک ہے۔

(۲) توحید علمی، ادراک باطن سے درجہ، یقین تک پہنچنا کہ خداوند تعالیٰ کے سوا کوئی "موحد حقیقی" اور "موثر مطلق" نہیں، یہ توحید مراقبہ سے حاصل ہوتی ہے۔

(۳) توحید رسمی، اپنی ذہانت یا مطالعہ، اشیاء یا سنی سنائی باتوں کی بنا پر خدا کو ایک سمجھنا، حضرت اشرف جہانگیرؒ کے نزدیک توحید کا یہ تصور کوئی اثر نہیں رکھتا، یہ توحید اعتبار کے درجہ سے ساقط ہے۔

(۴) توحید حالی، اس توحید میں موحد واحد کے وجود کے جمال میں ایسا مستغرق ہو جاتا ہے کہ اس کو واحد کی ذات و صفات کے سوا کوئی چیز نظر نہیں آتی، وہ واحد کی صفات کو اپنی تمام صفتوں سے ماوراء ہو کر دیکھتا ہے، اور بحر توحید میں اپنے کو صرف ایک قطرہ پاتا ہے، توحید حالی کا یہ احساس مشاہدہ کے نور

سے ہوتا ہے، اس میں بشریت کے اکثر لوازم فنا ہو جاتے ہیں، اور جو باقی رہ جاتے ہیں، ان سے اقوال و افعال سرزد ہوتے ہیں۔

لیکن حضرت جہانگیرؒ کے نزدیک اصلی اور حقیقی توحید توحید الٰہی ہے، اور وہ یہ ہے، کہ کوئی موحد ہو یا نہ ہو، مگر خدا ازل الازال سے بذات خود وحدانیت اور فردانیت سے متصف ہے، یعنی وہ تھا، اس کے ساتھ کوئی چیز نہیں تھی، اور وہ ہے، اس کے ساتھ کوئی چیز نہیں ہے، اور ابدالآباد تک اسی طرح رہے گا، اس حقیقت کے لئے یہ ضروری نہیں کہ کوئی موحد اس کو واحد بتائے۔

وحدت وجود

لطائف اشرفی کی جلد دوم میں ایک مستقل باب (لطیفہ بست وہفتم) وحدت وجود پر ہے، حضرت اشرف جہانگیرؒ جب دوسری بار دنیا کی سیاحت کے لئے نکلے تو بخارا کے اکابر سے ملاقات کے دوران میں ان کو معلوم ہوا کہ ان میں سے اکثر و بیشتر علماء و فضلاء وحدت وجود کے منکر ہیں، انھوں نے ان سے بحث کر کے دلائل و براہین سے ان کو وحدتِ وجود کا قائل کیا، اس بحث کو لطائف اشرفی کے مؤلف نے نقل کیا ہے، یہ دقائق وغوامض سے پُر ہے، پھر بھی اختصار کے ساتھ اس کو ہدیۂ ناظرین کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

فلسفیانہ طریقہ پر وحدت کی دو قسمیں ہیں:۔

(۱) وحدتِ مطلقہ من حیث الذات والصفات (۲) وحدتِ مقیدہ من حیث الصفات لا من حیث الذات،

ذات اور صفات کی حیثیت سے وحدت مطلقہ یہ ہے کہ صرف ایک ذات اپنی صفات کے ساتھ موجود ہو، اور دوسری تمام ذاتیں اپنی ذات وصفات کے ساتھ معدوم ہوں، مثلاً وحدتِ باری یہ ہے کہ جب خدا موجود تھا، تو اس کے علاوہ کوئی چیز موجود نہ تھی۔

صفات کی حیثیت سے وحدت کے مقید ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایک ذات تنہا ایسی صفات سے متصف ہو کر کوئی دوسرا ان صفات میں اس کا شریک نہ ہو، جیسے وحدت باری قدم اور تخلیق کی صفت کے ساتھ متصف ہے۔

وحدتِ مطلقہ میں غیر کا وجود بالکل معدوم ہوتا ہے، اور وحدت مقیدہ میں مثل کا وجود معدوم ہو جاتا ہے۔

شریعت میں صفات کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کی توحید کا اطلاق اور اثبات چند طریقوں سے کیا جاتا ہے۔

ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ اس حیثیت سے واحد ہے کہ اس کے علاوہ کوئی پرستش کے لائق نہیں، مشرکین اس توحید کے منکر ہیں۔

دوسرا یہ کہ وہ اس حیثیت سے واحد ہے کہ وہی ساری اشیاء کا خالق اور کائنات کا موجد ہے، ثنویہ، فلاکیہ، طالعیہ اس توحید کے منکر ہیں۔

تیسرا یہ کہ وہ اس حیثیت سے واحد ہے کہ کوئی اس کا شبیہ نہیں، مشبہہ اس توحید کے منکر ہیں۔

چوتھا یہ کہ وہ اس حیثیت سے واحد ہے کہ کوئی اور ذات قدیم نہیں، اس کے علاوہ ہر چیز حادث ہے، دہریئے اس کے منکر ہیں۔

پانچواں یہ کہ وہ اس حیثیت سے واحد ہے کہ اس کی ذات ترکیب سے پاک ہے، کیونکہ ترکیب اجسام کے عوارض سے ہے، اور باری تعالیٰ جسم نہیں، مجسمہ اس توحید کے منکر ہیں۔

شریعت میں ذات وصفات دونوں حیثیتوں سے باری تعالیٰ کی توحید کا اطلاق دو معنوں میں ہوتا ہے۔

مجازی یعنی باری تعالیٰ اس معنی میں واحد ہے کہ اس کے وجود کے مقابلہ میں دوسری چیزوں کا وجود گویا نہیں ہے۔

حقیقی یعنی خدا کے سوا کوئی چیز موجود نہیں، جو کچھ ہے وہی ہے، ہمہ اوست، عوام اور بعض علماء اس توحید کے منکر ہیں، لیکن حضرت اشرف جہانگیرؒ کے نزدیک حقیقی توحید یہی ہے، اور انھوں نے اس کو آیات قرآنی، احادیث نبوی ﷺ اور دوسرے دلائل سے ثابت بھی کیا ہے[1]، اسی سلسلہ میں وجود کی بھی بحث آ گئی ہے، حضرت اشرف جہانگیرؒ نے وجود کی تین منزلیں قرار دی ہیں:۔

(۱) وجود بشرط شے، یا وجود مقید، یعنی ایک چیز کا پایا جانا، اس شرط کے ساتھ کہ ایک چیز اور بھی ہو، اس میں ہمہ اوست کی گنجائش نہیں، اور کوئی اس کا قائل نہیں۔

(۲) وجود لا بشرط شے، یعنی وجود تو ہے، لیکن اس کے ساتھ دوسری شے کا وجود ضروری نہیں۔

(۳) وجود بشرط لا شے، یعنی وجود مطلق، یہ وجود اس شرط کے ساتھ ہے کہ اس کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں، وجود کی اس منزل میں ہمہ اوست مانا جاتا ہے، حضرت اشرف جہانگیر کے خیال کے مطابق اس پر سب کو اتفاق ہے، وجود شرط لا شے کے ماننے پر اعتراض ہوتا ہے، اور معترضین کو اسی سے غلط فہمیاں اور بدگمانیاں پیدا ہوتی ہیں[2]۔

ولایت توحید کا واقف اور اللہ کا واصل ولی کہلاتا ہے، ولی کے لئے ضروری ہے، کہ وہ عالم ہو، جاہل نہ ہو، (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۰) اس کے افعال وحرکات پسندیدہ ہوں اور شریعت و طریقت کے مطابق ہوں، وہ سیرت نبوی ﷺ اور اوصاف مصطفوی ﷺ کا متبع ہو، (ج ۱ ص ۶۴) اس میں لطافتِ زبان، حسن اخلاق، شگفتگی، فیاضی اور بے غرضی ہو (ج ۱ ص ۶۴) وہ اوصاف ذمیمہ کی پستی

---

[1] لطائف اشرفی ج ۲ ص ۱۳۱۔۱۳۰، [2] لطائف اشرفی ج ۲ ص ۱۴۶

سے نکل کر اوصافِ حمیدہ کی بلندی پر پہنچ گیا ہو، اور خدا کے علاوہ ہر چیز سے بے نیاز ہو چکا ہو، یہی اس کی معراج ہے (ج ا ص ۶۹)

حضرت اشرف جہانگیرؒ کا خیال ہے کہ اولیاء اللہ کی خواہ کوئی قسم بھی ہو، خواہ وہ غوث ہوں یا امامان یا اوتاد یا ابدال یا اخیار یا ابرار یا نقبا یا نجبا یا مکتومان یا مفردات[1]، وہ فنا فی اللہ والبقاء باللہ کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتے ہیں، جب تک کہ وہ ظاہراً، باطناً، قولاً، فعلاً اور حالاً محمد مصطفیٰ ﷺ کے متبع نہ ہوں (ج ا ص ۱۳۵)

ایک موقع پر فرمایا (ج ا ص ۲۶)

''ہر کہ ازیں طائفہ خلافِ روشِ نبوی ﷺ وغیر متابعتِ مصطفوی ﷺ پیش گرفتہ بمقصود نرسیدہ است۔''

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید   کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید
محال ست سعدی کہ راہ صفا   تواں رفت جز در پے مصطفیٰ ﷺ

ولایت کے شرائط ایک ولی اللہ کے منجملہ فرائض میں ایک یہ ہے کہ وہ لوگوں کو خدا کی راہ پر لے چلے، لیکن وہ یہ فرض اسی وقت انجام دے سکتا ہے، جب کہ (۱) اس کے شیخ نے اس کو شیخوخت کی اجازت دی ہو (ج ا ص ۱۴۸) (۲) وہ دل میں خدا کا حضور اور آگاہی حاصل کر چکا ہو (۳) وہ اپنے مرید کے تمام ہفوات کا مواخذہ کرتا ہو، (لطائف اشرفی ج ا ص ۱۴۹) (۴) وہ اپنے مرید سے اس کے افعال کا محاسبہ کر سکتا ہو (ج ا ص ۱۵۱) (۵) اپنے مرید کے سامنے تقدس کی پوری شان میں ظاہر ہوتا ہو (ج ا ص ۱۵۲-۱۵۳) (۶) مریدوں کو دوسرے شیخ کی صحبت میں بیٹھنے کی اجازت نہ دیتا ہو، (ج ا ص ۱۵۴) (۷) مریدوں کو ان کی قوت زکیہ کا یقین دلاتا ہو (ج ا ص ۱۵۶) (۹) وہ عالم ہو (ج ا ص ۱۶۱) (۱۰) مریدوں کے ساتھ چوبیس گھنٹے میں ایک دفعہ بیٹھتا ہو (ج ا ص ۱۲۶)

ارادت کے شرائط مریدوں کے لئے حسب ذیل شرائط ضروری ہیں:۔

(۱) وہ اپنے شیخ سے کوئی بات پوشیدہ نہ رکھیں (ج ا ص ۱۶۲) (۲) وہ اپنے شیخ پر کسی قسم کا کوئی اعتراض نہ کریں، (ج ا ص ۱۶۳) (۳) طلب شیخ میں صادق ہوں (ج ا ص ۱۶۶) (۴) شیخ کو جو کچھ کرتے دیکھیں اس کی اقتدا بلا اجازت نہ کریں (ج ا ص ۱۶۹) (۵) شیخ کے کلام اور احکام کی تاویل نہ کریں، (ج ا ص ۱۷۰) (۶) شیخ کے حکم کے خلاف کوئی بات نہ کریں، (ج ا ص ۱۷۰) (۷) اپنے آپ کو ہر شخص سے کمتر سمجھیں (ج ا ص ۱۷۲) (۸) شیخ کے احکام میں خیانت نہ کریں (ج ا ص ۱۷۳) (۹) دونوں جہاں میں سے کسی چیز کی خواہش نہ کریں (ج ا ص ۱۷۸) (۱۰) شیخ جس کو اپنے سے افضل سمجھے اس کی وہ بھی اطاعت کریں (ج ا ص ۱۷۵)

---

[1] لطائف اشرفی ج ا ص ۱۱۸-۹۶ میں ان اولیاء اللہ کی علیحدہ علیحدہ خصوصیات ہیں۔

یہ تو شرائط ہوئے، شیخ و مرید کے آداب بھی الگ الگ بتائے ہیں، شیخ کے آداب حسب ذیل ہیں:۔

شیخ کے آداب (۱) مرید کی استعداد اس کی نظر میں ہو، یعنی اس کی انفرادی صلاحیت اور قابلیت کو پیش نظر رکھ کر راہِ سلوک میں اس کی تربیت کرتا ہو (ج ا ص ۱۸۷)

(۲) وہ مرید کے مال و متاع سے استفادہ کرنے کی لالچ سے بالکل پاک ہو (ج ا ص ۱۸۵)

(۳) وہ صاحبِ ایثار ہو (ج ا ص ۱۸۶)

(۴) اس کے فعل اور قول میں مطابقت ہو (ج ا ص ۱۸۸)

(۵) وہ کمزوروں کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہو (ج ا ص ۱۸۹)

(۶) اس کی گفتگو نفسانیت کے شائبہ سے پاک ہو (ج ا ص ۱۹۰)

(۷) وہ کنایہ میں گفتگو کرتا ہو اور تصریح سے اجتناب کرتا ہو (ج ا ص ۱۹۰)

(۸) اس کے احوال کا غلبہ اس کے اعمال صالحہ کا مانع نہ ہو (ج ا ص ۱۹۴)

(۹) وہ اپنے مرید سے تعظیم کی توقع نہ رکھتا ہو (ج ا ص ۱۹۶)

(۱۰) وُہ مرید سے نہ زیادہ قریب ہو اور نہ زیادہ دور ہو۔ (ج ا ص ۱۹۸)

مرید کے آداب مرید کے آداب حسب ذیل ہیں:۔

(۱) وہ شیخ کی صحبت کو اپنے لئے فتح الباب سمجھتا ہو (ج ا ص ۲۰۰)

(۲) وہ شیخ سے تسلیم و رضا کا تعلق رکھتا ہو (ج ا ص ۲۰۱)

(۳) دنیا اور آخرت کا کوئی کام شیخ کی اجازت کے بغیر نہ کرتا ہو (ج ا ص ۲۰۲)

(۴) شیخ کی جگہ پر نہ بیٹھتا ہو (ج ا ص ۲۰۳)

(۵) اپنے خواب اور بیداری کے واقعات میں شیخ سے رجوع کرتا ہو (ج ا ص ۲۰۴)

(۶) شیخ کی صحبت میں بلند آواز سے گفتگو نہ کرتا ہو (ج ا ص ۲۰۵)

(۷) شیخ سے کسی موقع پر بھی کوئی بات دلیرانہ طریقہ پر نہ پوچھتا ہو، اور نہ کہتا ہو (ج ا ص ۲۰۶)

(۸) وہ شیخ جس چیز کو مخفی رکھتا ہو، اس کو افشا نہ کرتا ہو (ج ا ص ۲۰۶)

(۹) شیخ سے اپنے اسرار بیان کر دیتا ہو (ج ا ص ۲۰۹)

(۱۰) شیخ کی کوئی بات نقل کرتا ہو تو اپنی فہم کا خیال رکھتا ہو (ج ا ص ۲۱۰)

شیخ کے اوصاف شیخ میں حسب ذیل اوصاف ہونے چاہئیں:۔

(۱) اس میں خاص قسم کی عبدیت ہو (۲) اس کو خدا سے براہ راست حقائق حاصل ہوں (۳) اس

پر خاص قسم کی رحمت مقام عبدیت (یعنی قربت) سے ہو (۴) علوم کی تعلیم خدا سے حاصل کی ہو (۵) علم لدنی کی دولت سے مالا مال ہو (ج ا ص ۲۵۵)

مرید کی تعلیم

مرید کی تعلیم دل کی صفائی سے شروع ہوتی ہے، اس کے دل کی تاریکی جتنی کم ہو جاتی ہے، اتنے ہی زیادہ اس کی روح میں نور پیدا ہوتا ہے، اور وہ اپنی چشم بینا سے دیکھتا ہے تو شروع میں یہ نور سرخ معلوم ہوتا ہے، پھر دل کی صفائی کی زیادتی سے سفید ہو جاتا ہے، آخر میں مزید صفائی سے سبز ہو جاتا ہے، اور جب دل بالکل صاف ہو جاتا ہے، تو یہ نور آفتاب کی مانند چمک اٹھتا ہے، اور اس پر مشکل سے نظر جمتی ہے، اور جب اس نور کا عکس نور روح پر پڑتا ہے، تو دل اور روح کے سارے حجابات نظر سے دور ہو جاتے ہیں، پھر ایسے نور کا شہود ہوتا ہے، جس میں نہ رنگ ہے، نہ کیفیت نہ حد ہے، نہ مثل، نہ تمکین ہے تمکن، اور اس کے لئے نہ طلوع ہے، نہ غروب، نہ تحت ہے نہ فوق، نہ مکان ہے نہ زمان، نہ قرب ہے نہ بعد، اور نہ عرش ہے نہ فرش۔

یہ منزل ذکر اور فکر سے طے ہوتی ہے، ذکر و فکر کی پہلی شرط تو یہ ہے۔

توبہ

توبہ سے مراد افعال ناپسندیدہ یعنی غل و غش، حسد، نفاق، کذب، بخل، حرص، طمع، غضب، تلبیس، ریا، بہتان اور غیبت وغیرہ سے قطعی اعراض ہے، (ج ۲ ص ۱۸۰) پھر توبہ کے ساتھ شریعت کی ساری پابندیوں، یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور جہاد کو لازمی قرار دیا ہے، البتہ ان چیزوں میں ایک عامی مسلمان اور ایک سالک کی پابندی میں جو فرق ہے اس کو بہت واضح طور پر بتایا ہے۔

نماز

نماز کے لئے ایک سالک وضو کرتا ہے تو اس لئے کہ (۱) اس کی جسمانی طہارت ہو، اس کی دماغی طہارت یعنی اس کا ذہن اوہام و وساوس سے پاک ہو (۳) اس کے حواسِ باطن پاک ہوں (۴) اس کی روح پاک ہو (ج ۲ ص ۱۵۵)

نماز میں خضوع و خشوع ضروری ہیں، ورنہ اس کی مثال قالب بے جان کی ہوگی، نماز میں حسب ذیل چیزوں سے لذت ملتی ہے:۔

(۱) حضور قلب (۲) فہم معانی (۳) تعظیم ماہیت (۴) خوف و رجا (۵) حیا،

لذت بھری نماز میں سالک نور کا مشاہدہ کرتا ہے، جو اس کے تمام جسم میں سرایت کر جاتا ہے، اس سے اس پر سکر کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، (ج ۲ ص ۱۵۶)

روزہ

سالک روزہ رکھتا ہے تو گویا وہ حواس ظاہر و باطن کو مغلوب کر کے ہوا و نفس کو اپنے سے دور کرنے کی کوشش کرتا ہے، اس طرح اپنے باطن کو منور کر کے کشف حاصل کرتا ہے، (ج ۲ ص ۱۵۸)

زکوٰۃ

شریعت کی زکوٰۃ کے علاوہ طریقت کی زکوٰۃ یہ ہے کہ سالک کا دل دمائم سے پاک ہو، اولیاء و مشائخ علم سلوک کو سمجھائیں، مرید کو دل کی صفائی، روح کی تجلی، عشق، محبت، معرفت، قربت

اور حقائق و معارف کی تعلیم دیں۔

حج ایک سالک کا حج یہ ہے کہ وہ احرام باندھتا ہے، تو دنیا کے علائق و عوائق سے تجرید حاصل کرتا ہے، عرفات میں آتا ہے تو اسرار و معارف سے واقف ہوتا ہے، جب مزدلفہ پہنچتا ہے تو اس کی مرادیں پوری ہونی شروع ہوتی ہیں، اور جب طواف کرتا ہے تو دل خدا کی طرف گردش کرنے لگتا ہے، جب صفا و مروہ میں سعی کے لئے جاتا ہے تو گویا بشری کدورت سے نکل کر ملکوتی صفات کی طرف منتقل ہوتا ہے، جب منیٰ آتا ہے تو اس کے خیالات تمام خطروں اور وسوسوں سے پاک ہوتے ہیں، جب قربانی کرتا ہے، تو اپنے نفس کے دیو کو ہمیشہ کے لئے ذبح کر دیتا ہے، الخ الخ (ج ۲ ص ۱۶۳)

جہاد حضرت اشرف جہانگیرؒ نے جہاد کے متعلق یہ تعلیم دی ہے کہ جب کفار مسلمانوں کے مقابلے میں خروج کریں تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا تمام مسلمانوں پر فرض ہے، لطائف اشرفی میں ہے:۔ (ج ۲ ص ۱۶۵)

''حضرت قدوۃ الکبری می فرمودند جہاد کردن در راہ خدائے تعالیٰ فرض است بر جمیع عباد و قتیکہ خروج کفار شود امادرون خروج کفار فرض کفایہ باشد۔''

اور اگر کوئی معذور ہو تو وہ حج کرے، اور وہ حج بھی نہ کر سکے تو جمعہ کی نماز میں شرکت کرے، کیونکہ جمعہ کی نماز مسکینوں کا حج ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی تعلیم ہے۔

اسلام کے ان ارکان کی پابندی کے ساتھ توکل، تسلیم و رضا، جود و ایثار وغیرہ کی بھی تعلیم دی ہے۔

توکل اگر سالک ان چیزوں کو قبول کرتا ہے جو شریعت کی رو سے حرام ہیں تو وہ عاصی اور فاسق ہے، توکل کی علامت یہ ہے کہ کسی چیز کے لئے کسی سے سوال نہ کیا جائے، اور جب غیب سے فتوح آئے تو قبول کرلے اور جب قبول کرے تو اس کو اپنے پاس نہ رکھے۔

ایک سالک کا توکل یہ ہے کہ وہ سمجھے کہ خداوند تعالیٰ ہی روزی دیتا ہے، اور واپس لے لیتا ہے، لیکن وہ بہر حال روزی پہنچاتا ہے، اس لئے اس کو یقین رکھنا چاہئے کہ روزی اس کے پاس پہنچے گی، لیکن اس کا دل روزی کے عدم و وجود کو برابر سمجھے (ج ۲ ص ۴۴۲)

تسلیم و رضا خدا کی طرف سے کوئی نعمت ملتی ہو تو وہ خوش رہے، لیکن کوئی بلا نازل ہو تو اس سے غمگین نہ ہو، یہی تسلیم و رضا ہے، لیکن ہر حال میں روزی کے لئے کسب کرنا لازم ہے، اس سلسلہ میں حضرت اشرف جہانگیرؒ کے ملفوظات ملاحظہ ہوں:۔

''حضرت قدوۃ الکبریٰ نے فرمایا اکثر مشائخ ہمیشہ کوئی پیشہ کرتے تھے، اور دل و جان سے اس کی طرف بڑھتے تھے، اگلے مشائخ و علماء بھی پیشے میں مشغول رہتے تھے، اور ان کو موجب عزت سمجھتے تھے، ہندوستان میں پیشہ کرنا بدترین خصلت سمجھا جاتا ہے، اسی وجہ

سے محتاجی اور فقیری میں مبتلا ہو گئے ہیں، یہ نہیں جانتے کہ اکثر انبیاء کسی نہ کسی پیشہ کی طرف منسوب ہیں، اس لئے پیشہ کی توہین کرنا ایک قسم کا کفر ہے، لوگوں نے کہا ہے کہ جو لوگ توکل کے آخری درجہ تک پہنچے ہیں، اگر وہ پیشے میں مشغول رہیں تو ان کے لئے جائز بلکہ لازم ہے۔" (ج۲ص۲۴۳)

جود وایثار

کسب روزی کے ساتھ ضروری ہے کہ سالک میں سخاوت، جود اور ایثار ہو، وہ اپنے مال میں سے تھوڑا سا کسی کو دیدیتا ہو، اور تھوڑا سا رکھ لیتا ہو تو وہ سخی ہے، لیکن اگر کچھ بھی نہ رکھتا ہو تو وہ جواد ہے، اور سب کچھ دیکر اپنے اوپر تکلیف اٹھاتا ہو، تو وہ صاحب ایثار ہے (ج۲ص۲۴۷)

حضرت اشرف جہانگیرؒ نے ایک سالک کو معاشری حیثیت سے بھی اعلیٰ قسم کے اوصاف سے متصف ہونے کی تلقین کی ہے، مثلاً کھانے پینے کے آداب یہ بتائے ہیں:۔

کھانے پینے کے آداب

(۱) زندہ رہنے کے لئے کھانا فرض ہے، خداوند تعالیٰ کی عبادت اور کسب معاش کے لئے کھانا سنت ہے، سیر ہو کر کھانا مباح ہے لیکن سیری سے زیادہ کھانا حرام ہے (ج۲ص۱۸۶)

ایک سالک کیلئے کھانے میں چار چیزیں فرض ہیں (۱) جو چیزیں کھاتا ہو وہ حلال ہو، (۲) کھاتے وقت یہ خیال رکھتا ہو کہ وہ چیز خداوندی تعالیٰ کی طرف سے ہے (۳) راضی برضا ہو کر کھاتا ہو، (۴) کھانا عبادت وطاعت کے لئے کھاتا ہو۔

اسی طرح اس کے لئے چار چیزیں سنت ہیں (۱) کھانا شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ کہے (۲) کھانا ختم کرنے کے بعد الحمد للہ کہے (۳) کھانے سے پہلے اور اس کے بعد ہاتھ دھوئے، (۴) کھانے کے وقت دایاں پاؤں اٹھادے اور بایاں پاؤں گرادے۔

کھاتے وقت کھانا اس کے سامنے ہو، لقمہ چھوٹا ہو، اس کو خوب چباتا ہو، دوسروں کے لقمے نہ دیکھتا ہو، کوئی ٹکڑا گر جاتا ہو تو اس کو اٹھا کر کھالیتا ہو، انگلیاں چاٹ کر صاف رکھتا ہو، کھانا سونگھ کر نہ کھاتا ہو، (ج۲ص۱۸۷)

مہمان داری

سالک پر مہمانداری کے فرائض یہ ہیں:۔

وہ مہمان کو اپنے لئے باعثِ برکت سمجھے، وہ آئے تو ماحضر یا شربت حاضر کرے، کھانے کے وقت جو موجود ہو مہمان کے سامنے رکھ دے، اس کی خاطر داری میں اپنے اوپر تکلیف نہ اٹھائے۔

"قصد تکلیف نہ کند کہ موجب دشمنی می شود"

اگر قدرت ہو تو حسب طاقت تکلیف اٹھائے، اور اعزہ واقرباء کو بھی بلائے، لیکن ان کو بلانے میں

امیر وغریب کا امتیاز نہ کرے، مہمان سے یہ نہ پوچھے کہ کھانا لایا جائے، بلکہ خود کھانا لے آئے، کھانے کا آغاز مہمان ہی کرے، کھانے میں مہمان کو جلدی کرنے کی فرمائش نہ کرے، مہمان کے سامنے پر بچوں پر غصہ کا اظہار نہ کرے، مہمان کو وضو اور استنجا کرنے کی جگہ دکھلا دے۔ (ج۲ص ۱۹۶۔۱۹۴)

مہمان کو لازم ہے کہ وہ میزبان کے گھر پہنچ کر نفل روزہ نہ رکھے، دائیں بائیں نہ دیکھے، ہر چیز کو دیکھتا نہ رہے، اس سے دناءت کا اظہار ہوتا ہے، اور میزبان یہ سمجھتا ہے کہ وہ ان چیزوں کا طلب گار ہے، (ج۲ص ۱۹۵)

حضرت سیّد محمد گیسو درازؒ

اسم گرامی اور القاب اسم گرامی سیّد محمد، کنیت ابوالفتح، القاب صدرالدین ولی الاکبر الصادق ہیں، عام طور پر خواب بندہ نواز اور خواجہ گیسو دراز کہلاتے ہیں، خواجہ گیسو دراز کے لقب کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ ایک بار اپنے مرشد حضرت شیخ نصیرالدین چراغ دہلی کی پالکی اور مریدوں کے ساتھ اٹھائی، ان کے بال بڑے بڑے تھے، پالکی کے پایہ میں الجھ گئے، پالکی کو کندھے پر لے کر دور نکل گئے، بال کے الجھ جانے سے تکلیف ہوتی رہی، لیکن مرشد کے عشق و محبت میں خاموش رہے، اور غایتِ تعظیم میں بال کو پالی کے پایہ سے نہ نکال سکے، جب حضرت شیخ نصیرالدینؒ کو اس کی خبر ہوئی تو اپنے مرید کی اس محبت اور عقیدت سے بہت خوش ہوئے اور اسی وقت یہ شعر پڑھا،

ہر کہ مرید سیّد گیسو دراز شد
واللہ خلاف نیست کہ او عشق باز شد

اسی کے بعد سے گیسو دراز مشہور ہوئے[1]۔

نسب نامہ خاندانی شجرہ یہ ہے: ولی الاکبر الصادق ابوالفتح محمد بن یوسف بن علی بن محمد بن یوسف بن حسن بن محمد بن علی بن حمزہ بن داؤد بن زید بن ابوالحسن الجنیدی بن حسین بن ابی عبداللہ بن محمد بن عمر بن یحییٰ بن حسین بن زید المظلوم بن علی اصغر زین العابدین بن امام حسینؓ ابن سیّدنا علی بن ابی طالب[2]۔

خاندان حضرت گیسو درازؒ کے مورث اعلیٰ ہرات سے دہلی آئے تھے، یہیں ۷۲۱ھ میں ان کی ولادت باسعادت ہوئی، ان کے والد بزرگوار سیّد یوسف حسینی عرف سیّد رعا کو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ سے ارادت تھی، اپنے ملفوظات جوامع الکلم میں خود فرماتے ہیں،

''پدرمن زیاران خدمت شیخ نظام الدین بود۔'' (ص ۳۸)

ان کے نانا بھی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے مرید تھے[3]۔

قیام دیوگیر جب حضرت گیسو دراز کی عمر چار سال کی تھی تو ان کے والد بزرگوار سلطان محمد تغلق کے

---

[1] اخبار الاخیار ۱۲۳ و خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۳۸۱، [2] سیر محمدی مصنفہ مولانا شاہ محمد علی سامانی مرید حضرت سیّد گیسو دراز مطبوعہ یونانی دواخانہ پریس سبزی منڈی، الہ آباد، [3] ایضاً ص ۹

عہد میں دہلی سے دیوگیر منتقل ہوگئے، اس زمانہ میں دولت آباد کے صوبہ دار حضرت گیسو درازؒ کے ماموں ملک الامراء سید ابراہیم مستوفی تھے، یہاں ایک بزرگ شیخ بابور ہا کرتے تھے، جن کی صحبت میں حضرت گیسو درازؒ کے والد ماجد برابر شریک رہتے، والد بزرگوار کے ساتھ حضرت گیسو دراز بھی ان کی خدمت میں تشریف لے جاتے، یہ بڑی شفقت سے پیش آتے، چنانچہ انھوں نے بچپن ہی میں ان کے لئے اچھے کلمات استعمال کئے[1]۔

طفلی آٹھ ہی سال کی عمر میں حضرت گیسو درازؒ سے دینی شغف کا اظہار ہونے لگا، وضو اور نماز میں خاص اہتمام کرتے، چھوٹے بچے ان کی خدمت میں جمع رہتے، اور بہت ہی تعظیم و تکریم کے ساتھ ان کے سامنے اٹھتے بیٹھتے، اور وضو کے لئے پانی کا گھڑا بھر کر ان کے لئے رکھتے، حضرت گیسو درازؒ اس کم عمری میں بھی مشائخ کی طرح ان کو تبرک عنایت کرتے[2]۔

جب دس سال کے ہوئے تو ان کے والد ماجد کا انتقال ۷۳۱ھ میں دولت آباد میں ہوگیا، اور یہیں سپرد خاک ہوئے، آج بھی ان کے مزار پر زائرین کا ہجوم رہتا ہے۔

ابتدائی تعلیم ابتدائی تعلیم اپنے نانا سے پائی، اور پھر دوسرے استاد سے مصباح اور قدوری پڑھیں[3]، نانا اور والد ماجد کی صحبت میں حضرت نظام الدین اولیاء اور حضرت نصیر الدین چراغ دہلی کا نام برابر سنتے تھے، چنانچہ ایام طفلی ہی میں خواجگانِ چشت سے عقیدت پیدا ہوگئی، اور حضرت چراغ دہلی کے دیدار اور ملاقات کے مشتاق ہوئے۔

مراجعت دہلی جب حضرت گیسو درازؒ کے والد ماجد کا انتقال ہوا تو کچھ دنوں کے بعد ان کی والدہ کو اپنے بھائی ملک الامراء سیّد ابراہیم مستوفی سے رنجش پیدا ہوگئی، اور وہ دل برداشتہ ہو کر دولت آباد کی سکونت چھوڑ دی اور بچوں کے ساتھ ۷۳۶ھ میں دہلی چلی آئیں، اس وقت حضرت گیسو دراز کی عمر پندرہ سال کی تھی۔

بیعت دہلی پہنچنے کے بعد حضرت گیسو درازؒ جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لئے سلطان قطب الدین کی جامع مسجد میں گئے، وہاں حضرت چراغ دہلی کو دور سے دیکھا، تو ان کے چہرۂ مبارک کے جمال و انوار سے مسحور ہوگئے، اور ۱۶/رجب ۷۳۶ھ کو اپنے بڑے بھائی سید چندن کے ساتھ حضرت چراغ دہلی کے دست مبارک پر بیعت کی۔

تربیت بیعت کے بعد حضرت گیسو دراز کی خواہش ہوئی، کہ مرشد کی جلد جلد قدم بوسی کریں، لیکن بعض مجبوریوں کی وجہ سے یہ آرزو پوری نہیں ہوتی، پھر بھی مرشد ان سے بڑی شفقت سے پیش آتے، ایک مرتبہ مرشد نے ان سے فرمایا تم جب بھی میرے پاس آتے ہو تو بے وقت آتے ہو، میں اس

---

[1] ایضاً ص ۹، [2] ایضاً، [3] تحفۂ احمدی ص ۱۰-۹

وقت ملول رہا کرتا ہوں، میرا جی چاہتا ہے کہ میں تم سے کچھ بات چیت کیا کروں، حضرت گیسو دراز اس شفقت کو اپنے لئے بڑی دولت تصور کرتے رہے[1]۔

مرشد کی ہدایت کے مطابق عبادت و ریاضت میں تدریجی ترقی کی، اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں:۔

''ایک بار اشراق کے بعد پابوسی کے لئے حاضر ہوا (حضرت خواجہ نے) فرمایا صبح کی نماز کے لئے جو وضو کرتے ہو، کیا وہ آفتاب کے طلوع ہونے کے بعد تک باقی رہتا ہے، میں نے عرض کی جی ہاں، آپ کے صدقہ میں باقی رہتا ہے، فرمایا اچھا ہو جو اسی وضو سے دوگانہ اشراق بھی پڑھ لیا کرو، میں نے کھڑے ہو کر عرض کی، آپ کے صدقہ میں پڑھوں گا، پھر فرمایا اسی کے ساتھ شکر النہار اور استخارہ بھی پڑھ لیا کرو، جب چند روز اس کی پابندی کر چکا، تو ایک روز فرمایا دوگانہ اشراق پڑھتے ہو، میں نے عرض کیا بلا ناغہ پڑھتا ہوں، ارشاد فرمایا اگر اس میں چاشت کی بھی چار رکعت ملا دیا کرو تو نماز چاشت بھی ہو جایا کرے گی، میں نہیں کہتا کہ اور کسی وقت پڑھو، بلکہ بعد اشراق اسی وقت چاشت پڑھ لیا کرو تو چاشت بھی ہو جایا کرے گی۔

میں ہمیشہ رجب میں روزے رکھا کرتا تھا، ایک بار پوچھا کیا تم رجب میں روزے رکھا کرتے ہو، میں نے عرض کیا جی ہاں، پھر پوچھا شعبان میں بھی، میں نے کہا شعبان میں ۹ روزے رکھتا ہوں، فرمایا گر اکیس دن اور رکھ لیا کرو تو پورے تین مہینے کے روزے ہو جایا کریں گے، میں نے گذارش کی، آپ کے صدقہ میں رکھوں گا، میں نے اپنی والدہ سے کہا. وہ اس وقت تک حضرت شیخ سے بیعت نہیں ہوئی تھیں، مجھ پر برہم ہوئیں، کچھ سخت وسست بھی کہا، میں نے ان سے عرض کیا، آپ جو چاہیں کہیں لیکن شیخ نے جو کچھ فرمایا ہے، اس پر عمل کرنے سے باز نہیں آؤں گا۔

میں رمضان کے بعد شش عید کے چھ روزے بھی رکھا کرتا تھا، ان ہی ایام میں ایک دن قدمبوسی کے لئے حاضر ہوا، ارشاد فرمایا ہمارے خواجگان صوم داؤدی نہیں رکھا کرتے بلکہ صوم دوام رکھتے تھے، تم بھی صوم دوام رکھا کرو۔'' (جوامع الکلم ص ۳۹۔۳۸)

باطن کو آراستہ کرنے کے علاوہ علومِ ظاہری کی تعلیم کا بھی سلسلہ جاری رکھا، کچھ کتابیں مولانا سیّد شرف الدین کیتھلی، کچھ مولانا تاج الدین بہادر اور کچھ مولانا قاضی عبد المقتدر سے پڑھیں۔

---

[1] جوامع الکلم، ملفوظات حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز مرتبہ سیّد حسین المعروف سیّد محمد اکبر حسینی، مطبوعہ انتظامی پریس عثمان گنج ص ۳۸

ریاضت ذکر و فکر میں زیادہ لذت ملنے لگی تو گھر چھوڑ کر حظیرۂ شیر خاں جہاں پناہ کے ایک حجرہ میں آ کر مراقبہ کرنے لگے، اور یہاں دس برس تک ریاضت کی، یہیں سے مولانا قاضی عبدالمقتدر سے تعلیم حاصل کرنے جاتے اور وہاں سے مرشد کی پابوسی کے لئے پہنچتے، علوم باطن کے حاصل کرنے میں علوم ظاہر کی تحصیل سے دل برگشتہ رہنے لگا، اس لئے مرشد سے عرض کیا کہ اگر حکم ہو تو علم ظاہر کی تعلیم اب چھوڑ دوں، اور علمِ باطن کی تعلیم حاصل کرنے میں مشغول رہوں، لیکن مرشد نے فرمایا، ہدایہ، بزودی، رسالہ شمسیہ، کشاف اور مصباح خوب غور سے پڑھ لو، تم سے ایک کام لینا ہے[1]، مرشد کے حکم کے مطابق تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا، اور انیس سال کی عمر میں تمام علوم کی تحصیل سے فارغ ہوئے اور جب ان علوم سے فراغت ہوگئی تو ریاضتِ شاقہ کی طرف توجہ کی، پنجگانہ، دوگانہ، پانچدہ گانہ ادا فرماتے، اور طی کے روزے رکھتے۔

حضرت چراغ دہلیؒ اپنے مرید کی ریاضت سے بہت متاثر ہوئے، ایک موقع پر فرمایا کہ ستر برس کے بعد ایک لڑکے نے پھر مجھ میں شوریدگی پیدا کر دی ہے، اور پہلے زمانہ کے واقعات مجھے یاد دلا دیئے ہیں[2]، چنانچہ ان کی شفقت روز بروز بڑھتی گئی، ایک بار خود حظیرۂ شیر خاں تشریف لے گئے، اور اپنے محبوب مرید کو کچھ روپئے بھی نذرانے میں پیش کئے، جس کے بعد سے حضرت گیسو درازؒ کی بڑی شہرت ہوئی، اور با کمال صوفیہ کہا کرتے تھے کہ اس شخص کو جوانی میں "مقام پیران واصل و مقتدایانِ کامل" کا درجہ حاصل ہے[3]۔

ریاضت کا ذوق اتنا بڑھ گیا کہ انسانی آبادی چھوڑ کر جنگلوں میں جا کر مجاہدہ کرنے لگے[4]۔

خدمت مرشد عزلت و خمول کی ریاضت کے بعد مرشد کی خدمت میں آ کر عرصہ تک رہے، اس زمانہ میں ان کے معمولات یہ تھے، علی الصباح اٹھ کر مرشد کو وضو کراتے، پھر کو دوضو کر کے نماز صبح باجماعت ادا کرتے، اور جب تک مرشد اوراد وظائف میں مشغول رہتے طالبانِ حق کو سلوک کی تعلیم دیتے، اور جب مرشد کی مجلس منعقد ہوتی، تو اس میں شریک ہوتے، اور جب برخاست ہوتی اور مرشد حجرہ میں عبادت میں مشغول ہوتے تو خود بھی ایک گوشہ میں بیٹھ کر یاد حق میں مصروف رہتے، پھر چاشت کی نماز پڑھ کر تھوڑی دیر قیلولہ کرتے، اس کے بعد کلام پاک کی تلاوت فرماتے، ظہر کا وقت آتا تو پہلے خود وضو کرتے، پھر مرشد کو وضو کراتے، ظہر کی نماز کے بعد مرشد حجرہ میں تشریف لے جاتے تو خود بھی اپنے حجرہ میں آ کر اوراد و وظائف میں مشغول رہتے، یہاں تک کہ سہ پہر کا وقت ہو جاتا، مرشد کی مجلس پھر منعقد ہوتی، اس مجلس میں وضو کر کے شرکت کرتے، اور مرشد کے ساتھ عصر کی نماز

---

[1] سیر محمدی ص ۱۶، "تم سے ایک کام لینا ہے" سے مراد تصنیف وتالیف کا کام ہے، [2] سیر محمدی ص ۱۶، ۱۷، [3] سیر محمدی ص ۱۶، [4] ایضاً ۱۷،

پڑھ کر عشاء تک طالبانِ سلوک کو تعلیم دیتے، پھر بقدر سدرمق کھانا تناول فرما کر سو جاتے، اور نصف شب کو بیدار ہو کر پہلے خود وضو کرتے، پھر مرشد کو وضو کراتے، اور جب مرشد حجرہ میں داخل ہو کر حق کی یاد میں مشغول ہو جاتے تو خود بھی نماز تہجد ادا کر کے حجرہ کے باہر دروازہ سے پشت لگا کر ذکر و شغل میں مصروف ہو جاتے، اس وقت بھی پانی کا آفتابہ وغیرہ ساتھ رکھتے، کہ جب مرشد صبح کی نماز کیلئے حجرہ سے باہر آئیں تو اس وقت وضو کیلئے سامان تیار ملے[1]۔

شفقت مرشد پہلے ذکر آ چکا ہے کہ ایک بار مرشد کی پالکی اور مریدوں کے ساتھ اٹھائی تو ان کے گیسو پالکی کے پایہ میں الجھ گئے، لیکن تکلیف کے باوجود مرشد کے عشق و محبت میں خاموش رہے، اور غایتِ تعظیم میں بال پالکی کے پایہ سے نکالنا پسند نہ کیا، جب مرشد کو اس کی خبر ہوئی تو مرید کی اس محبت و عقیدت سے بہت خوش ہوئے، اور ایک شعر پڑھا، جس میں ان کو گیسو درازؒ کے خطاب سے مخاطب فرمایا تھا۔

مرشد کو بھی اپنے مرید سے ہمیشہ بڑی محبت رہی، چنانچہ جب وہ اپنی وفات سے ایک سال پہلے باسور بادی کے مرض میں مبتلا ہوئے تو غایت تکلیف میں حضرت گیسو درازؒ ہی سے اپنی صحت کے لئے دعا کرائی، اور ان ہی کی دعاؤں کی برکت سے شفا پائی[2]۔

حضرت گیسو درازؒ اپنی عمر کے ۳۷ ویں سال خلہ کے مرض میں مبتلا ہوئے اور خون تھوکنے لگے، اور اسی کے ساتھ ہچکیاں بھی آتی تھیں، مرشد نے ان کے لئے دوا، طبیب اور تیماردار بھیجے، اور روزانہ ایک آدمی ان کی خیریت دریافت کرنے کے لئے روانہ فرماتے، اور جب ان کو شفاء ہوئی تو ان سے مل کر بے حد خوش ہوئے، اور اپنا کمل عطا فرمایا، اس ملاقات کے بارہ میں سیر محمدی کے مؤلف رقمطراز ہیں:۔

> ''اپنا کمل اپنے سامنے سے اٹھا کر حضرت مخدوم رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمایا اور حضرت مخدوم کے ہاتھ مضبوط پکڑ کر ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی کسی کے لئے محنت و مشقت کرتا ہے تو کسی چیز کے واسطے کرتا ہے، اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم نے قبول کر لیا؟ حضرت مخدوم نے عرض کیا میں نے قبول کیا، پھر ارشاد فرمایا قبول کر لیا، حضرت مخدوم نے عرض کیا قبول کیا، اس کے بعد آپ نے دو وصیتیں ارشاد فرمائیں، ایک تو یہ کہ اپنے ظاہری اوراد ترک نہ کرنا، دوسرے یہ کہ میرے متعلقین کے ساتھ رعایت و مراعات کرنا۔'' (ص ۲۳)

سجادہ نشینی حضرت چراغ دہلی کا وصال ہوا تو ان کی میت کو حضرت سیّد گیسو درازؒ ہی نے غسل دیا، اور جس پلنگ پر غسل دیا تھا، اس کی ڈوریاں پلنگ سے جدا کر کے اپنی گردن میں ڈال لیں،

---

[1] جوامع الکلم نیز دیکھو سیر محمدی ص ۶۵۔۶۴۔ [2] سیر محمدی ص ۱۸۔

کہ یہ میرا خرقہ ہے[1]حضرت چراغ دہلیؒ کے سوانحِ حیات کے سلسلہ میں ذکر آ چکا ہے کہ انھوں نے کسی کو اپنا جانشین مقرر کرنا پسند نہیں فرمایا، لیکن سیر محمدی کے مؤلف کا بیان ہے کہ انھوں نے رحلت کے وقت حضرت سیّد گیسو درازؒ کو اپنی جانشینی کے لئے منتخب کیا (تفصیل کے لئے دیکھو سیر محمدی ص ۲۵۔۲۴) چنانچہ ان کی وفات کے بعد ان کے جانشین ہو کر سجادۂ ولایت پر جلوہ افروز ہوئے، سیر محمدی میں ہے:۔

> ''بعد زیارت سیوم بندگی شیخ رضی اللہ عنہ (یعنی حضرت چراغ دہلی) سجادۂ ولایت پر جلوہ افروز ہوئے، اور اپنا ہاتھ بیعت کے لئے بڑھا دیا، طالبانِ حق کو تلقین و ارشاد فرمانے لگے، جیسے کہ حضرت بندگی شیخ نصیر الدین محمود رضی اللہ عنہ تلقین و ارشاد فرمایا کرتے تھے......

زمانہ شیخوخت میں بہت سے علماء، صلحا، سلاطین، خواتین اور قسم قسم کی مخلوق آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتی تھی۔'' (ص ۲۶۔۲۵)

علماء اور حضرت گیسو درازؒ دہلی کے علماء میں جب مولانا حسین حضرت گیسو دراز کے حلقہ بیعت میں داخل ہوئے تو مولانا حسین کی بہن کے ایک داماد نے حضرت گیسو دراز سے اپنی بدعقیدگی کا اظہار کیا، اور مولانا حسین سے کہا کہ آپ سید محمد کے کیا مرید ہوئے انہوں نے جواب دیا تم نے سید محمد کو دیکھا ہی نہیں اگر دیکھتے تو معلوم ہوتا کہ وہ کیا چیز ہیں، دوسرے دن مولانا حسین بہن کے داماد کے ساتھ حضرت گیسو دراز کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ ایک تخت پر تشریف فرما تھے، سر پر عمامہ تھا اور ہاتھ میں سرخ چمڑے کا پنکھا لئے ہوئے تھا، مولانا حسین کے داماد کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر یہ صاحب نعمت ہوں گے تو پنکھا اور عمامہ مجھ کو عنایت فرمائیں گے حضرت گیسو درازؒ کو کشف ہو گیا کہ مولانا حسین کے داماد کے دل میں کیا خیال پیدا ہو رہا ہے اسی وقت ان کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا، مولانا سنو! بغداد میں ایک بازیگر تھا وہ مجمع میں ایک گدھے کو لا کر کھڑا کر دیتا، اور اس کی دونوں آنکھیں کپڑے سے باندھ دیتا، اور مجمع سے مخاطب ہو کر کہتا کہ تم میں سے کوئی کسی کی کوئی چیز چرائے تو میں اس کو پکڑ لوں گا، اس تماشہ میں ایک شخص کسی کی کوئی چیز چرا لیتا اور وہ بازیگر گدھے کی آنکھ کھول کر اس سے کہتا کہ فلاں کی چیز کوئی چرا لے گیا ہے تو اس کو پکڑ لا، گدھا سب کو سونگھتا پھرتا اور جب چور کے پاس پہنچتا تو چور کے کپڑے دانتوں سے پکڑ لیتا اور اس کو کھینچ کر بازی گر کے پاس لے آتا، اس قصہ کو بیان کر کے حضرت سیّد گیسو دراز نے فرمایا بڑی مشکل ہے، اگر کوئی اظہار کرامت کرے تو اس گدھے کے مانند ہے، اور اگر اظہار کرامت نہ کرے تو لوگ اسے بے نعمت کہیں، یہ کہہ کر مولانا حسین کے داماد کو پنکھا اور عمامہ دیا، اور فرمایا لیجئے اور لے جایئے، مولانا حسین کے داماد متحیر ہوئے اور اسی وقت بیعت میں داخل ہو کر

---

[1] سیر العارفین ص ۹۷

ذوق میں مشغول رہنے لگے۔[1]

دہلی کے مولانا نصیر الدین تو اپنے علم و تقویٰ میں بہت مشہور تھے، ان کے استاد مولانا معین الدین عمرانی تھے، حضرت سید محمد گیسو دراز کے بچپن سے درسی کتابیں پڑھتے تھے، کبھی وہ مولانا نصیر الدین تو عمرانی کے گھر پڑھنے چلے جاتے، اور کبھی مولانا خود خانقاہ میں آکر ان کو پڑھاتے، مولانا کو اپنی ابتدائی زندگی میں کسی سے عقیدت نہ تھی، لیکن آخر میں حضرت گیسو دراز سے بیعت کر لی، مولانا معین الدین عمرانی کو بیعت کی خبر ہوئی تو مولانا نصیر الدین تو کو بلا کر کہا تم تو خود عالم تھے، پھر سید محمد کے مرید کیوں ہوگئے، مولانا نصیر الدین نے عرض کیا، پہلے عالم تھا، اب حضرت مخدوم کے سامنے مسلمان ہوا ہوں۔[2]

ملک زادے بھی مذہبی اور روحانی استفادہ کے لئے برابر خدمت میں حاضر ہوتے رہتے، ایک بار ایک ملک زادہ آیا تو حضرت گیسو دراز کے ہاتھوں میں ان ہی کا لکھا ہوا ایک رسالہ تھا، ملک زادے نے اس کو مانگ کر دیکھا تو اس میں ایک جگہ لکھا ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارے ساتھ معیت ذاتی ہے ملک زادہ کو یہ بات کھٹکی وہ دہلی کے مولانا قاضی عبد المقتدر کے پاس گیا، اور ان سے عرض کیا کہ حضرت گیسو دراز نے لکھا ہے کہ مخلوق کیساتھ اللہ تعالیٰ کی معیت ذاتی ہے، حالانکہ کتابوں میں ہے کہ مخلوق کیساتھ اللہ تعالیٰ کی معیت علمی ہے، مولانا قاضی عبد المقتدر، ملک زادہ کو کوئی تشفی بخش جواب نہ دے سکے تو اس نے یہ بات سلطان فیروز شاہ تغلق کے کان تک پہنچائی، سلطان فیروز شاہ نے ملک عماد الملک کو بلایا، اور اس سے دریافت کرنے کو کہا کہ سید محمد جادۂ شریعت سے ہٹ تو نہیں گئے، عماد الملک نے عرض کیا کہ میں حضرت مخدوم کو جانتا ہوں، میرے دو بچے میاں جیون اور میاں شاہین ان سے مرید بھی ہیں، پھر بھی حکم ہو تو تحقیق کروں، سلطان نے کہا کہ علماء کو جمع کرو، اور مذکورۂ بالا مسئلہ کی تحقیق کراؤ، جمعہ کے روز عماد الملک پرانی دہلی کی اس مسجد میں علماء کے ساتھ گیا، جہاں حضرت گیسو دراز جمعہ کی نماز پڑھنے کے لئے تشریف لاتے، لیکن عماد الملک علماء کے ساتھ مسجد میں اُس وقت پہنچا جب حضرت گیسو دراز نماز پڑھ کر واپس جا چکے تھے، عماد الملک نے دہلی کے مشہور عالم مولانا سید علاء الدین کو حضرت گیسو درازؒ کی خانقاہ میں بھیجا کہ مسئلہ مذکور کے متعلق رد و قدح کرلیں، چنانچہ مولانا علاء الدین خانقاہ آئے، اور حضرت گیسو درازؒ سے بحث شروع کی کہ بعض اشخاص کہتے ہیں کہ آپ نے معیت سے معیت ذاتی مراد لی ہے، حضرت گیسو درازؒ نے فرمایا ہاں یہی مراد ہے، علماء نے معیت صفتی کہا ہے، صفت ذات سے علیحدہ نہیں ہے، اور نہ جدا ہو سکتی ہے، تو اللہ کی جو معیت از روے صفت ہوئی وہ از روے ذات بھی ہوئی، اس کے علاوہ یہ معیت صفتی اعتباری ہے، حقیقی نہیں، پس اعتبار ذات میں ہو یا صفات میں، اس میں کیا ہرج ہے، مولانا علاء

---

[1] سیر محمدی ص ۶۱ـ۶۰، [2] ایضاً ص ۶۲ـ۶۱

الدین کو اس جواب سے تشفی ہوگئی، اور ان کے ساتھی بھی اس دلیل کو رد نہ کر سکے[1]۔

فیروز تغلق اور حضرت گیسو دراز کی مجلس سماع سیر محمدی کے مؤلف کا بیان ہے کہ بعض لوگوں نے سلطان فیروز شاہ تغلق کو یہ بھی خبر پہنچائی کہ حضرت گیسو درازؒ کی مجلسِ سماع میں مریدین اپنا سر زمین پر رکھا کرتے ہیں، اور بڑا شور مچاتے ہیں، سلطان نے یہ سن کر حضرت گیسو درازؒ کو یہ کہلا بھیجا کہ اپنی مجلس سماع خلوت میں کیا کریں، اس کے بعد سے حضرت گیسو دراز اپنے حجرہ میں یہ مجلس منعقد کرانے لگے، بیچ میں ایک پردہ ڈال دیتے، پردہ کی دوسری طرف مریدین صف باندھ کر بیٹھتے، اور جب حضرت گیسو درازؒ پر وجد طاری ہوتا، تو خادم حجرے کا دروازہ بند کر دیتا[2]۔

سفر دکن دہلی میں تقریباً چوالیس سال کے قیام کے بعد تیمور کے حملے کے زمانے یعنی ۸۰۱ھ میں گلبرگہ منتقل ہو گئے، دہلی سے گلبرگہ آتے ہوئے راستہ میں بہادر پور، گوالیاں باندھیر، ایرچہ، چندیری، کھنبایت، برودہ، سلطان پور، دولت آباد، اور اکٹد میں قیام فرمایا، دوران سفر میں ہر جگہ لوگ جوق در جوق استقبال کے لئے آتے، بھاندیر، کھنبایت اور دولت آباد کے ضابطوں یعنی حاکموں نے بھی پیشوائی کی، جہاں ٹھہرتے وہاں خواص و عوام دونوں حلقۂ بیعت میں داخل ہوتے، اور حسب مراتب ان کو تلقین فرماتے، چندیری پہنچے تو وہاں کے مفتی کے صاحبزادے قاضی خواجگی نے بھی جو بڑے ذی علم بزرگ تھے، بیعت کی، بیعت کے بعد ذکر کی تلقین کی خواہش ظاہر کی، تو حضرت گیسو درازؒ نے فرمایا ذکر کی تلقین میں میری ایک خاص روش ہے، اور وہ یہ کہ طالب ذکر اپنے سر پر جنگل سے لکڑی لائے تو اس وقت میں ذکر کی تلقین کرتا ہوں، تم خود شیخ ہو، شیخ زادہ ہو، یہاں کے صدر ہو، جنگل سے لکڑی نہ لا سکو گے، جس شغل میں ہو اسی میں مشغول رہو۔

حضرت سید گیسو درازؒ اور فیروز شاہ بہمنی جب گلبرگہ کے قریب پہنچے تو سلطان فیروز نے اپنے خاندان، امراء اور دربار کے علماء و سادات اور شاہی لشکر کے ساتھ استقبال کیلئے آیا، اور ادب و احترام کے ساتھ گلبرگہ لایا، تاریخ فرشتہ (ج ۱ ص ۳۱۶) میں ہے:۔

> ''فیروز آباد میں سلطان (فیروز شاہ بہمنی) کو یہ خبر پہنچی کہ دہلی سے ایک سیّد عالی مقام عرش احترام میر سیّد محمد گیسو درازؒ دکن تشریف لائے ہیں، اور حسن آباد گلبرگہ کے قریب پہنچ چکے ہیں،
>
> چراغ ز شمع نبی تافتہ
> کہ خورشید مہ نور ازو یافتہ

---

[1] سیر محمدی ص ۶۴۔۶۲، [2] سیر محمدی ص ۶۶۔۶۱

سلطان فیروز شاہ ہمیشہ ایسے بزرگوں کا خواہاں رہتا تھا، اس خبر سے خوش ہوا اور فیروز آباد سے حسن آباد گلبرگہ آیا، اپنے امراء، ارکان دولت اور لڑکوں کو استقبال کے لئے بھیجا، اور بہت اعزاز و اکرام کے ساتھ آپ شہر میں تشریف لائے، فیروز شاہ حکیمانہ مزاج رکھتا تھا، اس لئے جب سیّد محمد گیسو دراز کو علم ظاہری خصوصاً معقولات سے خالی پایا تو آپ کی طرف توجہ نہیں کی۔"

فرشتہ کا یہ بیان بالکل صحیح نہیں، کہ حضرت سیّد گیسو دراز علوم ظاہری سے خالی تھے، کیونکہ ہم گذشتہ اوراق میں لکھ چکے ہیں کہ انھوں نے علم ظاہری میں بھی کمال حاصل کیا تھا، برہان مآثر میں جو سلاطین بہمنی کے متعلق مستند اور اہم معلومات فراہم کرتی ہے، ایسے صاف اور واضح بیانات ہیں جن سے فرشتہ کے بیان کی مطلق تصدیق نہیں ہوتی، ملاحظہ ہو،

"اسی سال حضرت سیّد محمد گیسو دراز مریدوں اور با کمال درویشوں کی ایک جماعت کے ساتھ دہلی سے دکن تشریف لائے، اور گلبرگہ کو بھی اپنے قدم مبارک سے سرفراز کیا (سلطان فیروز شاہ) کو بھی اس کی خبر پہنچی، اس کو سادات عظام اور مشائخ عالی مقام کی صحبت سے بڑی رغبت تھی، اور اہم معاملات میں اس گروہ کی رائے سے استفادہ کیا کرتا تھا، اسی اخلاص کی بناء پر وہ حضرت سید گیسو دراز کی تشریف آوری سے بہت خوش ہوا، اور فضلاء کی ایک جماعت کو ان کی خدمت میں بھیجا، تا کہ ان کے حالات معلوم کر کے ان کی حقیقت سے اس کو مطلع کریں، وہ جماعت سلطان کی ہدایت کے مطابق ان کی خدمت میں گئی، اور ان کو تمام علوم ظاہری و باطنی کشف و کرامات اور مقامات میں مرتبۂ کمال پر پایا، اور جو کچھ کہ دیکھا، سلطان کی خدمت میں آ کر عرض کیا اس کی وجہ سے سلطان کی عقیدت میں اور بھی اضافہ ہوا، اور اس کو ان کی صحبت کی بہت زیادہ خواہش پیدا ہوئی، اور تعظیم و تکریم میں کوئی بات اٹھا نہیں رکھی، چند آباد گاؤں ان کے آستانے کے خدام کے لئے عنایت کئے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ پہلی ہی ملاقات میں سلطان کو حضرت سیّد محمد گیسو دراز سے ایسے تعلقات پیدا ہو گئے کہ روز بروز بڑھتے گئے، یہاں تک کہ سلطان گردش زمانہ سے تخت سے معزول ہو گیا، اور ان کی عدم توجہ سے جو کچھ اس کو دیکھنا پڑا، اس کا ذکر آگے آئے گا[1]۔"

برہان معاصر کے مؤلف کا بیان ہے کہ حضرت سید گیسو دراز کو فیروز شاہ بہمنی سے "کلفت" ہوئی، اور ان کی نظر توجہ اس کی طرف سے ہٹ گئی، چنانچہ جب وہ حصار پانگل کی تسخیر کے لئے گیا تو اس کو شکست

---

[1] (ملخصاً) برہان مآثر مولفہ سیّد علی طباطبا، شائع کردہ مجلس مخطوطات فارسیہ حیدر آباد دکن ص ۴۴-۴۳۔

ہوئی، عام لوگوں کو خیال تھا کہ سلطان کو یہ شکست محض اس لئے ہوئی کہ حضرت سیّد گیسو درازؒ کی توجہ اس کی طرف نہیں رہی تھی، خود سلطان فیروز شاہ بہمنی کا بھی خیال تھا، برہان مآثر میں ہے:۔

"مردم ایں شکست را از اثر کلفت سلطان الاولیاء والمحققین زبدۂ آل طٰہٰ ویٰسین شہباز بلند پرواز سیّد محمد گیسو دراز دانستند و بسبب ایں شکست ضعف قوائے سلطان مضاعف گشتہ، بارہا بزبان الہام بیان می گذرایندن کہ موجب شکست لشکر تغیر خاطر آں فخر الاولاد، سیّد البشر بود[1]"

سیر محمدی میں حضرت سیّد گیسو درازؒ اور فیروز شاہ بہمنی کے تعلقات کی سلسلہ میں صرف اتنا ذکر ہے کہ جب حضرت گیسو درازؒ گلبرگہ کی طرف روانہ ہوئے تو سلطان فیروز شاہ نے لشکر کے ساتھ شہر سے باہر آ کر استقبال کیا، گلبرگہ پہنچ کر حضرت سیّد گیسو درازؒ نے اس کی درازیٔ عمر کے لئے دعا کی، حضرت سیّد گیسو درازؒ کے وصال اور اس کی موت میں صرف چند دن کا فرق تھا[2]۔

احمد شاہ بہمنی اور حضرت سیّد گیسو دراز سلطان فیروز شاہ بہمنی کا جانشین سلطان احمد شاہ حضرت سیّد گیسو دراز کا برابر معتقد رہا، اپنی تخت نشینی سے پہلے بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا، ان کے لئے ایک خانقاہ بھی بنوائی تھی، اور خانقاہ کے درویشوں پر طرح طرح کی نوازشیں کیا کرتا تھا، کہا جاتا ہے کہ حضرت سیّد گیسو درازؒ کی دعاؤں کی بدولت وہ تخت و تاج کا مالک ہوا تھا، اس لئے تخت پر بیٹھنے کے بعد حضرت سیّد گیسو درازؒ کا ادنیٰ غلام بن گیا، تاریخ فرشتہ میں ہے:۔

"سلطان احمد شاہ بہمنی سادات، علماء اور مشائخ کی تعظیم میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتا تھا، اس کے حق میں حضرت سیّد گیسو درازؒ کی جو کرامت ظاہر ہوئی اس کی بنا پر وہ ان کی بہت عزت کرتا تھا، عوام اپنے بادشاہ ہی کے دین کی تلقید کرتے ہیں، دکن کے لوگ ان کی طرف متوجہ ہوئے، اور تمام لوگ ان کے آستانے کا طواف کیا کرتے تھے، اور سلطان نے اپنے اسلاف کی روش کے خلاف شیخ محمد سراج کے خاندان سے ترک ارادت کیا، اور حضرت سیّد گیسو دراز کا مرید ہوا، اور حسن آباد گلبرگہ کی سرکار میں ان کے لئے چند گاؤں اور قصبے وقف کئے، اور ان کے قیام کے لئے ایک عالیشان عمارت شہر کے متصل بنوائی، اس وقت بھی جب کہ حسن آباد گلبرگہ کی حکومت خاندان بہمینہ سے عادل شاہی خاندان میں منتقل ہوگئی ہے، احمد شاہ کے وقف کردہ قصبات حضرت سیّد گیسو درازؒ کی اولاد کے تصرف میں ہیں۔" (ج ا ص ۳۱۹-۳۲۰)

---

[1] برہان مآثر ص ۴۷، [2] سیر محمدی ص ۳۴-۳۵۔

گو حضرت سید گیسو درازؒ کا وصال سلطان احمد شاہ بہمنی کی تخت نشینی کے پہلے ہی سال میں ہو گیا، لیکن تخت نشین ہونے سے پہلے تقریباً اکیس بائیس برس تک وہ ان کی صحبت میں رہ چکا تھا۔

حضرت سیّد گیسو درازؒ کو شریعت کی پابندی کا بڑا خیال تھا، سیر محمدی کے مؤلف کا بیان ہے کہ اگر کبھی بمقتضائے بشریت آپ کے دل میں کسی نامشروع کام کرنے کا خطرہ پیدا ہوتا تو غیبی طاقت مانع ہو جاتی[1]، احمد شاہ بہمنی کو بھی حضرت سیّد گیسو درازؒ کی صحبت میں شریعت کی پابندی کا خیال پیدا ہو گیا تھا، چنانچہ اپنی بادشاہت کے زمانہ میں شریعت کی ترویج پر بڑا زور دیا، برہان مآثر میں ہے:۔

''ہمگی ہمت والا نہمت بر ترویج شرع سیّد المرسلین و اعلاء اعلام اسلام گماشتہ در لوازم احکام شرعیہ و اوامر و نواہی دین مبین مصطفویہ مبالغہ و احتیاط بے نہایت فرمودی و بمر اسم امر معروف و نہی منکر نبوی قیام و اقدام نمودی کہ در تمام ممالک دکن احدی ارتکاب منہیات بل تخیل آں نتوانستی نمود[2]۔''

مقبولیت

دکن کے خواص و عوام دونوں حضرت سیّد گیسو درازؒ کے فیوض و برکات کے سرچشمہ سے سیراب ہوتے رہے، اور ان کو اس دیار میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔

تاریخ فرشتہ میں ہے:۔

''دکن کے باشندے حضرت سیّد گیسو درازؒ کے بہت زیادہ معتقد تھے، اس حد تک کہ ایک شخص نے ایک دکنی سے پوچھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ افضل ہیں یا سید محمد گیسو درازؒ، اس نے جواب دیا کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اگرچہ پیغمبر خدا ہیں لیکن مخدوم سیّد محمد گیسو دراز چیز ہی اور ہیں، اس سے حضرت سیّد کی ذات سے اہل دکن کے حسن عقیدت اور اخلاص کا قیاس کیا جاتا ہے۔'' (ج ا ص ۳۲)

اگرچہ نقل کفر کفر نہ باشد، لیکن یہ اقتباس اس لئے دیا گیا ہے کہ اس سے حضرت سیّد گیسو درازؒ کی غیر معمولی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

مولانا عبدالحق اخبار الاخیار میں حضرت سیّد گیسو درازؒ کے ذکر کے سلسلہ میں رقمطراز ہیں:۔

''......بدیار دکن رفت، و قبولِ عظیم یافت، اہل ایں دیار ہمہ منقاد و مطیع او گشتند۔'' (ص ۱۲۳)

خزینۃ الاصفیاء میں ہے:۔

''......در دیار دکن تشریف برد، و قبولی عظیم یافت و اہل آں دیار از خورد و کبار ہمہ مطیع و منقاد وے گشتند، و ہزار در ہزار طلبائے صداقت شعار بتوجہ مہجہ آں سید نامدار بقرب

---

[1] سیر محمدی ص ۳۸-۳۷، [2] برہان مآثر ص ۷۳،

حق رسیدند، وسلسلہ عالیہ دے درمقام دکن رائج وشائع شد۔" (ج ا ص ۳۸۱)

مرأۃ الاسرار کے مؤلف لکھتے ہیں:۔

"......بدیار دکن تشریف برد ودر شہر کلبرگہ سکونت اختیار نمود و آنجا قبولیتے عظیم یافت، جمیع اہل آں دیار از خاص وعام مطیع ومنقاد او گشتند چنانکہ تا امروز سلاطین آنجا دختران خود بفرزندان میر سید محمد می دہند۔"

طریقۂ بیعت

حضرت گیسودرازؒ کے پاس جب کوئی مرید ہونے کے لئے آتا تو اس کے ہاتھ پر اپنا دستِ مبارک رکھ دیتے، اور فرماتے تم نے اس ضعیف، اس ضعیف کے خواجہ اور اس ضعیف کے خواجہ کے خواجہ اور اسی سلسلہ کے دوسرے مشائخ کے ساتھ عہد کیا کہ اپنی نگاہ اور اپنی زبان کی حفاظت کروگے، اور جادۂ شریعت پر قائم رہوگے، کیا تم نے یہ قبول کیا، مرید عرض کرتا جی ہاں میں نے قبول کیا، اس کے بعد ارشاد فرماتے الحمد للہ، پھر دست مبارک میں قینچی لیتے اور تکبیر کہتے ہوئے داہنی طرف سے کان کے قریب تھوڑے سے بال کاٹ لیتے، اسی طرح بائیں طرف کے چند بال کاٹتے پھر تکبیر کہتے ہوئے اس کو ایک ٹوپی پہناتے، اس کے بعد مرید کو دو رکعت نماز پڑھنے کے لئے کہتے، اور جب نماز پڑھنے کیلئے جاتا تو فرماتے اگر اس شخص نے صدق دل سے توبہ کی ہوگی تو اس کا نام توبہ کرنے والوں کی فہرست میں لکھا جائے گا، اور قیامت کے روز توبہ کرنے والوں کے ساتھ اس کو جزا ملے گی، اور جب مرید دو رکعت نماز پڑھ کر آتا تو اس کو پانچوں وقت کی نماز باجماعت ادا کرنے کی تلقین کرتے، پھر مختلف اوقات کے لئے نمازیں اور اوراد و وظائف بتاتے، ہر مہینہ، ایامِ بیض کے روزے رکھنے کے لئے بھی ہدایت کرتے، ان ہدایتوں کے دینے کے بعد فرماتے کہ جس طرح ایک سپاہی کے لئے کمان، تیغ، و سپر وغیرہ ضروری ہے، اسی طرح ایک صوفی کے لئے ان باتوں پر عمل کرنا ضروری ہے، ورنہ پھر اس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا ہے۔[1]

اگر کسی عورت کو مرید کرتے تو ایک بڑے پیالہ میں پانی لایا جاتا، اپنی شہادت کی انگلی پیالہ میں ڈالتے، عورت بھی انگشت شہادت پانی میں ڈالتی، اس کے بعد بیعت کرتے، وہ عورت پیالے کے پانی کو پی جاتی، پھر رومال یا دامن اس کے سر پر رکھ دیتے، اگر عورت پردہ والی ہوتی تو اس کے سامنے ایک چادر ڈال دی جاتی، پانی کا پیالہ درمیان میں رکھتے، یا اس کے کسی محرم کو وکیل بناتے، وہ بیعت کرا دیتا۔

لڑکے اور مریض کو مرید نہیں کرتے۔

استفتاح اور عرفہ کے دن تمام مرید حاضر ہوتے، ان سے تجدید بیعت کرتے اور پہلی بیعت سے زیادہ عبادت و ریاضت کرنے کے لئے حکم دیتے، اور زندگی بسر کرنے کے طریقے بتاتے۔[2]

---

[1] جوامع الکلم ص ۳۷۔۳۶، [2] سیر محمدی ص ۷۷۔۷۲۔

معمولات گلبرگہ شریف کے قیام کے زمانہ میں حضرت سید گیسو درازؒ کے معمولات حسب ذیل تھے:۔

پانچوں وقت کی نماز با جماعت کے ساتھ ادا فرماتے، کسی وقت تنہا یا ایک آدمی کے ساتھ نماز ادا نہیں فرمائی، آخر عمر میں جب کھڑے ہونے کی قوت باقی نہیں رہ گئی تھی تو فرض، سنت اور نفل بیٹھے بیٹھے ادا فرماتے، ہر روز ان اوراد کو پڑھتے، جو حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی پڑھا کرتے، مریدوں کو بھی ان کی مداومت کرنے کو ارشاد فرماتے، فجر کی نماز کی بعد ۳۳ آیتیں اور چہل اسم پڑھا کرتے، آخر عمر میں ان کو اپنے ایک صاحبزادے سے بآواز بلند پڑھوا کر سنتے، اشراق کی نماز کے بعد اپنے صاحبزادوں کے ساتھ کھانا تناول فرماتے، جوانی میں ہمیشہ روزے رکھتے تھے، لیکن آخر عمر میں صرف ایام بیض کے روزوں پر اکتفا کر لیا تھا، چاشت کی نماز کے بعد درس دیا کرتے، درس زیادہ تر تفسیر، حدیث، اور سلوک کا ہوتا، کبھی کبھی علم کلام اور علم فقہ بھی پڑھاتے، درس میں علماء اور شاہی حکام کے لڑکے بھی شریک ہوتے، دوپہر کو قیلولہ کرتے اور فرماتے جو صوفی قیلولہ نہیں کرتا ہے، وہ رات کو اٹھنے کی نیت نہیں رکھتا ہے، ساری رات چاہتا ہے کہ پڑا سویا رہے، اگر کوئی کتاب یا رسالہ تصنیف فرماتے تو زوال کے بعد کسی سے لکھواتے، ظہر کی نماز کے بعد تلاوت کلام پاک کرتے، تلاوت کے ساتھ مراقبہ بھی کرتے جاتے، آخر عمر میں جب خود تلاوت نہیں کر سکتے تھے، تو مولانا بہاء الدین امام سے پڑھوا کر سنتے، تلاوت کے بعد پھر درس ہوتا، عصر کی نماز کے بعد بلا ناغہ دعائے استفتاح پڑھتے، نماز مغرب کے بعد اوابین کی نماز ادا فرماتے، مغرب اور عشاء کے درمیان سالکوں کو خاص خاص تعلیم دیتے، پھر عشاء کی نماز پڑھ کر مریدوں اور صوفیوں کے ساتھ کھانے میں شریک ہوتے، داہنے طرف رشتہ دار اور بائیں طرف دوسرے لوگ بیٹھتے، اور شرکائے دستر خوان کے سامنے روٹیاں اور سالن ہوتے، لیکن خود آش کے ایک پیالہ پر اکتفا فرماتے، اس میں سے تھوڑا نوش فرما کر جس پر کچھ نظر عنایت ہوتی اس کو مرحمت کر دیتے، کھانے کے بعد مریدوں سے تھوڑی دیر گفتگو کرتے، اس کے بعد آرام کرتے، پھر تہجد کے لئے اٹھتے، تہجد کے بعد ذکر و مراقبہ کرتے، اور فرماتے کہ ذکر و مراقبہ سے بہت سی چیزیں معلوم ہوتی ہیں، بعض لوگ برسوں روزہ، نماز اور تلاوتِ میں گذار دیتے ہیں، لیکن پر بھی ان کو کوئی راہ نہیں ملتی، اور یہ اس لئے کہ وہ ذکر اور مراقبہ نہیں کرتے، تہجد ہی کے وقت بانی مرشد کے خاص خاص اوراد و وظائف کی بھی مداومت کرتے تھے۔

جمعہ کے دن غسل فرماتے، اور بلا ناغہ جمعہ کی نماز کے لئے جامع مسجد تشریف لے جاتے، مسجد میں پہنچ کر تین سلام کے ساتھ چھ رکعتیں نماز ادا کرتے، اور پھر بیٹھ کر مراقبہ فرماتے۔

ہمیشہ نہالچہ پر بیٹھا کرتے تھے، کسی کے لئے تعظیماً کھڑے نہ ہوتے، لیکن بادشاہ یعنی سلطان فیروز بہمنی آتا تو کھڑے ہو جاتے، اور اس کو مخاطب کر کے فرماتے تم اولی الامر ہو، اس لئے تمہارے واسطے

کھڑا ہو جاتا ہوں، جب بادشاہ آنا چاہتا تو ایک دن پہلے کہلا دیا کرتا، جواب جاتا کہ فلاں دن آؤ، اس کے آنے سے پہلے زیادہ کھانا پکانے کا حکم دیتے، اور جب دسترخوان بچھا دیا جاتا تو دسترخوان پر اور لوگ بھی شریک ہوتے بادشاہ کھانا کھاتا، اور کچھ تبرک بھی ساتھ لے جاتا، اس موقع پر دسترخوان پر ہر شخص کے سامنے چار روٹیاں رکھی جاتیں تھیں، ایک گہری رکابی میں سالن ہوتا، دو دو آدمی ساتھ کھاتے، ہر شخص کے سامنے آش کا بھی ایک ایک پیالہ ہوتا، کھانے کے درمیان پانی نہیں دیا جاتا جب لوگ کھا کر فارغ ہو جاتے تو ہر شخص اپنا بچا ہوا حصہ اور آش کا پیالہ اٹھا کر ساتھ لیجاتا[1]۔

سماع خواجگان چشت کی طرح سماع سے غیر معمولی شغف رکھتے تھے، فرماتے:۔

"فتح کار من بیشتر در تلاوت و سماع بود۔"

راہ سلوک کے ابتدائی زمانے میں ایک بار اپنے خاص خاص یارانِ طریقت کے ساتھ ایک ایسی مجلس کرائی جس میں ہر قسم کے مزامیر تھے، تین دن تک یہ مجلس جاری رہی، گو مکان کا دروازہ بند رہتا تھا لیکن اس کے اردگرد لوگ جمع رہتے تھے، مجلس کے بعد اپنے مرشد حضرت چراغ دہلیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو انھوں نے فرمایا سیّد محمد اس طرح کا سماع نہ سنا کرو، حضرت سیّد گیسو درازؒ کا بیان ہے کہ:۔

"من از آں وقت باز مزامیر نہ نشنیدم۔"

"مجلس سماع میں عود بہت جلایا جاتا تھا اگر رات ہوتی تو بکثرت روشنی کی جاتی دوران سماع میں وجد کی حالت میں کوئی گر پڑتا، تو مجلس روک دی جاتی، اکثر فارسی کی غزلیں گائی جاتیں، فرماتے ہندی کی چیزیں نرم، لوچ دار اور دل کو رقیق کرنے والی ضروری ہوتیں ہیں، اور اس کا راگ بھی نرم ہوتا ہے، اور عاجزی وانکساری کی طرف مائل کرتا ہے، عام طور سے صوفیہ ہندی راگ ہی کو پسند کرتے ہیں، لیکن سرود کے ہنر اور موسیقار کے جذبات کا اظہار فارسی ہی میں بہتر طریقہ پر ہوتا ہے، اس میں کچھ اور ہی ذوق اور لذت ملتی ہے[2]۔

سماع کے وقت مریدوں کو غیر معمولی کیفیت کے اظہار سے منع فرماتے، لیکن خود بعض اوقات بے حد مضطرب اور بے چین ہو جاتے، اور غایتِ اضطراب میں رقص کرنے لگتے[3]۔

ازدواجی زندگی چالیس سال کی عمر میں سیّد احمد بن مولانا جمال الدین مغربی کی صاحبزادی بی بی لوطنا خاتون حبالہء عقد میں آئیں، ان کے بطن سے دو صاحبزادے حضرت سیّد حسین عرف سیّد محمد اکبر حسینی اور حضرت سیّد یوسف عرف سید محمد اصغر حسینی اور تین صاحبزادیاں تھیں، دونوں صاحبزادے جید عالم تھے، معقولات ومنقولات کی تعلیم دہلی کے اساتذہ قاضی عبدالمقتدر، مولانا خواجگی نحوی، مولانا محمد بغرا اور مولانا نصیر الدین قاسم سے پائی، سیّد حضرت گیسو درازؒ اپنے بڑے

---

[1] سیر محمدی ص ۷۷۔ ۶۴، [2] سیر محمدی ص ۷۱۔ ۷۰، [3] جوامع الکلم ص ۱۰۹،

صاحبزادے کے ظاہر وروحانی کمالات سے متاثر تھے، چنانچہ فرماتے، اگر محمد اکبر میرا لڑکا نہ ہوتا تو میں اس کے لئے لوٹے میں پانی بھر کر لاتا۔

حضرت سیّد محمد اکبر نے بہت سی کتابیں عربی اور فارسی زبان میں لکھیں، مثلاً (۱) معارف، علوم نحو پر عربی زبان میں ایک رسالہ ہے (۲) شرح ملتفظ، اس میں اپنے والد بزرگوار کی تفسیر کلام پاک کی شرح لکھی ہے، (۳) عقیدہ (بزبان فارسی) (۴) اباحت سماع (۵) رسالہ اباحت پوشیدن کفش در مسجد (فارسی) (۶) مقامات صوفیان (عربی) (۷) تصریف مالکی (۸) شرح سوانح (۹) رسالہ مسئلہ فارسی زبان (۱۰) رسالہ علم صرف، اپنے والد بزرگوار کے ملفوظات کے دو مجموعے بھی مرتب کئے، جن میں جوامع الکلم زیادہ مقبول ومشہور ہوا، ۸۱۱ھ میں والد بزرگوار سے خلافت پائی، لیکن سات مہینے کے بعد ہی رحلت فرما گئے، حضرت سید گیسو دراز نے...... محبوب فرزند کی میت کو اپنے ہاتھوں سے غسل دیا، ان کا مزار ایک علیحدہ گنبد میں گلبرگہ شریف میں ہے۔

حضرت سیّد گیسو دراز نے اپنے دوسرے صاحبزادے سیّد یوسف کو بھی خلافت دی تھی، اور وہ اپنے والد کے جانشین ہو کر سجادۂ ارشاد پر متمکن ہوئے اور بعد وفات اپنے والد بزرگوار کے مزار شریف کے پائیں میں دفن ہوئے[1]۔

وصال گلبرگہ شریف میں بائیس سال تک رشد وہدایت کا سلسلہ جاری رکھا، جب عمر شریف ایک سو چار سال کی ہوئی تو فیوض و برکات کا یہ سرچشمہ بند ہو گیا، وصال ۱۶/ ذیقعدہ ۸۲۵ھ میں اشراق وچاشت کے درمیان ہوا، وفات کے موقع پر ان کے خلیفہ حضرت شیخ ابوالفتح نے فرمایا:۔

ایں مصیبتِ دین است۔"

"مخدوم دین ودنیا" سے تاریخ وفات نکلتی ہے۔

ذکر آچکا ہے کہ سلطان فیروز بہمنی کے جانشین سلطان احمد شاہ بہمنی کو حضرت سیّد گیسو دراز سے بڑی عقیدت تھی، اس نے گلبرگہ شریف میں ان کے مزار مبارک پر نہایت عالیشان گنبد تعمیر کرایا، اور اس کو طلائی نقش ونگار سے آراستہ کیا، دیواروں پر طلائی حروف میں کلام پاک کی آیتیں بھی لکھوائیں۔

رتبہء بلند صوفیہء کرام میں قطب الاقطاب عالم، قامع بیخ کفر وبدعت، مقصود خاَ قت عالم[2]، معدنِ عشق، ہمدمِ وصال، کلید مخازنِ حضرت ذوالجلال، مست الستِ نغمات بے ساز، محبوب[3] حق وغیرہ کے القاب سے یاد کئے جاتے ہیں۔

حضرت سیّد گیسو دراز کے عظیم المرتبت بزرگ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے، کہ حضرت اشرف

---

[1] حضرت سیّد گیسو دراز کی اولاد کی مزید تفصیلات کے لئے دیکھو سیر محمدی ص ۱۳۰-۱۱۹، [2] سیر محمدی دیباچہ، [3] مراۃ الاسرار قلمی نسخہ دار المصنفین ذکر حضرت گیسو دراز۔

جہانگیر سمنانیؒ جیسے جلیل القدر بزرگ بھی ان کی خدمت میں روحانی استفادہ کے لئے تشریف لائے، وہ ان کی ملاقات کے سلسلہ میں فرماتے ہیں۔

''چوں بشرف ملازمت حضرت سیّد محمد گیسو دراز مشرف شدم آں مقدار حقائق و معارف کہ از خدمت دے بحصول پیوست اند، ہیچ مشائخ دیگر نبود، سبحان اللہ چہ جذبہ قوی داشتہ اند۔''

حضرت سیّد اشرف جہانگیرؒ اپنے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

''در سیر نخستیں کہ بجانب دیار دکن واقع شد ملازمت حضرت میر سیّد گیسو درازؒ کردیم، بغایت عالیشان یافتم، و تصنیفات بسیار از آنحضرت سر برزدہ و در آخر مصنفات حضرت میر است کہ در وحدت وجد مطلق ایماے نسبت صاحب نصوص کردہ اند ایں فقیر تغیر مزاج کردہ بانواع دلائل عقلی و نقلی نشانِ خاطر آنحضرت نمودہ، اما فرجہ نیاف کہ در تصنیف اصلاح کردہ آید[1]۔''

برہان مآثر کے مولف نے حضرت سیّد گیسو دراز کو قدوۃ ارباب حال سر دفتر اصحاب کمال ''طب سپہر سیادت و معرفت'' مرکز دائرۂ حقیقت و طریقت'' شاہباز بلند پرواز'' لکھا ہے، (ص ۴۳)

مولانا عبد الحق اخبار الاخیار میں حضرت سیّد گیسو درازؒ کے ذکر میں لکھتے ہیں:۔

''جامع است میان سیادت و علم و ولایت شانے رفیع و درجۂ منیع و کلام عالی وارد اورا درمیان مشائخ چشت مشربے خاص و در بیان اسرار حقیقت طریقے مخصوص است۔'' (ص ۱۲۳)

خزینۃ الاصفیاء کے مؤلف رقمطراز ہیں،

''از عظمای اوسیای حق ہیں و کبرائے مشائخ متقدمین و خلیفہ، راستین شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلیؒ است۔'' (ج ا ص ۳۸۱)

مرأۃ الاسرار میں ہے:۔

''مقبول عالم و عالمیان گشت دعالمے از حسن معاملت دے فیض من گردید، وصیت کمالاتش از شرق تا غرب فرا رسید۔''

تصنیف پہلے ذکر آچکا ہے کہ جب حضرت سید گیسو درازؒ علم باطن کی طرف مائل ہوئے تو علوم ظاہری کو چھوڑ دینے کا ارادہ کیا، لیکن ان کے مرشد حضرت چراغ دہلیؒ نے ان کو اس ارادہ سے باز رکھا، مرشد کی جوہر شناس نگاہوں نے یہ اندازہ کر لیا تھا کہ حضرت سید گیسو درازؒ اپنی تصنیف و

[1] بحوالہ مرأۃ الاسرار ذکر حضرت سیّد گیسو دراز۔

تالیف کے ذریعہ سے بھی منبعِ فیوض و برکات بن سکتے ہیں، چنانچہ حضرت سید گیسو درازؒ نے عربی اور فارسی میں چھوٹی بڑی کتابیں بکثرت لکھیں، سیر محمدی کے مولف نے حسب ذیل تصانیف کے نام لکھے ہیں:۔

١۔ ملتقط، یہ صوفیانہ رنگ میں کلام پاک کی تفسیر ہے۔

٢۔ تفسیر کلام پاک، یہ تفسیر کشاف کے طرز پر لکھنی شروع کی تھی، لیکن صرف پانچ پاروں تک ہی تحریر فرما سکے۔

٣۔ حواشی کشاف۔ تفسیر کشاف پر حواشی ہیں۔

٤۔ شرح مشارق۔ حدیث کی مشہور کتاب مشارق الانوار کی شرح ہے۔

٥۔ ترجمہء مشارق۔ یہ مشارق الانوار کا فارسی ترجمہ ہے۔

٦۔ معارف۔ یہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی مشہور کتاب عوارف المعارف کی شرح ہے، عربی میں لکھی گئی۔

٧۔ ترجمہء عوارف۔ یہ عوارف کی فارسی شرح ہے، لیکن ترجمہء عوارف کے نام سے مشہور ہے۔

٨۔ شرح تعرف۔ یہ شیخ ابوبکر محمد بن ابراہیم بخاری کی کتاب تعرف کی شرح ہے۔

٩۔ شرح آداب المریدینؒ (عربی) یہ حضرت شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردی کی مشہور و معروف تصنیف آداب المریدین کی عربی شرح ہے۔

١٠۔ شرح آداب المریدین (فارسی) آداب المریدین کی ایک فارسی شرح بھی لکھی تھی، جس کو مولوی سیّد حافظ عطا حسین نے اڈٹ کر کے حیدر آباد سے شائع کیا ہے۔

١١۔ شرح فصوص الحکم۔ یہ شیخ محی الدین بن عربی کی مشہور تصنیف کی شرح ہے۔

١٢۔ شرح تمہیدات عین القضاۃ ہمدانی، یہ حضرت ابوالمعانی عبداللہ المعروف بہ عین القضاۃ کی مشہور صوفیانہ تصنیف تمہیدات کی شرح ہے۔

١٣۔ ترجمہ رسالہء قشیریہ۔ یہ امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری کے رسالہ کا فارسی ترجمہ ہے۔

١٤۔ حظائر القدس۔ اس کو عشق نامہ بھی کہتے ہیں، اس کا ایک نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے کتب خانہ میں بھی ہے۔ (دیکھو فہرست مخطوطات فارسی مرتبہ ڈیلوایونیوص ٥٨٦)

١٥۔ رسالہ استقامۃ الشریعت بطریقہء الحقیقت۔ اس میں شریعت، طریقت اور حقیقت کی بحث ہے، اس کا ذکر انڈیا آفس کے فارسی مخطوطات کی فہرست میں بھی ہے، (دیکھو ص ١٠٢٧)

١٦۔ ترجمہ رسالہ شیخ محی الدین ابن عربی،

۱۷۔رسالہ سیر النبی ﷺ

۱۸۔شرح فقہ اکبر۔عربی وفارسی دونوں میں ہے۔

۱۹۔حواشی قوت القلوب۔ یہ حضرت طالب محمد بن ابی الحسن بن علی کی مشہور کتاب قوت القلوب پر حواشی ہیں۔

۲۰۔اسماء الاسرار۔اس کتاب کو جناب مولوی سیّد عطا حسین صاحب نے حیدر آباد سے شائع کیا ہے،اس کے متعلق خود حضرت سیّد گیسو درازؒ تحریر فرماتے ہیں۔

''میری کتاب اسماء الاسرار میں باطل کو آگے سے آنے کا موقع ہے نہ پیچھے سے، کوئی اس سے اختلاف نہیں کر سکتا، کیونکہ اس میں توحید کی تجرید اور تفرید کے افراد کے سوا کچھ نہیں۔''

مولانا عبدالحق اپنی کتاب اخبار الاخیار میں رقمطراز ہیں:۔

''یکے از تصنیفات مشہور میر سید گیسو درازؒ کتاب اسماء است کہ حقایق و معارف بزبان برمز و ایماء والفاظ واشارات بیان کردہ۔'' (ص ۱۲۷)

اس کی بارہ میں مولوی سیّد عطا حسین لکھتے ہیں کہ اس کتاب کے متعلق بعض بزرگوں کا خیال بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے کہ فن تصوف وسلوک ومعارف میں ہندوستان میں اس سے بہتر اور اعلیٰ تر کوئی کتاب تصنیف نہیں ہوئی، مبتدی، متوسط اور منتہی سب کے لئے مفید ہے، اس میں ذکر ہے، شغل ہے، مراقبہ ہے، مراتب سلوک کا بیان ہے، عشق ہے، توحید ہے، حقائق ہیں، معارف ہیں، غرض سب ہی کچھ ہے، (دیباچہ اسماء الاسرار ص ۲)

۲۱۔حدائق الانس۔اس میں معرفت کے کچھ اسرار بیان کئے گئے ہیں۔

حسب ذیل کتابوں کے موضوع ان کے نام سے ظاہر ہیں:۔

(۲۲) ضرب الامثال (۲۳) شرح قصیدۂ مانی (۲۴) شرح عقیدہ حافظیہ، (۲۵) عقیدۂ چند ورق (۲۶) رسالہ در بیان آداب سلوک (۲۷) رسالہ در بیان اشارت محبان (۲۸) رسالہ بیان ذکر (۲۹) رسالہ بیان رایت ربی فی احسن صورۃ (۳۰) رسالہ در بیان معرفت (۳۱) رسالہ در بیان بود وہست وباشد۔

سیر محمدی کے مؤلف نے ان خلافت ناموں کو بھی تصانیف میں شمار کیا ہے، جو حضرت سید گیسو درازؒ نے اپنے خلفاء کو لکھ کر دیئے تھے، ان تحریر ناموں کی تعداد چار ہے[1]۔

بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے فارسی مخطوطات میں حضرت گیسو درازؒ کے کچھ رسائل کے یہ بھی نام

---

[1] سیر محمدی باب پنجم،

ہیں :۔ رسالہ در تصوف، شرح بیت امیر خسرو دہلوی، رسالہ اذکار خانوادۂ چشتیہ، وجود العاشقین[1]۔

بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے مخطوطات میں حضرت سیّد گیسو درازؒ کی ایک تصنیف خاتمہ کا بھی ذکر ہے، یہ بظاہر تو شروع آداب المریدین کا تکملہ یا ضمیمہ ہے، لیکن اب خود ایک مستقل کتاب کی حیثیت رکھتی ہے، اس میں حضرت سیّد گیسو درازؒ نے اپنے زمانے کے حالات کے مطابق ایک سالک کے عبادات و معاملات کا لائحہ عمل پیش کیا ہے، جو آج بھی ذوق وشوق کے ساتھ پڑھی جا سکتی ہے، اس کو بھی حافظ سید عطا حسین صاحب نے بڑی محنت سے اڈٹ کر کے ایک پُر مغز مقدمہ کے ساتھ حیدر آباد سے شائع کیا ہے۔

مکتوبات حضرت سیّد گیسو درازؒ کے مکتوبات کا ایک مجموعہ بھی بنگال ایشیاٹک سوسائٹی میں ہے، جس میں ان کے ۶۱ مکتوبات ہیں، ان کے خلیفہ شیخ ابوالفتح علاء الدین نے اس کو مرتب کیا ہے۔

ملفوظات تذکروں میں حضرت سیّد گیسو درازؒ کے ملفوظات کے چار مجموعوں کا ذکر آتا ہے، سیر محمدی میں ہے کہ حضرت سیّد گیسو درازؒ کے بڑے صاحبزادے حضرت سیّد محمد اکبر نے دو مجموعے مرتب کئے تھے، ایک دہلی میں ایک سفرِ گجرات میں، اخبار الاخیار میں ہے :۔

> ''خدمت میر راز ملفوظات است مسمی بجوامع الکلم کہ بعضے از مریدان او کہ نیز محمد نام دارد جمع کردہ۔'' (ص ۱۳۳)

بنگال ایشیاٹک سوسائٹی (ص ۵۸۷) انڈیا آفس (۱۰۲۵) اور برٹش میوزیم (ص ۳۴۷) کے فارسی مخطوطات کی فہرستوں میں جوامع الکلم کے مرتب کا نام محمد اکبر حسینی بتایا گیا ہے، جو فہرست نگاروں کی رائے کی مطابق حضرت گیسو درازؒ کے مرید تھے، لیکن جوامع الکلم کا جو مطبوعہ ایڈیشن حیدر آباد سے شائع ہوا ہے، اس میں حافظ محمد حامد صدیقی صاحب نے مرتب کا نام حضرت گیسو درازؒ کے بڑے صاحبزادے سیّد حسین المعروف بہ سید محمد اکبر حسینی نے لکھا ہے، جوامع الکلم کے اس مطبوعہ اڈیشن کے مقدمہ میں ایک جگہ یہ لکھا ہے۔

> ''مؤلف آں جواہر ثمین و در خوش آب بندہ بندگان حضرت علیا محمد محمد اکبر حسینی۔'' (ص ۵)

بہر حال جوامع الکلم نے بڑی مقبولیت حاصل کی، اس کے متعلق خود حضرت سیّد گیسو درازؒ نے فرمایا :۔

> ''کار ایں ملفوظ بجائے است، از جہت تحقیق و تدقیق گویا کہ گفتار خود را خود می نویسم

---

[1] فہرست مخطوطات فارسی، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی ص ۸۵ ۔ ۵۸۴، وجود العاشقین کا ذکر انڈیا آفس کے فارسی مخطوطات کی فہرست میں بھی ہے، دیکھو ص ۱۰۲۶۔

وملفوظ خود را خود جمع کنم۔" (جامع الکلم ص ۶)

اس میں ۱۸ رجب ۸۰۲ھ سے ۲۳ ربیع الثانی ۸۰۳ھ تک کے ملفوظات ہیں۔

حافظ مولوی سید عطا حسین نے خاتمہ کے دیباچہ (ص ۱۸) میں لکھا ہے کہ حضرت سید گیسو درازؒ کے مرید قاضی علم الدین بہروچی نے بھی گلبرگہ میں ۸۱۱ھ کے بعد ملفوظات کا ایک مجموعہ مرتب کیا تھا۔

دیوان

کبھی کبھی بے ساختہ غزلیں اور رباعیاں بھی کہہ دیتے تھے، ان کی غزلوں اور رباعیوں کو ان کے پوتے سید یداللہ عرف سید قبول اللہ نے ایک دیوان کی شکل میں مرتب کیا تھا[1]۔

تعلیمات

حضرت سید گیسو درازؒ کی تصنیف اسماء الاسرار اور ان کے ملفوظات جوامع الکلم میں تصوف کے بعض دقائق اور غوامض پر مبسوط اور مفصل عالمانہ بحثیں ہیں، لیکن ان مباحث کا اجمالی ذکر خواجگان چشت اور دوسرے صوفیہ کرام کی تعلیمات کے سلسلہ میں ہو چکا ہے، اس لئے ان کے اعادہ کے بجائے حضرت سید گیسو درازؒ کی تصنیف خاتمہ سے ان ضوابط وقوانین کو پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جن کو حضرت سید گیسو درازؒ کے نزدیک سالکوں کی زندگی کا لائحہ عمل ہونا چاہئے، خاتمہ ۱۹۵ صفحوں پر مشتمل ہے، اور اس کی ہر سطر لائق مطالعہ ہے، لیکن ان اوراق میں ان سب کو نقل کرنے کی گنجائش نہیں ہے، اس لئے صرف اس کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

وضو

سالکوں کو ہمیشہ باوضو رہنا چاہئے، ہر فرض نماز کے لئے تازہ وضو کرنا بہتر ہے، وضو کے بعد تحیۃ الوضو ادا کریں، بے وضو نہ سوئیں، اگر رات کے وقت بیدار ہو جائیں تو وضو کرلیں، اور دوگانہ ادا کریں، وضو کرنے میں کسی سے بات چیت نہ کریں، اور اس کا خیال رکھیں کہ ان کا ہر عضو دوسرے سے علیحدہ بھی ہے، اور ملا بھی[2]۔

نماز فجر

صبح ہونے سے پہلے اگر رات کی تاریکی باقی ہے تو رات کی باقی ماندہ نفلوں کو پورا کرلیں، فجر کی نماز اوّل وقت ادا کریں، فجر، عشاء اور مغرب کی نمازوں میں قرأت لمبی نہ ہو، نماز میں حضورِ قلب مقدم ہے[3]، فجر کی سنت پڑھنے کے وقت سے اشراق کی نماز پڑھنے تک حتی الوسع کسی سے نہ بولیں[4]۔

اشراق

اشراق سے ہلکی سی نیند لے کر آرام کریں، تاکہ بیداری سب کی تکان دور ہو جائے، اور دوسرے وقت اوراد وظائف میں گرانی پیدا نہ ہو، اور مضمحل نہ رہیں، کچھ آرام کے بعد اشراق کی نماز ادا کریں۔

---

[1] حضرت سید گیسو درازؒ نے اپنی تعلیمات کو عام لوگوں کو سمجھانے کے لئے بعض رسالے دکھنی اردو میں بھی تصنیف کئے، ان میں سے ایک رسالہ معراج العاشقین کو بابائے اردو مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو نے ۱۳۴۳ھ میں اورنگ آباد سے شائع کیا تھا، [2] خاتمہ ص ۲،۳،۴، [3] ایضاً ص ۳، [4] خاتمہ ص ۱۳

چاشت اشراق کے بعد اور چاشت سے پہلے اوراد و ظائف میں مشغول رہیں، تلاوت کلام پاک بھی کریں، تلاوت کے بعد سلوک کی کتابیں پڑھیں، پھر چاشت کی نمازیں اس طرح ادا کریں کہ چار رکعتیں تو اشراق سے متصل پڑھی جائیں، چار چاشت پر وقت گذر جانے کے بعد اور چار چاشت کے زوال پر ادا کی جائیں[1]۔

قیلولہ زوال کے وقت قیلولہ کریں، تاکہ شب بیداری میں سہولت ہو[2]۔

نماز فی زوال زوال کے وقت دو رکعتیں ادا کر کے اوراد میں مشغول ہوں اس کے بعد تلاوت یا مراقبہ کریں، مراقبہ بہتر ہے[3]۔

ظہر، عصر، مغرب ان میں سے ہر نماز اوّل وقت ادا کریں، طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب کے بعد مخصوص وظائف پڑھیں[4] عصر کی نماز سے اوابین کے ادا کرنے تک کسی سے نہ بولنا بہتر ہے[5]۔

عشاء مغرب کی نماز کے بعد اور نمازوں کے پڑھنے سے اگر طبیعت میں کچھ گرانی محسوس ہو تو تھوڑی دیر آرام کرلیں، پھر عشاء کی نماز پڑھیں، بعض صوفیہ کے نزدیک عشاء کی نماز کے لئے آدھی رات مستحب وقت ہے، آرام کے بعد عشاء کی نماز پڑھنے میں نشاط پیدا ہوتا ہے، اور بقیہ تمام رات نفل پڑھنے، ذکر اور فکر کرنے پر ذوق حاصل ہوتا ہے[6]۔

معمولات شب رات کو تین حصوں میں تقسیم کریں، پہلے حصہ میں اوراد و وظائف میں مشغول رہیں، دوسرے حصہ میں سوئیں، تیسرے حصہ میں ذکر اور مراقبہ کریں[7]۔

بعض صوفیہ مغرب کے وقت صرف پانی سے روزہ کھول لیتے ہیں، پھر عشاء تک نوافل میں مشغول رہتے ہیں، عشاء کے بعد کچھ کھاتے ہیں پھر سو رہتے ہیں[8]۔

سالکوں کی نیند بھی ایک خاص قسم کی ہوتی ہے وہ سوئیں تو اپنے وجود سے باخبر رہیں اور سوتے وقت یہ سوچیں کہ نیند اللہ تعالیٰ سے متعلق ہے، اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہے، اور اللہ ہی کے لئے ہے اور اللہ ہی کی جانب سے ہے، جو نیند اللہ کو بھلا دے وہ قابل مذمت ہے بعض صوفیہ کو نیند میں ایسی باتیں معلوم ہوتی ہیں جن سے وہ بیداری میں مطلع نہیں ہوتے[9]۔

کم سونے کے لئے کھانے اور پینے میں تقلیل ضروری ہے[10]۔

رات کے آخری حصہ میں اُٹھ کر تہجد پڑھیں، تہجد کے بعد اوراد و وظائف اور تلاوت کلام پاک ذکر اور مراقبہ میں مشغول رہیں، لیکن ان سب میں مراقبہ عزیز ترین مشغلہ ہے[11]، اگر کوئی سالک شہرت

---

۱ خاتمہ ص ۶، ۲ ایضاً، ۳ ایضاً، ۴ ایضاً، ۵ ایضاً ص ۱۱۳، ۶ ایضاً ص ۸، ۷ خاتمہ ص ۵، ۸ ایضاً ص ۸، ۹ ایضاً، ۱۰ ایضاً ص ۱۴، ۱۱ ایضاً ص ۹-۸

کے ڈر سے عبادت وریاضت کوترک کرتا ہے تو وہ ریاکار اور منافق ہے[1]۔

اگر ایک سالک کمالات کے اعلیٰ درجہ پر پہنچ جائے تو بھی اپنے اوراد وظائف کے معمولات کو ترک نہ کرے[2]۔

روزے روزہ ارکان تصوف میں ہے، اس لئے صوفی کے لئے روزہ رکھنا ضروری ہے روزے سے نفس مغلوب رہتا ہے اور اس میں غرور اور عجب پیدا نہیں ہوتا، صوم دوام بہترین قسم کا روزہ ہے، حضرت داؤد علیہ السلام ایک روز کے وقفہ سے روزے رکھا کرتے تھے، کیونکہ صوم دوام ایک عادت بن جاتی ہے، جس سے پھر کوئی تکلیف نہیں رہتی ہے، بعض ہفتے میں تین روز یعنی دوشنبہ، پنجشنبہ اور جمعہ اور بعض صرف دو روز یعنی پنجشنبہ اور جمعہ، بعض مہینے کے شروع اور آخر میں بعض مہینے کی بیسویں تاریخ اور بعض سال میں تین مہینے، بعض شوال کے پہلے چھ روز اور بعض ایام بیض یعنی مہینے کی تیرہویں، چودھویں اور پندرہویں تاریخ میں روزے رکھتے ہیں[3]۔

طی کے روزے جب ایک طالب حقیقی پر عشق الٰہی کا غلبہ ہوتا ہے، تو وہ طی کے روزے رکھتا ہے، اس میں وہ افطار کے وقت پانی تو پی لیتا ہے، لیکن کبھی متواتر تین دن، کبھی دس دن، کبھی ایک مہینہ، کبھی چھ مہینے اور کبھی ایک سال تک کچھ نہیں کھاتا[4]۔

اعتکاف اعتکاف رمضان کے آخری عشرہ میں ہوتا ہے، لیکن صوفیہ کبھی چالیس دن، کبھی اسی (۸۰) دن اور کبھی ایک سوبیس دن اعتکاف میں بیٹھتے ہیں، چالیس دن کا اعتکاف شعبان کی آخری دسویں تاریخ اور پورے رمضان پر مشتمل ہوتا ہے، اس کو اربعین محمدی (ﷺ) کہتے ہیں، اسی دن کا اعتکاف رجب سے شروع کیا جاتا ہے، اس کو اربعین عیسیٰ علیہ السلام کہتے ہیں، اسی طرح ایک سو بیس دن کا اعتکاف اور بھی پہلے سے شروع ہوتا ہے، اعتکاف میں ذکر اور مراقبہ برابر کرتے رہنا چاہئے۔

آداب طعام سالکوں کے لئے تقلیل طعام ضروری ہے، اور جب وہ کھائیں تو ہر لقمہ کے ساتھ بسم اللہ کہیں، بلکہ سورہ فاتحہ پڑھیں[5]، جو چیز کھائیں وہ بالکل حلال ہو، اپنی روزی کو حلال ثابت کرنے کے لئے کوئی تاویل نہ کریں[6]، اگر کسی جگہ دعوت ہو اور اس میں وہ شرکت کریں، لیکن کھانے کا ارادہ نہ رکھتے ہوں، یا تھوڑا ہی کھانا چاہتے ہوں تو اس کو اپنے بیٹھنے کے انداز سے ظاہر نہ ہونے دیں، اس سے تکبر کا اظہار ہوتا ہے، کھانے کے وقت بائیں پاؤں پر بیٹھیں، اور دائیں پاؤں کو اٹھائے رکھیں، یہ مسنون طریقہ ہے، کھانا شروع ہو تو پہلے خود لقمہ نہ اٹھائیں، بڑے لقمے سے پرہیز کریں، لقمے کو تین انگلیوں سے اٹھائیں، اور جب تک دوسرے لوگ بھی کھانے سے فارغ نہ ہو جائیں، اپنے ہاتھ اور منہ کو حرکت دیتے رہیں، ہاتھ کی انگلیوں اور منہ کو کھانے کی چیزوں سے آلودہ نہ کریں، پہلے

---

[1] خاتمہ ص ۸، [2] ایضاً ص ۱۹، [3] خاتمہ ص ۱۵، [4] ایضاً ص ۱۳، [5] ایضاً ص ۹، [6] ایضاً ص ۵۶

روٹی اور گوشت کھائیں، اس کے ساتھ ترشی ملالیں، پھر میٹھی چیز کھائیں، آش ہو تو شروع یا آخر میں پئیں، روٹی کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے دستر خوان پر نہ چھوڑیں پوری کھائیں یا آدھی، زیادہ سیر ہو کر کھانے کے بجائے کچھ بھوک باقی رہے تو کھانا چھوڑ دیں، دعوت کے کھانے کی نہ زیادہ تعریف کریں اور نہ بُرائی بیان کریں، کھانے کے بعد مسلسل پانی نہ پئیں، لوگوں کے سامنے کھانے کے درمیان یا کھانے کے بعد ڈکار نہ لیں، مجلس میں خلال نہ کریں۔ (خاتمہ ص ۵۱۔۴۸)

میزبانوں کو اپنے مہمانوں کے سامنے زود ہضم کھانے پیش کرنے چاہئیں، لیکن مہمانوں کے سامنے جیسا بھی کھانا آئے، اس کو دیکھ کر خوش ہوں، اگر میزبان صاحبِ احتیاج ہو تو مہمان اس کی خدمت میں کچھ زرِ نقد پیش کریں۔ (خاتمہ ص ۵۶)

آدابِ سماع مجلس سماع کے لئے ایک علیحدہ مکان ہو، اربابِ دنیا، امراء کے لڑکے اور بچے اور عورتیں اس میں شریک نہ ہوں، اس میں سالکوں اور مریدوں کو غسل کر کے طاہر اور باوضو ہو کر اور سفید کپڑے پہن کر شریک ہونا چاہئے، اور وقار کے ساتھ بیٹھیں، اور مراقبہ میں رہیں، گانے والوں پر نظر نہ رکھیں اور نہ ان کی موسیقی پر دھیان دیں، اشعار کی ترکیب کو بھی خیال میں نہ لائیں، نہ ہر لمحہ واہ واہ کریں، اور نہ آہ آہ، گریہ طاری ہو تو ضبط کریں، زبان سے کچھ کہنا چاہیں تو اس سے پرہیز کریں، اضطراب میں پیاس معلوم ہو تو پانی نہ پئیں، حتیٰ الوسع اپنے اعضا میں جنبش پیدا نہ ہونے دیں۔

مزامیر کے متعلق فرمایا کہ فقہاء کے نزدیک یہ حرام ہیں، اس لئے ان سے سختی کے ساتھ احتراز کرنا چاہئے۔ (ص ۳۳)

سماع کو پیشہ نہیں بنانا چاہئے سماع کے بعد دل کو سماع کے مقصد کی طرف متوجہ کرنا ضروری ہے اس کے بعد بہت سے راز معلوم ہوتے ہیں[1] (خاتمہ ص ۴۸، ۲۰)

احترامِ شیخ ایک مرید جب اپنے پیر کی مجلس میں حاضر ہو تو اس کو اس طرح دیکھے جیسے کوئی اپنے محبوب کو دیکھتا ہو، پیر کے سامنے کسی قسم کی بے ادبی نہ کرے، پشت اس کی طرف نہ ہونے دے، اس کے روبرو کھڑا ہو تو نظریں اپنے پاؤں پر رکھے، بیٹھا ہو تو دائیں بائیں نہ دیکھے، زور سے نہ بولے اور نہ کسی کو زور سے پکارے، پان نہ کھائے ہاں اگر پیر کی طرف سے عطا ہو تو کھالے، اگر کھانا کھانے کا اتفاق ہو لقمہ چھوٹا اٹھائے اور کھاتے وقت ایک دانہ بھی نیچے نہ گرنے دے، اپنی انگلیوں کو کھانے سے آلودہ نہ کرے۔

ایک مرید دنیاوی کاموں میں اپنے پیر کو اپنی ہی طرح یا اپنے سے بھی کمتر سمجھے لیکن امورِ الٰہی میں اس کو پیغمبروں اور احمد خاتم رسل صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم مقام سمجھنا چاہئے۔

---

[1] حضرت سید گیسو دراز نے صوفیہ کرام کے خاص قسم کے رقص کی بھی کچھ تفصیل بتائی ہے۔

پیر کی مجلس کو مجلسِ حق تصور کرنا چاہئے، ایک مرید اپنے پیر کی بات کو شریعت کی میزان پر تولے، اگر اس کے مطابق ہوں تو ان پر عمل کرنا ضروری ہے، اور اگر کوئی بات بظاہر شرع کے خلاف ہو تو اس پر غور و تامل کرے، اور اگر اس میں کوئی خاص عذر یا راز معلوم ہو تو اس پر عمل کرے، کیونکہ پیر بعض ایسے حقائق سے واقف ہوتا ہے، جن سے ایک مرید بالکل ناواقف ہوتا ہے۔

ایک مرید پیر کے سامنے مراقبہ یا ذکر میں مشغول نہ ہو، لیکن کسی حال میں بھی پیر سے غافل نہ رہے، پیر سے غافل رہنا بڑی محرومی ہے، ایک مرید جہاں بھی ہو، اس کا دل پیر کے تصور سے خالی نہ ہو، پیر کا نام ہر وقت زبان پر ہو، اور رفتار، گفتار، وضع قطع میں اس کا اتباع ضروری ہے، اس کا ایک حکم بجا لانے سے مرید ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے، جہاں وہ سو سال کی عبادت سے نہیں پہنچ سکتا ہے، پیر جس کام کو حکم دے، مرید سمجھے کہ یہ حکم اللہ تعالیٰ کی اجازت سے صادر کیا گیا ہے۔

اگر کوئی شخص اپنی گفتگو میں اشارۃً و کنایۃً بھی کسی کے پیر کی اہانت کرتا ہو تو اس سے مرید اسی طرح دور رہے، جس طرح کہ ایک زاہد شیطان سے دور رہتا ہے۔

اگر پیر کی طرف سے کوئی لباس یا کپڑا ملے تو اس کو بڑے احترام سے رکھے، پیر کے بیٹھنے کی جگہ کا بھی پورا احترام کرے۔

پیر کی زندگی میں کوئی مرید کسی دوسرے پیر کی تلاش نہ کرے، اگر پیر مرید کو نامشروع کاموں کی دعوت دیتا ہو تو مرید ایسے پیر کو چھوڑ دے، لیکن اس طرح کہ پیر کو معلوم نہ ہو کہ اس نے بداعتقادی کی وجہ سے علیحدگی اختیار کی ہے[1]۔

احترام شریعت ایک مرید حقیقت و طریقت کو شریعت کا ضد نہ سمجھے، بلکہ ان میں سے ہر ایک کو دوسرے کا خلاصہ تصور کرے، جس طرح اخروٹ کا مغز اخروٹ کے چھلکے سے بظاہر مختلف معلوم ہوتا ہے، پھر بھی مغز کا جز چھلکے میں اس طرح ملا ہوتا ہے کہ اس سے بھی تیل نکالا جاتا ہے، اسی طرح حقیقت، طریقت اور شریعت تینوں ایک ہی ہیں[2]۔

تزکیۂ اخلاق جب تک ایک شخص تمام دنیاوی چیزوں سے فارغ نہ ہو جائے، راہ سلوک میں گامزن نہ ہو، (ص ۹۶) اور جب وہ کسی کا مرید ہو کر خلوت میں بیٹھے تو اپنے اور دوسروں کے تمام حقوق ادا کرے، اس کے پاس عورتیں اور بیویاں اور کنیزیں زیادہ نہ ہوں، اس میں مطلق ریا اور غصہ نہ ہو، دنیاداروں کی مجلسوں اور محفلوں سے دور رہے، وراثت میں جو مال اور دولت ملنے والی ہو، اس سے بھی باز آئے، اگر کوئی اس کا مال بھی لے لے تو اس کے لئے شور و غوغا نہ کرے،

---

[1] خاتمہ ص ۸۶ـ۵۷، اسی طرح پیر اور مرید کے تعلقات کے سلسلہ میں اور بھی ہدایات ہیں جن کو ہم اختصار کی خاطر لکھنے سے قاصر ہو رہے ہیں۔ [2] خاتمہ ص ۸۴،

(ص ۱۱۰) وہ کسی دوسرے کے خیر وشر سے واسطہ نہ رکھے، (ص ۱۰۳) اس کے دل میں جتنی ہوس ہو اس کو دور کر دے، اگر دور نہ ہو تو مجاہدہ و ریاضت کرتا ہے، (ص ۱۰۴) اس کو ہمیشہ اپنی موت کا منتظر رہنا چاہئے، (ص ۱۱۱) ایسی تفریح سے جو جائز بھی ہو پرہیز کرے (ص ۱۱۵) آج کا کام کل پر نہ اٹھا رکھے (ص ۱۱۶) کسی حال میں اپنے نام کی شہرت نہ دے (ص ۱۲۱) بازار صرف شدید ضرورت کے وقت جائے، (ص ۱۲۴) فقہا نے طہارت ولطافت کی جو باتیں بتائی ہیں، اُن پر عمل کرے، ان سے زیادہ پر عمل کرنا بے کار ہے (ص ۲۴) گرسنگی، تشنگی، اور شب بیداری کو دوست رکھے (ص ۱۲۶) غلاموں اور کنیزوں سے سختی سے پیش نہ آئے، (ص ۱۲۶) لوگوں کی آمد ورفت اپنے یہاں زیادہ نہ ہونے دے، (ص ۱۲۷) امیروں کی صحبت سے گریز کرے، (ص ۱۲۹) اگر کوئی دو وقت مسلسل اس کو کھانا لا کر دے تو تیسرے وقت اس کی صحبت سے احتراز کرے، کیونکہ فاقہ نفس کی شکستگی کے لئے ضروری ہے (۱۴۵) مصیبت کے وقت مضطر اور مضطرب نہ ہو، کسی حال میں نہ روئے، روئے بھی تو اس کے لئے کہ کہیں منزل مقصود تک پہنچنے سے پہلے اس کو موت نہ آ جائے (ص ۱۳۶) اپنی درازی عمر کے لئے خداوند تعالیٰ سے دُعا کرے، تاکہ راہ سلوک میں اس کو ترقی درجات حاصل ہو (ص ۱۳۶) سخت ضرورت کے وقت مثلاً مہمان کے آنے یا حقوق ادا کرنے یا صلہ رحمی کے لئے یا غایت گرسنگی کی حالت میں قرض لے سکتا ہے، لیکن قرض ادا کرنے کی کوشش میں لگا رہے، (۱۴۳) پند ونصائح کا فرض انجام نہ دے، کیونکہ یہ کام کاملوں کا ہے، سلوک پر کوئی کتاب لکھنے کی کوشش نہ کرے کیونکہ یہ کام عارفوں کا ہے، (۱۴۹۔۱۴۸) زیادہ تر خاموش رہے، (ص ۱۵۱)

شرکت جہاد ضرورت کے وقت ایک سالک جہاد میں بھی شرکت کر سکتا ہے، لیکن اس نیت سے شریک نہ ہو کہ اس کو درجہ شہادت ملے گا، اور زندہ رہ گیا تو ثواب ملے گا، یہ نیت مستحسن ضرور ہے، لیکن ایک سالک کی نیت اس سے ماورا ہونی چاہئے، وہ جہاد میں صرف خداوند تعالیٰ کی خاطر شریک ہو، وہ جہاد میں اپنی تلوار کو سیف اللہ اپنے کو سہم اللہ اور اپنے سنان کو سنان اللہ سمجھے (ص ۸۷۔۱۸۱)

شاہی ملازموں کا اخلاق اگر کوئی سالک بادشاہ کا ملازم ہے اور اس کو کوئی نامشروع کام کرنے کو کہا جائے تو ایسی ملازمت اس کے لئے حرام ہے، سالک اگر ملازمت میں رہے تو رعایا کے ساتھ معاملات میں اسی طرح پیش آئے جیسے وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ پیش آتا ہو، رات کو ذکر وفکر میں مشغول رہے لیکن دن کو مسلمانوں کی فلاح و بہبود کا کوئی کام نہ چھوڑے، اپنی ملازمت کو اس لئے برقرار رکھے کہ اس کے ذریعہ مسلمانوں خصوصاً کمزوروں اور عاجزوں کو نجات دلا سکے گا، مال و دولت کی ہوس نہ کرے، نامشروع کپڑے مثلاً ریشمی قبا ریشمی موبند اور کلاہ زر نہ پہنے، اگر بادشاہ نامشروع کپڑے عطا کرے، تو اس کے سامنے پہن لے، پھر باہر آ کر اتار دے، اگر تیسرے روز

بادشاہ کے سامنے ایسے کپڑے پہن کر جانے کی رسم ہو تو پہن لے، لیکن فقہا کے نزدیک یہ بھی مرجوح ہے (ص ۱۸۷۔۸۹)

بادشاہ کا اخلاق اگر کوئی بادشاہ راہ سلوک میں گامزن ہو تو وہ سلطان ابراہیم ادہم معاویہ ثانی اور عبداللہ (ابن زبیرؓ) بن سکتا ہے لیکن اگر وہ بادشاہی کے لئے موزوں ہو تو پھر اسی فرض کو انجام دے، سلوک کی طرف مائل نہ ہو، اور حکومت میں ایسے متدین اور صالح لوگوں کو عہدہ دار مقرر کرے، جو شرعی احکام کو نافذ کرا سکیں وراس کو باخبر رکھیں کہ احکام شرعی پر عمل ہو رہا ہے، اگر زکوۃ دینے میں حیلہ کرتا ہو تو چند تازیانے بھی لگائے، وہ اس پر نظر رکھے، کہ اس کی سلطنت میں کوئی شراب یا دوسری نشہ آور چیزیں نہ پی سکے، اگر کوئی پیتا ہو تو اس کو اسی کوڑے لگائے فقیروں کمزوروں، یتیموں اور عاجزوں، لنگڑوں، گونگوں اور بیواؤں کی پوری خبر گیری کرے، ان کو برباد ہونے سے بچالینے سے زیادہ کوئی مشکل کام نہیں۔

بادشاہ اگر راہ سلوک میں گامزن ہے تو اپنے نفس اور جسم کو اعلائے کلمۃ الدین کے لئے وقف کر دے اور دل کو خداوند تعالیٰ کے جلال و عظمت اور قہر کے تصور میں مشغول رکھے وہ اپنے کو جتنا ہی زیادہ ذلیل سمجھے گا اتنا ہی زیادہ خداوند تعالیٰ سے قریب تر رہے گا[1]۔

خلفاء حضرت گیسو درازؒ کے بعض خلفاء کے اسمائے گرامی یہ ہیں، مولانا علاء الدین گوالیری (ابتدا میں سلطان محمد تغلق کو پڑھایا کرتے تھے، گوالیر میں فتوی نویس کے عہدہ پر مامور تھے، آخر میں کالپی چلے آئے تھے اور یہیں رحلت فرمائی، شیخ صدر الدین خوند میر (ان کے والد بزرگوار اور دادا ایرچہ کے شیخ الاسلام تھے) قاضی الحق (چھترہ کے مفتی تھے) قاضی محمد سلیمان، قاضی علیم الدین بن شرف (مزار پاک پٹن میں ہے) حضرت سیّد محمد اکبر (حضرت سیّد گیسو درازؒ کے بڑے صاحبزادے) حضرت ابوالمعالی بن سید احمد (حضرت سیّد گیسو درازؒ کے سالے اور خادم تھے، مزار گلبرگہ شریف میں ہے) خواجہ احمد دبیر (سلطان فیروز بہمنی کے دبیر تھے) مولانا ابوالفتح بن مولانا علاء الدین گوالیری (خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۳۹۷ میں ہے کہ صاحب تصنیف تھے، ان کی کتابوں کے نام یہ ہیں:۔ عوارف المعارف، تکمہ درنحو ومشاہدہ در تصف) مزار کالپی میں ہے،) حضرت سیّد یوسف (حضرت سیّد گیسو درازؒ کے صاحبزادے تھے) حضرت سیّد ید اللہ (حضرت سیّد گیسو درازؒ کے پوتے تھے) قاضی راجا (گلبرگہ کے صدر جہاں تھے) شیخ زادہ شہاب الدین، مولانا بہاء الدین دہلوی (حضرت سیّد گیسو درازؒ کی نمازوں کی امامت کرتے تھے) ملک زادہ عز الدین اور ملک شہاب الدین[2]۔

---

[1] خاتمہ ص ۱۹۰۔۱۸۷، [2] ان خلفاء کے حالات کی تفصیل کے لئے دیکھو سیر محمدی باب ساتواں،

حضرت شیخ احمد عبدالحق صاحب نوشہ ردولویؒ

نام ونسب احمد نام، عبدالحق لقب، والد کا نام عمر تھا، ان کا سلسلہ نسب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے ان کے دادا شیخ داؤد سلطان علاء الدین خلجی (۶۹۶ھ-۷۱۶ھ) کے عہد میں بلخ سے ہندوستان آئے ابتدا میں کچھ دنوں دلی میں ان کا قیام رہا۔

ردولی میں سکونت اس زمانہ میں اسلامی ملکوں سے جو نامور خاندان اور ممتاز شخصیتیں ہندوستان آتی تھیں ان کے ذریعہ معاش کے لئے سلاطین کی طرف سے جاگیریں ملتی تھیں اور یہ جاگیریں دیہاتوں میں ہوتی تھی اس لئے وہ قصبات اور دیہات میں سکونت اختیار کرتے تھے چنانچہ آج تک باہر کے آئے ہوئے بیشتر خاندان قصبات ہی میں آباد تھے، جنھوں نے شہروں میں سکونت اختیار کر لی ہے وہ بھی درحقیقت قصبات ہی کے ہیں، سلطان علاء الدین نے شیخ داؤد کو ردولی میں جاگیر دی تھی اس لئے انھوں نے وہیں سکونت اختیار کی[1]۔

شیخ داؤد شیخ داؤد حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ[2] دہلی کے مرید اور خلیفہ تھے، انہی سے سلوک و معرفت کی تعلیم حاصل کی تھی لیکن اس کو ہمیشہ مخفی رکھا ان کی وفات ردولی میں ہوئی ان کے ایک صاحبزادے عمر تھے یہ بھی بڑے صاحب کمال اور زیور صلاح وتقویٰ سے آراستہ تھے۔ ان کی وفات بھی ردولی میں ہوئی ان کے دو صاحبزادے تھے شیخ تقی الدین اور شیخ احمد تقی الدین نے ردولی کی سکونت ترک کر کے دلی میں قیام اختیار فرمایا تھا اور شیخ احمد ردولی میں رہے[3]۔

بچپن اور تعلیم حضرت شیخ احمد عبدالحق کے دادا اور والد دونوں شیخ وقت تھے اس وراثت کا اثر ان میں بچپن ہی سے نمایاں تھا چنانچہ جب ان کی عمر سات برس کی تھی اُن کی والدہ محترمہ تہجد کے لئے اٹھیں تو شیخ احمد بھی چپکے سے اٹھ کر کہ ماں کو خبر نہ ہونے پائے گھر کے کسی گوشہ میں نماز میں مشغول ہو جاتے والدہ نماز ختم کرنے کے بعد جب شیخ احمد کو خوابگاہ میں نہ پاتیں اور تلاش کرتیں تو وہ کسی حجرہ میں نماز میں مشغول ملتے والدہ ہرچند منع کرتیں اور فرماتیں کہ تمہارے باپ اور دادا بھی شیخ تھے لیکن تمہارے جیسے نہیں تم پر تو ابھی فرض نمازیں بھی فرض نہیں ہیں نفل کے لئے اپنی جان کیوں کھپاتے ہو

---

[1] مراۃ الاسرار شیخ عبدالرحمٰن چشتی نسخہ قلمی نسخہ دارالمصنفین، [2] آپ کا وطن اجودھیا یا اس کے نواح میں تھا، اس لئے آپ کو اودھی بھی کہتے ہیں، [3] مراۃ الاسرار قلمی وضمیمہ انوار العیون فی اسرار المکنون حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی ص ۹۰۔

لیکن وہ باز نہ آتے ایک دن ماں کی سرزنش سے تنگ آکر فرمایا یہ ماں نہیں بلکہ راہزن ہے اپنا کام تو کرتی ہے اور مجھ کو خدا کے کام سے روکتی ہے[1]، کچھ دنوں کے بعد والدۂ محترمہ نے شیخ احمد کو تعلیم کے لئے ان کے بڑے بھائی شیخ تقی الدین کے پاس دہلی بھیج دیا لیکن بچپن ہی سے اُن پر جذب کی کیفیت طاری تھی اور ان کو دوسرے ہی علم کی طلب تھی، اس لئے تحصیل علم کی طرف طبیعت راغب نہ ہوئی تھی، شیخ تقی الدین جب ان کو پڑھانے کی کوشش کرتے تو کہتے کہ مجھ کو باری تعالیٰ کا علم پڑھاؤ، آخر میں تنگ آ کر شیخ تقی الدین دلی کے بعض اساتذہ کے پاس لے گئے اور فرمایا یہ لڑکا مجھ کو بہت پریشان کرتا ہے پڑھانے سے نہیں پڑھتا آپ لوگ پڑھانے کی کوشش کیجئے شاید آپ ہی لوگوں سے پڑھے ان اساتذہ نے میزان لصرف پڑھانا شروع کی جب ''ضرب یضرب'' کی گردان تک پہونچے اور ضرب کے معنی بتائے کہ س نے مارا یا ایک مرد نے مارا، تو شیخ احمد بولے خدا کی راہ میں مارا جانا تو بڑا اعزاز ہے انتقام کے لئے نہیں ہے مجھ کو اس علم کی ضرورت نہیں مجھے ایسا علم سکھایئے جس سے خدا کی معرفت حاصل ہو اس کے سوا دوسرا علم پڑھنا میں پسند نہیں کرتا یہ رنگ دیکھ کر اُنھوں نے شیخ تقی الدین سے کہا بابا اس بچہ کے خیال میں نہ پڑو، یہ تو حضرت اللہ سے تلمذ حاصل کر چکا ہے۔

ایک دوسری روایت یہ ہے کہ دلی آنے کے بعد شیخ احمد اپنی بھاوج شیخ تقی الدین کی بیوی سے رابر شکایت کرتے کہ بھائی صاحب مجھ کو پڑھاتے نہیں آپ ان سے کہد یجئے شیخ تقی الدین کی بیوی نوہر سے کہتیں میاں احمد کو پڑھاتے کیوں نہیں وہ تمہارا چھوٹا بھائی ہے تم نہ پڑھاؤ گے تو کون پڑھائیگا شیخ تقی الدین کو شیخ احمد کا تجربہ ہو چکا تھا اس لئے جواب دیتے کہ میں کس کو پڑھاؤں وہ اپنے مولیٰ کی طلب میں مدہوش ہیں ان کو کسی چیز کی خبر ہی نہیں ہوتی میں تم کو اس کا مشاہدہ کرا ہی دیتا ہوں اور شیخ احمد کو بلا کر اپنی چاندی کی مہر رکھنے کے لئے دی انھوں نے اس کو صحن میں گاڑ دیا تھوڑی دیر کے بعد شیخ تقی الدین نے مہر مانگی شیخ احمد نے بھاوج سے کہا بھائی صاحب مجھ کو خواہ مخواہ پریشان کرتے ہیں انھوں نے مجھے مہر کب دی تھی شیخ تقی الدین نے فرمایا میں نے مہر دی تھی تم نے اس کو صحن میں گاڑ دیا ہے شیخ احمد نے کہا مجھ کو کچھ خبر نہیں اگر میں نے گاڑا ہے، تو آپ نکال لیجئے شیخ تقی الدین نے مہر کھود کر نکال دی اور یہ واقعہ مشاہدہ کرانے کے بعد بیوی سے کہا یہ بھلا مجھ سے پڑھ سکتے ہیں؟ یہ ایسے علم میں مستغرق ہیں کہ ان کو ہمارے علم کی پروا نہیں[2]۔

مگر اس سے قیاس کرنا صحیح نہیں ہے کہ شیخ احمد رسمی علوم سے بیگانہ تھے آگے چل کر معلوم ہوگا کہ وہ مروجہ علوم سے واقف تھے اور کلام مجید کی آیات اور عربی کے مقولے برمحل استعمال کرتے تھے ہندی اور فارسی کے اشعار پڑھتے تھے بعض اشعار میں احمد تخلص ہے اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ فارسی میں شعر بھی

---

[1] ترجمہ اردو انوار العیون فی اسرار المکنون ص ۸ مطبوعہ معارف اعظم گڈھ، [2] یہ دونوں روایتیں انوار العیون میں ہیں ص ۱۰۰۹،

کہتے تھے اس کی مثالیں آگے آئیں گی لیکن ان کا اصلی ذوق علم باطن کا تھا اور اس کا ان پر اس قدر غلبہ تھا کہ اس کے مقابلہ میں رسمی علوم کا نقش بالکل مدہم پڑ گیا تھا۔

شادی سے انکار

سن شعور کو پہنچے تو شیخ تقی الدین کو ان کی شادی کی فکر ہوئی اور ایک جگہ شادی کا پیام دیا شیخ احمد کو خبر ہوئی تو لڑکی والوں سے جا کر کہا میں نامرد ہوں میرے ساتھ شادی نہ کرنا اس لئے نسبت نہ ہو سکی[1] لیکن بعد میں یہ سنت نبوی ﷺ پوری کی اور متعدد اولادیں بھی ہوئیں جس کی تفصیل آئندہ آئیگی۔

پیر کی تلاش اور مخدوم جلال الدین کبیر الاولیاء کے آستانہ پر حاضری

شیخ احمد پر بچپن ہی سے سوز باطن اور معرفتِ حق کا غلبہ تھا اور اس کی تلاش میں سارے ملک کی خاک چھانتے پھرتے تھے مگر گوہر مقصود ہاتھ نہ آتا تھا، اس تلاش وجستجو نے حضرت مخدوم جلال الدین کبیر الاولیاءؒ کے آستانہ پر پانی پت پہنچا دیا وہ کشف باطنی سے شیخ احمد کے انتظار ہی میں تھے دیکھتے ہی زبان حال سے فرمایا ''آمد آں یارے کہ ما می خواستیم''۔ اور بڑی پذیرائی فرمائی اُسی وقت اپنی کلاہ اُتار کر شیخ احمد کے سر پر رکھ دی، اور فرمایا یہ خدا کے حکم سے ہوا ہے اور انتہائی لطف وکرم کا اظہار فرمایا خاص اہتمام سے کھانا تیار کرایا اور دستر خوان پر سیخ کے کباب کے ساتھ امتحاناً بعض ممنوعہ چیزیں بھی رکھوا دیں شیخ احمد نے ان کو دیکھتے ہی کھانے سے انکار کر دیا اور فرمایا یہ کیسا شیخ ہے جس کو جائز و ناجائز میں امتیاز نہیں اور اسی وقت کلاہ واپس کر کے پانی پت سے چل کھڑے ہوئے چلتے چلتے ایک جنگل میں پہنچے جس سے نکلنے کا راستہ نہ ملتا تھا اس کو دیکھنے کے لئے ایک درخت پر چڑھ گئے دور سے دو آدمی آتے ہوئے دکھائی دیئے وہ درخت سے نیچے اتر کر ان کی سمت چلے وہ خود ان کی طرف آ رہے تھے قریب پہنچ کر ان سے راستہ پوچھا انھوں نے جواب دیا راستہ تو تم نے شیخ جلال الدین کے آستانہ پر گم کر دیا شیخ احمد نے تین مرتبہ راستہ پوچھا تینوں مرتبہ یہی جواب ملا اس وقت ان کو یقین ہو گیا کہ دونوں آدمی منجانب اللہ رہنمائی کے لئے آئے ہیں، اور ان کا مقصود مخدوم جلال الدین کبیر الاولیاءؒ کے آستانہ ہی پر حاصل ہوگا اس لئے وہ پانی پت لوٹ گئے۔

حضرت مخدوم پہلے سے انتظار میں تھے شیخ احمد ان کو دیکھتے ہی ان کے قدموں پر گر پڑے انھوں نے سینہ سے لگا لیا اور اس مرتبہ پہلے سے بھی زیادہ تعظیم وتکریم اور لطف وکرم کا اظہار فرمایا ظاہر و باطن دونوں نعمتوں سے نوازا اور عبدالحق کے لقب سے ملقب کیا اور خادم کو حکم دیا کہ کھانے کی مختلف قسمیں تیار کی جائیں اور جو ممنوعہ چیزیں غذا کے طور پر استعمال کی جاتی ہے وہ بھی دستر خوان پر رکھی جائیں دستر خوان پر شیخ احمد کو اپنے سامنے بٹھایا پہلے کندوری لائی گئی پھر ایک ایک کر کے سب کھانے چنے گئے ان

---

[1] انوار العیون ص ۱۱۷

میں بعض ممنوعہ چیزیں بھی تھیں [1]، حضرت مخدوم نے فرمایا عبدالحق جس برتن کو حضرت احدیث سے جدا جانتے ہو اُس کو ہاتھ نہ لگاؤ یہ سن کر ان پر وحدتِ حق کی کیفیت طاری ہوگئی، اور بیخود ہو کر عالم تحیر میں پہنچ گئے اور زار زار رونے لگے اسی حالت میں کچھ دنوں تک پیر کی خانقاہ میں جوئے خون بہاتے رہے اور خدا کے سوا ہر چیز سے بیزار ہو گئے ایک دن مرشد نے ان کے پاس تنہائی میں آ کر انتہائی لطف و شفقت سے فرمایا عبدالحق ہوش میں آؤ کوئی چیز پسند کرو کسی خواہش کا اظہار کرو لیکن ان کے دل میں عشقِ الٰہی کی آگ ایسی سوزاں تھی کہ اس نے ماسوا کو جلا کر خاک کر دیا تھا ان کو دنیا کی کوئی چیز پسند نہ آتی تھی عرض کیا میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آتا کہ میں کیا کھاتا ہوں؟ کہاں سے کھاتا ہوں؟ کہاں جاؤں؟ کدھر کا رُخ کروں؟ کس چیز سے پرہیز کروں؟ پاک و ناپاک میں کیسے امتیاز کروں؟ مرشد نے زیادہ اصرار کیا تو عرض کیا اگر خود رو دسانویں کی روٹیاں مل جائیں تو غلام کھائے مرشد نے سانواں منگوایا اور اس کے چاولوں کی پاک و صاف روٹیاں پکوا کر کھلائیں اور فرمایا، تمہارا خدا پاک ہے اور پاک کو پاک ہی پہچانتا ہے اور پاک کو ناپاک چیزوں سے پاک رکھتا ہے تم قلب کی پاکیزگی کے ساتھ حضرت پاک کی طرف متوجہ اور اس پر متوکل رہو اس وقت تم پر یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی کہ دونوں جہاں میں ذاتِ پاکِ حق کے سوا کچھ نہیں ہے ان کلمات سے ان کی تسکین ہوگئی [2]۔

صاحب سیرۃ الاولیاء کے بیان میں بعض اور تفصیلات بھی ہیں وہ لکھتے ہیں کہ مخدوم جلال الدین کبیر الاولیاءؒ نے امتحاناً دسترخوان پر ممنوعہ چیزیں رکھنے کے ساتھ یہ بھی حکم دیا کہ خانقاہ کے دروازہ پر باز جرے اور زرّیں زین و لگام سے آراستہ گھوڑے بھی کھڑے کر دیئے جائیں شیخ احمد عبدالحقؒ جب پہنچے تو خانقاہ کے دروازے پر یہ رئیسانہ ٹھاٹھ دیکھے اندر گئے تو دسترخوان پر ممنوعہ چیزیں نظر آئیں اس کو دیکھ کر آپ کی طبیعت مکدر ہوگئی اور آپ الٹے پاؤں واپس گئے [3]۔

بیعت سلوک کی تربیت اور خلافت

اشارہ غیب سے دوبارہ پانی پت واپسی کے بعد مخدوم جلال الدین کبیر الاولیاءؒ نے اپنی چہار ترکی کلاہ اپنے سر سے اتار کر اپنے مرشد حضرت شیخ شمس الدین ترک کے مزار اقدس سے مس کر کے شیخ عبدالحق کے سر پر رکھ دی اور کھانے پر وہی باتیں ارشاد فرمائیں جن کا ذکر انوار العیون میں ہے اس سے شیخ احمد عبدالحق کے تمام وساوس دور ہو گئے ان کو پوری تسکین ہوگئی ان کا قلب انوار باطن سے متجلی ہو گیا اور اپنے کو بیچون و چرا مرشد کے حوالے کر دیا اور ان کی خانقاہ میں ریاضیات و مجاہدات میں مشغول ہو گئے اور ان کی تربیت میں مراحلِ سلوک کی تکمیل کے بعد مخدوم جلال الدین کبیر الاولیاء نے خلعت خلافت سے بھی سرفراز

---

[1] ممنوعہ چیزوں میں غالباً گائے کی اوجھڑی تھی، جس کا کھانا فقہاء نے مکروہ لکھا ہے، مخدوم صاحب کے عرس کے موقع پر آپ کا خاص تحفہ گائے کی اوجھڑی پر ہوتا ہے، اس سے قیاس ہوتا ہے کہ یہ ممنوعہ چیز گائے کی اوجھڑی رہی ہوگی، [2] پوری تفصیل انوار العیون سے ماخوذ ہے، ص ۱۲ تا ۱۵، [3] سیر الاقطاب ص ۱۱۶

فرمایا اور عبدالحق کے خطاب سے نوازا انؔ کے لئے بڑی دعائیں کیں اور فرمایا کہ میں نے خدائے عزوجل سے دعا کی ہے کہ میرا سلسلہ تم سے جاری ہو تم سارے عالم کو نور معرفت سے منور کرو اس کا اثر قیامت تک باقی رہے اور اس کا غلغلہ کبھی کم نہ ہو[1]۔

صاحب سیر الاقطاب کا بیان ہے کہ خلافت سے بیزاری کے بعد شیخ احمد اپنے وطن لوٹ گئے[2]، یہاں ایک بزرگ شیخ صلاح کا مزار تھا، جواب بھی ہے اس لئے صوفیہ کے اصول کے مطابق حضرت مخدومؒ نے ان کی روح سے ردولی میں قیام کی اجازت مانگی اور درخواست کی کہ اگر ایک مصلیٰ اور ایک سبو چہ مل جائے تو یہاں قیام کریں جواب ملا کہ کھنڈو کے تالاب (موجودہ تالاب منڈھا) سے مصلیٰ اور سبو چہ لے لو شیخ احمد نے تالاب میں ہاتھ ڈالا تو ایک سبو چہ اور ایک جھلنگا ملا یہ دونوں چیزیں لے کر اپنے آبائی مکان میں فروکش ہوئے[3]۔

سنام میں قیام

لیکن مرأۃ الاسرار کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافت عطا کرنے کے بعد حضرت جلال الدین کبیر الاولیاء نے حضرت مخدوم کو ان پیرانِ عظام کے طریقہ کے مطابق مزید مجاہدات کے لئے سنام جانے کا حکم دیا جس طرح حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے حضرت فرید الدین گنج شکرؒ کو ہانسی جانے کا حکم دیا اس لئے حضرت مخدوم پانی پت سے سنام تشریف لے گئے اور ہمہ تن ریاضات و مجاہدات میں مشغول ہو گئے[4]۔ سنام جانے کا ذکر انوار العیون میں بھی ہے لیکن اس کی تصریح نہیں ہے کہ مرشد کے حکم سے تشریف لے گئے تھے اور زمانہ کی تعیین بھی نہیں ہے۔

سنام میں ایک ولیہ بی بی فاطمہ کے گھر میں قیام فرمایا ان کے کئی لڑکے تھے یہ بی بی حضرت مخدوم سے اپنے لڑکوں کی طرح محبت کرتی تھی وہ بھی ان سے بہت مانوس تھے فرماتے تھے کہ فقیر قیام لیل میں کبھی اس ولیہ پر سبقت نہ کر سکا جب فقیر اس کے لئے اٹھتا اور اس کا خیال رکھتا کہ میرے اٹھنے سے بی بی صاحبہ کو زحمت نہ ہو تو ان کو یاد خدا میں مشغول پاتا وہ غایت لطف و محبت سے ہندی زبان میں فرماتیں "بیٹا احمد گرم پانی موجود ہے، ٹھنڈے پانی سے وضو کرنے کی ضرورت نہیں[5]"۔

ایک خواب اور اس کی تعبیر

سنام کے قیام کے زمانہ میں حضرت مخدوم نے اور بیوی فاطمہ نے خواب دیکھا کہ لوگ ایک بڑے تالاب سے بے شمار مچھلیاں مار رہے ہیں، اس کی تعبیر انہوں نے یہ دی کہ سنام اور دلی میں تباہی آئے گی، اس خواب کے چند ہی دنوں کے بعد (۸۰۱ھ) میں تیمور کا حملہ ہوا اور قتل و غارت کا بازار گرم ہو گیا، حضرت مخدوم نے "لمن الملک الیوم للّٰہ الواحد القہار" کا نعرہ لگایا اور سنام سے پانی پت روانہ ہو گئے یہاں پہنچ کر دیکھا کہ حضرت مخدوم جلال الدین کبیر الاولیاءؒ کے خدام رختِ سفر باندھ رہے ہیں اور کسی پہاڑی علاقہ کی طرف

---

۱ سیر الاقطاب ص ۱۱۶، ۲ ایضاً، ۳ انوار العیون ص ۳۱، ۴ مرأۃ الاسرار قلمی، ۵ انوار العیون ص ۱۵۔

جانے کی تیاری ہے پیرومرشد نے چاولوں کا ایک طباق محبوب مرید کو دیا اور فرمایا بابا احمد خدا کا قہر نازل ہوا ہے کسی طرف نکل جاؤ تم کو خدا کے سپرد کیا چنانچہ آپ پانی پت سے بدایوں روانہ ہو گئے[1]۔

لیکن مراۃ الاسرار کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ بھکر تشریف لے گئے[2] یہاں ایک مسجد میں قیام فرمایا جنگل سے لکڑیاں کاٹ کرلاتے تھے اور جو نذر و نیاز میں مل جاتا اس سے کھانا پکا کر واردین اور صادرین کو کھلاتے، اور رات دن عبادت میں مشغول رہتے[3]۔

سوزش عشق میں سیاحت

حضرت مخدومؒ پر سوزش عشق اور ذوق وطلب کا اتنا غلبہ تھا کہ کہیں ان کی پیاس نہ بجھتی تھی حضرت شیخ عبدالقدوس لکھتے ہیں کہ اگرچہ حضرت شیخ العالم اپنے پیر دستگیر الشائخ جلال الحق والدین کی بدولت وحدت کے دریا نوش کر چکے تھے لیکن باطن کی تشنگی نہ بجھتی تھی ہر دم ''ھل من مزید'' کی صدا لگاتے تھے ہر چند وہ مقام کبریٰ میں امتیاز نہ ہوتا تھا اس لئے شور انگیز دم بھرتے اور فرماتے احمد ذات حقیقی کی طلب میں پچاس ۵۰ سال عالم گرد کرتے رہے، مگر اب تک مقصود حاصل نہ ہوا اور دنیا میں کوئی ایسا نہ ملا جو مقصود حقیقی کا پتہ دیتا اے احمد! عمر کے پچاس ۵۰ سال ضائع ہو گئے نہ اپنی ذات کو آرام ملا نہ مقصود ہی حاصل ہوا[4]۔

از نکتہ مقصود نشد فہم حدیثے
لا دین ولا دنیا بے کار بما ندیم

اسی ذوق وطلب میں پورے ہندوستان کی سیاحت کی اور مختلف مقامات کے علماء ومشائخ سے ملے ان کی سیاحت کا دائرہ سندھ و پنجاب سے لے کر بنگال تک وسیع تھا بنگال میں پنڈوہ تشریف لے گئے اور یہاں کے مشہور بزرگ حضرت شیخ نورالدین ملے چلتے وقت اس خیال سے کہ بزرگوں کے پاس خالی ہاتھ نہ جانا چاہیے تحفہ میں ایک سر سبز گھاس لیتے گئے تھے اس کو حضرت نورالدینؒ کی خدمت میں پیش کر کے فرمایا ''بابا صفا ہے''۔ شیخ نورالدین نے جواب دیا ''بابا عزت ہے۔'' تھوڑی دیر دونوں بزرگ ایک دوسرے کو خاموشی سے دیکھتے رہے مگر کوئی گفتگو نہیں ہوئی اس روحانی ملاقات کے بعد حضرت مخدوم واپس ہو گئے[5]۔

پنڈوہ کے قیام کے دوران میں یہاں کے بعض علماء سے بھی ملے اس کا ذکر انوار العیون میں ہے پنڈوہ سے واپسی میں بہار آئے یہاں دو[6] مجذوبوں سے ملاقات ہوئی انھوں نے حضرت مخدوم کو گلے لگایا اور اپنی زبان میں ایسے اشارات کئے جس سے شیخ کو بڑی تسکین ہوئی اور ان کو حصول مقصد کی امید بندھی بہار سے اجودھیا تشریف لائے یہاں ان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ زندہ لوگوں سے تو حقیقی

---

[1] انوار العیون ص ۱۶۔۱۷، [2] مراۃ الاسرار قلمی نسخہ مقام کا نام صحیح نہیں پڑھا جاتا، بظاہر بھکر معلوم ہوتا ہے، انوار العیون کے بیان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، [3] انوار العیون ص ۲۰، [4] انوار العیون ص ۲۱، [5] ایضاً ص ۲۰،

مقصود کی خبر نہیں ملی شاید مردوں سے اس کا پتہ چلے چنانچہ کچھ دنوں تک بزرگوں کے مزارات عام قبرستانوں آبادیوں اور ویرانوں میں مضطرب و بے قرار پھرتے رہے، اسی دن میں خیال آیا کہ کچھ دن قبر میں گذارنا چاہئے چنانچہ ایک قبر کھود کر اس میں چھ[۶] مہینہ کا چلہ کیا یہاں جو احوال و کوائف دل پر گذرے ان سے ان کی شورش فرو اور ان کے قلب کو پوری سکینت حاصل ہوگئی[۱]۔

ارشاد و ہدایت اور طریقہ تربیت ان مراحل سے گذرنے کے بعد مسند ارشاد و ہدایت پر متمکن ہوئے راہ سلوک میں اصل چیز فنا اور اپنے کو مٹانا ہے اس لئے حضرت مخدوم سب سے پہلے طالبین کے نفس کی اصلاح فرماتے تھے اور ان سے خانقاہ میں پانی بھرنے، لکڑیاں چیرنے، جاروب کشی کرنے اور اس قسم کی دوسری خدمت لیتے تھے[۲]، جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی مدتوں تک یہ خدمت انجام دیتے رہے۔

ان کے خادم خاص میاں مخلص نے جب پہلی مرتبہ بیعت کی درخواست کی تو آپ نے ایک گڑھا کھودا، اس میں پانی بھرا اور ایک کنکری ڈال کر میاں مخلص سے فرمایا، اس کو نکالو انھوں نے ہاتھ ڈال کر کنکری نکالدی، پھر انہوں نے تھوڑی سی مٹی پانی میں ڈال کر فرمایا اس کو نکالو وہ پانی میں مل چکی تھی اس لئے کچھ نہ ملا اس تمثیلی مشاہدہ کے بعد فرمایا: اگر معبود کی درگاہ میں مقصود تک پہنچنا چاہتے ہو تو اسی مٹی کی طرح اپنا نام ونشان گم کر کے اپنی ہستی کو ذاتِ الٰہی میں فنا کر دو اس وقت میری خانقاہ میں رہنے کی اجازت ہے ورنہ یہاں سے چلے جاؤ "للحرب رجال و للقصعه رجال"۔ "نبرد آزما مرد اور ہوتے ہیں اور پیالہ چاٹنے والے اور لیکن مخلص اپنے مقصد میں مخلص تھے انھوں نے ان کے فرمان پر پورا عمل کیا اور ان کے محبوب مریدوں اور ولیوں میں ان کا شمار ہوا[۳]۔

ایک مرتبہ ایک امیر تاتار خاں کے ملازم میاں سالار نے جو خود بھی ایک معزز آدمی تھے، حضرت مخدوم سے بیعت کی درخواست کی، اس وقت ان کے مرید خانقاہ کے لئے گارا بنا رہے تھے، اور میاں سالار بڑے پر تکلف لباس میں تھے، پاؤں میں زرتار موزہ تھا حضرت مخدوم نے فرمایا تم بھی گارا بناؤ میاں سالار بے تکلف اسی لباس میں نگار میں گھس گئے، اس امتحان کے بعد ان کو مرید کیا[۴]۔

جو شخص امتحان میں پورا نہ اترتا اس کو مرید نہ فرماتے ایک مرتبہ ایک امیر فضیل غوری آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور زرتار موزہ پیش کر کے مرید ہونے کی درخواست کی آپ کو اس کی طلب میں شبہہ تھا اس لئے فرمایا تیری گردن موٹی ہے اور فقیر کی رسی تنگ ہے اس میں نہ آئے گی اس نے دوبار

---

[۱] انوار العیون میں ان واقعات کو بڑی تفصیل سے لکھا ہے، ہم نے اس کا خلاصہ نقل کیا ہے ص ۲۱۔۱۲۲ جودھیا میں ان کی چلہ گاہ مدتوں محفوظ رہی، اب غالباً اس کا کوئی نشان باقی نہیں ہے۔ [۲] انوار العیون ص ۶۷ و مرأۃ الاسرار نسخہ قلمی حالات مخدوم احمد عبدالحق،

[۳] انوار العیون ص ۷۶۔۵۷، [۴] ایضاً ص ۷۱

عرض کیا فرمایا اچھا گھڑا لے کر حوض سے پانی بھر لاؤ اس نے گھڑا اٹھالیا لیکن باہر جا کر دوسرے شخص سے پانی بھروایا اور خود سر پر لیکر آیا انھوں نے فرمایا میں نے کہا نہ تھا کہ تیری گردن موٹی ہے اور فقیر کی رسی تنگ ہے اس میں نہ آئے گی اور مرید نہیں فرمایا[1]۔

ان کی خانقاہ میں یہ روایت ان کے بعد بھی قائم رہی حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ اگرچہ حضرت مخدوم کے پوتے شیخ محمد کے مرید تھے لیکن روحانی تربیت تمام تر حضرت مخدوم کی روحانیت سے پائی تھی جس کا ذکر آئندہ آئے گا وہ جس زمانہ میں ان کی خانقاہ میں مجاہدات میں مشغول تھے خانقاہ میں جھاڑو دیتے لکڑی چیرتے، پانی بھرتے گلکاری کرتے تھے[2]۔

جس مرید میں مشیخت کی بو پیدا ہو جاتی اس کی بیعت فسخ کر کے اپنے مریدوں سے خارج کروا دیتے، ایک مرید شیخ بودھی اودھی کو خلافت عطا کی خلافت ملنے کے بعد انھوں نے اپنی دوکان الگ لگالی اور ایک خانقاہ قائم کر کے مرید کرنا شروع کر دیا اور اس کی شیرینی لاکر حضرت مخدوم کی خدمت میں پیش کی وہ بہت برہم ہوئے اور ان سے خلافت چھین لی اس کے بعد شیخ بدھی دیوانہ وار نعرہ لگاتے تھے کہ "شیخ احمد ماریو ماریو" لیکن انھوں نے دوبارہ خلافت نہیں دی[3]۔

محویت و استغراق

حضرت مخدوم جمال حق کے مشاہدہ میں اس قدر مستغرق تھے کہ ہر وقت محویت اور استغراق کا عالم طاری رہتا تھا صاحب مرآۃ الاسرار لکھتے ہیں کہ سلسلہ چشتیہ میں خواجہ ابو محمد چشتی اور خواجہ بختیار کاکیؒ کے بعد دائرۂ وجود مطلق اور نقطہ ذات حقیقۃ الحق کے مشاہدے کا جو دوامی استغراق و تحیر مخدوم عبدالحق کو حاصل تھا اس سے زیادی کسی ولی کو میسر نہ ہوا[4]۔

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ لکھتے ہیں کہ حضرت پیر دست گیر حضرت شیخ احمد عبدالحق دائم الحال تھے، ہر وقت احوال کے دریا میں غرق رہتے تھے، اگر کوئی قرابت دار دوست اور ہمسایہ تک آپ سے ملنے کے لئے آتا تو اس کو نہ پہچانتے، پوچھتے تم کون ہو، وہ عرض کرتا میں فلاں ہوں، فرماتے فلاں کون، وہ عرض کرتا فلاں ابن فلاں، اس طرح جب کئی پشتوں کی وضاحت ہو جاتی، اس وقت آپ پہچانتے اور فرماتے ہاں فلاں شخص تو ہمارا ہے[5]۔

نماز باجماعت کا اہتمام

لیکن اس محویت و استغراق کے باوجود نماز باجماعت کا بڑا اہتمام تھا، پانچوں وقت کی نماز ردولی کی جامع مسجد میں پڑھتے تھے، ایک خادم آگے آگے حق کی صدا لگاتا جاتا تھا، اور وہ اس کی آواز پر راستہ طے کرتے تھے، چالیس پچاس سال تک جامع مسجد میں نماز پڑھی، لیکن راستے کا اندازہ نہ ہو سکا، مسجد میں اپنے ہاتھ سے جھاڑو دیتے تھے[6]، پوری

---

[1] انوار العیون ص ۶۸، [2] لطائف قدوسی ص ۱۰، [3] انوار العیون ص ۲۶، [4] مرآۃ الاسرار قلمی حالات مخدوم،
[5] انوار العیون ص ۶، [6] انوار العیون ص ۷۱

رات شب بیداری میں بسر ہوتی تھی، کامل بتیس[۳۲] سال تک تکیہ پر سر نہ رکھا[۱]۔

اخلاص فی العبادۃ ان کے نزدیک حقیقی عبادت وہی ہے، جسمیں کوئی دنیوی غرض شامل نہ ہو، ایک مرتبہ کسی سفر کے دوران میں ایک مسجد میں قیام ہوا، یہ جمعہ کی شب تھی، بستی کے لوگ مسجد آتے اور سات[۷] اذانیں دیتے، ایک شخص نے حضرت مخدوم سے کہا کہ میاں مسافر تم بھی اذانیں دو آج شب جمعہ ہے، انہوں نے فرمایا شب جمعہ کو سات[۷] اذانیں دینے کا مقصد کیا ہے، اس نے کہا اللہ تعالیٰ جمعہ کی مبارک رات کو سات[۷] اذانوں کی برکت سے اس ہفتہ کی تمام بلاؤں سے محفوظ رکھتا ہے، حضرت مخدوم نے فرمایا، میرا دل اس غرض کے لئے تکرار اذان کی اجازت نہیں دیتا، جو بندہ اپنی بھلائی کے لئے خدا کی عبادت کرتا ہے، اور اس کی بلاؤں سے دوری کا خواستگار ہوتا ہے، وہ درحقیقت اپنی بھلائی کا بندہ ہے، خدا کا خالص بندہ اس کا بندہ ہوتا ہے، منافق نہیں ہوتا، اخلاص کے معنی یہ ہیں کہ بندہ کا مقصود ومطلوب حضرت صمدیت کے سوا کچھ اور نہ ہو''واعبد اللّٰہ مخلصین لہ الدین[۲]۔''

حفظ شریعت میں اہتمام اس تحیر واستغاق کے باوجود جو حضرت مخدوم پر طاری رہتا تھا، حفظ و احترام شریعت کر بڑا اہتمام تھا، ایک مرتبہ وہ پنجاب :بس تھے کہ غلبہء حال میں ان کی زبان سے بعض شطحیات نکل گئے، جب ہوش آیا تو لوگوں نے عرض کیا کہ ایسے ایسے کلمات آپ کی زبان سے نکلے ہیں، انہوں نے سن کر فرمایا''اعوذ باللہ منہا میں گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو گیا،'' اور اس کی کفارہ میں سخت سردی کے موسم میں دریائے سندھ میں گلے گلے پانی میں اتر کر کئی مہینے رات سے صبح تک''دین محمد قائم دائم دین محمد قائم دائم'' کا ورد کرتے رہے، سردی کی شدت سے بدن کی کھل پھٹ کر خون جاری ہو گیا تھا، اس لئے صبح کو تازہ غسل کر کے فجر کی نماز پڑھتے[۳]۔

ان کا ایک مرید ایک دن عالم مستی میں ان کی خانقاہ میں حق پیر من پاک حق پیر من پاک کا نعرہ لگانے لگا، ہر چند لوگوں نے منع کیا، مگر وہ خاموش نہیں ہوا، اور یہی نعرہ لگاتا رہا، اس کی آواز سن کر حضرت مخدوم کوٹھے سے، اتر آئے اور فرمایا پیر کس طرح پاک ہو سکتا ہے، جب کہ وہ بندہ ہے، بندہ سرتاپا پلید ہوتا ہے، وہ کس طرح پاک ہو سکتا ہے، پاکی صرف حق تعالیٰ کے لئے ہے اور کسی کو راست نہیں آتی[۴]۔

اتباع سنت مریدوں کو اتباع سنت کی ہدایت فرماتے تھے، اپنے ایک محبوب مرید شیخ بختیار کو مراحل سلوک طے کرانے کے بعد فرمایا کہ تم نے رسول اللہ اکرم ﷺ کے اتباع کے طفیل میں خدا کو پالیا کما قال اللّٰہ ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ دونوں جہان کو زیر قدم

---

[۱] ضمیمہ انوار العیون بحوالہ جامع السلاسل، [۲] ایضاً ص ۱۸، یہ بات اپنے معیار سے فرمائی ہوگی، [۳] مراۃ الاسرار قلمی حالات مخدوم صاحب مراۃ الاسرار نے ان شطحیات کی تاویل بھی کی ہے۔ [۴] انوار العیون ص ۳۶

چھوڑ کر بلند ترین مقام پر فائز ہو گئے، "من لہ المولیٰ فلہ الکل" شیخ عبدالقدوس لکھتے ہیں کہ شیخ بختیار کی کوئی بات اور کوئی گفتگو کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ کے سوا نہیں ہوتی تھی [1]۔

ذوق سماع لیکن سماع سے بڑا ذوق تھا، جب وہ سماع کی حالت میں ہوتے تو دونوں آنکھیں ہوا کی سمت میں ہوتیں، کبھی روتے کبھی ہنستے، چہرہ سرخ تمتایا ہوا ہوتا، ایک دن ایک درویش نے آپ سے پوچھا کہ سماع کی حالت میں کبھی آپ اس طرح روتے ہیں کہ ساری مجلس رو دیتی ہے، اور کبھی ہنستے ہیں اور ان کا چہرہ سرخ ہو جاتا ہے، فرمایا جب اہل سماع اس کو جمالی صفت میں مشاہدہ کرتے ہیں، اور اس کا بے اندازہ لطف و کرم دیکھتے ہیں تو مسکراتے ہیں، اور جب اس کا جلالی چہرہ دیکھتے ہیں تو پریشان ہوتے ہیں، اس کا رنگ زرد ہو جاتا ہے [2]۔

سماع کے بعد گھر میں جو کچھ ہوتا تھا قوالوں کو دیدیتے تھے، ایک مرتبہ سماع کے بعد لونڈی سے فرمایا جاؤ گھر سے کچھ لا کر قوالوں کو دیدو لونڈی اندر گئی تو حضرت کی اہل خانہ بہت برہم ہوئیں اور کہا جا کر کہہ دو کہ گھر میں کچھ نہیں ہے انھوں نے یہ جواب سنا تو قوالوں سے فرمایا، اسی لونڈی کو لیجاؤ، بعض مریدوں نے قوالوں کو تین تنکہ دیکر لونڈی واپس لے لی، حضرت شیخ جب زنانخانے میں تشریف لے گئے اور لونڈی پر نظر پڑی تو فرمایا جب تک یہ لونڈی گھر میں ہے میں نہ رہونگا اور کچھ دنوں کے لئے اجودھیا چلے گئے [3]۔

ایک دن جمن قوال کے گانے سے ان پر وجد ذوق طاری ہو گیا، وہ جمن سے بہت خوش ہوئے، فرمایا جو مانگنا ہے مانگ، اس نے آپ کا خرقہ مانگا، فرمایا تو اس کو برداشت نہ کر سکے گا کوئی دوسری چیز مانگ، مگر اس نے پھر خرقہ مانگا، اس کے اصرار پر انھوں نے اس کو خرقہ عطا کر دیا، اس نے تین دن تک اس کو پہنا، چوتھے دن فریاد کرتا ہوا حاضر ہوا، اور عرض کیا، پیر دستگیر مجھ میں اس کے پہننے کی طاقت نہیں ہے، تین دن تک میں آگ کے دریا میں پڑا رہا، اور ساحل نجات نظر نہ آتا تھا، یہ کہہ کر خرقہ واپس کر دیا انھوں نے فرمایا، تم نے یہی بڑا کام کیا کہ تین دن تک اس فقیر کا خرقہ برداشت کر لیا [4]۔

زہد عن الدنیا وہ تجرید و تفرید اور زہد کے اس درجہ پر تھے جہاں دنیا اور دولت دنیا کا گذر نہ تھا، حضرت شیخ عبدالقدوس لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ العالم کے دربار فیض میں اہل دنیا اور دولت دنیا کا گزر نہ تھا، جب کوئی شخص اس قسم کا تذکرہ کرتا تو ان کے جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا، اس لئے کسی کو اس کی ہمت نہ ہوتی تھی، اسی لئے آج تک جب کہ ان کے وصال پر پچاس سال گذر چکے ہیں، ان کی اولاد میں اتنی وسعت نہ پیدا ہو سکی کہ اطمینان سے زندگی بسر ہو سکے، اور فکر معاش کی طرف سے بے فکری ہو [5]۔

---

[1] انوار العیون میں ان کی مریدی کا واقعہ بڑی تفصیل سے لکھا ہے، ہم نے اس کا صرف ایک ٹکڑا نقل کیا ہے، [2] ضمیمہ انوار العیون بحوالہ مونس العارفین ص ۹۳، [3] انوار العیون ص ۴۹، [4] انوار العیون ص ۷۳، [5] ایضاً ص ۳۱،

چنانچہ حضرت مخدوم نے کبھی امراء وسلاطین سے تعلق نہیں رکھا، انہوں نے جاگیریں پیش کیں، مگر انھوں نے انکار فرمایا، البتہ اس کی اصلاح کے لئے ملنے میں مضائقہ نہ سمجھتے تھے، ایک مرتبہ سلطان ابراہیم کی اصلاح کی غرض سے اس سے ملنا چاہا، مگر قاضی رضی نے سلطان سے ان کی ملاقات مصالح حکومت کے خلاف سمجھی، اور پہلے امتحاناً ان کی خانقاہ کے مصارف کے لئے سلطان سے سوادر ردولی میں چار مواضعات اور ایک ہزار بیگھہ آراضی کا فرمان لکھا کر اور دوسرے ہدایا وتحائف کے ساتھ حضرت مخدوم کی خدمت میں لاکر پیش کیا، انھوں نے اس کو پڑھ کر فرمایا قاضی کلمہ پڑھو، تم کافر ہوگئے، قاضی صاحب نے تعجب سے پوچھا، حضرت مخدوم میری زبان سے کون سا کلمۂ کفر نکلا ہے، فرمایا یہ کفر نہیں ہے کہ تم اور ابراہیم دوسرے خدا پیدا ہوئے ہو، جو رزّاقی کا دعویٰ کرتے ہو، وہ خدا جو ابراہیم کے خدم وحشم، اس کے گھوڑے، ہاتھیوں اور خود تم کو اور تمہارے خدم وحشم کو رزق دیتا ہے، وہ خدا جس کی درگاہ کا ایک گدائے بینوا ہوں، کیا وہ میرے فرزندوں کو رزق نہ دیگا، تم اور ابراہیم کیوں درمیان میں پڑتے ہو، قاضی نے ہر چند اصرار کیا، مگر جاگیر قبول نہ کی، اور فرمایا، میری اولاد فقر کی قدر نہ پہچانے گی، "الفقر کنز من کنوز الجنۃ اور یہ شعر

کنواں ہوئے تو پاٹوں سمندر کہ پاٹن جائے
مارا ہوئے تو برجوں جھیل کہ برجن جائے

پڑھ کر لوٹ آئے[1]۔

اس قسم کا ایک واقعہ اور ہے، ایک مرتبہ پرگنہ ردولی کا حاکم محمد خان ان کی خدمت میں حاضر ہوا، ان کے داماد میاں جھانسہ (شیخ فرید) نے حضرت مخدوم سے فرمائش کی، کہ وہ محمد خاں سے کہہ کر کاشت کاری کے لئے تھوڑی سی زمین دلادیں حضرت مخدوم معلوم نہیں کس حالت میں تھے، محمد خاں سے فرمایا کہ یہ مردک (میاں جھانشہ) کہتا ہے کہ میں محمد خاں سے کہدوں کہ تھوڑی سی زمین کاشت کاری کے لئے دیدے، چنانچہ جب محمد خاں واپس جانے لگا تو میاں جھانشہ کو ساتھ لیتا گیا اور اسی وقت موضع کلوا[2] میں سات سو بیگھہ زمین کا فرمان لکھ کر ماتحت حکام کے حوالہ کیا، اور تاکید کی کہ آج ہی زمین کی پیائش اور حد بندی کر کے اس کو میاں جھانشہ کے حوالے کر دیا جائے، میاں جھانشہ یہ فرمان لے کر خوش خوش حضرت مخدوم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اس کو ان کے سامنے پیش کیا، انہوں نے پڑھوا کر سنا، اور سن کر بہت برافروختہ ہوئے، اور اس کو لیکر پرزے پرزے کر ڈالا، اور اپنے خادم خاص بہرام کو حکم دیا کہ اس کو باہر لے جاکر اس طرح پھینکو کہ اس کا ایک پرزہ بھی میری خانقاہ میں نہ رہنے پائے، اور محمد خاں کے پاس میاں بہرام کے ذریعہ کہلا بھیجا کہ تم کون ہو اور یہ زمین تم کو کہاں سے ملی؟ کہ درویشوں کو تکلیف پہنچاتے

---

[1] انوار العیون ص ۲۵۔۲۶، [2] یہ موضع اب تک اسی نام سے ردولی کے قریب موجود ہے،

ہو، محمد خاں یہ سن کر گھبرا گیا، اور بہرام کے قدم پکڑ کر کہا، اسی طرح میری جانب سے حضرت مخدوم کے قدم پکڑ کر عرض کرنا کہ میں حضرت کا باطنی عندیہ کیونکر سمجھتا، بظاہری حضرت کا جو فرمان تھا، اس کی تعمیل میری جان کے برابر تھی بہرام نے واپس آ کر اسی طرح سے حضرت مخدوم کی خدمت میں محمد خاں کی جانب سے کر دیا[1]۔

امراء کی تادیب واصلاح امراء کی تادیب واصلاح امراء کی اصلاح کے لئے ان کو ہدایت اور تنبیہ فرماتے تھے، ایک مرتبہ مشرقی سلطنت کا امیر کبیر مجلس مالی فیروز خاں کسی جنگی ضرورت سے ایسولی آیا ہوا تھا، حضرت مخدوم کو خبر ہوئی تو اپنے مرید بہرام کے ہاتھ اس کے پاس ایک خط بھیجا، انھوں نے لیجا کر شیخ فخر الدین کے حوالے کر دیا، انھوں نے فیروز شاہ کی خدمت میں پیش کر دیا، اس نے اس کو کھولا تو یہ اشعار تھے،

ہر آں کہ غافل از وے یک زباں است	دراں دم کافر است اما نہاں است
مبادا غایتے پیوستہ باشد	درِ اسلام بروے بستہ باشد
حضورم بخش اے پروردگارم	کہ من غائب شدن طاقت ندارلم

اشعار پڑھ کر فیروز خاں بے قرار ہو گیا، اور شیخ فخر الدین سے کہا گھوڑا اور پالی لے کر فوراً حضرت مخدوم کے پاس جاؤ اور میری طرف سے عرض کرو کہ بادشاہ کا حکم ہے کہ میں حصار سے باہر نہ نکلوں، اس لئے حاضری سے معذور ہوں، ورنہ خود حاضر ہوتا، اور ایک عمدہ گھوڑا اور دس تنگہ نذرانہ بھیجا[2]۔

ایک مرتبہ پرگنہ ردولی کا حاکم تاتار خاں بزرگ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا، انھوں نے آنکھ اٹھا کر اس پر نگاہ ڈالی اور فرمایا ''دنیا میں ایسی چال چلو کہ کچھ دن باقی رہو۔'' اس پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ بیہوش ہو گیا، اس کے بعد سے وہ حضرت مخدوم کا اتنا معتقد ہو گیا کہ اکثر آپ کی خدمت میں پاپیادہ حاضر ہوتا تھا۔

بعض سبق آموز واقعات آپ ان مشائخ کو بھی سبق دیتے تھے، جن کے یہاں ظاہری شان و شوکت ہوتی تھی اور حاجب و دربان رہتے تھے،

حضرت شیخ زین الدین اودھی کے دروازے پر دربان رہتا تھا، اس کا قاعدہ تھا کہ جو آنے والا ہدیہ و تحفہ لاتا اس کو اندر جانے دیتا، ورنہ واپس کر دیتا، ایک مرتبہ حضرت مخدوم ان سے ملنے گئے وہ خالی ہاتھ گئے تھے، اس لئے دربان نے واپس کر دیا، واپس آ کر انھوں نے عمدہ لباس پہنا اور ایک طشت میں کنکر پھر بھرے اور اس پر خوان پوش ڈال کر اور ایک آدمی کے سر پر رکھوا کر دوبارہ پہنچے، طشت دیکھ کر دربان نے اندر جانے کی اجازت دیدی، شیخ زین الدین نے خوان پوش اٹھا کر دیکھا تو کنکر پتھر تھے،

---

[1] انوار العیون ص ۳۱، [2] انوار العیون ص ۶۹

پوچھا مخدوم یہ کیا ہے، فرمایا تمہارے پاس آنے کا ذریعہ جس کے پاس یہ نہ ہو وہ تم سے نہیں مل سکتا[1]۔

اسی قسم کا ایک سبق آموز واقعہ یہ ہے کہ اجودھیا کے قیام کے زمانہ میں انھوں نے ایک کتیا پالی تھی، اس نے بچے دیئے، اس تقریب میں انھوں نے دعوت کی اور شہر کے تمام معززین کو مدعو کیا، اجودھیا کے حاکم فیروز خاں کو بھی بلایا، اور بہت سے عوام و خواص اس میں شریک ہوئے، لیکن مشائخ کو نہیں مدعو کیا، کچھ دنوں کے بعد حضرت شیخ جمال الدین گوجری اودھی ان سے ملنے کے لئے آئے، اور شکایت کی، کہ حضرت مخدوم نے سارے شہر کو مدعو کیا اور مجھے نہیں پوچھا، فرمایا یہ کتے کی تقریب تھے، اس لئے سگانِ دنیا کو بلایا تھا، تم تو آدمی ہو، تم کو اس دعوت میں کیسے بلاتا[2]۔

تنعم کی زندگی عذاب دوزخ کا ذریعہ ہے

تنعم کی زندگی اور نفس پروری کو عذاب دوزخ سے تعبیر فرماتے تھے، ان کے ایک مرید شیخ فرید کپڑوں کی تجارت کرتے تھے، ایک مرتبہ بہت سا کپڑا بیچنے کے لئے خریدا، گٹھڑی لے کر حضرت مخدوم کے سامنے سے گذر رہے تھے کہ اُن کی نظر پڑ گئی، شیخ فرید کو بلایا اور گٹھڑی کھول کر مہین کپڑے کا ایک تھان نکالا اور اس کو بدن پر رکھ کر فرمایا کتنا اچھا کپڑا ہے، سارا بدن دکھائی دیتا ہے، پھر دوسرا نرم اور ملائم کپڑے کا تھان نکالا اور اس کو بدن پر رکھ کر فرمایا کتنا نرم اور خوبصورت کپڑا ہے جو لوگ اس طرح کی تنعم کی زندگی بسر کرتے اور نفس پروری کرتے ہیں وہ کس طرح عذاب دوزخ سے بچ سکتے ہیں[3]، خود اُن کے لباس میں ایک گذری رہتی تھی، اس میں بھی پیوند لگے ہوتے تھے[4]۔

بعض ملفوظات

ان پر ذات حق کا اتنا غلبہ تھا کہ ہر کام میں حق حق حق کی آواز بلند کرتے تھے، اور فرماتے تھے، کہ خدا کی ذات پاک بے نام ونشان ہے، اگر اس کی ذات پر اس کے ناموں میں سے کسی نام کا کامل اطلاق ہو سکتا ہے، تو وہ "حق" کا اسم پاک ہے کیونکہ حق کے معنی یہ ہیں کہ اس کی ذات پاک تمام کمالات کی مستحق ہے، اور یہ کمالات اسی ذات کے ساتھ قائم ہیں، اور خدا کی ذات پاک تمام کمالات کے ساتھ متصف اور بذات خود قائم ہے، اس لئے خدا کی ذات پر حق کا اطلاق بدرجۂ کمال ہوگا۔

اسی لئے حق کا لفظ اُن کے مریدوں، اُن کے فرزندوں اور اُن کے عقیدتمندوں کی زبان پر اس طرح جاری وساری رہتا ہے کہ جو سانس بھی اندر لیجاتے اور باہر نکالتے ہیں، وہ حق کی ذکر کے ساتھ ہوتی ہے، اور جو قدم زمین پر رکھتے ہیں، حق کے ذکر کے ساتھ رکھتے ہیں[5]۔

فرماتے تھے کہ منصور بچہ تھا، قوتِ برداشت نہ تھی، اس لئے اسرار ظاہر کر دیئے، بعض بندگانِ خدا ایسے بھی ہیں جو دریا کے دریا چڑھا جاتے ہیں اور ڈکار تک نہیں لیتے، نظامی بچہ تھا کہ اس نے یہ شعر کہا،

---

[1] ایضاً ص ۵۲، [2] انوار العیون ص ۲۳، [3] مرأۃ الاسرار قلمی، [4] انوار العیون ص ۶۸، [5] انوار العیون ص ۷۷

صحبتِ نیکاں زجہاں دور گشت
خانِ عسل خانہ زبنور گشت[1]

جب عالمِ شوق میں جوش زن ہوتے تو اکثر یہ اشعار پڑھتے[2]

سخنے سکتہ از ہمہ عالمِ برائے یار — آرے برائے یار دو عالم تواں شکست
احمد اتا در نبازی جان و مال جاہ وتن — ہر گزار عشقت بیاید شمہء اندر مشام

سلسلہء چشتیہ صابریہ میں آپ کا درجہ

سلسلہ چشتیہ صابریہ میں حضرت مخدوم کو واسطۃ العقد کی حیثیتِ حاصل تھی، وہ اس سلسلہ کے مجدد تھے، اور اس کو سب سے زیادہ فروغ ان ہی کی ذات سے حاصل ہوا، حضرت جلال الدین کبیر الاولیاء نے ان کو خلافت سے سرفراز فرماتے وقت فرمایا تھا کہ "بابا عبدالحق حیات وممات میں مجھ کو تمہارے کمالات کی انتہا نظر نہیں آتی[3]" اور یہ بھی دعا فرمائی تھی کہ میرا سلسلہ تمہاری ذات سے جاری ہو، تم سارے عالم کو نور معرفت سے منور کرو، اور اس کا اثر قیامت تک باقی رہے، اس کا غلغلہ کبھی کم نہ ہو، یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد صاحب سرالاقطاب لکھتے ہیں کہ:۔

"ان کی یہ دعا قبول ہوئی اور اس فقیر نے اپنی آنکھوں سے ان کے فرزندوں، اور مریدوں میں ایسے ایسے باعظمت بزرگ دیکھے ہیں، جن کے اشارہ پر تیر رفتہ پلٹ سکتا ہے، اور جن کے حکم سے پہاڑ اپنی جگہ سے ہل سکتا ہے، ان سے پہلے جو بزرگ گذر چکے ہیں مثلاً ان کے صاجزادے شیخ عارف پوتے، شیخ محمد، اور مریدوں میں شیخ عبدالقدوس گنگوہی وغیرہ سے ساری دنیا واقف ہے[4]۔

اس دعائے مستجاب کا یہ اثر تھا کہ حضرت جلال الدین کبیر الاولیاء کے چالیس خلفاء میں آپ کا سلسلہ صرف شیخ عبدالحق سے مستحکم اور جاری ہوا[5]۔

صاحب خزینۃ الاصفیاء لکھتے ہیں، کہ شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء نے مخدوم عبدالحق کو خرقہء خلافت عطا کرتے وقت خدا سے دعا کی تھی کہ میرا سلسلہ تمہاری ذات سے جاری ہو، چنانچہ ان کی توجہ سے ان کے ہزاروں خلفائے نامدار اور مریدان صدق شعار ولایت کے درجہ پر پہنچتے اور عرب وعجم میں کوئی ملک ایسا نہیں ہے جہاں آپ کے خلفاء نہ ہوں[6]۔

ان کے فرزند ارجمند شیخ محمد عارف پوتے شیخ محمد بن عارف، شیخ عبدالقدوس گنگوہی ابن اسمٰعیل حنفی، شیخ وجلال الدین محمود تھانیسری، شیخ عبدالغفور اعظم پوری، شیخ جان جون پوری، اپنے دور کے اولیاء

---

[1] انوار العیون ص ۷۷، [2] ایضاً ص ۷۲، [3] مرأۃ الاسرار قلمی، [4] سیر الاقطاب ص ۲۱۸، [5] ایضاً ص ۲۱۳۔۲۱۴، [6] اس سے مراد آپ کے سلسلہ کے خلفاء ہیں آخری دور میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نے عرب میں اس سلسلہ کو پھیلایا،

سے گوے سبقت لے گئے، اوران میں ہر ایک سے علیحدہ سلسلہ جاری ہوا، اس طرح حضرت شیخ احمد عبدالحق نے سلسلہ عالیہ چشتیہ صابریہ کو رونق تازہ اور زینت بے اندازہ بخشی[1]۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:۔

"شیخ عبدالحق قدس سرہ مرید شیخ جلال الدین پانی پتی است درویش صاحب تصرف ومظہر خوارق عادات وکرامات وصاحب ذوق وشوق وسکر وحالت وفقر وتجرید بود، جذبہ قوی داشت ونظرے موثر وتصرفے غالب مولد اور دولی است ومرقد او نیز در آنجاست۔" (اخبار الاخیار ص ۱۷۲)

مشائخ زادوں کی اصلاح وتربیت

حضرت مخدوم احمد عبدالحق کا مرتبہ اس سے بھی ظاہر ہے، کہ ان کے مرشد حضرت جلال الدین کبیر الاولیاؒ نے اپنی وفات کے وقت اپنی اولاد کی روحانی تربیت شیخ عبدالحق کے سپرد کر گئے تھے، اور اپنے صاحبزادوں سے فرمایا تھا کہ ضرورت کے وقت احمد عبدالحق تمہاری دست گیری کے لئے کافی ہیں[2]، اور اپنا خاص خرقہ اپنے بڑے صاحبزادے خواجہ شبلی کے حوالہ کر کے وصیت کی تھی کہ اس کو باحتیاط تمام احمد عبدالحق کے حوالہ کر دینا، چنانچہ مرشد کی وفات کے بعد جب وہ مخدوم زادوں کی تربیت کیلئے پانی پت تشریف لے گئے تو خواجہ شبلی نے یہ امانت حضرت مخدوم کے حوالہ کی، انھوں نے اس کو لیکر پہنا، پھر اپنی طرف سے خواجہ شبلی کو مرحمت فرمادیا[3]، حضرت مخدوم نے کچھ دنوں تک پانی پت میں قیام کر کے مخدوم زادوں کی تربیت فرمائی اور ان کو تکمیل تک پہنچایا، اس وقت سے یہ دستور چلا آ رہا ہے کہ مخدوم جلال الدین کبیر الاولیاء کی اولاد مخدوم عبدالحق کے سلسلہ میں مرید ہوتی ہے اور انہی سے سلوک کی تربیت حاصل کرتی ہے[4]۔

حضرت مخدوم کے ہمعصر بعض اور بزرگوں نے بھی اپنی اولاد کی روحانی تربیت حضرت مخدوم کے سپرد کی تھی، حکیم شیخ صدرالدین، حضرت نصیرالدین محمود چراغ دہلی کے اجل خلفاء میں تھے ان کے خلیفہ شیخ بدرالدین تھے، حضرت مخدوم کے دادا شیخ داؤد بھی حضرت نصیرالدین محمودؒ کے مرید اور خلیفہ تھے، اس رشتہ سے حضرت مخدوم اور شیخ بدرالدین کے بزرگوں میں بڑے تعلقات تھے، کچھ عزیزداری بھی تھی، شیخ بدرالدین کی وفات کے وقت ان کے صاحبزادے شیخ نصیرالدین صغیرالسن تھے، اس لئے شیخ بدرالدین نے ان کو اپنا جانشین تو بنایا، لیکن یہ وصیت کر دی کہ میری وفات کی بعد میرے دوست شیخ احمد آئیں گے، تم کو باطنی دولت ان سے ملے گی، چنانچہ شیخ بدرالدین کی وفات کے بعد حضرت مخدوم کو خیال ہوا کہ چل کر ان کے لڑکے کی خبر لینی چاہئے، اور ان کی تربیت کے لئے راسیری پہنچے، آپ کی آمد کی خبر سن کر ایک

---

[1] خزینۃ الاصفیاء ص ۳۸۶، [2] مرأۃ الاسرار قلمی، [3] ضمیمہ انوار العیون، بحوالہ تذکرہ شاہ محب اللہ الہ آبادی ص ۹۵،

[4] مرأۃ الاسرار حالات مخدوم جلال الدین کبیر الاولیاء

مخلوق ٹوٹ پڑی، یہاں کے حاکم قطب خاں نے جو شیخ بدرالدین کے عقیدتمندوں میں تھا اور آپ کے گھر والوں کی بڑی خدمت کرتا تھا، حضرت مخدوم سے بیعت کی درخواست کی، اور ایک گھوڑا نذر پیش کیا، اس خبر سے شیخ بدرالدین کے گھر والوں میں بڑی سراسیمگی پھیل گئی، حضرت مخدوم کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ یہ سب مردار ہیں، گھوڑا فروخت کر کے اس کی قیمت پانسو تنکہ غریب و نادار عورتوں میں تقسیم کرادیا اور قطب خاں سے فرمایا کہ نصیرالدین کے مرید ہو جاؤ، کچھ اندیشہ نہ کرو، نصیرالدین کی کلاہ عین اس فقیر کی کلاہ ہے اور اسی وقت قطب خاں کو شیخ نصیرالدین کو مرید کرادیا، اور اس کی نذر بھی انہی کو دلوائی اور ان کی تربیت و تکمیل کے بعد اجازت عطا کر کے واپس تشریف لائے[1]۔

وفات ۱۵ جمادی الثانی ۸۳۷ھ میں ایک سو آٹھ سال کی عمر میں وفات پائی اور اپنی خانقاہ سے متصل دفن ہوئے، ان کا مزار آج تک مرجع خلائق ہے، "دستگیر بیکساں" تاریخ وفات ہے۔

اولاد امجاد حضرت مخدوم کے کئی اولادیں ہوئیں لیکن سب بچپن ہی میں فوت ہو گئیں، اس سے حضرت کی اہل خانہ بہت غمگین رہتی تھیں، وہ ان سے فرماتے رنج نہ کرو، ایک لڑکا ہے، انشاءاللہ تم کو دوں گا، اس کو اپنے ساتھ سفر میں لیجا کر پختہ کار بناؤنگا اور اس شرط کے ساتھ تمہارے حوالہ کروں گا کہ ناز و نعمت کے ساتھ اس کی پرورش کرنا، کچھ دنوں کے بعد ایک لڑکا پیدا ہوا، اس کا نام انہوں نے شیخ عارف رکھا[2]، اولاد مذکور میں یہی زندہ رہے اور انہی سے ان کی نسل چلی۔

ان سے حضرت مخدوم بہت محبت فرماتے تھے اور بڑے اہتمام سے ان کی تربیت فرمائی تھی، شروع میں ان کو معلم کے سپرد کرتے وقت ہدایت کی تھی کہ میں نے صرف ادب کی تربیت کے لئے تمہارے سپرد کیا ہے، ان کو اپنے علوم کی تعلیم نہ دینا۔" میں اپنے علوم ان کو پڑھاؤں گا[3]۔

حضرت شیخ عارف الولد سرلابیہ کے مصداق تھے، حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ لکھتے ہیں کہ شیخ عارف حقیقتہً عارف ربانی، محقق سبحانی، کامل اکمل وقت اور ولی من اولیاءاللہ تھے، ان کی شفقت و محبت خلق اللہ کے ساتھ عام تھی، ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ شیخ عارف سب سے زیادہ اس سے محبت کرتے ہیں، خود ان کو بھی بڑی محبوبیت حاصل تھی، کوئی شخص ایسا نہ تھا جو شیخ عارف سے محبت نہ کرتا ہو، اور وہ اس پر شفقت نہ فرماتے ہوں، یہ عنایت ان کے کمال کا نتیجہ تھی[4]۔

صاحب خزینۃ الاصفیاء لکھتے ہیں کہ شیخ عارف بڑے عظیم الشان شیخ تھے اور شریعت، طریقت اور معرفت میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے[5]، یہی فرزند ارجمند حضرت مخدوم احمد عبدالحق کے جانشین ہوئے مگر

---

[1] انوار العیون میں اس کی بڑی لمبی تفصیل ہے، ہم نے اس کا خلاصہ نقل کیا ہے ص ۶۱ تا ۶۴، شیخ بدرالدین اور نصیرالدین کا ذکر تذکرہ علمائے فرنگی محل کے دیباچہ میں بھی ہے ص ۸، [2] انوار العیون ص ۴۰، [3] مراۃ الاسرار قلمی، [4] انوار العیون ص ۴۰،

[5] خزینۃ الاصفیاء ج اول ص ۳۹۷،

انھوں نے کل چالیس سال کی عمر پائی، اور ۸۵۹ھ میں انتقال فرمایا، اس لئے ان کے حالات تذکروں میں کم ملتے ہیں، ان کا مزار اپنے والد بزرگوار کے پہلو میں ہے، ان کے جانشین ان کے صاحبزادے شیخ محمد ہوئے، یہ بھی شیخ وقت اور تجرید وتفرید میں یگانہ روزگار تھے[1]، ان کا مرتبہ اس سے ظاہر ہے کہ شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے مرشد تھے، شیخ عبدالقدوس گنگوہی شیخ محمد کے بڑے محبوب خلیفہ تھے، اور ان کو ان پر اتنا اعتماد تھا کہ انھوں نے اپنے صاحبزادے شیخ بدھ اولیاء کی روحانی تعلیم و تربیت حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے سپرد کی تھی، اور وہ ان کے پاس شاہ آباد میں رہتے تھے اور اپنے والد بزرگوار کے مرض الموت میں وہیں تھے، ان کی وفات کے قریب حضرت شیخ احمد عبدالحق کی روحانیت کے حکم سے ان کو لیکر ردولی آئے، اس وقت شیخ محمد کا وقت آخر ہو چکا تھا، بار بار غفلت طاری ہو جاتی تھی، مگر جو ب ہوش میں آتے تو فرماتے ''سبحان اللہ فہم کردم، فہم کردم'' حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی نے پوچھا کیسی فہم فرمایا، ارشاد فرمایا ''توحید مطلق'' نزع کے وقت حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ نے عرض کیا ''یہ مردوں کی ہوشیاری کا وقت ہے۔'' حضرت شیخ محمد نے جواب دیا ''میری طرف سے بےفکر رہو، اس وقت میرے دل میں خدا کے سوا کسی کا گذر نہیں ہے،'' شیخ عبدالقدوس گنگوہی نے عرض کیا، آپ ساری دولت لیکر سفر کر رہے ہیں، آپ کے بعد میرا کیا حال ہوگا، فرمایا تم کو کیا اندیشہ تم خدا کے ولیوں میں ہو، اور شیخ بدھ اولیاء کو اپنا جانشین بنا کر جان جان آفرین کے سپرد کر دی[2]۔

ان کا مزار بھی ان کے جد امجد کے حظیرے کے باہر اس سے متصل مغربی سمت میں ہے، حضرت شیخ محمد کے بعد سے دو سلسلے چلے، ایک خاندانی اور نسبی، سجادہ نشینی کا جس کا سلسلہ جو اب تک قائم ہے، دوسرا حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی سے، اور ان ہی سے اس سلسلہ کو فروغ ہوا۔

شیخ عبدالقدوس گنگوہی

اس لئے حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے ذکر کے بغیر حضرت مخدوم احمد عبدالحق کا تذکرہ ناقص رہے گا، وہ حضرت مخدوم کے کمال ولایت کی سب سے روشن دلیل ہیں، وہ بیعت تو شیخ محمد سے تھے، لیکن سلوک و معرفت کی تربیت تمامتر حضرت مخدوم احمد عبدالحق کی روحانیت سے حاصل کی تھی، اس کی تفصیل انھوں نے انوار العیون میں خود اپنے قلم سے لکھی ہے، اور ان کے صاحبزادے شیخ رکن الدین نے کچھ حالات لطائف قدوسی میں تحریر کئے ہیں، انوار العیون میں شیخ عبدالقدوس گنگوہی فرماتے ہیں کہ:۔

''اس فقیر کو ارادت و اجازت پہلے عالم معاملہ میں حضرت شیخ العالم سے درست ہو گئی، اس کے بعد حضرت کے پوتے شیخ الوقت حضرت شیخ محمد مدظلہ واعلی قدرہٗ کے ہاتھوں پر بیعت کی اور اجازت کے شرف سے مشرف ہوا، حضرت شیخ العالم نے کئی مرتبہ عالم

---

[1] خزینۃ الاصفیاء ص ۳۹۷، [2] لطائف قدوسی، مرأۃ الاسرار قلمی،

معاملہ میں اس فقیر پر لطف وکرم فرمایا، اور ہاتھ پکڑ کر بڑے لطف وکرم سے ارشاد فرمایا کہ میں نے تجھ کو خدا تک پہنچا دیا، فالحمد اللہ علیٰ ذالک، اس فقیر کو حضرت شیخ العالم کے ساتھ اس قدر معاملات پیش آئے کہ حد شمار سے باہر ہے، کوئی وقت ایسا نہیں ہوتا تھا کہ اس سے غفلت ہوتی ہو اور یہ واقعات حضرت کی وفات کے چالیس سال بعد پیش آئے، اس سے پہلے کیا کچھ نہ رہا ہوگا...... حضرت شیخ العالم کی ولایت بدرجہ کمال ہے اور قیامت تک ایسے ہی رہے گی، اگر تم کو اس میں شک ہو تو صدق واخلاق اختیار کرو، ولیس الخبر کالمعاینہ[1]،،

انوار العیون کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:۔

''فقیر حقیر خادم فقراء اللہ ومفتقر رجاء اللہ، عبدالقدوس بن اسمٰعیل حنفی حنفی غزنوی خاکروب خانقاہ قطب الاقطاب تاج الاولیاء، ہادی الاصفیاء، سلطان العارفین برہان الواصلین، حضرت شیخ العالم شیخ احمد عبدالحق ردولوی صاحب توشہ قدس اللہ سرہ العزیز، کہتا ہے کہ جب میں نے مدتوں آنحضرت کی متبرک خانقاہ اور پاک روضہ میں جو اپنے تقدس کے اعتبار سے جنت کے باغوں میں سے ایک باغ اور مسرت وانبساط کے گلشنوں میں سے ایک گلشن ہے، شدید مجاہدوں اور لمبی لمبی ریاضتوں سے اپنے کو گھلا کر زار ونزار کر دیا، بھوک پیاس کی شدت برداشت کی تا آنکہ در آج معیت محویت کے مقام پر پہنچ گیا اور بلبل جان بوستان قلب میں بیخود ہو کر چہچہانے لگی اور دوست کی ہمراز ودمساز بن گئی ''یُومَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَ هَابَانَّ رَبَّکَ اَوْحٰی لَهَا کی حالت طاری ہوگئی[2]،،

شیخ رکن الدین لطائف قدوسی میں لکھتے ہیں کہ شیخ عبدالقدوسؒ اگر چہ حضرت شیخ احمد عبدالحق سے ان کی حیات ظاہری میں مشرف نہ ہوئے، لیکن ان کی حیات باطنی سے اس قدر بہرہ یاب ہوئے، کہ حضرت شیخ العالم عالم باطن میں ہر وقت اور ہر حال میں ان کی تربیت اور رہنمائی فرماتے تھے اور شیخ عبدالقدوس کو شغل باطن میں تمامتر شیخ احمد عبدالحق سے جمال وکمال سے واسطہ رہا، ان کا بیان ہے کہ میں ویرانوں، مقبروں اور حجروں میں جہاں میرے سوا کوئی نہ ہوتا تھا، تنہا مشغول بحق رہتا تھا، جب نماز اور تہجد کا وقت آتا قطب عالم شیخ احمد عبدالحق کی ولایت آ کر بیدار کر دیتی، حق حق حق کی آواز کانوں میں آنے لگتی، اس سے غفلت دور ہو جاتی، اور میں ہوشیار ہو جاتا اور یہ معاملہ ہمیشہ پیش آتا[3]۔

انوار العیون میں اس قسم کے بہت سے واقعات نقل کئے ہیں، حضرت شیخ کا یہ روحانی فیض ہر زمانہ میں جاری رہا، مصنف مرأۃ الاسرار شیخ عبدالرحمٰن چشتی، حضرت مخدوم کی چھٹی پشت میں حضرت شیخ حمید کے مرید اور خلیفہ تھے، وہ لکھتے ہیں کہ اس فقیر کاتب الحروف نے جبکہ آنحضرت کی وفات پر دو سو ۲۰۰

---

[1] انوار العیون ص ۸۱، [2] انوار العیون ص ۴، [3] لطائف قدوسی ص ۱۰،

سال سے زیادہ گذر چکے ہیں، آپ کے فیضِ روحانیت سے تربیت حاصل کی اور جب کوئی صوری و معنوی تفرقہ پیش آتا ہے، تو حضرت قبلہ ہی کو بیداری کی حالت میں اپنی طرف متوجہ پاتا ہے، آپ کی ولایت اور کمالات کے تصرفات تقریر وتحریر سے باہر ہیں[1]۔

حضرت شیخ عبدالقدوس کو حضرت مخدوم سے روحانی تعلق کے علاوہ رشتہ کا بھی تعلق تھا، حضرت شیخ عارف کی صاحبزادی حضرت مخدوم کی پوتی آپ کے ساتھ منسوب تھیں۔

خلفاء وممتاز مریدین

حضرت کے خلفاء میں ان کے صاحبزادے اور جانشین شیخ عارف احمد اور میاں قدو کے علاوہ کسی کی خلافت کی صراحت نہیں ملی، میاں قدو کو خلافت عطا کرنے کے بعد برنادہ میں مامور کیا تھا، انھوں نے عرض کیا پیر دستگیر نے مجھ پر جو کرم فرمایا ہے میں اس کے لائق نہیں ہوں وہ کسی کو مرید نہیں کرتے تھے اور کہتے تھے کہ مجھ کو اپنے ایمان کی فکر کرنی چاہئے، پیری مریدی کار دیگر ہے، جس کو خود اپنی نجات کا یقین نہ ہو وہ دوسروں کو کس طرح مرید کر سکتا ہے، اس زمانہ میں برنادہ بالکل ویرانہ تھا اس لئے میاں قدو نے برنادا کی بجائے رایشری مین قیام کیا تھا[2]۔

حضرت مخدوم کے مریدین میں جن کی خلافت کی تصریح نہیں ملی بعض بڑے درجے کے بزرگ تھے، ان میں شیخ بختیار اور میاں مخلص ممتاز حیثیت رکھتے تھے، حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ لکھتے ہیں کہ انھوں نے کسی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ نہیں کیا تھا، اور نہ رسمی تعلیم حاصل کی تھی، لیکن پیر دست گیر حضرت شیخ العالم قدس سرہٗ کے فیضانِ علم سے ایسے بہرہ ور ہو گئے تھے کہ علمائے وقت اپنی مشکلات ان سے حل کرتے تھے اور وہ جو کچھ کہتے تھے کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے سوا نہ ہوتا تھا اور بڑے بڑے علماء ان کے کمالات کے معترف تھے[3]۔

یہ فنافی الشیخ تھے، ان کی انقیاد وطاعت کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ مرشد نے حکم دیا کہ خانقاہ میں ایک کنواں کھودو، بختیار اسی وقت پھاوڑا لے کر کنواں کھودنے لگے، جب پانی نکل آیا، تو حضرت مخدوم نے اس پر تکبیر کہہ کر تقسیم فرمایا اور بختیار کو حکم دیا کہ اس کنویں کو باہر کی مٹی سے پاٹ دو، اور کنویں کی مٹی سے ایک چبوترہ بنادو، بختیار نے اس حکم کی بھی بے چون وچرا تعمیل کی، باہر کی مٹی سے کنواں پات دیا، اور کنویں کی مٹی سے چبوترہ تیار کر دیا، اور یہ بھی نہ پوچھا کہ حضرت نے کنواں کیوں کھودوایا تھا اور پھر کیوں پٹوادیا[4]۔

دوسرے خاص مرید حضرت شیخ مخلص تھے، یہ فیروز شاہ کے ملازم تھے، عرصۂ دراز تک حضرت مخدوم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور دونوں وقت کھانا لاتے رہے، آپ کھانا لے کر صرف فرما دیتے اور کبھی یہ نہ پوچھا کہ کون ہو کس مقصد سے آتے ہو، چھ مہینے اسی طرح گذر گئے، ایک دن مخلص نے اپنے

---

[1] مرآۃ الاسرار قلمی، [2] انوار العیون ص ۶۶، [3] انوار العیون ص ۴۷، [4] ایضاً ص ۴۶۔

دل میں خیال کیا کہ چھ مہینہ اس درویش کی خدمت کرتے گذر گئے، اس نے یہ بھی نہ پوچھا کہ کون ہو اور تمہارا مقصد کیا ہے، اگر اتنے دن پتھر کی بھی خدمت کرتا تو بھی مقصد حاصل ہو جاتا، یہ خیال کرتے ہوئے گھر واپس ہوئے، حضرت مخدوم بھی پیچھے پیچھے پہنچ گئے اور دروازہ پر دستک دی، اندر سے لونڈی نکلی۔ حضرت نے فرمایا، مخلص سے کہو کہ احمد دروازے پر کھڑا ہے، اس نے مخلص کو اطلاع دی، وہ جلدی سے نکل کر قدم بوس ہوئے حضرت مخدوم نے فرمایا تم مجھ سے گلہ مند ہو گئے، مخلص نے کوئی جواب نہ دیا اور کھانا لا کر پیش کیا، حضرت مخدوم نے پوچھا کوئی اولاد ہے، عرض کیا، ہاں ایک لڑکا، ایک لڑکی ہے، فرمایا، جاؤ پہلے اس کی شادی کرو، اس سے پہلے میرے پاس نہ آنا، مخلص لوٹ گئے اور چند دنوں کے بعد دونوں کی شادی سے فراغت کر کے حضرت مخدوم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت انھوں نے مرید فرمایا، ان کی مریدی کا واقعہ اوپر گذر چکا ہے، اور چند دنوں میں حضرت کی توجہ سے مرتبہ ولایت پر پہنچ گئے[1] انھوں نے اپنا خرقہ بھی ان کو مرحمت فرمایا تھا، مخلص کی وفات حضرت مخدوم کی حیات ہی میں ہو گئی تھی، وفات کے بعد ان کے صاحبزادے بہرام نے خرقہ لا کر حضرت مخدوم کی خدمت میں پیش فرمایا فرمایا یہ خرقہ انہی کے لائق تھا، اس لئے اس کو انہی کے ساتھ دفن کر دو چنانچہ اُن کیساتھ دفن کر دیا گیا۔[2]

ایک مرید با اختصاص سد کبیر دیوانہ تھے، یہ ہر وقت مست و مدہوش رہتے تھے، اس لئے دیوانہ ان کا لقب ہو گیا تھا، یہ اتنے مقرب تھے کہ وفات کے بعد مرشد کے مزار کے قریب دفن کئے گئے۔[3]

۱؎ انوار العیون ص ۵۶۔۵۷، ۲؎ ایضاً ص ۷۰، ۳؎ ایضاً ص ۷۲،

ہندوستان میں وحدت الوجود کے مسئلہ پر ایک نظر

ہم[1] اس مقالہ میں ہندوستان میں وحدت الوجود کے مسئلہ کی نوعیت کو کسی لمبی تمہید کے بغیر پیش کرنا چاہتے ہیں، اس لئے اس میں یہ بحث نہیں آئی ہے کہ وحدت الوجود کی ابتدا کب ہوئی کن اثرات کی بنا پر یہ مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا اس کا فلسفہ یہودیت، ہندویت اور عیسائیت کے ذریعہ اسلام میں روشناس ہوا یا خود اس کا اپنا فلسفہ اس مقالہ میں صرف یہ دکھانا ہے کہ ہندوستان کے اکابر صوفیائے کرام نے اس کو کس روشنی میں پیش کیا اور یہ کن مدارج سے گذرا۔

ہندوستان میں تصوف پر سب سے پہلی کتاب کشف المحجوب لکھی گئی جو شیخ علی ہجویریؒ (التوفی ۴۶۵ھ/۱۰۷۲ء) کی تصنیف ہے یہ اس ملک میں اسلامی تصوف کی انجیل سمجھی جاتی ہے اور تصوف پر اس سے بہتر کتاب یہاں اب تک نہیں لکھی گئی اس میں وحدت الوجود کی اصطلاح کے ساتھ تو بحث نہیں ملتی لیکن وحدت الوجود کے سلسلہ میں جو بحثیں بعد میں اٹھیں ان کا مواد اس کتاب میں تلاش کیا جا سکتا ہے۔

وحدت الوجود کی خاص خاص اصطلاحوں کو اگر نظر انداز کر دیا جائے تو سادے اور عام الفاظ میں اس کی تشریح اس طرح کی جا سکتی ہے کہ بندہ اپنے کو فنا کر کے خدا کے عشق میں اس طرح گم کر دیتا ہے کہ اس کے بعد وہ جو کچھ سنتا ہے تو خدا سے، جو کچھ دیکھتا ہے تو خدا کو، کچھ لیتا ہے تو خدا سے اور کچھ کہتا ہے تو خدا سے، اس کو ہر چیز میں خدا ہی خدا نظر آتا ہے، وہ پھولوں کی رنگینی، سبزہ کی شادابی، حسن کی رعنائی، نغمہ کی دلآویزی، دریا کی روانی، سمندر کی طغیانی، سیلاب کی تباہ کاری، زلزلہ کی غارتگری، انسانوں کی تباہی، آبادی کی بربادی وغیرہ سب چیزوں میں خدا ہی خدا دیکھتا ہے اور اس کی نظر میں خالق، خلق، تخلیق اور مخلوق وغیرہ سب ایک ہیں وجود یعنی ہستی حقیقی ایک ہے مگر ایک وجود ظاہر ہے اور ایک باطن، باطن خود ایک نور ہے جو عالم کے لئے ایک جان کی طرح ہے اسی نور باطن کا عکس وجود ظاہر ہے ہر اسم وصفت وفعل جو کہ اس عالم ظاہر میں ہے، ان سب کا اصل وہی وصفِ باطن ہے، اس کثرت کی حقیقت دراصل وہی وحدت ہے۔

---

[1] یہ مقالہ آل انڈیا اسلامک اسٹڈیز کانفرنس کے چھٹے اجلاس میں جو دارالمصنفین میں ۳۰ر و ۳۱ر دسمبر ۱۹۶۹ء میں ہوا تھا پیش کیا گیا، اس میں مزید اضافہ کر کے معارف میں بھی شائع کیا گیا، اب اس کتاب میں شامل کیا جا رہا ہے۔

اب اس مقالہ میں یہی دکھانا ہے کہ ہندوستان کے اکابر صوفیائے کرام نے ان دلآویز تخیلات اور تصورات کو کس روشنی میں دیکھا ہے شیخ علی ہجویریؒ کے یہاں فنا و بقا، جمع و تفرقہ اور حلول روح کے جو مباحث ہیں ان سے ان خیالات کا پتہ چلے گا جن کا اظہار بعد کے اکابر صوفیہ وحدت الوجود کی اصطلاح کے ساتھ کرتے رہے شیخ ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ صوفیوں میں ایسا گروہ بھی ہے، جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ فنا سے اپنی ذات اور وجود کو مٹایا جا سکتا ہے اور فنا کے بعد بقا حاصل کر کے خدا کی ذات سے اتحاد حاصل کیا جا سکتا ہے شیخ ہجویریؒ اس کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ انسانی ذات اور وجود کا نیست ہو کر خدا سے متحد ہونا محال ہے کیونکہ حادث قدیم سے، مصنوع صانع سے اور مخلوق خالق سے متحد اور ممتزج نہیں ہو سکتا اگر کوئی فنا حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ وہ شہوات ولذات ترک کر کے خصائصِ بشریت سے اس طرح علیحدہ ہو جائے کہ پھر محبت وعداوت، قرب و بعد، وصل و فراق اور صحو وسکر میں اس کو کوئی تمیز باقی نہ رہے اور جب یہ مقصود حاصل ہو جائے تو یہی بقا ہے۔

(کشف المحجوب، بحث فنا و بقا فرقہ حرازی)

حضرت شیخ ہجویریؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ مجاہدہ سے بندہ اگر خداوند تعالیٰ کی تجلیات کو دیکھتا ہے تو وہ اپنے استغراق میں خداوند تعالےٰ کی عنایت اور مہربانی سے سرفراز ہوتا ہے وہ یہ دعویٰ نہیں کر سکتا ہے کہ اس کی ذات خدا کی ذات میں حلول کر گئی ایسا دعویٰ کفر اور زندقہ ہے اور یہ مسلک دین اور توحید کے خلاف ہے جو کسی حال میں تصوف نہیں کہا جا سکتا بندہ کی سعادت یہ ہے کہ وہ اپنے استغراق اور مجاہدہ کو ہدایت خداوندی کے پہلو میں نفی کر دے۔ (کشف المحجوب بحث جمع وتفرقہ)

شیخ ہجویریؒ نے معرفت الٰہی اور توحید پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ معرفت حاصل کرنے والا بندہ یہ محسوس کرتا ہے کہ مخلوق کی تمام حرکات وسکنات خدا کی طرف سے ہیں کسی کو خدا کی اجازت کے بغیر اس کے ملک میں تصرف نہیں ہے ہر چیز کی ذات اس کی ذات سے ہے ہر چیز کا اثر اس کے اثر سے ہے، ہر شے کی صفت اس کی صفت سے ہے متحرک اس سے متحرک ہے اور ساکن اس سے ساکن ہے بندہ کا فعل محض مجازاً ہے، ورنہ درحقیقت وہ فعل خداوند عالم کا ہے، اس طرح اس کا قلب خدا کی دوستی کا محل، آنکھیں اس کے دیدار کا محل اور جان عبرت کا محل ہو جاتی ہے لیکن ان تمام مدارج کے باوجود بندہ کے دل میں فرمان الٰہی کی تعظیم بڑھتی جاتی ہے، کیونکہ معرفت شوق اور محبت کا نام ہے، شوق اور محبت کی علامت طاعت الٰہی ہے۔ (کشف المحجوب بحث معرفت)

اسی لئے شیخ ہجویریؒ نے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کو ہر حال میں ضروری قرار دیا ہے، کیونکہ ان چیزوں سے خوف الٰہی اور بھی زیادہ حاصل ہوتا ہے، مثلاً نماز بندہ کو خدا کے راستہ پر پہنچاتی ہے اور اس پر اس راہ کے تمام مقامات کھل جاتے ہیں نماز میں قیام نفس کا مجاہدہ ہے، قرأت ذکر الٰہی ہے، رکوع تواضع

ہے، سجدہ نفس کی معرفت ہے، قعدہ محبت کا مقام ہے اور سلام مقامات سے باہر آنا ہے۔
(کشف المحجوب، ذکر نماز)

روزہ سے نفس میں فنادگی، دل میں عاجزی اور روشنی اور جان میں صفائی پیدا ہوتی ہے جو معرفت الٰہی کے حصول میں ناگزیر ہیں، (کشف المحجوب ذکر روزہ) زکوٰۃ کی حقیقت نعمت کی شکر گذاری ہے اگر بندہ کے پاس کچھ بھی نہ ہو تو وہ اپنے باطن کو ایک نعمت سمجھے اس کی زکوٰۃ عرفان حاصل کرنا ہے، (کشف المحجوب ذکر زکوٰۃ) اسی طرح حج میں احرام باندھنا، انسانی عادتوں سے علیحدہ ہونا، عرفات میں قیام کرنا، مشاہدہ کا کشف حاصل کرنا، مزدلفہ جانا، نفسانی مرادوں کو ترک کرنا، طواف کرنا، خداوند تعالیٰ کے جمال با کمال کو دیکھنا، صفا اور مروہ میں دوڑنا، دل کی صفائی اور اس میں مروت حاصل کرنا، منیٰ میں آنا، آرزوؤں کو ساقط کرنا، قربانی کرنا، گویا نفسانی خواہشوں کو ذبح کرنا اور کنکریاں پھینکنا، برے ساتھیوں کو دور کرنا ہے، (کشف المحجوب ذکر حج) شیخ ہجویریؒ کے بیانات سے یہ ظاہر ہے کہ معرفت الٰہی ہو یا عشق الٰہی ہو، یا درجہء حقیقت ہو، ہر حال میں شریعت کی پابندی ضروری ہے،

ہندوستان کے تمام اکابر صوفیہ کا عمل ان ہی تعلیمات پر رہا اس ملک میں چشتیہ سلسلہ سب سے زیادہ مقبول رہا اس کے اکابر عبادت الٰہی پر زیادہ زور دیتے رہے وہ کشتگانِ خنجر تسلیم بن کر اپنے ہر بنِ مو سے عشق الٰہی کا اظہار کرنے ہی میں لذت محسوس کرتے لیکن اس عشق الٰہی میں خشیت الٰہی کو معرفت الٰہی کا تنہا ذریعہ سمجھتے رہے حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ المتوفی ۶۲۷ھ ۱۲۲۹ء فرماتے ہیں کہ عارف عشق الٰہی میں ایسا کھو جاتا ہے کہ اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے اسی کی قدرت کاملہ میں محو اور متحیر رہتا ہے، اور وہ ایک قدم بڑھا کر عرش سے حجاب عظمت، اور حجاب عظمت سے حجابِ کبریا تک پہنچ جاتا ہے، اور دوسرے قدم میں واپس آجاتا ہے یہ تو عارف کا کمترین درجہ ہے ایک عارف کامل کہاں تک پہنچ جاتا ہے، وہ تو خدا ہی جانتا ہے، (دلیل العارفین ص ۶)

لیکن ان مقامات کو حاصل کرنے کے لئے چودہ [۱۴] شرطیں مقرر کی ہیں، ان میں پہلی دو [۲] توبہ اور عبادت ہے، وہ حبِ رسول پر بھی برابر زور دیتے رہے اور فرماتے افسوس ہے اُس شخص پر جو قیامت کے دن آپ ﷺ سے شرمندہ ہوگا اس کی جگہ کہاں ہوگی جو آپ سے شرمندہ ہوگا وہ کہاں جائے گا یہ کہہ کے ہائے ہائے کر کے رونے لگتے، (دلیل العارفین مجلس دوم)

خواجگانِ چشت کے ملفوظات میں عشقِ الٰہی کے جا بجا ذکر میں وحدت الوجود کے رموز و نکات تو تلاش کیے جا سکتے ہیں لیکن وہ ان کی عبادت و ریاضت، توبہء دل، توبہء چشم، توبہء زبان، توبہء گوش، توبہء پا، توبہء نفس، مجاہدہء نفس، حبِ رسول اور پابندیٔ شریعت وغیرہ کی تعلیمات میں دبے ہوئے ہیں۔

آگے چل کر جب عشقِ الٰہی کا غلبہ زیادہ ہو گیا تو وحدت الوجود پر فلسفیانہ اور عارفانہ بحث ہونے

لگی، اور سب سے پہلے اس پر علمی بحث حضرت شرف الدین یحییٰ منیریؒ التوفی ۷۸۲ھ ۱۳۸۰ء کی مکتوبات میں ملتی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ مجاہدہ اور ریاضت سے یہ مشاہدہ ہوتا ہے کہ فاعل حقیقی اللہ ہی کی ایک ذات ہے، یہ توحید عارفانہ ہے جس کو مقام ہمہ از دست سے تعبیر کیا جاتا ہے، لیکن اس کے بعد مجاہدہ اور ریاضت کی کثرت سے سالک ایسا مستغرق ہو جاتا ہے کہ ساری ہستیاں اس کی نظر میں گم ہو جاتی ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ اور نہیں دیکھتا اس پر فنائیت طاری رہتی ہے، اس کو فنافی التوحید یعنی ہمہ اوست کہتے ہیں فنافی التوحید کے بعد بھی ایک مقام آتا ہے جس کا نام الفناعن الفنا ہے، یہاں پہنچ کر وہ خدا کے جلال اور جمال میں کوئی تمیز نہیں کرتا ہے کیونکہ یہ تمیز باقی رہ جاتی ہے تو یہ تفرقہ کی دلیل ہے عین الحق اور جمع الجمع کا مقام اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب سالک اپنے اور کل کائنات کو خدا کے دریائے نور میں غرق کر دیتا ہے اور اس کو خبر نہیں ہوتی ہے کہ کون اور کیا غرق ہوا، اس مقام تفرید میں پہنچ کر سالک کو وحدت الوجود کی حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے، اور وہ ایسا محو ہو جاتا ہے کہ اس کو اسم و رسم، وجود و عدم، عبارت و اشارات، عرش و فرش اور اثر و خبر سے کوئی واقفیت نہیں ہوتی، اس مقام کے سوا کہیں اور جلوہ گر نہیں ہوتا یہاں کے سوا اس کا نشان کہیں اور ظاہر نہیں ہوتا حضرت شرف الدین یحییٰ منیریؒ نے اس کی تاکید خاص طور پر کی ہے کہ توحید وجودی علم کے درجہ میں ہو یا شہود کے ابتدائی درجہ سے انتہائی درجہ میں ہو، ہر درجہ میں بندہ بندہ ہے، اس لئے انا الحق و سبحانی (میں خدا ہوں، میں پاک ہوں) کہنا مناسب نہیں، کیونکہ

ہر آنکہ در خدا گم شد خدا نیست

(مکتوبات سہ صدی ص ۶)

وہ حب اللہ میں اتباع شریعت کو لازمی سمجھتے تھے، اسی لیے فرماتے:

"باشرع باہوش باش و با خدا دیوانہ باعشق آشنا باش و باعقل بیگانہ"

انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ شریعت کے بغیر طریقت صرف ہلاکت ہے، شریعت کے بغیر راہ طریقت میں غرور، جہل، پندار اور حمق پیدا ہو جاتا ہے، جس کے بعد شیطان ورغلا کے ایمان برباد کر دیتا ہے۔ (مکتوبات سہ صدی ص ۶۴)

یہ بھی فرمایا کہ بعض گروہ کا خیال ہے کہ حقیقت کا جب کشف ہو جاتا ہے تو شریعت کی ضرورت باقی نہیں رہتی تو ایسے اعتقاد پر لعنت ہو، حقیقت بغیر شریعت کے زندقہ ہے، کتاب و سنت اور اجماع امت کی تقلید ہر حال میں ضروری ہے۔ (مکتوبات سہ صدی)

حضرت شرف الدین یحییٰ منیریؒ ہی کے زمانہ میں ایک بزرگ احمد بہاری تھے جو فیروز شاہ تغلق کے عہد میں بہار سے دہلی آ کر سکونت پذیر ہو گئے فیروز شاہ کا بیان فتوحات فیروز شاہی میں ہے کہ ان کے مریدین دہریے تھے جو احمد بہاری کو خدا سمجھتے اور کہا کرتے کہ دہلی میں خدا طلوع ہوا ہے اور خود احمد

بھاری رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخانہ باتیں کرتے تھے اسی لیے فیروز شاہ نے ان کے پاؤں میں زنجیر ڈلوا کر اپنے سامنے بلوایا اور قید کر دیا ان کے مریدین کو ادھر ادھر مختلف شہروں میں بھیج کر منتشر کر دیا ان کے ایک دوست شیخ عز کاکوی بھی تھے، ان پر بھی شطحیات کا الزام آیا،

(فتوحات فیروز شاہی ص ۸۰ علی گڑھ اڈیشن)

حضرت شرف الدین یحیٰ منیریؒ کے مکتوبات سے معلوم ہوتا ہے کہ احمد بھاری اور شیخ کاکوی دونوں قتل کر دیئے گئے جس سے ان کو بڑا دکھ ہوا وہ دونوں کو توحید کے اسرار و رموز کا واقف کار اور ترک و تجرید کا حامل سمجھتے تھے اس لئے ان کا خیال تھا کہ ان کی باتوں کو عالمِ دیوانگی پر محمول کرنا چاہئے تھا۔

(مکتوبات بست و ہشت ص ۴۷-۳۴۶)

لیکن علمائے ظاہر اس قسم کی توحید وجودی کو پسند نہیں کرتے جس سے دیوانگی پیدا ہو اور دیوانگی کے بعد گمراہی کے احتمالات اور خطرات بھی پیدا ہو جائیں فیروز شاہی کے عہد میں عین الملک ماہ رو کا ایک غلام صوفی بن گیا تھا، اس نے اپنے مریدوں کو تاکید کی کہ میں انا الحق کہوں تو تم سب بلند آواز سے توئی توئی کہو اس کو بھی علماء کے فتوے پر سخت سزا دی گئی۔ (فتوحات فیروز شاہی ص ۱۰)

وحدت الوجود کے اس قسم کے حامیوں کی وجہ سے علمائے ظاہر اس مسئلہ سے بدظن ہوتے گئے اکابر صوفیہ علماء کے اس سوء ظن کو دور کرنے میں لگے رہے اس مسئلہ پر تفصیلی بحث لطائف اشرفی میں ملتی ہے جس میں چشتیہ سلسلہ کے بزرگ حضرت اشرف جہانگیر سمنانیؒ المتوفی ۸۰۸ھ ۱۴۰۵ء کے خیالات بہت ہی مبسوط طریقہ پر پیش کیے گئے ہیں، وہ وحدت الوجود کے بڑے حامی تھے لیکن جب وہ اپنی سیاحت کے دوران میں بخارا پہنچے تو ان کو معلوم ہوا کہ وہاں کے علماء و فضلاء وحدتِ وجود کے منکر ہیں ان کو اعتراض تھا کہ اس فلسفہ کے بانی مبانی شیخ ابن العربی نے حق کو وجود مطلق کہا ہے، جو محض ایک رسوائی کی بات ہے، اس سے بہتر تو دہریوں کے عقائد ہیں، اس سلسلہ میں حضرت اشرف جہانگیر سمنانیؒ کی بحث کا خلاصہ یہی ہے کہ لوگوں نے شیخ ابن العربی کے فلسفہ کو سمجھنے میں غلطیاں کی ہیں اسی لیے ان کے عقائد سے بھی غلطی فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں وہ وحدت کو کثرت میں ثابت کرنا چاہتے تھے یعنی مخلوقات کی کثرت سے وحدت حق میں کوئی زیادتی یا کمی نہیں ہوئی، اس لیے ذات باری تعالیٰ کو وجود مطلق قرار دیا، ان کا مقصد محض اثبات وحدانیت اور کمالِ حق کو ظاہر کرنا تھا۔

حضرت اشرف جہانگیر سمنانیؒ نے اپنے دعویٰ کو اس حکایت سے مستحکم کرنے کی کوشش کی ہے کہ دو ۲ بزرگوں میں بحث ہو رہی تھی تو ایک نے کہا میں اس خدا سے بیزار ہوں جو کتے اور بلی میں ظاہر ہو، دوسرے نے کہا میں اس خدا سے بیزار ہوں جو کتے اور بلی میں ظاہر نہ ہو حاضرین مجلس نے کہا کہ ان دونوں میں سے ایک تو کافر ضرور ہے مگر ایک کامل نے توجیہ کی کہ جس شخص نے کتے اور بلی میں خدا کے

ظہور سے انکار کیا وہ ان جانوروں کی ناپاکی کے سبب سے تھا بس اس کا مقصود خدائے ناقص سے بیزاری ہے اور جس شخص نے کتے اور بلی میں خدا کے ظہور پر اصرار کیا وہ اس بنیاد پر تھا کہ خدا کا فیض ناقص اور کم نہیں ہو سکتا بس اس کی بھی بیزاری خدائے ناقص سے ہے، ظاہر ہے کہ ناقص، خدا ہونے کے قابل نہیں لہذا ان دونوں میں سے کوئی خدا سے بیزار نہیں ہے اور کافر نہیں ہے۔

(لطائف اشرفی جلد دوم لطیفہ ۲۷واں)

حضرت اشرف جہانگیر سمنانیؒ نے فلسفیانہ طریقہ پر وحدت کی دو قسمیں بتائی ہیں:

(۱) وحدتِ مطلقہ من حیث الذات والصفات (۲) وحدتِ مقیدہ من حیث الصفات لا من حیث الذات،

وحدتِ مطلقہ میں غیر کا وجود بالکل معدوم ہو جاتا ہے، اور وحدت مقیدہ میں مثل کا وجود معدوم ہو جاتا ہے حضرت اشرف جہانگیر سمنانیؒ کا عقیدہ یہ تھا کہ جو کچھ ہے خدا ہے، ہمہ اوست اس کو آیات قرآنی سے اور احادیث نبوی ﷺ سے ثابت بھی کیا ہے لیکن ان کو یہ خیال رہا کہ اس قسم کے مباحث میں گمراہی بھی پیدا ہو سکتی ہے، اس لئے اپنی تعلیمات میں اس کی وضاحت کی کہ اولیاء اللہ کی خواہ کوئی قسم بھی ہو خواہ وہ غوث ہوں یا اوتاد یا ابدال یا احیاء، جو کچھ بھی ہوں وہ فنا فی اللہ کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ ظاہراً باطناً، قولاً، فعلاً اور حالاً محمد مصطفیٰ ﷺ کے متبع نہ ہوں۔ (لطائف اشرفی جلد اوّل ص ۳۵)

وحدتِ وجود کے بہت بڑے حامی حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ (المتوفی ۹۴۴ھ/۱۵۳۷ء) بھی تھے لیکن اس حمایت کے ساتھ ان میں شریعت کی بھی بڑی پابندی تھی، وہ اپنے تقویٰ میں اُن تمام چیزوں سے پرہیز کرتے جن کی شرعی حیثیت ذرہ بھی مشکوک ہوتی وہ ایسے قصابوں کا ذبیحہ نہ کھاتے تھے جو نمازی نہ ہوتے تھے اسی کے ساتھ ان پر اس کا اتنا غلبہ ہوا کہ وہ اس کو جز ایمان سمجھنے لگے اسی غلبہ میں وہ اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں۔

> یہ کیسا شور ہے اور کیسا غوغا پھیلا ہوا ہے کہ کوئی مومن ہے کوئی کافر ہے، کوئی اطاعت کرنے والا ہے کوئی گنہگار ہے، کوئی صحیح راستہ پر ہے کوئی غلط راہ پر چل رہا ہے کوئی مسلم ہے کوئی پارسا ہے، کوئی ملحد ہے کوئی ترسا ہے سب ایک ہی لڑی کے موتی ہیں۔
>
> (مکتوبات عبدالقدوس گنگوہی ص ۲۰۵)

ان فقروں میں انسانی محبت، اخوت اور وجدت کا بڑا درد بھرا ہوا ہے لیکن راہ سلوک کی منزلوں کو طے کر کے جس مقام پر حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ پہنچ گئے تھے وہاں سے یہ درد بھری آواز نکل کر فضا میں گونجی تو کوئی تعجب کی بات نہیں تھی حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ کی طرح ایسی صدا اٹھانے والے وحدت الوجود کے حامیوں کو پہلے ان ہی کی طرح کتاب، سنت اور شریعت کا پابند بھی ہونا چاہئے۔

لیکن اس کے باوجود حضرت عبدالقدوسؒ کو یہ خیال رہا کہ اس قسم کی باتوں کا اظہار مناسب نہیں، اپنے رسالہ غرائب الفوائد میں لکھتے ہیں۔

''اہل شریعت کے نزدیک خداوند تعالیٰ اور عالم کی نسبت وہی ہے جو کاتب اور حروف وکلمات کی ہوتی ہے اہل حکمت کے نزدیک یہ نسبت وہی ہے جو تخم کی نسبت درخت سے ہوتی ہے لیکن اہل وحدت کے نزدیک یہ نسبت وہی ہے جو سیاہی کی نسبت حروف سے ہوتی ہے حروف سیاہی سے نکلتے ہیں، بلکہ یہ عین سیاہی ہیں لیکن حروف کو سیاہی نہیں کہیں گے، اگر کوئی ایسا کہتا ہے تو یہ اس کی غلطی کہی جائے گی کیونکہ ان کی ظاہری شکل وصورت مختلف ہے لیکن یہ دیکھا اور سمجھا جاسکتا ہے کہ حروف درحقیقت عین سیاہی ہیں دیکھ کر سمجھنا تو درست ہے لیکن زبان شرع کی غلام ہے زبان پر وہی بات لانی چاہئے جو شرع کے مطابق ہے، دل حق کا غلام ہے جو حقیقت ہے اس کو جاننا چاہئے لیکن کہنا نہ چاہئے، جو چیز دانستی اور دیدنی ہے وہ گفتنی نہیں ہے اگر کوئی کہہ دے تو یہ کفر ہوگا کیونکہ یہ ربوبیت کے راز کا افشاء کرنا ہے اور ربوبیت کے راز کا افشاء کرنا کفر ہے وحدت کا راز یہ ہے کہ سالک صفائی حاصل کرے اور مقام فنا میں پہنچ جائے، اور اپنے اور کل کائنات کو نہ دیکھے اس کے مشاہدہ میں حق کے سوا کچھ اور نہ ہو لیکن اگر وہ پھر اپنے آپے میں ہو جائے اور اس راز کو ظاہر کرے تو یہ سب کے نزدیک کفر ہوگا وہ اپنے حال کے غلبہ اور نور شہود کے سطوت سے مغلوب ہو جاتا ہے، اور اپنے آپے میں نہیں رہتا ہے اس وقت وہ معذور ہو جاتا ہے، اس وقت وہ جو کچھ کہے اس کی گرفت نہ کی جائے۔

ہر یہ از دیوانہ آید در وجود
عفو فرمائید از دیوانہ زود

لیکن کچھ صوفیہ ایسے بھی ہیں جنھوں نے اس دیوانگی کے جذب وکیفیت کو مستقل ایک مسلک بنا کر تصوف کا رخ ہی موڑ دینے کی کوشش کی، وہ کہتے ہیں کہ جب ہم وحدت سے نکل کر کثرت میں آتے ہیں اور کثرت سے وحدت میں گم ہو جائیں گے تو عذاب وثواب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس طرح وہ مذہب وملت، خیر وشر اور ایمان وکفر کی تفریق مٹا دینے کی کوشش کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ جب وہ وحدت میں گم ہو جاتے ہیں تو انا الحق کا نعرہ لگاتے ہیں ایسی حالت میں اگر ان کے مریدین ان کو سجدہ کریں تو ناجائز نہیں، اسی افراتفری میں وہ حسین وجمیل صورتوں کو پسند کرتے اور کہتے کہ حسن وجمال واجب الوجود سے مستعار ہے اسی لئے حسینوں کی صحبت رسائی حق کی راہ ہے وہ سادہ رخوں کے رنگ میں اللہ ہی کا ایسا رنگ دیکھتے، حسینوں کے غمزوں اور عشقوں کے ذریعہ مجازی عشق سے عشق حقیقی تک پہنچنے کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

حضرت عبدالقدوسؒ اس افراتفری کو پسند نہیں کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ خداوند تعالےٰ کی

ذات میں تو وحدت ہے لیکن اس کی صفات میں کثرت ہے اس کثرت میں تضاد بھی پیدا ہو سکتا ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ ہادی بھی ہے اور مضل بھی ہے، اُس میں جمال بھی ہے اور جلال بھی، ہادی کی حیثیت سے وہ ہدایت کر سکتا ہے، اور مضل کی حیثیت سے ضلالت کی راہ پر ڈال سکتا ہے اس کے جمال کے مظاہرے خیر و ثواب ہیں، اور جلال کے مظاہرے سزا و عذاب ہیں لیکن اس صفات کی کثرت سے اس کے وجود کی وحدت میں کوئی فرق نہیں پڑتا ہے (غرائب الفوائد ص ۳۴) مگر وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جو وحدت الوجود کے ساتھ کفر و اسلام، امر و نہی، ثواب و عذاب، رحم و قہر اور نبوت کے قائل ہیں، وہ تو صوفیہ ہیں اور جو چیزوں کے قائل نہیں ہیں وہ سوفسطائیہ ہیں۔ (غرائب الفوادص ۳۴)

علماء سوفسطائیوں کو بالکل خارج از اسلام سمجھتے اور صرف لا الہ الا اللہ کے ماننے والے کو مسلمان سمجھنے کے لئے تیار نہیں ہوتے جب تک کہ وہ محمد رسول اللہ ﷺ کے بھی قائل نہ ہوتے، وہ توحید اور رسالت دونوں پر یقین کامل رکھنے ہی میں عقیدہ اور ایمان کی سلامتی سمجھتے اور کہتے کہ صوری اور معنوی اخلاق کی درستگی اُس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کہ سرور عالم ﷺ کی کامل متابعت نہ ہو، اسی متابعت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی قربت کا حاصل ہونا ممکن ہے، وہ انا الحق کے کہنے والوں کو مرتد و بے دین سمجھتے، اس لئے ان کے خلاف ہنگامہ کرتے اور سلاطینِ وقت سے مل کر ان کو قتل یا جلاوطن کروا دیتے۔

علماء کبیر داس کی تعلیمات سے بھی چوکنا ہوئے جو وحدت الوجود کے بہت بڑے علمبردار تھے کبیر کہتے ہیں کہ خالق مخلوق میں ہے اور مخلوق خالق میں ہے۔ یہ دونوں الگ الگ نہیں ہیں اودیا اور گیان نے دوئی کا پردہ ڈال رکھا ہے۔ اگر جہالت کے بادل چھٹ جائیں اور منکار (خودی) کی تاریکی دور ہو جائے تو چشم بینا کو ہمہ اوست کی حقیقت نظر آنے لگے، کہتے ہیں:۔

(خالق ہے خلق میں اور خلق ہے خالق میں، سبھوں میں وہ سمایا ہوا ہے)

کبیر داس کی ہمہ اوست کی تعلیم کچھ ایسی دل آویز تھی کہ ایک مذہبی گروہ کبیر پنتھی کے نام سے قائم ہو گیا جس کا مسلک یہ تھا کہ نہ کوئی ہندو ہے نہ مسلمان،

کہے کبیر اک رام جپو رے ہندو ترک نہ کوئی

ظاہر ہے کہ علماء ایسے مسلک کو کسی حال میں پسند نہیں کر سکتے تھے جس میں نہ کوئی ہندو رہے اور نہ مسلمان۔

آگے چل کر اکبر کا دین الٰہی بھی وحدت الوجود ہی کا کرشمہ تھا جسکی تعلیم و تلقین سے نہ صرف علماء بلکہ مسلمان خواص و عوام بھی چیخ اٹھے اور اکبر سے برگشتہ ہو گئے وحدت الوجود کے ایسے ہی حامیوں کے

نمونے دیکھ کر علماء وحدت الوجود کے منکر ہو جاتے اور اس کفر اور مذہبی رسوائی سمجھنے لگے۔

لیکن ایسے اسلامی مفکرین وعلماء اور صوفیہ دونوں کی صفوں میں شامل تھے، وحدت الوجود کو کفر اور رسوائی سمجھنے کے لئے تیار نہ تھے خصوصاً جب ان کے سامنے حضرت شرف الدین یحیٰ منیریؒ، حضرت اشرف جہانگیر سمنانیؒ اور حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ کے نمونے موجود تھے جو عملی طور پر شریعت کی پابندی میں سر موتجاوز کرنا پسند نہ کرتے، اور اسی کے ساتھ وحدت الوجود کے بھی قائل رہے۔

خود حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ (المتوفی ۱۶۲۴ء) شروع میں توحید وجودی کے قائل تھے اور انھوں نے یہ روایت اپنے مرشد حضرت خواجہ عبیداللہ کو لکھ بھیجے تھے،

اے دریغا کہ این شریعت علت ایمانی است
ملت ما کافری و ملت ترسانی است
کفر وایماں زلف دروئے آں پری زیبانی است
کفرو ایماں ہر دو اندر راہ ما یکتانی است

لیکن وہ کہتے ہیں کہ یہ بیت سراسر حالتِ سکر میں قلمبند ہوئے تھے جو مدتوں تک قائم رہی لیکن بعد میں ان کو معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کسی چیز سے متحد نہیں ہے خدا خدا ہے اور عالم عالم حق تعالیٰ بے چون و بے چگون ہے بیچوں کو چوں کا عین نہیں کر سکتے واجب ممکن کا عین اور قدیم حادث کا عین ہرگز نہیں ہو سکتا اس کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ توحید وجودی کے مشرب کے مخالف علوم ومعارف کے حال ہونے کے وقت یہ فقیر بہت بے قرار رہا کیونکہ اس توحید سے بڑھ کر اور کوئی اعلیٰ امر نہ جانتا تھا اور عاجزی درازی سے دعا کرتا تھا کہ یہ معرفت زائل نہ ہو جائے لیکن رفتہ رفتہ سارے حجابات سامنے سے زائل ہو گئے اور کما حقہ حقیقت منکشف ہوگئی اور معلوم ہوا کہ عالم ہر چند صفاتی کمالات کا آئینہ اور اسمائے ظہورات کا جلوہ گاہ ہے لیکن مظہر ظاہر کا عین اور ظل اصل کا عین نہیں جیسا کہ توحید وجودی کا مذہب ہے پھر وہ یہ لکھتے ہیں کہ محبوب کے سوا کچھ نہ دکھائی دینا تو یہ محبت کا غلبہ ہے لیکن یہ حقیقت نہیں ہے، (مکتوب نمبر ۳۱ جلد اول)

حضرت مجددؒ کے خیالات کا خلاصہ اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ جس مقام پر صوفیوں کو وحدت وجود محسوس ہوتا ہے اور سلوک کی آخری منزل نہیں بلکہ درمیانی منزلوں کی واردات ہیں، جہاں سالک کو محسوس ہوتا ہے کہ وجود ایک ہے اس ایک ذات کے سوا کچھ موجود نہیں لیکن جب وہ اس منزل سے آگے بڑھتا ہے تو اس کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ محض وحدت شہود ہے یعنی اس کو ایسا نظر آتا ہے، وحدت وجود نہیں یعنی واقع میں ایسا نہیں ہے اس وحدت شہود کے مقام کے بعد عبدیت کا مقام آتا ہے جہاں خالق اور مخلوق کی جداگانہ حقیقتیں روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہیں

ان ہی باتوں کو حضرت مجددؒ نے مختلف طریقوں سے پیش کیا ہے، فرماتے ہیں کہ توحید وجودی علم

الیقین ہے، اور توحید شہودی عین الیقین ہے، مثلاً کسی کو آفتاب کا علم ہے تو یہ علم ستاروں کے وجود کو بے وجود نہیں کر سکتا اور جو عین آفتاب کو دیکھتا ہے اس کی نگاہ حق الیقیں میں بھی ستاروں کا وجود نیست و نابود ہو جانا ضروری نہیں، مقام عین الیقین سے حق الیقین میں پہنچنا کوئی تضاد نہیں اور یہ عین علم شریعت ہے۔
(مکتوبات امام ربانی جلد اول نمبر ۴۳)

حضرت مجدد الف ثانیؒ سے ان کے ایک مرید نے پوچھا کہ صوفیا وحدت وجود کے قائل ہیں اور علماء اس کو کفر و زندقہ جانتے ہیں اس معاملہ کی حقیقت کیا ہے اس کے جواب میں حضرت مجدد الف ثانیؒ نے توحید وجودی کے ماننے والوں کے خیالات کی تردید نہیں کی ہے، بلکہ ان کے تصورات کی وضاحت بڑی خوبی سے کی ہے، فرماتے ہیں کہ جو لوگ وحدت وجود کے قائل ہیں اور اشیاء کو عین حق جانتے ہیں اور ہمہ اوست کہتے ہیں اس سے ان کی یہ مراد نہیں کہ اشیاء حق تعالیٰ کے ساتھ متحد ہیں اگر ان میں سے کوئی ایسا سمجھتا ہے تو یہ کفر، الحاد، زندقہ اور گمراہی ہے، کیونکہ واجب ممکن نہیں ہو سکتا اور ممکن واجب نہیں ہو سکتا، ہمہ اوست کے معنی یہ ہیں کہ اشیاء نہیں ہیں، حق تعالیٰ موجود ہے منصور نے جو انا الحق کہا اس کی مراد یہ نہیں کہ میں حق ہوں اور حق کے ساتھ متحد ہوں، یہ کہنا کفر ہے اور اس سے قتل واجب ہو جاتا ہے منصور کے قول کے یہ معنی ہیں کہ میں نہیں ہوں، حق تعالیٰ موجود ہے صوفیہ دراصل اشیاء کو حق تعالیٰ کے ظہورات جانتے ہیں اور ان کو حق کے اسماء اور صفات سمجھتے ہیں اشیاء حق تعالیٰ سے وہی نسبت رکھتے ہیں جو آدمی کے ساتھ اس کا سایہ رکھتا ہے۔ کسی آدمی کے سایہ کو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ آدمی کے ساتھ متحد ہے، سایہ آدمی کی اصل کو بدلتا نہیں ہے، وہ محض آدمی کا ظہور ہے، اسی طرح صوفیہ کے نزدیک اشیاء حق تعالیٰ کے ظہورات ہیں نہ کہ عین حق ہیں اسی لئے ہمہ اوست کے معنی ہمہ از وست ہیں جیسے سایہ آدمی سے ہے نہ کہ عین آدمی ہے، ہمہ از وست کو علماء بھی تسلیم کرتے ہیں اس صورت میں صوفیہ اور علماء میں کوئی اختلاف باقی نہیں رہتا۔ (مکتوبات امام ربانی ج ۲ نمبر ۴۴)

ان مباحث سے اندازہ ہوگا کہ حضرت مجدد الف ثانی بنیادی طور پر وحدت الوجود کے منکر نہیں، اس کی غلط تعبیر کو غلط سمجھتے ہیں اسی لئے انہوں نے غلط تعبیر کی غلطیوں کو واضح کرنے کی کوشش کی انہوں نے شیخ ابن عربی کے بعض خیالات سے اختلاف ضرور کیا ہے مثلاً ایک خط میں لکھتے ہیں شیخ محی الدین ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ اور ان کے متبعین کہتے ہیں کہ اسماء و صفات حق تعالیٰ کے عین ذات ہیں: لیکن حضرت مجدد ذات و صفات کے اتحاد کے قائل نہیں وہ کہتے ہیں کہ جب کسی شخص کے سایہ کو عین شخص نہیں کہہ سکتے، تو مخلوق کو خالق کے ساتھ کیسے ملا سکتے ہیں یا مخلوق کا خالق کے ساتھ حلول و اتحاد کیسے قائم کر سکتے ہیں خالق واجب ہے اور مخلوق ممکن ہے۔ واجب اور ممکن دونوں کو ایک کہنا حق سے بہت دور ہے، خالق باقی ہے، مخلوق فانی ہے۔ دونوں کو ایک جاننا نادانی ہے۔ (جلد دوم مکتوب نمبر ۱)

اسی خط میں وہ یہ بھی بتاتے ہیں کہ واجب سراسر خیر ہے اور ممکن ہر نقصان و شر سے پر ہے اس لئے خیر و شر کا ملانا صحیح نہیں۔

وہ رسول اللہ ﷺ کی محبت میں سرشار رہے لیکن وہ آپ کو حادث اور ممکن ہی سمجھتے رہے اور آپ کو ذات واجب الوجود اور مقام الوہیت میں شریک دار بنانے کے بالکل قائل نہیں چنانچہ لکھتے ہیں کہ شیخ محی الدین ابن عربی نے حقیقت محمدی اور تمام حقائق کو اعیان ثابت کیا ہے تو میں نہیں جانتا کہ ان کو وجوب کا حکم کیسے دیا ان کا یہ کہنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم کے خلاف ہے وہ ایک دوسرے مکتوب (جلد دوم نمبر ۴۵) میں پھر لکھتے ہیں کہ ذات صرف حق تعالیٰ ہی کے لئے مخصوص ہے اس کی ذات سے صفات اور تمام عالم قائم ہیں اسی سلسلہ میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ شیخ محی الدین ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ نے جو یہ کہا ہے کہ تمام عالم آن واحد میں معدوم ہو جاتا ہے اور آن واحد میں موجود ہو جاتا ہے تو یہ حال شہودی ہے جو سلوک کی راہ میں پیش آتا ہے سالک پر جب انوار فنا صادر ہوتے ہیں تو اس کے علم میں جہان نیست و نابود ہو جاتا ہے اور جس وقت یہ حالت فنا دور ہو جاتی ہے تو عالم کو موجود پاتا ہے جب فنا کمال کو پہنچ جاتی ہے تو کل عالم کو اور ذاتِ حق کو باقی پاتا ہے اور پھر جب وہ مقام فنا سے مقام بقا میں آتا ہے تو پھر وجود عالم کو کبھی دیکھتا ہے اور کبھی معدوم پاتا ہے اور جب مقام بقا کی تکمیل ہو جاتی ہے تو تمام عالم کو مستقل قائم پاتا ہے، یہ فنا، بقا خود سالک کے علم کی فنا و بقا ہے، اور نہ حقیقۃً جہان کی یعنی وہ ایسا محسوس کرتا رہتا ہے، ممکن مع اپنے اجزاء کے ممکن ہے، ممکن کی حقیقت کے لئے کبھی وجوبی تعین نہیں ہو سکتا اللہ تعالیٰ شیخ محی الدین رحمتہ اللہ علیہ کو معاف فرمائے کہ انھوں نے ممکن کو بھی قدیم میں ملا لیا ہے اصل میں اللہ تعالےٰ کا کوئی ظل نہیں، کیونکہ ظل سے مثل پیدا ہونے کا وہم ہوتا۔ (دفتر سوم مکتوب نمبر ۱۲۲)

حضرت مجدد، شیخ ابن عربی سے اختلاف ضرور کرتے ہیں، لیکن ان کے ذکر میں ادب کا لحاظ رکھتے ہیں ان کے نام کے ساتھ رحمتہ اللہ علیہ بھی لکھتے ہیں، بلکہ ایک مکتوب میں ان کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

''مسئلہ توحید متقدمین صوفیہ میں صاف اور واضح نہیں ہوا ان میں جو کوئی مغلوب الحال ہو جاتا تھا اس سے اتحاد نما توحیدی کلمات سرزد ہو جاتے تھے اور غلبہ سکر کے باعث اس کے سر کو نہ پا سکتے تھے اور حلول و اتحاد کی آمیزش کو پھیر نہ سکتے تھے جب شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ تک نوبت پہنچی تو انھوں نے کمال معرفت سے اس دقیق مسئلہ کی شرح کی اس کو بابوں اور فصلوں میں تقسیم کر کے صرف و نحو کی طرح جمع کیا اس کے باوجود اس طائفہ میں کچھ لوگوں نے ان کی مراد کو نہ سمجھ کر اس کو ان کی خطا قرار دیا، اور ان پر طعن و ملامت کی لیکن اس مسئلہ کی اکثر تحقیقات میں شیخ حق پر ہیں اور ان پر طعنہ کرنے والے دور از صواب ہیں اس مسئلہ کی تحقیق سے شیخ کی بزرگی اور ان کے علم کی زیادتی معلوم ہوتی ہے ان کا رد نہ کرنا

چاہئے اور نہ ان پر طعن کرنا چاہیے"۔ (مکتوبات جلد سوم نمبر ۸۹)

حضرت مجدد الف ثانی وحدت الوجود کے مسئلہ سے نہیں بلکہ اس کے اُن مدارج سے اختلاف کرتے ہیں جن میں شریعت کا دامن چھوٹ جانے کا احتمال یا خطرہ پیدا ہوتا ہے، کیونکہ ان کے نزدیک اصل چیز شریعت ہے وہ ایسے تصوف کو ضلالت سے تعبیر کرتے ہیں جس میں شریعت کی خلاف ورزی ہوتی ہے اور ایسے احوال و کیفیات کو جو مشروع طریقے پر مترتب ہوتے ہیں استدراج کہتے ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ شریعت کو اپنی جگہ پر قائم رکھ کر حقیقت کو طلب کرنا بہادروں کا کام ہے۔ (جلد اول مکتوب ۴۳)

حضرت مجددؒ کا یہ کارنامہ ہے کہ انھوں نے علماء کو تو یہ سمجھایا کہ اگر وحدت الوجود کی تصریح صحیح طور پر کی جائے تو یہ گمراہی نہیں اور صوفیہ کو یہ سمجھایا کہ اگر علوم لدنیہ کی مطابقت علومِ شرعیہ سے نہیں تو ایسے تمام علوم کا حاصل کرنا الحاد اور بے دینی ہے جو شخص باطن کو درست کرتا ہے اور ظاہر کو یوں ہی چھوڑ دیتا ہے تو وہ قابلِ تقلید نہیں اور جو عارف شرعی احکام کی پابندی کو ضروری نہیں سمجھتا وہ جاہل ہے۔

(جلد اول، مکتوب ۳۴۔۳۵۔۳۶۔۳۸۔۴۰۔۴۱)

شیخ محب اللہ الہ آبادیؒ (المتوفی ۱۰۵۸ھ/۱۶۴۸ء) بھی وحدت الوجود کے قائل تھے انھوں نے شیخ ابن عربی کی فصوص الحکم کی شرحیں فارسی اور عربی دونوں میں لکھیں اس میں وہ لکھتے ہیں کہ شیخ ابن عربی شریعت محمدی کے پابند رہے کیونکہ شیخ ابن عربی فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو ان لوگوں میں شامل کرے جن کے قدموں کو امواج شریعت مطہر محمدی نے زنجیروں میں مقید کر رکھا ہے اور وہ کسی حال میں شریعت سے باہر نہیں ہوتے ہیں اس قول کو نقل کر کے شیخ محب اللہ الہ آبادیؒ لکھتے ہیں، کہ حضرت شیخ قدس سرہٗ کے اس قول سے ظاہر ہے کہ وہ شریعت کی خلاف ورزی نہیں کرتے تھے اور نہ کوئی بات اس کے خلاف کہی ہے، فصوص الحکم میں بھی انھوں نے کوئی بات شریعت کے خلاف نہیں کہی ہے اگر کوئی محجوب اس سے واقف نہیں ہے اور وہ اس کے فیضے سے محروم رہتا ہے تو

محجوب راز شیخ چراغے نصیب نیست

پھر شیخ محب اللہ الہ آبادیؒ یہ بھی لکھتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے سمعاً وطاعۃً شریعت کو قبول کیا ہے اور دوسروں کو بھی رسول اللہ ﷺ کے رتبہ، جلال اور کمال کو بتا کر شریعت کی طہارت و پاکیزگی سے آگاہ کیا ہے اور ان کو جنت نفس اور خواہشاتِ نفسانی سے نجات دلائی ہے۔

(افادات شاہ محب اللہ الہ آبادی، الہ آباد ایڈیشن ص ۷۱۔۷۰)

خود شیخ محب اللہ الہ آبادی شریعت کے بڑے پابند رہے، ان کا شمار صرف صوفیہ کے گروہ ہی میں نہیں بلکہ جید علماء میں بھی کیا جاتا ہے چنانچہ تذکرہ علمائے ہند کے مصنف نے لکھا ہے کہ

"دانشمند تبحر از مشاہیر علمائے صوفیہ در علوم ظاہر و باطن سرخیل امثال و اقران خود بود (ص ۱۷۷)

مآثر الامرا کے مصنف نے بھی ان کے بارے میں لکھا ہے کہ

عالم است تعلیم ظاہر و باطن

لیکن علمائے ظاہر مسئلہ وجود کو شک کی نظر سے دیکھنے کے عادی تھے اس لئے شیخ محب اللہ الہ آبادی کے رسالہ تسویہ کی بعض عبارتوں پر معترض ہوئے، ان کے وصال کے بعد اورنگزیب عالمگیر کی توجہ ایسی عبارتوں کی طرف دلائی گئی جو اسلامی عقائد کے خلاف تھیں شیخ محب اللہ کے دو[2] مرید پایہ تخت دہلی میں موجود تھے، ان میں ایک شیخ محمدی تھے، اورنگزیب نے ان کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر آپ شیخ محب اللہ الہ آبادی کی مریدی کا دعوی کرتے ہیں تو ان کے رسالہ کے مقدمات کو شرعی احکام کے مطابق بنائیں ورنہ ان کی مریدی سے استغفار کریں اور کتاب کو آگ میں ڈال دیں شیخ محمدی نے جواب دیا کہ مجھ کو حضرت شیخ کی مریدی سے استغفار کی ضرورت نہیں لیکن جس مقام سے شیخ نے گفتگو کی ہے مجھے وہاں تک رسائی حاصل نہیں جس وقت میں اس رتبہ پر پہنچ جاؤں گا تو آپ کے کہنے کے بموجب اس کی شرح لکھ بھیجوں گا اگر آپ نے اس رسالہ کو جلانے کا فیصلہ کرلیا ہے تو اس فقیر کے گھر سے کہیں زیادہ شاہی مطبخ میں آگ موجود ہے اورنگزیب اس جواب کو سنکر خاموش ہو گیا۔ (مآثر الامراء جلد سوم ص ۶۰۷ ـ ۶۰۶)

داراشکوہ شیخ محب اللہ الہ آبادیؒ کا بڑا معتقد رہا اور انھوں نے اس کو یہ نصیحت کی تھی کہ رفاہیت خلق خدا کے بارے میں حکام کو تفریق نہیں کرنی چاہئے کیونکہ مومن کافر سب ہی خدا کے پیدا کئے ہوئے ہیں یہ ایک نصیحت ہے جس کا تعلق مذہبی عقیدہ یا توحید وجودی سے نہیں لیکن داراشکوہ نے توحید وجودی کو ایک دوسرے رنگ میں پیش کرنا شروع کیا اس نے اپنے رسالہ حسنات العارفین میں یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ توحید معرفت کے منازل و مدارج میں ایک ایسا مقام بھی آتا ہے جب کہ ایک سالک شریعت، کفر، ایمان، خیر و شر، عبد و معبود سے بالکل بے نیاز ہو جاتا ہے اور بے خودی میں اس کی زبان سے ایسے کلمات نکلتے ہیں یا اس سے ایسی حرکات سرزد ہوتی ہیں جو بظاہر شریعت و ایمان کے منافی ہوتے ہیں لیکن وہ قابل مواخذہ نہیں، حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ کے یہاں بھی اسی قسم کے بیانات کا ذکر پہلے آچکا ہے لیکن دارا انہی کی طرح شریعت کا پابند ہو کر اپنی زندگی گذار دیتا تو شاید وہ بھی اولیاء اللہ میں شمار کرلیا جاتا لیکن اس نے وحدت الوجود ہی کے نشہ میں سرشار ہو کر اپنے کو بشٹ اوزام چندر کا چیلہ قرار دیکر اسلام اور ہندو مذہب کا ایک مجمع البحرین تیار کرنے کی کوشش کی ظاہر ہے کہ وہ علماء جو کتاب و سنت کی جلد تقلید کے قائل ہیں ایسی باتوں کو کسی حال میں پسند نہیں کر سکتے ہیں،

حضرت سرمد (۱۰۶۹ھ ۱۶۵۸ء) کی ذات میں بڑی دلآویزی ہے ان کی رباعیاں آج بھی شوق سے پڑھی جاتی ہیں وہ بھی وحدت الوجود کے قائل تھے وہ جب کلمہ پڑھتے تو اس کا صرف ایک جز یعنی لا الہ پڑھتے تھے علماء معترض ہوئے ان کو اورنگ زیب عالمگیر کے دربار میں طلب کر کے کلمہ پڑھنے

کو کہا گیا تو حسب عادت صرف ایک جز یعنی لا الہ پڑھا جب اس کا دوسرا جز، محمد رسول اللہ پڑھنے کو کہا گیا تو انھوں نے کہا کہ میں ابھی نفی میں مستغرق ہوں مرتبہء اثبات پر نہیں پہنچا ہوں پھر جھوٹ کیسے کہوں، علماء نے کہا ایسا کہنا کفر ہے، اگر کہنے والا توبہ نہ کرے تو واجب القتل ہے اور ان کے قتل کا فتوئ صادر کر دیا گیا علماء کا خیال ہوا کہ اگر محمد رسول اللہ سے کسی کو انکار ہے تو وہ اسلام کی بنیاد پر ضرب کاری لگاتا ہے، اسی لیے وہ وحدت الوجود کے حامیوں سے بدظن رہے کہ ان سے کتاب وسنت کا دامن چھوٹ جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔

عالمگیری عہد میں برہان پور میں ایک بزرگ شیخ برہان تھے، ان کے مریدین وحدت الوجود کے نشہ میں سرشار ہو کر ان کو خدا کہتے رہتے، لیکن شیخ برہان عالم باعمل تھے، اس لیے وہ اپنے ایسے مریدوں کو فاسد سمجھتے ان کو توبہ کرنے کو کہتے ان پر شرعی احکام جاری کرتے اور وہ توبہ کر کے باز نہ آتے تو شریعت کے بموجب ان کو قتل کرا دیتے۔ (منتخب الکباب جلد۲ ص ۵۵۴)

علماء وحدت الوجود کے ایسے حامیوں پر لعنت بھیجتے، اور اس مسئلہ کا جو روشن پہلو ہے اس کو بھی سننے کے لئے تیار نہ ہوتے۔

شاہ ولی اللہؒ کے والد بزرگوار شاہ عبدالرحیمؒ (متوفی ۱۱۳۱ھ ۱۷۱۸ء) بھی وحدت الوجود کے حامی تھے انھوں نے فصوص الحکم کا گہرا مطالعہ کیا تھا اور اس کو قرآنی آیتوں اور حدیثوں کے مطابق قرار دیتے تھے لیکن یہ بھی فرماتے کہ اس مسئلہ کو جو لوگ صحیح طور پر نہیں سمجھ سکتے وہ الحاد و زندقہ کے بھنور میں ڈوب جاتے ہیں اور وہ کسی حال میں یہ پسند نہ کرتے۔ کہ وحدت الوجود کے قائل ہونے کے بعد شریعت کی پابندی نہ کیجائے اور خود انھوں نے اس کا عملی نمونہ بھی پیش کیا شریعت محمدی کا اتباع ان کی جبلی عادت ہو گئی تھی ان کی نماز با جماعت فوت نہیں ہوئی اللہ اور اس کے رسول کا دامن ہر شکل میں تھامے رہتے۔

(انفاس العارفین)

شاہ ولی اللہؒ (المتوفی ۱۱۷۶ھ ۱۷۶۳ء) نے اپنے والد بزرگوار کے خیالات سے متاثر ہو کر وجود و شہود پر بڑی اچھی بحث کی ہے جس میں یہ بتایا ہے کہ شیخ محی الدین ابن اکبر کا وحدت الوجود اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کا وحدت الشہود ایک ہی شے کے دو نام ہیں وجود و شہود محض نزاع لفظی ہے، ان میں مطابقت ہے، مخالفت نہیں شاہ ولی اللہؒ اپنے مکتوب مدنی میں وحدت الوجود اور وحدت شہود کو پہلے اس طرح سمجھاتے ہیں۔ (ماخوذ از مکتوب مدنی شائع کردہ ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور)

''وحدت وجود اور وحدت شہود دو لفظ ہیں جن کا اطلاق دراصل مختلف معانی پر ہوتا ہے کبھی کبھی ان کا استعمال سیر الی اللہ کے مباحث میں ہوتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ فلاں سالک وحدت الوجود کے مقام پر فائز ہے اور فلاں وحدت شہود پر جاگزیں ہے، اس سیاق میں وحدت الوجود کے معنی ایسے شخص

کے ہوں گے جو حقیقت جامع کی تلاش وعرفان میں گم اور مستغرق ہے استغراق کا یہ وہ مقام ہے جہاں یہ عالمِ رنگ وبو اپنے تمام امتیازت کے ساتھ فنا کے گھاٹ اتر جاتا ہے اور تفرقہ وامتیاز کے وہ سارے احکام ساقط ہو جاتے ہیں کہ جن پر خیر وشر کی معرفت کا دارومدار ہے اور شرع وعقل جس کی پوری پوری نشاندہی کرتی ہے سیر وسلوک کا یہ مقام محض عارضی ہوتا ہے سالک چندے یہاں ٹھہر جاتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کی دستگیری اور توفیق اس کو جلد ہی اس مقام سے نکال لے جاتی ہے اس طرح وحدت شہود کے معنی اس سباق میں یہ ہوں گے کہ سالک ایسے مقام پر متمکن ہے جہاں احکام جمع وتفرقہ کے ڈانڈے باہم ملے ہوتے ہیں یعنی سالک اس حقیقت کو پالینے میں کامیاب ہوگیا ہے کہ اشیاء میں جو وحدت سی نظر آتی ہے من وجہ ہے، اور کثرت جو اس کے متبائن محسوس ہوتی ہے، وہ بھی من وجہ ہے معرفت وسلوک کا یہ مقام پہلے مقام سے نسبتہً زیادہ اونچا ہے''

اس کے بعد شاہ ولی اللہؒ اس کی بحث کرتے ہیں کہ آخر وحدت وجود اور وحدت شہود میں قدیم و حادث کا ربط وتعلق کیا ہے؟ وہ کہتے ہیں کہ وحدت وجود کے ماننے والے تو یہ کہتے ہیں کہ اس عالم کی تہ میں ایک ہی حقیقت جاری وساری ہے مثلاً موم سے انسان، گھوڑے اور گدھے کی صورتیں بنائی جائیں تو یہ سب اگرچہ رنگ وروپ میں مختلف ہوں مگر اصل کے لحاظ سے ایک ہی قرار دیا جائے گا وحدت شہود کے ماننے والے اس عالم کو خداوند تعالیٰ کی صفات کا عکس اور سایہ سمجھتے ہیں جو اس کے آئینہ میں ارتسام پذیر ہوتے ہیں، اس کے بعد شاہ ولی اللہؒ یہ فرماتے ہیں کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ وحدت شہود کی اس توجیہ کی تائید شیخ ابن العربی کے اقوال سے نہیں ہو پاتی لیکن شاہ صاحبؒ کہتے ہیں کہ یہ سراسر سہو ہے وحدت شہود کے ماننے والے وجود حقیقی کے ساتھ وجود امکانی کو بھی تسلیم کرتے ہیں اور وحدت وجود کے ماننے والے وجود حقیقی کے قائل ہیں وجود امکانی میں ضعف اور نقص ہوتا ہے اور وجود حقیقی کامل اور قوی ہے اس لئے وجود امکانی عدم ہو کر وجود حقیقی کا جز ہو جاتا ہے پھر یہ کہنا کہ حقائق ممکنات دراصل عکوس وظلال ہیں جو اعدام متقابلہ میں ارتسام پذیر ہوتے ہیں کسی طرح بھی شیخ ابن العربی کی تصریحات کے خلاف نہیں پھر شاہ ولی اللہ یہ کہتے ہیں کہ باقی رہی یہ بات کہ حضرت مجددؒ نے شیخ ابن العربی اور اس کے بعض اتباع کے اقوال کو اپنے وجدان کے خلاف محسوس کیا ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں یہ ایک ایسی لغزش ہے جس کا کشف کی لغزش سے کوئی تعلق نہیں اور پھر جہاتنک اس طرح کی چھوٹی چھوٹی لغزشوں کا تعلق ہے ان سے محفوظ بھی کون رہ سکتا ہے اس لیے ان لوگوں کے مقام بلند میں ہرگز کوئی فرق نہیں پڑتا۔

شاہ ولی اللہؒ وحدت وجود اور وحدت شہود کو ایک ہی چیز سمجھتے تھے اس لیے وہ اپنے چچا شاہ ابوالرضا، کو جہاں وحدت الوجود کا شہسوار کہا ہے وہاں ان کو امام ارباب معرفت وشہود بھی لکھا ہے شاہ ابوالرضاء وجود وشہود کے قائل ہونے کے ساتھ ہی شریعت کے بھی بڑے پابند رہے اور اپنے تمام چھوٹے بڑے

کاموں میں اس کا پورا لحاظ رکھتے حتیٰ کہ سنت نبوی کی پیروی میں جب مسجد کے قریب پہنچتے تو کھڑے ہو جاتے پہلے بایاں پاؤں جوتے سے نکالتے پھر دایاں پاؤں بڑھا کر مسجد میں داخل ہوتے۔

شاہ ولی اللہؒ نے انفاس العارفین میں ان کے بہت سے ملفوظات کفر وشرک درج کیے ہیں، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ وحدت الوجود کے قائل ہونے کے ساتھ ہی کفر وایمان، عذاب وثواب، خیر وشر کی تفریق کا مٹانا پسند نہیں کرتے تھے، وہ دنیا کے فسق وفجور اور نجاستوں کو اوصاف عالم سمجھتے اور ان کو عالم کے تعینات اور صور مبدلہ قرار دیتے وجود حقیقی کو ان سے منزہ تصور کرتے۔

شیخ ابوالرضاؒ نے یہ بھی فرمایا کہ جاہل صوفی با کمال صوفیوں کی باتیں سمجھ نہیں پاتے تو ان کے معنی کچھ اور بتاتے رہتے ہیں

شاہ ولی اللہؒ کے بڑے صاحبزادے شاہ عبدالعزیزؒ (المتوفی ۱۲۳۹ھ) بھی وحدت الوجود کے قائل رہے، ان کے زمانہ میں علاقہ سرسہ حصار کے مولانا نور محمد نے قائلین توحید وجودی پر کفر کا فتویٰ دیا توحید وجودی کے حامیوں نے اس کا جواب دیا آخر میں شاہ عبدالعزیزؒ کو حکم بتایا گیا کہ وہ اپنا فیصلہ دیں، ان کا فیصلہ ایک رسالہ کی صورت میں شائع کر دیا گیا ہے جس کے آخر میں وہی ساری باتیں ہیں جو شاہ ولی اللہؒ کے مکتوب مدنی میں ہیں اس کے اقتباس سے مطلب کچھ اور واضح ہو جائے گا، اس لئے ہم اس کو ذیل میں درج کرتے ہیں۔

''جمہور حضرات صوفیائے کرام وحدت الوجود کے اس وجہ سے قائل ہیں کہ جسم باطنی اور نظر کشفی سے ان کو یہی تحقیق ہوا ہے کہ وجود حقیقی ایک ہی ہے اور وہی واجب الوجود ہے اس کے ماسوا جو کچھ دنیا میں ہے وہ اس کے ظلال اور عکوس ہیں اور اس کشف وجود حقیقی کے واحد ہونے میں کسی بزرگ کو اولیاء اللہ میں سے خواہ کسی خاندان میں سے ہوں اختلاف نہیں،

.... وجود ایک ہی ہے اس کے سوا جو کچھ ہے، وہ عدم ہے تمام ممکنات فی نفس الامر نظر کشفی اولیائے کرام میں اعدام ہیں مگر بوجہ کمال صفت حضرت رب العزت یہ اعدام گویا شیشے ہیں جن میں آفتاب وجود حضرت رب معبود کا عکس نمایاں ہے جو شیشہ صاف اور پاک ہے اور سیدھا ہے عکس صحیح نظر آتا ہے اور اگر شیشہ میلا ہے یا ٹیڑھا ہے یا بالکل تاریک ہے اس کے موافق حق کا ظہور اس میں ہے اور اس عکس کا صحیح نظر آنا دو امر پر موقوف ہے پہلے قلب کے تصفیہ پر کہ دل کو ماسوا اللہ سے تعلق نہ رہے اور طالب عاشق اللہ کے ذکر میں ایسا مصروف ہو کہ اپنے آپ کو بھول جائے، دوام حضور حاصل ہو جائے دوسرے نفس کا تزکیہ یعنی اخلاقِ رذیلہ اور عادات قبیحہ سے نفس پاک ہو جائے اور ترقی کر کے مقامات فنا اور مراتب بقا کو طے کرے اور یہ دونوں امر تصفیہ اور تزکیہ، ریاضت شاقہ اور کامل مجاہدہ پر موقوف ہیں فرمایا اللہ کریم نے وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا یعنی جو اشخاص ہمارے راستہ میں مجاہدہ کرتے ہیں ہم ان پر اپنے

راستے کھول دیتے ہیں ریاضت اور مجاہدہ مورث مشاہدہ اور موجب نجات سرمدیہ اور باعث حصول ابدیہ اُسی وقت ہوسکتا ہے کہ شرع شریعت کے اتباع کے موافق کیا جائے اگر معاذ اللہ اتباع ظاہری و باطنی شرع شریف میں لاپرواہی ہے تو پھر دھوکا ہے لہذا طالب خدا کو ریاضت موافق اتباع شریعت وطریقت اختیار کر کے کشود کار کا امیدوار رہنا چاہئے۔

تو مگو مارا بداں شہ بار نیست

باکریماں کار ہا دشوار نیست

طالب کو ابتدا میں نام خدا لینے سے ذوق اور حلاوت دل میں پیدا ہونی شروع ہوتی ہے پھر اگر توفیق ایزدی رفیق حال اس کے ہے اور مرشد کامل کا سایہ سر پر اس کے ہے تو ذوق کے بعد شوق اور شوق کے پیچھے محبت اور محبت کمال پر پہنچنے سے عشق کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے عشق کی تعریف میں لکھا ہے کہ عشق ایک آگ ہے کہ مطلوب کے سوا اور تمام اشیاء کو جلا دیتی ہے اسی آگ کے شعلہ زن ہونے پر توحید کا مقام کھلتا ہے اور مطلوب ہی مطلوب نظر آتا ہے۔

(رسالہ فیصلہ شاہ صاحب دہلوی، محمود پریس، حیدرآباد دکن، ص۲۲۔۱۹)

شاہ ولی اللہؒ اور ان کے خاندان والوں نے وحدت وجود اور وحدت شہود کے جھگڑے کو مٹادینے کی کوشش کی لیکن آگے چل کر کچھ ایسے صوفیہ بھی ہوئے جو شاہ ولی اللہ کی تطبیق سے مطمئن نہ تھے ان ہی میں مرزا مظہر جانجاناں اور ان کے مریدین تھے مرزا مظہر جانجاناں حضرت مجدد الف ثانی کے نظریوں کے حامی تھے اور انھوں نے کلمات طیبات میں ان کے بہت سے اشکال کو صاف کرنے کی کوشش کی ہے (کلمات طیبات مکتوب ششم ص ۲۷، مکتوب ہفتم ص ۲۸، مکتوب ہشتم ص ۲۹، مکتوب نہم ص ۳۰)

ان کے مرید مولانا غلام یحیٰؒ نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کی حمایت میں ایک رسالہ کلمات الحق لکھا جس پر حضرت مرزا مظہر جان جاناں نے ایک تقریظ بھی لکھی اس میں مولانا غلام یحیٰ لکھتے ہیں کہ وحدت وجود اور وحدت شہود کے درمیان کوئی تطابق ممکن نہیں کیونکہ وحدت وجود کی بنیاد عالم اور موجد عام کے مابین عینیت پر ہے، اور وحدت شہود کی رو سے واجب اور ممکن کے درمیان غیریت محض ہے

میر درد نے بھی واردات درد میں وحدت وجود اور وحدت شہود پر بحث کی ہے وہ لکھتے ہیں کہ کل من عند اللہ کے مطابق ہمہ از دست کی تصدیق وحی سے ہوتی ہے اس لئے ہمہ اوست غلط ہے، اور ہمہ از دست صحیح ہے نتیجہ یہ ہے کہ وحدت الوجود کا عقیدہ نفس الامر کے اعتبار سے باطل ہے، وحدت شہود حق ہے لیکن کیفیت اور حال کے اعتبار سے دونوں کا مقصد ایک ہی ہے یعنی قلب کا ماسوا کی گرفتاری سے آزاد کرنا۔

مولانا حاجی شاہ امداد اللہ چشتی صابریؒ (المتوفی ۱۳۱۷ھ) بھی وحدت الوجود کے قائل تھے اور

فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ کو جس وضاحت کے ساتھ شیخ ابن عربی قدس اللہ سرہٗ نے سمجھایا اس کا احسان موحدوں پر قیامت تک رہے گا لیکن ان کو سمجھنے میں جو خطرات پیدا ہوتے ہیں اس کا ذکر بھی ایک روایت بیان کر کے کیا ہے جو یہ ہے کہ شیخ ابن عربی کے معاصر اور ہموطن شیخ شہاب الدین سہروردیؒ بھی تھے ان سے لوگوں نے شیخ ابن عربی کے بارہ میں پوچھا تو فرمایا کہ وہ زندیق ہیں، لوگوں کو ان کی صحبت سے احتراز کرنا چاہیے لیکن جب شیخ ابن عربی کی وفات ہوئی تو لوگوں نے شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے ان کی آخرت کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا کہ قطب الوقت کا انتقال ہو گیا، جو ولی اللہ تھے، یہ سن کر لوگوں کو تعجب ہوا اور کہا کہ آپ نے تو ان کو زندیق قرار دیا تھا اور ہم لوگوں کو ان سے استفادہ کرنے میں محروم رکھا یہ سن کر حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے فرمایا وہ ولی اور واصل بحق ضرور تھے لیکن جذبہ قوی رکھتے تھے وہ مقرب بارگاہ بھی تھے لیکن قابل اتباع نہ تھے اپنے آخر زمانے میں مجذوب ہو گئے تھے ان کی زبان افشائے اسرار میں بے اختیار ہو گئی تھی اگر تم لوگ ان کی صحبت میں پہنچ جاتے تو گمراہ ہو جاتے کیونکہ وہ غلبہء حال میں کچھ ایسی باتیں کہہ جاتے تھے جو تمہاری سمجھ میں نہیں آتیں عوام کو ان سے نقصان پہنچتا۔ (رسالہ در بیان وحدت الوجود از مولانا امداد اللہ فاروقی چشتی، صابری ص ۲)

وحدت وجود اور وحدت شہود کی بحثیں ضروری ہوتی رہیں لیکن ان کا تعلق دراصل کشف و وجدان غلبہء احوال اور محبت الٰہی کے مدراج سے رہا، وجود یا شہود کا احساس محض ایک کیفیت ہے ایک حال ہے اس کو اصلیت سے ہٹا کر مسلک یا عقیدہ بنانا صحیح نہیں اور یہی تمام اکابر کا بھی مسلک رہا ان پر ان کے ذوق و وجدان سے عشق الٰہی کا جتنا غلبہ اور استیلا، ہوتا اتنا ہی وہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے تصور سے مست رہتے لیکن اس شدت عشق میں ایمان و کفر، ہدایت و ضلالت، نیکی و بدی، ثواب و عذاب کی تفریق مٹا دینے کے قائل نہ تھے، وحدت الشہود کے علاوہ وحدت الوجود کے اکابر صوفیہ کا بھی یہ مسلک رہا کہ کتاب و سنت اور شریعت کی خلاف ورزی کسی حال میں بھی نہ ہوا اگر کوئی ان کے کسی فعل کو غیر شرعی سمجھتا تو یہ اس کی فہم کا تصور ہوتا اور اگر کسی وحدت الوجود کے حامی کا کوئی فعل واقعی غیر شرعی ہو جاتا تو پھر اس کا مسلک غیر اسلامی وحدت الوجود کا ہو جاتا اس کا وحدت الوجود اسلامی باقی نہیں رہتا اسلامی وحدت الوجود کو ہر حال میں اسلامی رہنا ضروری ہے۔

جہانِ تازہ کی افکارِ تازہ سے ہے نمود
کہ سنگ و خشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا

علم اور مطالعہ میں وسعت اور صاحبانِ علم وعرفان کی صحبت ہی انسان کی خفتہ صلاحیتوں کی بیداری کا ذریعہ ہے۔ زندہ قومیں ہمیشہ اپنے اندر علمی روایات کی ترویج وترقی کا اہتمام کرتی ہیں۔ علمی اور فکری طور پر زندہ اور متحرک اقوام ہی ہر دور میں دنیا کی قیادت کا فریضہ سرانجام دیتی ہیں۔ ''زاویہ'' علم کی ترویج واشاعت کا عزم لے کر معرض وجود میں آیا ہے۔ (ایسے علم کی اشاعت جو انسانیت کے لئے ''نافع'' ہو)۔ تاریخ انسانیت شاہد عادل ہے کہ فطرت انسانی کی اصل احتیاجات صرف ''علم بالوحی'' سے ہی پوری ہوسکتی ہیں۔ وحی الٰہی سے مستنبط علوم ہی انسانیت کیلئے نافع ہیں۔ اور یہ بھی ایک روشن حقیقت ہے کہ ''الوحی'' (قرآن وسنت) کے حقائق، اسرار ورموز اور اس کی اصل روح کو جس طرح صوفیاء کرام نے سمجھا ہے۔ کسی اور نے نہیں سمجھا۔ ''زاویہ'' شرق اوسط میں ''خانقاہ'' کو کہا جاتا ہے۔ صوفیوں کے یہ خلوت کدے ''رہبانیت'' کا استعارہ نہیں تھے بلکہ نفسانی خواہشات اور دنیاوی رنج وتعب سے کنارہ کش ہو کر تمدن آفرینی، تہذیب گری اور انسان سازی کے بنیادی ادارے تھے۔ ''زاویہ'' اسی روشن اور درخشندہ روایت کے احیاء کی حقیری کوشش ہے۔ توفیق اللہ رب العزت کے ہاتھ میں ہے۔ ''زاویہ'' کے زیر اہتمام ''تحقیق، تدوین اور ترجمہ'' کا شعبہ قائم کر دیا گیا ہے۔ انشاءاللہ العزیز معیاری اور دیدہ زیب کتابیں منظر عام پر آتی رہیں گی..........

زاویہ نشین
محمد رضاء الدین صدیقی

ناشر ''زاویہ انٹرنیشنل'' والٹن روڈ لاہور کینٹ
زیرِ اہتمام ''زاویہ'' نورِ کرم منزل C-8 دربار مارکیٹ لاہور
''مکتبہ زاویہ'' 10 مرکز الاویس دربار مارکیٹ لاہور
تقسیم کار ''مکتبہ زاویہ'' خالد ایجوکیشنل سنٹر اردو بازار لاہور
Ph:092-42-7113553 - 7117152 - 7244157
E-mail:zaviafoundation@hotmail.com